بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ بیاں اپنا

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا وحبيبنا محمد و على آله و صحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، و بعد :

اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کی زندگی کو تمام مسلمانوں اور سارے انسانوں کے لئے بہترین اسوہ ونمونہ بنایا ہے، ﴿ **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** ﴾ [الأحزاب :۲۱]۔ چنانچہ راہِ حیات میں آپ کے نقشِ پائے مبارک کی پیروی کرنا اور سفرِ زندگی میں آپ کے چراغِ زندگی سے روشنی حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر لازم ٹھہرا دیا گیا ہے، اس کے بعد کسی بھی فرد بشر کے لئے اس کی بالکل گنجائش نہیں چھوڑی گئی ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی اور راہِ حیات تلاش کرے، کسی اور کو اپنے لئے اسوہ وقدوہ بنائے، صحابہ وتابعین اور ان سچے جانشین ومتبعین کے اختیار کردہ طریقِ زندگی وراہِ عمل کے علاوہ اور کوئی طریق عمل اپنائے، ﴿ **وَ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَ نُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيرًا** ﴾ [النساء:۱۱۵]۔

چونکہ آپ کی زندگی کو اللہ تعالی نے قیامت تک آنے والے سارے انسانوں کے لئے مشعلِ راہ اور ذریعۂ ہدایت بنایا تھا، لہذا یہ ضروری قرار پایا کہ اللہ تعالی حیاتِ مبارکہ کے تمام پہلوؤں اور گوشوں کی قیامت تک حفاظت کرنے کا خود ذمہ لے، اور حیاتِ طیبہ سے متعلق ہر چھوٹے بڑے امر کو محفوظ و مامون بنادے تاکہ کسی بھی دور میں لوگوں کیلئے چراغِ نبوی کے لَو سے اپنے چراغِ حیات کو روشن کرنے میں کلفت ومشقت کا سامنا کرنا نہ پڑے، شبہات واندیشے اس کی معنویت وافادیت کو کم نہ کرسکیں اور اس کی ضیا پاشی وتابنا کی پر شکوک کے گرد وغبار کا کوئی اثر دکھائی نہ دے۔

سنتِ نبویہ کی اس اہمیت اور اس کی عظمت وکردار کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالی نے قرآن کریم کی طرح قیامت تک اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ کیا، اور دنیا والوں کو اس کی خوشخبری سناتے ہوئے یہ اعلان فرمایا: ﴿ **إِنَّا نَحْنُ**

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [الحجر:۹]،یعنی: ہم ہی نے ذکر(قرآن وسنت) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اور ذکر نبی ﷺ پر نازل ہونے والی دونوں طرح کی وحیوں یعنی قرآن وسنت کو شامل ہے[دیکھئے:الإحکام فی أصول الأحکام،۱/۱۱۵]۔

بلکہ قرآن کریم کی مکمل حفاظت وصیانت سنتِ نبویہ کی حفاظت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، کیونکہ وہ آیاتِ قرآنیہ کے معانی ومفاہیم اوران کی تفسیر وبیان ہے جس کے بغیر قرآن پرعمل کرنا کسی بھی طرح ممکن نہیں ہے۔

آخر نبی ﷺ کی اطاعت واتباع کے لزوم پر، آپ کو قدوہ ونمونہ بنانے والی آیتوں پر، آپ کے اوامر ونواہی کو حرز جاں بنانے والے اور فرائض اسلام پر عمل کرنے کا حکم دینے والے قرآنی احکام پر عمل کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے جب تک آپ کی سنت محفوظ ومصون نہ ہو؟۔

اللہ تعالی نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لیے ہی تو نبی ﷺ کو پاک باز، امانتدار، جاں نثار ووفا شعار صحابہ کی جماعت سے سرفراز کیا، جس جماعت نے احادیث وسنن کی حفاظت وصیانت اوران کی تبلیغ وتوضیح کی ذمہ داری کو اسی طرح ادا کیا جس طرح قرآن کریم کی حفاظت وصیانت کی ذمہ داری کو ادا فرمایا، دنیا جانتی ہے کہ صحابۂ کرام نبی ﷺ کے احکام وفرامین پر شدت کے ساتھ عمل کرنے والے اورانہیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھنے والے تھے، اورانہیں اپنے نبی معصوم ﷺ کی طرف سے سنتوں کو پھیلانے اورانہیں دوسروں تک پہنچانے کا حکم ملا تھا:''اللہ تعالی اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد کرلیا حتی کہ اس کو دوسرے تک پہنچادیا''[صحیح سنن ابی داود، ح۳۶۶۰]۔نیز آپ ان سے کہا کرتے تھے:(**احفَظُوهُنَّ وَ أَخْبِرُوا بِهِنَّ من وَرَاءَكُمْ**)یعنی:انہیں یاد کرلو اوراپنے پیچھے رہ جانے والوں کو ان سے آگاہ کردو[البخاری، ح۵۳]۔

اور تاکہ نشرعلم وابلاغ سنت میں کوئی پیچھے نہ رہے، اورکوئی آیت یا سنت کسی خاص شخص کے پاس باقی نہ رہ جائے، آپ کی طرف سے یہ حکم عام وارد ہوا:(**بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً**)[البخاری، ح۳۴۷۴] نیز فرمایا:(**مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَه، أَلْجَمَهُ اللَّهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَة**)یعنی:جس سے کسی علم کے بارے میں سوال کیا گیا اوراس نے اسے چھپایا، تو قیامت کے روز اللہ تعالی اسے آگ کی لگام پہنائے گا[صحیح ابی داود، ح۳۶۵۸]۔

حدیث بیانی میں اور سنت کی تبلیغ ونشر میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، آپ کی طرف آپ سے غیر ثابت قول منسوب نہ ہوجائے، اور تاکد وتثبت کے بعد ہی آپ کی طرف سنتوں کی نسبت کی جائے، اس کے لئے یہ حکم وارد ہوا: (میری طرف جھوٹ منسوب کرنا عام آدمی کی طرف منسوب کرنے کی طرح نہیں ہے، پس جس نے جان بوجھ کر میری طرف غلط بات منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے)[البخاری، ح۱۲۲۹ومسلم، ح۴]۔

احادیث وسنن کی حفاظت کا خیال کرتے ہوئے آپ نے بعض صحابہ کوانہیں لکھنے کا حکم دیا: (**اکْتُبْ فَوَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ**)[صحیح سنن ابی داود، ح ۳۶۴۶]، اور فرمایا: (**قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ**) [صحیح الجامع، ح۴۴۳۴]۔

سنتوں کے حفظ وضبط اور ان کی حفاظت وصیانت کے تعلق سے ان نبوی فرامین وہدایات کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ احادیث حاصل کرنے کے لئے صحابۂ کرام نے باریاں مقرر کرلی تھیں[البخاری، ح ۴۸۹۵]، بلکہ صحابیات رضی اللہ عنہن نے بھی نبی ﷺ سے سماعِ احادیث کے لئے ایک وقت مانگا تھا اور آپ نے انہیں اس سعادت سے محروم نہیں کیا تھا،[البخاری، ح۱۰۱]، حتی کہ آپ کے بعد احادیث وسنن کی تلاش وجستجو کے شوق نے صحابۂ کرام کو دور دراز کے شہروں کا پر مشقت سفر طے کرنے پر مجبور کردیا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث کے لئے ایک ماہ کا طویل سفر طے کرکے عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تھے[البخاری معلقاً ۴۱/۱]۔

صحابہ کے بعد حفاظتِ احادیث وسنن کی باگ ڈور کو تابعین اور ان کے اتباع اور محدثین نے سنبھالا، اللہ تعالی نے صحابہ کی طرح ان لوگوں بھی بے پناہ قوتِ حافظہ عطا کیا تھا، فسادِ حافظہ کے اس دور میں ان کے حافظہ کی قوت اور ذہانت وذکاء کی حدت کے بارے میں سن کر حد درجہ حیرانی ہوتی ہے، اس دور کے ذہین ترین علماء میں امام زہری، قتادہ، عکرمہ، لیث بن سعد، احمد بن حنبل اور امام بخاری وغیرہم کا شمار ہوتا ہے۔

امام زہری خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں: ”میں نے کسی حدیث کو دہرایا نہیں، اور ایک حدیث کے سوا مجھے کبھی کسی حدیث میں شک نہیں ہوا، اس ایک کے بارے میں بھی اپنے ساتھی کی طرف رجوع کیا تو اسے ویسا ہی پایا جیسا میں نے یاد کیا تھا“[الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع (۲۵۳/۲)]۔

قتادہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد کہتے ہیں: ”پورے بصرہ میں قتادہ سب سے بڑے حافظ تھے، وہ

جس چیز کو سن لیتے یاد کر لیتے تھے، ان پر ایک بار جابر کے صحیفے کو پڑھا گیا اور انہوں نے اسے یاد کر لیا'' [سیر أعلام النبلاء، (۲۷۶/۵)]۔

امام احمد کے بارے میں علی بن المدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ہمارے اصحاب میں ابوعبداللہ احمد بن حنبل سے بڑا حافظ اور کوئی نہیں ہے'' [الجرح والتعدیل، ابن ابی حاتم (۲۹۵/۱)]۔ اور امام بخاری کی ذہانت وفطانت پر شہادت پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کے بارے میں گفتگو کرنا سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔

محدثینِ کرام نے احادیث وسنت کی عظمت اور ان کے تحمل وادا کی نزاکت وحساسیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بڑے احتیاط ودقت کے ساتھ جمع وترتیب اور نقل وروایت کے کام کو انجام دیا، ان میں سے کسی کو اگر حدیث کے کسی لفظ میں شک ہو جاتا تو اس کو روایت کرنے سے رُک جاتے، بلکہ بعض تو پوری کتاب کو ہی ترک کر دیا کرتے تھے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام مالک کو اگر کسی حدیث میں شک ہو جاتا تو پوری حدیث کو چھوڑ دیتے تھے [الجرح والتعدیل (۱۴/۱)، وحلیۃ الأولیاء (۳۲۲/۶)]۔

امام یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ کا قول ہے: ''سونے اور چاندی کی امانت حدیث کی امانت سے ہلکی وآسان ہے، یہی اصل ادائیگی اور یہی اصل امانت ہے'' [الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع (۲۰۲/۲)]۔

احادیث وسنن کے تعلق سے ان کے حد درجہ احتیاط کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ان کے درمیان احادیث کو ضبطِ تحریر میں لانے اور کتابی صورت میں جمع کرنے کو بڑی اہمیت دیا جاتا تھا، تاکہ اختلاف کے وقت کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکے اور وہم وخطا سے بچا جاسکے۔ یحی بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''جریر بن حازم ابوہلال سے امثل (ارجح) تھے، اور وہ صاحبِ کتاب تھے'' اور علی بن مدینی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''ہمارے اصحاب میں ابوعبداللہ احمد بن حنبل سے بڑا حافظ کوئی نہیں تھا، اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ فقط کتاب سے حدیث روایت کیا کرتے تھے، اور اس میں وہ ہمارے لئے اسوہ ہیں'' [الجرح والتعدیل (۶۹/۲)، والجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، (۱۲/۲)]۔

اور خطیب بغدادی کا قول ہے: ''محدث کے لئے احتیاط اس میں ہے اور اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب سے روایت کرے، تاکہ وہم وخطا سے محفوظ رہے اور زلل سے دور رہ سکے) [الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، (۱۰/۲)]۔

احادیث وسنن کی عظمت ،ان سنتوں کی حامل امت کی عظمت اور محدثین وائمۂ دین کے حزم واحتیاط ہی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ انہوں نے قبولِ احادیث وسنن کے لئے اسناد کی شرط لگائی ہے،اور راویانِ احادیث کے حالات کا تفصیلی جائزہ لینے اور ان کے اندر اہلیتِ روایت کے مکمل طور پر پائے جانے کی صورت میں ہی ان سے روایت لینے کی اجازت فرمائی ہے۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے:(**الإسناد من الدين و لولا الإسناد لقال من شاء ما شاء**) [مقدمۃ صحیح مسلم،(۱۵/۱)]۔

اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے:(**إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم**) [مقدمہ صحیح مسلم،(۱۵/۱)]۔

اس طرح اللہ تعالی نے اپنے حبیب ﷺ کی سنت کو عظمت عطا کرتے ہوئے اپنی کتاب قرآن کریم کی طرح اس کو بھی ہمیشہ کے لئے محفوظ و مامون بنادیا، چونکہ آپ اللہ تعالی کے آخری نبی تھے،آپ کی رسالت خاتمۃ الرسالات اور آپ کی شریعت آخری شریعت کے طور پر قیامت تک کے لئے آئی تھی،لہذا آپ کی سنتوں کو محفوظ و مصون ہونا بھی چاہئے تھا تا کہ وہ قیامت تک انسانوں کے لیے مشعلِ راہ اور قندیلِ ہدایت بن کر ان کی رہنمائی کر سکے۔

قارئین کرام کے ہاتھ میں جو کتاب ہے وہ مملکتِ سعودی عرب کے ایک نامور عالم وداعی، بے شمار کتابوں کے مصنف،میدانِ بحث وتحقیق کے ماہر شہسوار،فنِ تصنیف وتالیف کے فاضل قلم کار،علومِ شریعت کے بحرِ زخار، جامع صفات وکمالات ڈاکٹر محمود بن احمد الدوسری حفظہ اللہ کی عظیم تصنیف " **عظمة السنة النبوية**" کا اردو ترجمہ ہے۔اس سے پہلے مجھے ان کی دو علمی وتحقیقی کتابوں:"**الكعبة المشرفة**" اور "**البلد الحرام**" کو اردو قالب میں ڈھالنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے، مجھے ان سے ملاقات کا شرف تو حاصل نہیں ہے مگر میں نے ان کی ان علمی کتابوں سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ وہ نہایت باذوق اور سلیقہ مند آدمی ہیں،نزاکت ونفاست ان کی طبیعت کا حصہ ہیں جن کا عکس ان کی کتابوں میں نظر آتا ہے، وہ محقق ومدقق ہیں لہذا ان کی گفتگو سرسری نہیں ہوتی، بلکہ اس میں گہرائی وگیرائی پائی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ قاری کو پوری طرح قانع ومطمئن کرنے کی کوشش ہوتی

ہے، چونکہ ان کا ذہن آفاقی اور مطالعہ وسیع ہے، لہذا ان کی تحریروں میں تحزب وتعصب اور تعنت وتشدد کی بُو بھی نہیں پائی جاتی ہے، وہ اپنی کتابوں میں وہاں نظر آتے ہیں جہاں حق ہو، اور اس کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں جس کے پاس صحیح دلیل ہو۔

ان کا انحصار فقط صحیح دلائل پر ہوتا ہے، ضعیف احادیث وآثار سے استدلال تو دور کی بات ہے وہ استشہاد واستئناس کے لیے بھی اس کی طرف نظر نہیں کرتے ہیں، جس حدیث کو ذکر کرتے ہیں اس کا درجہ بیان کرتے ہیں اور عموماً شیخ البانی کے حکم پر اعتماد کرتے ہیں، موضوع کا احاطہ ان کا طرۂ امتیاز ہے، میں نے ان کی تینوں کتابوں میں ایسا محسوس نہیں کیا کہ کوئی موضوع تشنۂ تکمیل رہ گیا ہو، اور کسی مبحث ومطلب سے کوئی ایسی بات رہ گئی ہو جسے اس میں درج کیا جانا چاہئے تھا، اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب کو مزید زورِ قلم اور قوتِ بیان عطا فرمائے۔

اس موضوع ''سنتِ نبویہ کی عظمت'' کو بھی انہوں نے بڑی خوبی ومہارت کے ساتھ انجام تک پہنچایا ہے، موضوع کا احاطہ ہو، یا مباحث ومطالب اور فروع ومسائل میں اس کی تقسیم ہو، یا مواد ومضامین کی ترتیب وتنسیق ہو، یا حسنِ بیان اور طرز ادا ہو، ہر اعتبار سے یہ کتاب بے نظیر ہے، عظمتِ سنت کو بیان کرنے والے سارے امور کو اور اس کے تعلق سے وارد سارے آثار ونصوص کو اس میں جمع کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، مثال کے طور پر سنت کی عظمت کو ثابت کرتے ہوئے مصنف نے بیان کیا ہے کہ وہ قرآن کی مانند وحی ہے، قرآن ہی کی طرح محفوظ ہے، صحابہ وتابعین اور ائمۂ دین نے اسے ہر طرح سے محفوظ ومصون بنانے کا غیر معمولی اہتمام وانتظام کیا ہے، اس کے بغیر قرآن کے معانی ومفاہیم کو اور اللہ تعالی کے مراد کو نہیں سمجھا جا سکتا ہے، اور نہ احکام اسلامیہ اور فرائض دینیہ پر اس کے بغیر عمل کرنا ممکن ہے، بلکہ جس طرح قرآن کے اپنے احکام ہیں اسی طرح سنت کے بھی اپنے خاص احکام ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے، پس جس طرح قرآن کو شریعت سازی اور تشریعِ احکام کا اختیار ہے اسی طرح سنت کو بھی اس کا اختیار حاصل ہے۔

سنت کی عظمت نبی ﷺ کی عظمت سے بھی ظاہر ہوتی ہے، آپ جتنے عظیم اور بلند اخلاق وصفات کے حامل تھے آپ کی سنت بھی اتنی ہی عظیم ہے، کیونکہ آپ کے وہی اخلاقِ عالیہ، صفاتِ محمودہ اور مناقب ومحامد جلیلہ آپ کی سنت ہیں، اس کی عظمت کے مظاہر میں سے اس کے عقیدہ واحکام میں آسانی وسہولت کا پایا جانا، رفعِ حرج

کے قانون کے ذریعہ لوگوں کو حرج ومشقت سے بچانا، رِفق ونرمی اور شفقت ومہربانی کے اصولوں کے ذریعہ ہر مقام پر، ہر فرد بشر کے ساتھ بلکہ حیوانات کے ساتھ بھی رِفق ونرمی سے پیش آنے کی ترغیب دینا ہے، اس میں فراخ دلی اور کشادہ ظرفی کے احکام کا پایا جانا بھی اس کی عظمت کا ایک پہلو ہے، اس کا عموم وشمول اور اس کی وسطیت واعتدال بھی اس کی عظمت کی نشانی ہے، لوگوں کے مصالح کی رعایت، مفاسد کی روک تھام، دین، نفس، عقل، نسل، اور مال کی حفاظت وصیانت سے متعلق اصولوں پر اس کا زور بھی اس کی عظمت کا مظہر ہے، اس کا خاتمۂ رسالات ہونا، اس کی عالمیت، تمام ادیان پر اس کا ظہور وغلبہ بھی اس کی عظمت کا ایک واضح مظہر ہے، انسانی حقوق کی حفاظت، عورتوں، غلاموں، مزدوروں اور کمزوروں کے حقوق کی بحالی بھی اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ عظمتِ سنت کے اور بھی بہت سے مظاہر واسباب کو مصنف نے تحقیقی وعلمی پیرائے میں صحیح دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے، جب قراء کرام ان سارے اسباب وعلامات سے آگاہ ہوں گے تو انہیں اندازہ ہوجائے گا کہ مصنف نے اس کتاب کی تیاری میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا ہے، ان کے لیے کیسی منفرد و بے مثال کتاب تصنیف کی ہے اور ان کی خدمت میں کیسا نادر علمی تحفہ پیش کیا ہے، جو ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ اللہ تعالی مصنف کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ اسے ان کے لیے توشۂ آخرت بنائے، اس کتاب کو ملت اسلامیہ کے لئے متاعِ گرانمایہ بنائے اور اس کے مترجم کی کوششوں کو قبول فرما کر ان کا بہترین اجر عطا کرے۔

نور الاسلام شفیع المدنی
جامعۃ الإمام ابن تیمیۃ
مدینۃ السلام، الہند
۲۰۱۵/۱/۱۹ء

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله، نحمده و نستعينه و نستغفره، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و من سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادى له، و أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا عبده ورسوله، (يأيها الذين آمنوا اتقوا اللّٰه حق تقاته ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون) [آل عمران:١٠٢] (يأيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها و بث منهما رجالا كثيراً ونساء واتقوا اللّٰه الذى تسائلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيبا) [النساء:١] (يأيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولاً سديداً يصلح لكم أعمالكم و يغفر لكم ذنوبكم و من يطع الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماً) [الأحزاب: ٧٠.٧١]

أما بعد: فان أحسن الحديث كلامُ اللّٰه تعالى، وخيرَ الهدى هدىُ محمدٍ ﷺ، وشرَّ الأمور محدثاتُها، وكلَّ مُحدثةٍ بدعة، وكلَّ بدعةٍ ضلالة، وكلَّ ضلالة فى النار.

کتاب اللہ کے بعد سنت نبویہ مشرفہ ہی دین کے لئے اصل ثانی ہے، وہ اس دین کا رکنِ رکین اور اس کی محافظت کے لئے حصنِ حصین ہے، اسی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت تبارک وتعالی کے مراد ومقصود کو بیان فرمایا، اس کی شریعت کے اصول وقواعد کو مرتب کیا، اور اس کے دین کی بنا رکھی۔

اسی کے ذریعہ اللہ تعالی کے دین کو اسے پامال کرنے والوں کی پامالی سے، سازش کرنے والوں کی سازش سے، اہلِ باطل کی غلط نسبت وانتساب سے، غلو پسندوں کی تاویل سے اور جاہلوں کی تحریف سے حفاظت کی گئی، اس طرح سنت دین کے تمام قدیم وجدید اعداء کے سامنے مضبوط ومستحکم فصیل بن گئی۔

سنتِ نبویہ اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھنے والے موحد مسلمانوں کے دلوں میں بلند مقام اور عظیم منزلت رکھتی ہے، اس کی اس مقام ومرتبت اور عظمت ورفعت نے علماء اہلِ سنت کو۔ اسلامی تاریخ کے ہر دور میں۔ اس کی جمع وتبویب اور اس میں سے صحیح وضعیف کی تشخیص وتمیز پر آمادہ کیا، اسی کی وجہ سے ایسے علوم ایجاد کئے گئے جن سے دنیا کا کوئی بھی فرد آشنا نہیں تھا، مثلا اسناد، طبقات، رجال، جرح وتعدیل اور ان کے علاوہ وہ تمام علومِ سنت ہیں جن علوم نے پورے عالم کو حیران وششدر کر دیا، اور ان علوم کی برکت ہی ہے کہ۔ پوری انسانی

تاریخ میں۔ دنیا کے اندر ایسی کوئی قوم نہیں پائی گئی جس نے اپنے دین اور اپنے نبی کی سنت کی حفاظت اس طرح کی ہو جس طرح مسلمانوں نے اپنے نبی محمد ﷺ کی سنت کی حفاظت کی، اپنے اس ایمان کی بنا پر کہ وہ قرآنِ کریم کی طرح اللہ تعالی کی نازل کردہ وحی ہے، اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی عظمتِ شان، جلالتِ قدر اور رفعتِ مقام کے بیان واظہار کے لئے اسے ان کی زبان پر جاری فرمایا ہے۔

سنتِ نبویہ اپنے اندر عظمت ورفعت کے ان تمام خصائص وامتیازات کو سموئے ہوئی ہے جو اسے عظمت کے وصف سے متصف کئے جانے کی حقدار بناتے ہیں، اور اسی عظمت کے بیان کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے اور اسی کے لئے ہماری یہ کوشش سامنے آئی ہے جس کے لئے میں اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ اسے قبول فرمائے اور اسے بارآور بنائے، میں امید کرتا ہوں کہ میں اس کتاب میں اس کا حق ادا کرسکا ہوں گا لیکن یہ بہت بعید ہے بہت ہی بعید ہے، اس کی عظمت کی تعبیر اور اس کا مکمل بیان تو بہت سے مجلدات کے ذریعہ بھی ممکن نہیں ہے، تو ایک کم مایہ شخص کی کوشش اور اپنے رب کے عفو واحسان کے محتاج آدمی کے عمل سے یہ کیسے ممکن ہے؟

خطۂ بحث (بحث کا عملی خاکہ):

موضوع بحث اور اس کے مشمولات کا تقاضہ تھا کہ اسے ایک مقدمہ، چھ فصلوں اور خاتمہ میں تقسیم کیا جائے، اور اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

☆ مقدمہ: یہ موضوع کی اہمیت اور خطۂ بحث پر مشتمل ہے۔

تمهيد

اس میں دو مباحث ہیں:

پہلا مبحث: سنتِ نبویہ کی تعریف

اور اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کی لغوی تعریف.

دوسرا مطلب: سنت کی اصطلاحی تعریف.

دوسرا مبحث: سنتِ نبویہ کی حجیت کے دلائل.

اور اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: قرآن سے حجیتِ سنت کے دلائل

دوسرا مطلب: احادیث سے حجیتِ سنت کے دلائل.

تیسرا مطلب: اجماع سے حجیتِ سنت کے دلائل.

پہلی فصل

مقامِ سنت کی عظمت قرآن میں

اوراس میں تین مباحث ہیں:

پہلا مبحث: سنت کی عظمت اس اعتبار سے کہ وہ قرآن کی طرح وحی ہے.

اوراس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کے وحی ہونے پر قرآن کی دلالت.

دوسرا مطلب: اس کے وحی ہونے پر سنتِ نبویہ کی دلالت.

تیسرا مطلب: اس کے وحی ہونے پر اجماع اور اقوالِ سلف کی دلالت.

چوتھا مطلب: قرآن وسنت کے درمیان فرق.

دوسرا مبحث: سنت کی عظمت اس اعتبار سے کہ وہ قرآن کی طرح محفوظ ہے.

اوراس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کی حفاظت کے اسباب.

دوسرا مطلب: نبی ﷺ کے عہد میں سنت کی حفاظت.

تیسرا مطلب: عصر صحابہ میں سنت کی حفاظت.

چوتھا مطلب: سنت کی حفاظت میں علمائے سلف کی کوششیں.

تیسرا مبحث: سنت کی عظمت قرآن پر اس کے دلالت کرنے کے اعتبار سے.

اوراس میں پانچ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کی عظمت اس کی طرف سے قرآن کا بیان کئے جانے کے اعتبار سے.

دوسرا مطلب: سنت کی عظمت قرآن کی تخصیص کرنے کے اعتبار سے.

تیسرا مطلب: سنت کی عظمت قرآن کی تقیید کرنے کے اعتبار سے.

چوتھا مطلب: سنت کی عظمت قرآن کو منسوخ کرنے کے اعتبار سے.

پانچواں مطلب: سنت کی عظمت اپنے طور پر احکام جاری کرنے کے اعتبار سے.

دوسری فصل

نبی ﷺ کی عظمت

اوراس میں تین مباحث ہیں:

پہلا مبحث: نبی ﷺ کے اوصاف کی عظمت.

اوراس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب خلقِ عظیم سے موصوف کیا جانا.

دوسرا مطلب: رافت ورحمت سے موصوف کیا جانا.

تیسرا مطلب: سراجِ منیر سے آپ کوموصوف کیا جانا.

دوسرا مبحث: نبی ﷺ کے مقام کی عظمت دنیا میں.

اوراس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کی تکریم.

دوسرا مطلب: سارے انبیاء ورسل پرآپ کوفضیلت عطا کیا جانا.

تیسرا مبحث: نبی ﷺ کے مقام کی عظمت آخرت میں.

اوراس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: بعث ومحشر کے وقت مقامِ نبی ﷺ کی عظمت.

دوسرا مطلب: جنت میں مقامِ نبی ﷺ کی عظمت.

تیسرا مطلب: آخرت میں آپ کے مقام کی عظمت کے تقاضے.

تیسری فصل

سنتِ نبویہ کی عظمت کے مظاہر

اوراس میں چھ مباحث ہیں:

پہلا مبحث : آسانی وسہولت.

دوسرا مبحث: رفعِ حرج.

اوراس میں دومطالب ہیں:

پہلا مطلب: رفعِ حرج کے دلائل.

دوسرا مطلب: سنتِ نبویہ میں رفعِ حرج کے اسباب.

تیسرا مبحث: رفق ومہربانی.

اوراس میں دومطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنتِ نبویہ میں رفق کی ترغیب.

دوسرا مطلب: سنتِ نبویہ میں رفق کے مظاہر.

چوتھا مبحث: کشادہ ظرفی اورفراخ دلی.

پانچواں مبحث: عموم وجامعیت.

چھٹا مبحث: وسطیت اوراعتدال.

اوراس میں چارمطالب ہیں:

پہلا مطلب: اعتقاد میں سنت کی وسطیت.

دوسرا مطلب: عبادات میں سنت کی وسطیت.

تیسرا مطلب: معاملات میں سنت کی وسطیت.

چوتھا مطلب: وسطیتِ سنت کے آثار.

چوتھی فصل

سنتِ نبویہ کے مقاصد کی عظمت

اور اس میں چھ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: دین کی حفاظت.

دوسرا مبحث: نفس کی حفاظت.

تیسرا مبحث: عقل کی حفاظت.

چوتھا مبحث: نسل کی حفاظت.

پانچواں مبحث: مال کی حفاظت.

چھٹا مبحث: امن کی حفاظت.

پانچویں فصل

سنتِ نبویہ کی عظمت کے دلائل

اوراس میں چار مباحث ہیں:

پہلا مبحث: سنتِ نبویہ خاتمہ رسالات ہے.
دوسرا مبحث: سنتِ نبویہ کی ہمہ گیریت.
تیسرا مبحث: تمام ادیان پر سنت کا اظہار وغلبہ.
چوتھا مبحث: انسانی حقوق کی حفاظت.

چھٹی فصل

اہل سنت والجماعت کے منہج کی عظمت

اوراس میں پانچ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: اہل سنت والجماعت کی تعریف.

دوسرا مبحث: اہل سنت وجماعت کے منہج کی عظمت (تلقی واستدلال) میں

اوراس میں چھ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: اہلِ سنت کے مصادر تلقی وحصول.

دوسرا مطلب: ان کا کتاب وسنت سے تمسک.

تیسرا مطلب: ان کا اصولِ اعتقاد پر (کتاب وسنت) سے استدلال.

چوتھا مطلب: ان کا اصولِ اعتقاد پر (متواتر اورآحاد) سے استدلال کرنا.

پانچواں مطلب: ان کا اصولِ اعتقاد پر (اجماع اور عقل وفطرت) سے استدلال کرنا.

چھٹا مطلب: ان کا محکم پر عمل کرنا اور متشابہ پر ایمان رکھنا.

تیسرا مبحث: عمل وتطبیق میں منہجِ اہلِ سنت کی عظمت.

اوراس میں پانچ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: نبی ﷺ کی اتباع سے ان کی والہانہ محبت.

دوسرا مطلب: سابقین اولین کی اقتدا.

تیسرا مطلب: اولیاء اللہ سے ان کی محبت اور اعداء اللہ سے ان کی عداوت.

چوتھا مطلب: محدثات اور بدعات سے ان کا اجتناب.

پانچواں مطلب: افراط اور تفریط کے درمیان ان کی میانہ روی.

چوتھا مبحث: اخلاق وسلوک میں منہج سلف کی عظمت.

اوراس میں سات مطالب ہیں:

پہلا مطلب: عدل وانصاف کے ساتھ پیش آنا.

دوسرا مطلب: لوگوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا اظہار کرنا.

تیسرا مطلب: زہد سے ان کا متصف ہونا.

چوتھا مطلب: فتنوں اوراس کے اسباب سے اجتناب کرنا.

پانچواں مطلب: حاکموں کے خلاف کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا.

چھٹا مطلب: دین پران کا ثابت قدم رہنا.

ساتواں مطلب: ان کے دلوں میں یگانگت اوران کی باتوں میں اتفاق کا پایا جانا.

پانچواں مبحث: اہلِ سنت والجماعت کے منہج کے التزام کے ثمرات.

اوراس میں دس مطالب ہیں:

پہلا مطلب: کمالِ دین اوراتمامِ نعمت کا حصول.

دوسرا مطلب: سب سے محفوظ مبنی برعلم اور مضبوط منہج کا حصول.

تیسرا مطلب: سب سے عمیق اور عقل سے قریب منہج کا حصول.

چوتھا مطلب: فہم کی اچھائی اور قصد وارادہ کی عمدگی.

پانچواں مطلب: اہلِ سنت کے منہج میں ہی نجات ہے.

چھٹا مطلب: یقین اور ثبات اہلِ سنت کے لئے ہے.

ساتواں مطلب: حیرت واضطراب سے سلامتی اسی منہج میں ہے.

آٹھواں مطلب: دین میں ابتداع واختراع سے سلامتی اسی منہج میں ہے.

نواں مطلب: افتراق اور مذموم اختلاف سے سلامتی اسی منہج میں ہے.

دسواں مطلب: عظیم ثوابوں کا حصول.

☆مشمولات:

☆شکر وتقدیر:

میرے لئے باعث مسرت ہے کہ میں ہر اس شخص کا شکریہ ادا کروں جس نے اس کتاب کی تیاری میں میری طرف اپنا دستِ معاونت ومساعدت بڑھایا، جنہوں نے اپنے قیمتی وقت اور گراں قدر کوششوں سے مجھے سرفراز کیا اور مجھے اپنے قیمتی آراء وتوجیہات سے مستفید ہونے کا زریں موقع عنایت کیا، اللہ تعالی میری طرف سے ان تمام لوگوں کو جزائے خیر سے نوازے۔

ڈاکٹر محمود بن احمد الدوسری

تمهيد

اوراس میں دومباحث ہیں:

پہلا مبحث: سنتِ نبوی کی تعریف.

دوسرا مبحث: سنتِ نبویہ کی حجیت.

پہلا مبحث

سنتِ نبویہ کی تعریف

اوراس میں دومطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کی لغوی تعریف.

دوسرا مطلب: سنت کی اصطلاحی تعریف.

پہلا مطلب

سنت کی لغوی تعریف

سنت اصل میں سنن سے ماخوذ ہے جس کا معنی راستہ، وجہ اور قصد ہے 1، اور اس کا استعمال کئی معانی کے لئے کیا گیا ہے جن میں سے اہم معانی یہ ہیں:

ا۔طریقہ اور سیرت: خواہ محمود ہو یا مذموم 2:

اسی معنی میں نبی ﷺ کے اس قول میں استعمال ہوا ہے: (**مَنْ سَنَّ فِی الاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَ أَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ**)3۔

ترجمہ: (جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اسے اس کا ثواب اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والے کا ثواب ملے گا)۔

۲۔عادتِ متبعہ 4:

اسی معنی میں اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا**)[**الكهف**: ۵۵]۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (**سنة الأولين** : سے مراد استئصال والے عذاب میں پہلے کے لوگوں کا طریقہ ہے)5.

---

1 . دیکھئے: لسان العرب، (13 /226).

2 . دیکھئے: المصباح المنیر ، (ص292).

3 . صحیح مسلم، (2 /705)، (ح1017).

4. دیکھئے: لسان العرب، (13 /225).

5. الجامع لأحكام القرآن، (11 / 6).

دوسرا مطلب

سنت کی اصطلاحی تعریف

علماء کے اغراض و اہداف کے اختلاف اور ان کے فنون وتخصصات کے تنوع کے اعتبار سے سنت کی اصطلاحی تعریف کے سلسلے میں ان کے اقوال مختلف نظر آتے ہیں، اور یہ سنت نبویہ کی عظمت کی دلیل ہے کہ محدثین کی اپنی تعریف ہے، علمائے اصول اپنے طور پر اس کی تعریف کرتے ہیں اور فقہاء کی اپنی الگ تعریف ہے ،اس کی تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:

ا۔سنت کی تعریف (محدثین) کے نزدیک:

نبی ﷺ سے جو قول، یا فعل، یا تقریر، یا ان کی پیدائشی صفت، یا بعثت سے پہلے کی یا اس کے بعد کی سیرت منقول ہو 6.

۲۔سنت کی تعریف (علماء اصول) کے نزدیک:

نبی ﷺ سے قرآن کے علاوہ جو قول، یا فعل، یا تقریر صادر ہوا اور وہ کسی حکم شرعی کے لئے دلیل بن سکتا ہو 7.

گویا علمائے اصول نے نبی ﷺ کے ان اقوال وافعال وتقریرات سے بحث کیا ہے جو احکام کو ثابت کرتے ہوں اور ان کی تائید کرتے ہوں، اس اعتبار سے کہ نبی ﷺ ہی وہ مشرع ہیں جو مجتہدین کے لئے اصول وقواعد وضع کرتے ہیں 8.

۳۔سنت کی تعریف (فقہاء) کے نزدیک:

ہر وہ حکم جو نبی ﷺ سے ثابت ہوا اور وہ فرض یا واجب نہ ہو، جیسے کہ مندوب، مستحب، تطوع، اور نفل ہیں 9،

---

6. دیکھئے: السنة ومکانتھا فی التشریع الإسلامی، د. مصطفیٰ السباعی (ص 47).

7. دیکھئے: الإحکام فی اصول الأحکام، علی بن محمد الآمدی (1/ 227).

8. دیکھئے: مکانة السنة فی التشریع الإسلامی، (ص 15).

9. دیکھئے: إرشاد الفحول إلی تحقیق علم الأصول، (ص 33).

پس فقہاء کے نزدیک سنت وہ ہے جس کے فاعل کو ثواب ہو اور اس کے تارک کو عقاب نہ ہو۔

اور اس میں شک نہیں کہ سنت کی تعریف کے تعلق سے محدثین کی اصطلاح تمام اصطلاحات میں وسیع تر اصطلاح ہے، اور اس کے تمام جوانب کو شامل ہے، اور ہم نے اس کتاب کے ذریعہ سنتِ نبویہ کے موضوع کو اختیار کرتے وقت اسی کا قصد کیا تھا، اس کی عظمت کا

اعتراف کرتے ہوئے، اس کے بلند مقام ومرتبہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور صاحبِ سنت ﷺ کے حق کی ادائیگی کے طور پر۔

آپ ﷺ کے اقوال کی مثال: جیسے کہ حدیث: (**إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ**) 10، اور **آپ کے افعال کی مثال:** جیسے کہ نمازوں کا ادا فرمانا، اور **تقریرات:** جیسے کہ عید کے دنوں میں مسجد کے اندر حبشہ والوں کا نیزوں کے ساتھ کھیلنے پر آپ کا اقرار فرمانا 11.

(جہاں تک آپ کی صفات کا تعلق ہے تو ان میں سے بعض غیر اختیاری ہیں، جیسے کہ حرکات اعضاء میں سے وہ حرکت جس میں جبلت کا معاملہ واضح ہو اور اس کا تعلق عبادات سے نہ ہو، مثال کے طور پر کھڑا ہونا اور بیٹھنا، اور ان میں سے بعض وہ حرکات ہیں جن میں یہ احتمال ہو کہ وہ جبلت سے نکل کر تشریع کے دائرہ میں آ گیا ہے، آپ کی طرف سے مخصوص ہیئت میں ان پر مواظبت کئے جانے کی وجہ سے، جیسے کھانا، پینا، سونا اور پہننا، اس حال میں یہ سب آپ کے افعال کے اندر داخل ہونگے۔

جہاں تک قبل از بعثت کی آپ کی سیرت کی بات ہے تو اس کی مثال آپ کا غارِ حرا کے اندر کئی کئی راتوں تک عبادت کے لئے بیٹھنا ہے 12) 13.

---

10. البخاری، اور لفظ انہی کا ہے (3/1)، (ح 1)؛ ومسلم، (1515/3)، (ح 1907).

11. البخاری (1063/3)، (ح 2745)؛ ومسلم، (610/2)، (893).

12. البخاری، (1894/4)، (ح 4670).

13. موقف المدرسة العقلية من السنة النبوية، د. الأمين الصادق الأمين (ص 30).

دوسرا مبحث

سنتِ نبویہ کی حجیت

اوراس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: قرآن سے حجیت سنت کے دلائل۔

دوسرا مطلب: احادیث سے حجیت سنت کے دلائل۔

تیسرا مطلب: اجماع سے حجیت سنت کے دلائل۔

سنتِ نبویہ کی حجیت

قرآن عظیم کے بعد سنتِ نبویہ ہی شریعت کے لئے دوسرا مصدر ہے، اللہ تعالی کا دین کتاب وسنت کو یکساں طور پر اختیار کیئے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔

قرآن میں ایسی بہت سی آیتیں اور کتبِ احادیث میں ایسی بے شمار حدیثیں ہیں جو سنت کو لازم پکڑنے اور ان سے احتجاج واستدلال کرنے کا حکم دیتی ہیں، نیز نبی مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت، آپ کے طریقے کی پیروی، اور آپ کے نقش پا کی اتباع کے وجوب پر واقع علماء امت کا اجماع ان کے سوا ہے، ذیل میں ہم بعض دلائل کے ذکر پر اکتفا کریں گے:

پہلا مطلب

قرآن سے حجیت سنت کے دلائل

حجیتِ سنت اور اللہ تعالی کے دین میں اس کے بلند مقام ومنزلت پر دلالت کرنے والی آیتیں متعدد ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

پہلی آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: **فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یؤْمِنُونَ حَتّٰی یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوا فِی أَنْفُسِھِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیتَ وَ یُسَلِّمُوا تَسْلِیماً** [النساء :٦٥]

ترجمہ: (پس آپ کے رب کی قسم! وہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلہ کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف محسوس نہ کریں، اور پورے پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں)۔

وجہ دلالت: اللہ تعالی نے اپنے بندوں سے ایمان کی نفی پر اپنی ذاتِ شریفہ کی قسم کھائی ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے رسول ﷺ کو اپنے تمام نزاعات میں فیصل نہ بنائیں اور ان کے فیصلے اور حکم سے ان لوگوں کے سینوں سے تنگی وتکلیف کا خاتمہ نہ ہوجائے، اور اسے پوری طرح سے تسلیم نہ کرلیں14.

دوسری آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: **یـاَیُّھَاالَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا الله وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِی الْأَمْرِ مِـنْـکُـمْ فَـاِنْ تَـنَـازَعْتُـمْ فِی شَئیٍ فَرُدُّوهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْیَومِ الْآخِرِ ذَلِکَ خَیْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِیلاً** [النساء: ٥٩]

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہوجائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے)۔

14. دیکھئے: إعلام الموقعین عب رب العالمین، ابن القیم (51/1).

وجہ دلالت: اللہ تعالی نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اور فعل کا اعادہ یہ بتانے کے لئے کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مستقل طور پر واجب ہے، قرآن کے بیان کردہ حکم پر اس کو پیش کئے بغیر، چنانچہ آپ کی اطاعت مطلق واجب ہے، چاہے جس کا آپ نے حکم دیا ہے وہ قرآن میں ہو یا نہ ہو 15.

تیسری آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: **(قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ)**[آل عمران:۳۱]

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے).

وجہ دلالت: رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالی سے بندے کی محبت کے ثمرات ونتائج کے لوازم میں سے ہے، اور اللہ تعالی اپنے ان بندوں سے محبت کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں 16.

آیت کریمہ کے اندر مومنین کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کرنے کی ترغیب وتشویق پائی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے رسول کی اطاعت واتباع کو بندوں سے اس کی محبت کا سبب قرار دیا ہے، دوسری طرف یہ اللہ سے ان کی محبت کا ثمرہ بھی ہے اس لئے کہ اللہ تعالی سے ان کی محبت کا تقاضہ ہے کہ وہ اس کے رسول ﷺ کی اتباع کریں۔

چوتھی آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: **(فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ)** [**النور**:۶۳]۔

ترجمہ: (جو لوگ رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، انہیں ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی بلا نازل نہ ہو جائے، یا کوئی دردناک عذاب نہ انہیں آگھیرے)۔

وجہ دلالت: رسول اللہ ﷺ کی شریعت کی مخالفت کرنے والوں کے لئے وارننگ ہے کہ کہیں دنیا میں ان پر بلا نازل نہ ہو جائے، یا آخرت میں دردناک عذاب نہ لاحق ہو جائے۔

پانچویں آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: **وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا**[الحشر:۷]۔

ترجمہ: (اور رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے وہ تم کو روکیں اس سے رک جاؤ)۔

وجہ دلالت: رسول اللہ ﷺ جس کا حکم دیں اسے اختیار کرنا، اور جس سے آپ منع فرمائیں اس سے اجتناب کرنا واجب ہے، چاہے اس کا حکم قرآن میں آیا ہو یا نہیں آیا ہو، اور یہ حجیت سنت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

---

15. دیکھئے: إعلام الموقعين عن رب العالمين، ابن القيم (48/1).

16. دیکھئے: مجموع الفتاوى، لابن تيمية (94/12).

دوسرا مطلب

احادیث سے سنت نبویہ کی حجیت کے دلائل

نبی ﷺ کی اتباع کے وجوب پر دلالت کرنے والی حدیثیں متعدد اور متنوع ہیں جو کہ اجتماعی طور پر حجیت سنت کے اوپر قطعیت کے ساتھ دلالت کرتی ہیں اور اس پر بھی کہ وہ حجیت میں قرآن کی مانند ہیں، اور یہ احادیث موضوع کے اعتبار سے تین قسم کی ہیں: 17.

پہلی قسم: وہ احادیث جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ سنت قرآن کا جڑواں ہے اور حجت واعتبار میں اس کا مثیل ہے، اور یہ کہ تشریع احکام میں قرآن سنت سے ہرگز مستغنی نہیں ہوسکتا، اور سنت سے اعراض کرنے والا دراصل قرآن عظیم سے اعراض کرنے والا ہے 18.

ا۔مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**أَلَا إِنِّي أُوْتِيتُ الْكِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ 19، أَلَا يُوشِكُ رَجُلٌ شَبْعَان عَلَى أَرِيكَتِهِ ، يَقُولُ : عَلَيكُمْ بِهَذَاالْقُرآنِ ! فَمَا وَجَدْتُمْ فِيهِ مِنْ حَلَالٍ فَأَحِلُّوهُ ، وَمَا وَجَدْتُم فِيهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوهُ !**)الحدیث20.

(یعنی: خبردار! یقیناً مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے اسی جیسی ایک اور چیز، خبردار! ہوسکتا ہے کوئی پیٹ بھرا آدمی اپنی مسند پر ٹیک لگائے یہ کہے: تم لوگ اس قرآن کو لازم پکڑلو، اس میں جس کو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو، اور اس میں جس کو حرام پاؤ اسے ہی حرام گردانو!) الحدیث.

وجہ دلالت: اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کو قرآن دیا ہے اور اس کے ساتھ اسی جیسی چیز دی ہے، اور قرآن کا یہ مماثل جسے اللہ تعالی نے آپ کو دیا ہے وہ سنت ہے، اور حدیث قدسی سنت کے تحت ہی آتی ہے۔

---

17. دیکھئے: حجیۃ السنۃ، (ص308-322)؛ مکانۃ السنۃ فی التشریع الإسلامی، (ص75-81).

18. دیکھئے: تحفۃ الأحوذی، (354/7).

19. (**وَ مِثْلَهُ مَعَهُ**): اس سے آپ نے اپنی سنت مراد لیا ہے. شرح صحیح البخاری، ابن بطال (358/10).

20. ابوداود (200/4)، (ح4604)، اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود) (117/3)، (ح4604) میں صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ایک روایت میں ہے:(**وَإِنَّ مَا حَرَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَمَا حَرَّمَ اللَّهُ**)21.

(یعنی: رسول اللہ ﷺ نے جس کوحرام ٹھہرایا ہے وہ اللہ تعالی کے حرام کردہ کی مانند ہے)

وجہ دلالت: رسول اللہ ﷺ نے سنت میں جس کوحرام قرار دیا ہے وہ تشریع کے اندر قرآن میں اللہ تعالی کے حرام کردہ کی مانند ہے،اس لئے کہ دونوں اللہ کی طرف سے وحی ہیں،جیسا کہ قرآن کریم نے بیان کیا ہے۔

۳۔ابورافع سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:(**لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئاً عَلَى أَرِيكَتِهِ ، يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي ؛ مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ: لَا نَدْرِي ! مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللَّهِ اتَّبَعْنَاهُ!**)22.

ترجمہ: (میں تم میں سے کسی کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے نہ پاؤں،جس کے پاس میرے حکم میں سے کوئی معاملہ آتا ہے،جس کا میں نے حکم دیا ہے، یا اس سے میں نے منع کیا ہے،تو وہ کہتا ہے: ہم اسے نہیں جانتے! ہم جس کو اللہ کی کتاب میں پائیں گے اس کی اتباع کریں گے)۔

وجہ دلالت: نبی ﷺ نے اپنے حکم کی مخالفت کرنے والے کو اسی طرح خبردار کیا ہے جس طرح اللہ عزوجل کی کتاب کی مخالفت کرنے والے کو کیا ہے،لہذا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے سے باز آنا چاہئے تا کہ اس کی پاداش میں اسی سزا کا وہ حقدار نہ بنے جس کا حقدار کتاب اللہ کی مخالفت کرنے والا ہوتا ہے23.

اور سنت سے اعراض کرنے والے یہ لوگ وہ منافقین ہیں جن سے نبی ﷺ نے ہمیں خبردار کیا ہے،جیسا کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**إِنِّي أَخَافُ أُمَّتِي اثْنَتَيْنِ: الْقُرآنَ وَاللَّبَنَ ، أَمَّا اللَّبَنُ فَيَبْتَغُونَ الرِّيفَ، وَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ ، وَ يَتْرُكُونَ الصَّلَوَاتِ، وَ أَمَّا الْقُرآنُ فَيَتَعَلَّمُهُ الْمُنَافِقُونَ فَيُجَادِلُونَ بِهِ الْمُؤْمِنِينَ**)24.

(یعنی: میں اپنی امت کے تعلق سے دو چیزوں کو لے کر ڈرتا ہوں: قرآن اور دودھ کو لے کر، دودھ کو لے کر

21. الترمذی،(38/5)،(ح 2664).اور البانی نے اس کو(صحیح سنن الترمذی)،(64/3)،(ح 2664). میں صحیح قرار دیا ہے.
22. ابوداود،(200/4)،(ح 4605).اور البانی نے(صحیح سنن ابی داود) میں اس کو صحیح کہا ہے،(118/3)،(4605).
23. دیکھئے: شرح معانی الآثار للطحاوی(309/4).
24. مسند احمد،(155/4)،(ح 17457).اور محققین مسند نے اس کو،(636/28)،(ح 17421) صحیح قرار دیا ہے.

اس لئے کہ اسے پینے والے سبز وشاداب جگہوں کو تلاش کریں گے، وہ اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے، اور نمازوں کو ترک کردیں گے، قرآن کو لے کر اس لئے کہ اسے منافقین پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ مسلمانوں سے جدال کریں گے)۔

سنت سے ان کے اعراض کا سبب: ان لوگوں نے قرآن کی ان معانی کے علاوہ کے ذریعہ تاویل کیا جن کے ساتھ وہ نازل کیا گیا تھا، جیسا کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**هَلَاكُ أُمَّتِي فِي الْكِتَابِ وَاللَّبَنِ**)(میری امت کی ہلاکت کتاب (قرآن) میں ہے اور دودھ میں ہے) صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کتاب اور دودھ میں کیسے؟ آپ نے فرمایا: (لوگ قرآن پڑھیں گے اور اس کی تاویل ایسے معنی کے ذریعہ کریں گے جس کے لئے اللہ نے اسے نازل نہیں کیا ہے اور وہ دودھ سے محبت کریں گے اور جماعتوں اور جمعوں کو چھوڑ دیں گے اور بدویت اختیار کریں گے)25.

یہ حدیثیں۔ اور ان کی ہم معنی دیگر حدیثیں۔ اعلام نبوت میں سے ہیں، نبی ﷺ کی طرف سے ان امور کی خبر دی گئی ہے جو مستقبل میں اور حاضر میں پیش آئے، اور آپ کے اس مقال کی واقعِ حال نے تصدیق کردی ہے، چنانچہ ہمیں آج ایسے باطل دعوے سنائی دے رہے ہیں جو سنت کو ترک کرکے صرف قرآن پر اکتفا کرنے کے دعوے ہیں، وہ اپنے ان باطل دعووں کے لئے باطل دلائل اور حجتیں پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک دلیل ان کی قرآن سے محبت اور اس کی حفاظت ہوتی ہے، اور یہ زعم کہ اللہ تعالی نے صرف اسی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے سنت کی حفاظت کا نہیں، لہذا وہی ایسی تنہا ثابت نص ہے جو تبدیلی وتغیر سے محفوظ رہی ہے، مگر یہ ساری دلیلیں اور حجتیں فاسد وباطل ہیں اور ہم ان کی تردید وتغلیط آگے کرنے والے ہیں۔

۴۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: (**میری امت کے سارے لوگ جنت میں داخل ہوں گے سوائے جس نے اباء کیا**) صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اباء کرنے والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا: (**جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اباء کیا**)26.

---

25. مسند احمد، (155/4)، (ح 17451). اور البانی نے اس کو (سلسلة الأحاديث الصحيحة)، (647/6)، (ح 2778) میں صحیح قرار دیا ہے.

26. البخاری، (2655/6)، (ح 6851).

وجہ دلالت: نبی ﷺ کی وہ اطاعت جو دخولِ جنت کا موجب ہے وہ اطاعت آپ کی سنت کی تصدیق میں اور قرآن کی طرح اس پر عمل کرنے میں پنہا ہے۔

سنت کی تصدیق ارکانِ دین میں سے ایک رکنِ اساسی ہے، یہ مسئلہ احکام واصول سازی کا نہیں ہے، یا اوامر ونواہی کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ معاملہ اس سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ سب سے پہلے اس کا تعلق عقیدہ سے ہے، اس لئے کہ سنت کی تصدیق یقینی طور پر نبی ﷺ کی تصدیق کے تابع ہے، اور نبی ﷺ کی تصدیق ایمان کی ضروریات ومقتضیات میں سے ہے، کیونکہ قرآن عزیز پر اور آخری رسالت پر وہ شخص کیسے ایمان لاسکتا ہے جس کو نبی امین ﷺ کے قول میں شک ہو؟!

دوسری قسم: وہ احادیث جن میں نبی ﷺ نے اپنی سنت کی اتباع کا حکم دیا ہے، نیز فرقت واختلاف سے اور آراءِ فاسدہ کے ذریعہ دین کی مخالفت کرنے سے منع فرمایا ہے، ان احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

۵۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**دَعُونِي مَا تَرَكْتُكُم ، إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَ اِخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيءٍ فَاجْتَنِبُهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ**)27.

ترجمہ: (جس کو میں نے چھوڑ دیا ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرو، کیونکہ تم سے پہلے کی قومیں اپنے سوالوں اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی وجہ سے ہی تو ہلاک ہوئی تھیں، چنانچہ جب میں تم لوگوں کو کسی چیز سے روکوں تو اس سے رُک جاؤ، اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو اس میں سے جتنا استطاعت بھر کر سکتے اتنا کرو)۔

۶۔اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**مَنْ يَعِشْ مِنْكُم بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافاً كَثِيراً، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي 28، وسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِيْنَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَ إِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**)29.

(یعنی: میرے بعد تم لوگوں میں سے جو زندہ رہے گا وہ بہت سارا اختلاف دیکھے گا، پس میرے طریقے کو لازم پکڑلو، اور رشد وہدایت سے سرفراز کئے گئے خلفاء کے طریقے کو، اس کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنے دانتوں سے پکڑلو،

27. البخاری، (2658/6)، (ح 6858).

28. (**فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي**) یعنی: مجھ سے ثابت طریقہ کو لازم پکڑلو، خواہ واجب ہو یا مندوب ہو.

29. ابوداود، (200/4)، (ح 17182). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (119/3)، (ح 4607)، میں صحیح قرار دیا ہے.

اورتم محدثات (دین میں پیدا کردہ نئی چیزوں) سے دور رہو، کیونکہ ہر محدث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

ان احادیث کے اندر نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو اور۔ان کے بعد کی ۔اپنی امت کو طریقۂ نجات کی تعلیم دی ہے، جو کہ ان کی ہدایت کی اتباع اور ان کی سنت کے التزام میں منحصر ہے، اور یہی واحد راستہ ہے اس کے علاوہ نجات کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔

تیسری قسم: وہ احادیث جن میں سنت کی حفاظت اور لوگوں میں اس کی تبلیغ کرنے کا حکم وارد ہوا ہے، وہ حدیثیں بھی حجیت سنت پر دلالت کرتی ہیں اور ان میں سے بعض یہ ہیں:

۷۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثاً فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ ، و رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ**)30.

(یعنی: اللہ تعالی اس شخص کو ترو تازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد کیا یہاں تک کہ اسے دوسرے تک پہنچا دیا، فقہ کو حاصل کرنے والے کئی اپنے سے بڑے فقیہ تک اسے پہنچاتے ہیں، اور فقہ کو حاصل کرنے والے کئی ایسے ہوتے ہیں جو فقیہ نہیں ہوتے)

۸۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ نبی ﷺ کی اپنی امت کے لئے وصیت ہے (**فَلْيُبْلِغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ**)31. (یعنی: موجود آدمی کو چاہئے کہ وہ غیر موجود تک پہنچائے)۔

وجہ دلالت: رسول اللہ ﷺ نے اپنے کلام کو سننے اور اسے یاد کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب دی ہے...اور یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ اپنی طرف سے دوسروں تک پہنچانے کا حکم تبھی دیں گے جب وہ پہنچائے جانے والے شخص پر حجت ہو، اس لئے کہ پہنچانے والا آپ کی طرف سے کسی امر حلال کو پہنچائے گا جس کو اختیار کیا جاتا ہے یا کسی امر حرام کو پہنچائے گا جس سے اجتناب کیا جاتا ہے، یا کسی حد کو جسے قائم کیا جاتا ہے، یا مال سے متعلق حکم کو جسے لیا اور دیا جا سکتا ہے، یا دین و دنیا سے متعلق نصیحت کو)32.

30. ابوداود، (322/3)، (ح3660). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (411/2)، (ح3660) میں صحیح قرار دیا ہے.

31. البخاری، (619/2)، (ح1652)؛ ومسلم، (1306/3)، (ح1679).

32. الرسالۃ، للشافعی ص(402).

تیسرا مطلب

اجماع سے حجیتِ سنت کا ثبوت

تمام کی تمام امت۔بشمول جملہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین اوران کے بعد سے لے کراس زمانہ تک کے تمام علمائے مسلمین اور قیامت تک آنے والے تمام علماء وفقہاء۔کا سنت کی حجیت، اس پر عمل کے وجوب، اس سے فیصلے لینے اور تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس کی راہ ہدایت پر چلنے پر اجماع ہے، بلکہ ائمۂ مجتہدین میں ایسا کوئی بھی امام نہیں ہے جس نے اس کی حجیت کا اوراس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنے کا انکار کیا ہو، سوائے روافض وخوارج اوران کی ڈگر پر چلنے والے موجودہ زمانے کے ان بعض داعیان الحاد کے جن کے انکار وخروج کا مسلمانوں کے اجماع پر اثر نہیں پڑتا33.

ہمارے اسلاف کرام سنت سے چمٹے رہتے تھے، اس سے ہدایت حاصل کرتے، اس پر عمل کرنے کی ترغیب دیتے، اس کی مخالفت سے منع کرتے اوراسے قرآن عظیم کی تکمیل وتشریح کرنے والی چیز شمار کرتے تھے، اگر قرآن میں دلیل تلاش کرنے سے قاصر رہتے تو اسے سنت سے حاصل کرتے، اس میں دلیل پائے جانے کی صورت میں اسے چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے، بلکہ ائمہ کرام۔بلا ادنی تردد کے۔اس وقت اپنے اجتہاد سے رجوع کرلے تھے جب ان کے سامنے نبی ﷺ سے ثابت ایسی کوئی حدیث آجاتی تھی جوان کے اجتہاد سے ثابت امر کی معارض ہوتی تھی، اس سلسلے میں ان کا یہ کلام مشہور ہے: (جب صحیح حدیث آجائے تو وہی میرا مذہب ہے، اور میرے قول کو دیوار پر دے مارو)34.

---

33. دیکھئے: السنۃ النبویہ فی کتابات أعداء الاسلام، (481/1).

34. المجموع، للنووی (136/1)؛ الذخیرۃ، للقرافی (154/1).

پہلی فصل

مقامِ سنت کی عظمت قرآن میں

اوراس میں تین مباحث ہیں:

پہلا مبحث: سنت کی عظمت اس اعتبار سے کہ وہ قرآن کی طرح وحی ہے.

دوسرا مبحث: سنت کی عظمت اس اعتبار سے کہ وہ قرآن کی طرح محفوظ ہے.

تیسرا مبحث: سنت کی عظمت قرآن پراس کے دلالت کرنے کے اعتبار سے.

پہلا مبحث

سنت کی عظمت اس اعتبار سے کہ وہ قرآن کی طرح وحی ہے

اوراس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کے وحی ہونے پر قرآن کی دلالت

دوسرا مطلب: اس کے وحی ہونے پر سنتِ نبویہ کی دلالت.

تیسرا مطلب: اس کے وحی ہونے پر اجماع اور اقوالِ سلف کی دلالت.

چوتھا مطلب: قرآن وسنت کے درمیان فرق.

پہلا مطلب

سنت کے وحی ہونے پر قرآن کی دلالت

سنت نبویہ اللہ تعالی کی جانب سے نازل کی جانے والی وحی ہے، یہ وہ وحی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ پہنچائی گئی ہے، قرآن کی طرح کی وحی نہیں ہے جو جبریل کے واسطے اتاری گئی ہے، اور قرآن میں بہت سی ایسی آیتیں ہیں جو اس بیان پر مشتمل ہیں کہ سنت نبویہ قرآن عظیم کی طرح ایک وحی ہے اور ان آیتوں میں سے بعض یہ ہیں:

پہلی آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: **(وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَى)** [النجم:۳-۴]

ترجمہ: (وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے)۔

یہ آیت کریمہ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ سنت نبویہ اللہ تعالی کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی طرف بھیجی جانے والی وحی ہے، اور اللہ تعالی کے بارے میں اور اس کی شریعت کے بارے میں آپ نے جو خبر دیا ہے اس میں آپ معصوم ہیں، کیونکہ آپ کا کلام خواہش نفس سے صادر نہیں ہوتا بلکہ آپ پر بھیجی جانے والی وحی سے صادر ہوتا ہے35.

دوسری آیت: (إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِير، أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ)[الأنعام: ٥٠]

ترجمہ(: میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ تک بھیجی جاتی ہے، آپ کہئے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتا ہے کیا تم لوگ سوچتے نہیں)۔

یہ آیتِ کریمہ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ نبی ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے بھیجی جانے والی وحی کے متبع ہیں، اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں، اور آیت حصر کے اسلوب کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

تیسری آیت: (وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ وَكَانَ

35. دیکھئے: تفسیر السعدی (ص818).

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیکَ عَظِیماً[**النساء**:۱۱۳]

ترجمہ: (اور اللہ نے آپ پر کتاب وحکمت اتاری ہے، اور جو آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو سکھایا ہے، اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل تھا)۔

یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ پر دو چیزیں نازل فرمائیں: ایک کتاب جو کہ قرآن ہے، اور دوسری حکمت جو کہ سنت ہے۔

چوتھی آیت: (لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ، وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ) [آل عمران:۱۶۴].

ترجمہ: (اللہ کا مومنوں پر یقیناً یہ احسان ہے کہ اس نے ان کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اس کی آیتوں کی ان پر تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے)۔

یہ آیتِ کریمہ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ وہ اپنی امت کو دو چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں، اور وہ دونوں کتاب یعنی قرآن اور حکمت یعنی سنت ہیں، اور قرآن عظیم میں کئی مقامات پر سنت اور کتاب عزیز کے درمیان ربط کو بیان کیا گیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اللہ تعالی نے کتاب کا ذکر کیا ہے جو کہ قرآن ہے، اور حکمت کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں میں
نے اپنے یہاں کے قرآن کے جاننے والوں سے سنا ہے کہ حکمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے)36.

خلاصہ:

رسول اللہ ﷺ نے رب العزت سبحانہ وتعالی کی طرف سے دو چیزوں کی تبلیغ فرمائی جو دونوں یہ ہیں:

پہلی: قرآن کریم ہے، جو اپنے لفظ کے ساتھ معجز ہے، جس کی تلاوت کے ذریعہ عبادت کی جاتی ہے، جو کہ

36. أحكام القرآن، للشافعي (28/1)؛ الرسالة، (ص45).

نور مبین، اور مسلمانوں کے لئے صراط مستقیم ہے جس نے ان کے لئے منہجِ حیات اور دنیا وآخرت کے لئے طریقۂ نجات کو واضح کیا ہے، اور نبی ﷺ قرآن کو اسی طرح لوگوں تک پہنچا دیا جس طرح وہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف بھیجا گیا، بلا کسی کمی اور زیادتی کے.

دوسری: سنت ہے، اور یہ وہ حکمت ہے جس کی طرف مذکورہ بالا آیتوں کے اندر اشارہ کیا گیا ہے، جس کی تفسیر علماء اور اہل فضل نے سنتِ نبویہ سے کی ہے.

اور یہ دونوں۔قرآن وسنت۔اس چیز میں مشترک ہیں کہ دونوں اللہ تعالی کی طرف سے نازل کی جانے والی وحی ہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ کو اپنے طور پر قانون سازی کرنے اور خواہش نفس کے مطابق فیصلے وغیرہ کرنے کا اختیار نہیں تھا، حکم تو صرف اللہ کا ہی نافذ ہوتا ہے، وہی صاحب شرع ہے، اور رسول اللہ ﷺ اس کی طرف سے پہنچانے والے ہیں، نیز اللہ تعالی نے انزال اور تعلیم وغیرہ میں قرآن اور سنت کو باہم ملایا ہے جو اس کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ ہیں.

دوسرا مطلب

اس کے وحی ہونے پر سنت نبویہ کی دلالت

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قول، یا فعل، یا بیان، یا تقریر کی صورت میں جو کچھ صادر ہوا ہے وہ وحی ہے جس کو اختیار کرنے اور اس کے مقتضی کے مطابق عمل کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اور ذخیرۂ احادیث میں ایسی بے شمار حدیثیں ہیں جو اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ سنت نبویہ قرآن عظیم کی طرح وحی ہے، ان احادیث میں سے چند اہم حدیثیں یہ ہیں:

۱۔ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گذرا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**أَلَا إِنِّی أُوْتِیتُ الْکِتَابَ وَ مِثْلَهُ مَعَهُ**) 37. (یعنی: خبردار! میں کتاب دیا گیا ہوں اور اس کے ساتھ اس کے مثل بھی) یعنی: سنت دیا گیا ہوں، اور سنت بھی آپ پر وحی کی صورت میں نازل ہوا کرتی تھی جس طرح قرآن نازل ہوا کرتا تھا، اس سے مراد یہ نہیں کہ اس کی بھی تلاوت کی جائے گی جیسے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے 38.

۲۔ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**لَیَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ لَیْسَ بِنَبِیٍّ مِثْلُ الْحَیَّیْنِ ، أو مِثْلُ أَحَدِ الْحَیَّیْنِ : رَبِیْعَةَ . و مُضَر**) (یعنی: جنت میں ایک شخص کی سفارش سے جو کہ نبی نہیں ہوگا دو قبیلوں ربیعہ و مضر، یا ان میں سے ایک قبیلہ کے لوگوں کی تعداد کے مطابق لوگ داخل ہوں گے) ایک شخص نے عرض کیا:

ربیعہ کا مضر سے کیا موازنہ؟ اس پر آپ نے فرمایا: (میں صرف وہی بولتا ہوں جو مجھ سے بلوایا جاتا ہے) 39.

وجہ دلالت: نبی ﷺ کا اس تعبیر کو اختیار کرنے کا التزام کرنا جو آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے وحی کی گئی تھی، گویا آپ اپنی طرف کی جانے والی وحی کے لفظ و معنی کے متبع و ملتزم تھے۔

37. اس کی تخریج گذر چکی ہے.

38. مجموع الفتاوی، (364/13).

39. مسند احمد، (257/5)، (ح 22269). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع)، (946/2)، (ح 5363) میں صحیح قرار دیا ہے.

۳۔اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فاذا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينُ ، واذا أَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ 40 إِلَّا أَصْحَابَ النَّارِ فَقَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ ، وَ قُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ ، فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ**)41.

(یعنی: میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والے عام لوگ مساکین ہیں، اور دیکھا کہ دنیوی جاہ وحشمت والے اس سے روکے گئے ہیں، سوائے جہنم والوں کے کہ ان کو جہنم میں جانے کا حکم دیا جا چکا ہے، اور میں جہنم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو دیکھا کہ اس میں داخل ہونے والوں میں عام طور سے عورتیں ہیں)۔

وجہ دلالت: یہ باتیں غیبی امور سے متعلق ہیں جن سے اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع کیا ہے، تاکہ آپ اپنی امت کو ڈرائیں، اور اس میں اس بات کی بھی دلیل پائی جاتی ہے کہ سنت قرآن کی طرح اللہ تعالی کی طرف سے کی جانے والی ایک وحی میں ہے.

اور سنتِ نبویہ میں ایسی سیکڑوں حدیثیں ہیں جو مستقبل کے معاملے میں گفتگو کرتی ہیں، خواہ ان کا تعلق احداث سے ہو یا اشخاص سے، جن کو عام طور پر (فتن وملاحم اور علامات قیامت سے متعلق احادیث سے تعبیر کیا جاتا ہے)، یا ان کا تعلق اخبار ومعجزات سے ہو، جن کو (اعجاز علمی سے متعلق احادیث) کہا جاتا ہے، اور ان تمام کی تمام حدیثوں کی تصدیق واقع نے کیا ہے، ان پر ایام وسنین نے دلالت کیا ہے، لوگوں نے انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور علوم وفنون کے ماہرین نے انہیں جانا ہے.

ان تمام حدیثوں کو وحی کے علاوہ اور کسی طریقے سے جاننا نبی ﷺ کے لئے ممکن نہیں تھا، کیونکہ قرآن نے آپ سے علم غیب کی نفی کی ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: (**قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ**) [الأنعام:۵۰]

ترجمہ: (آپ کہئے، میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ تک بھیجی جاتی ہے).

40.(**أَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوسُونَ**): وہ مالدار اور دنیوی جاہ وحشمت والے لوگ ہیں اور ان کا روکا جانا حساب کے لئے ہوگا.

41. البخاری،(2396/5)،(ح 6181)؛ ومسلم، اور لفظ انہی کا ہے،(2096/4)،(ح 2736).

لہذا ان کی معرفت اور ان کے حصول کا ذریعہ وحی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

۴۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جبریل آئے اور نماز پڑھائی، پس رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی، پھر انہوں نے نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھائی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے)42.

وجہ دلالت: اس میں سنت کے حکم کے ساتھ جبریل علیہ السلام کے آنے کی صراحت ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے، اور جبریل علیہ السلام کے آنے اور رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کے نزول فرمانے سے متعلق حدیثیں بہت زیادہ اور متنوع ہیں۔

۵۔ انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت آئی ہے کہ ایک شخص آیا اور صف میں داخل ہو گیا اس حال میں کہ وہ زور زور سے سانس لے رہا تھا43، اور اس نے یہ دعا پڑھی: **الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْداً كَثِيراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيهِ**، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی نماز مکمل فرمائی تو فرمایا: (تم میں سے ان کلمات کو پڑھنے والا کون تھا؟) مگر لوگ خاموش رہے 44، پس آپ نے فرمایا: (تم میں سے اسے کہنے والا کون ہے، اس نے کوئی غلط بات نہیں کہا ہے؟)، ایک شخص نے کہا: میں پہنچا تو میری سانس پھول رہی تھی پس میں نے اسے کہہ دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: (میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا کہ وہ اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں کہ ان میں سے کون اس کو اٹھاتا ہے)45.

وجہ دلالت: جن غیبی امور کی اطلاع دئے جانے میں امت کی مصلحت ہوتی تھی ان کی اللہ تعالی کی طرف سے اطلاع دئے جانے کی بنا پر نبی ﷺ ایسی چیز کو دیکھا کرتے تھے جس کو عام لوگ نہیں دیکھ سکتے تھے، اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کی سنت اللہ کی طرف سے کی جانے والی وحی ہے۔

۶۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ** 46 **نَفَثَ**

---

42. مسلم، (425/1)، (ح610).

43. حدیث میں (**حَفَزَهُ النَّفَس**) کا لفظ ہے: یعنی: زور زور سے سانس لینے لگا جماعت کو پانے کے لئے تیز تیز چلنے کی وجہ سے۔

44. حدیث کے اندر (**فَأَرَمَّ الْقَوْمُ**) کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے: قوم کے لوگ خاموش رہے، غریب الحدیث للخطابی، (193/1).

45. مسلم، (419/1)، (ح600).

46. (**رُوحَ الْقُدُس**): جبریل علیہ السلام کا نام ہے، اور اس کا معنی ہے: پاک و مقدس روح

فِي رُوعِي 47...)48،(یعنی: روح القدس (جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں ڈال دیا...)۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (آپ کے دل میں القا کی جانے والی چیزوں میں سے آپ کی سنت ہے، اور وہی حکمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالی نے کیا ہے)49.

۷۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ہم سے مزاق کرتے ہیں؟50، آپ نے فرمایا: (میں حق کے سوا کچھ نہیں کہتا)51 (یعنی: عدل وصدق کے سوا، قول وفعل میں لغزش سے میرے معصوم ہونے کی بنا پر، اور تم میں کا ہر شخص اس حصر (صرف قول حق) پر قادر نہیں ہے، تم میں عصمت کے فقدان کی وجہ کر)52۔اور نبی ﷺ نے اسی کے مصداق پوری سچائی وامانت، اور باریکی واحتیاط کے ساتھ، بلا کسی زیادتی اور نقصان کے لوگوں تک پہنچایا، آپ کے اوپر نہ تو غضب ومزاح کا اور نہ مصلحت ومنفعت کا کوئی اثر ہوتا تھا، اس لئے کہ آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا تھا وہ وحی ہوتا تھا۔

۸۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**وَ اللّٰهِ مَا أُعْطِيكُمْ وَ لَا أَمْنَعُكُمْ، وَ اِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ أَضَعُهُ حَيْثُ أُمِرْتُ**)53.

(یعنی: اللہ کی قسم! میں نہ تم لوگوں کو دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں، بلکہ میں تو تقسیم کرنے والا ہوں، میں اسے وہیں رکھتا ہوں جہاں رکھنے کا حکم ہوتا ہے).

۹۔اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**مَا أُوتِيكُمْ مِنْ شَيءٍ، وَمَا أَمْنَعُكُمُوهُ، اِنْ أَنَا اِلَّا خَازِنٌ أَضَعُ حَيثُ أُمِرْتُ**)54.(یعنی: میں تم لوگوں کو کچھ نہیں دیتا اور نہ میں

---

47. (**نَفَثَ فِي رُوعِي**): یعنی: میرے دِل میں ڈالا، اور مجھے الہام کیا.

48. مسند بزار، (315/7)، (ح2914). البانی نے (صحیح الترغیب والترھیب)، (312/2)، (ح1702) میں کہا ہے: (حسن صحیح).

49. الرسالۃ، (ص103).

50. (**تُدَاعِبُنَا**) یعنی: ہم سے مزاق کرتے ہیں، دعابۃ: مزاق کو کہتے ہیں، دیکھئے: شرح السنۃ للبغوی (13/ 180).

51. الترمذی، (357/4)، (ح1990) اور کہا ہے: (حسن صحیح)، اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (375/2)، (ح1990) میں اس کو صحیح کہا ہے.

52. تحفۃ الأحوذی، (108/6).

53. مسند احمد، (482/2)، (ح10262). اور محققین مسند نے، (180/16)، (ح10257) اس کو صحیح قرار دیا ہے.

54. ابوداود، (135/3)، (ح2949). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (232/2)، (ح2949) میں صحیح قرار دیا ہے.

تم لوگوں کواس سے منع کرتا ہوں، میں تو فقط ایک خازن ہوں وہیں رکھتا ہوں جہاں رکھنے کا حکم ہوتا ہے)

وجہ دلالت: یہ ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہوگا خاص سبب کا نہیں، اور نبی ﷺ اس وحی کے قاسم وخازن ہیں، آپ اس کو امت میں اسی طرح پہنچاتے ہیں جس طرح پہنچانے کا اللہ تعالی نے آپ کو حکم دیا ہے، بلا کسی زیادتی اور نقصان کے۔

۱۰۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **(اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ لِنَبِيِّهِ مَا شَاءَ ، وَاِنَّ مِمَّا أَحْدَثَ لِنَبِيِّهِ ﷺ، أَلَّا تَكَلَّمُوا فِي الصَّلَاةِ)**55.

(بے شک اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کے لئے جیسا قانون لانا چاہتا ہے لاتا ہے، اور جن باتوں کا حکم اس نے اپنے نبی ﷺ کو دیا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ: تم لوگ نماز میں بات نہ کرو)۔

پس نبی کریم ﷺ۔وحی پر امین بنائے گئے ہیں۔ان کے لئے اپنی طرف سے خبر دینا اور شریعت کی تشکیل کرنا ممکن نہیں ہے، وہ جس کی خبر دیتے ہیں وہ اللہ کی جانب سے ان کی طرف بھیجی جانے والی وحی ہوتی ہے۔

سنت کے وحی الہی ہونے کا زبردست شاہد:

(جن احادیث کے اندر نبی ﷺ نے اخبار سابقین کا ذکر فرمایا ہے۔اور وہ صادق ومصدوق ہیں۔وہ احادیث اس بات کی شاہد عدل ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نبی ﷺ کی طرف کی جانے والی وحی ہیں، آخر اللہ تعالی کی طرف سے آنے والی وحی کے سوا دوسری کس چیز نے آپ کو سابقہ امتوں کے اخبار اوران کے انبیاء کے بارے میں معلومات فراہم کی؟

اور جن احادیث کے اندر آپ نے اللہ تعالی کے کائناتی نظام اور اسرار خلائق کو بیان فرمایا ہے، جیسے کہ آپ کا ماں کے بطن میں تخلیق پانے والے بچے کے بارے میں گفتگو کرنا، اور اس بارے میں کہ وہ اپنے اعمام واخوال کے مشابہ کیسے ہوتا ہے، اور آپ کا صحت کے بہت سے اسباب سے بحث کرنا، جیسے کہ مکمل پیٹ بھر کھانے سے منع فرمانا، اور نظافت وطہارت کی ترغیب دینا، یہ تمام حقائق ایسے ہیں جنہیں عقل اللہ تعالی کی نازل کردہ وحی تسلیم کرتی ہے۔

اس کی قوی ترین دلیل کہ سنت اللہ سبحانہ وتعالی کی طرف سے نبی ﷺ کی طرف نازل کی جانے والی وحی ہے:

یہ ہے کہ سنت کے اندر عقلاء کثرتِ احادیث کے اوران کے شیوع وانتشار کے باوجود صرف حق ہی پاتے ہیں جو

55.مسند احمد،(463/1)،(ح 4417).اور محققین مسند نے،(424/7)،(ح 4417) صحیح قرار دیا ہے.

انسانوں کو ان کی زندگی کے تمام گوشوں میں سعادت سے بہرہ ور کرتا ہے۔

جب سے رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث کو اپنی زبان مبارک سے بیان فرمایا ہے، اس وقت سے لے کر اب تک انسانیت ان کے خیر وصواب سے اپنے دامن مراد کو بھرتی آ رہی ہے، اور اس کا اعتراف مسلمانوں کو اور انصاف پسند غیر مسلموں کو ہمیشہ رہا ہے، اور یہ اس کی قوی تر دلیل ہے کہ سنت نبویہ اللہ کی جانب سے نبی ﷺ کی طرف آنے والی وحی ہے)56.

ہم نے اوپر جو کچھ بیان کیا ہے وہ اور اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سنت نبویہ اپنے اندر خود اس بات کی دلیل رکھتی ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے نازل کی جانے والی وحی ہے۔

56.المدخل الی السنۃ النبویۃ،(ص 61).

تیسرا مطلب

اس کے وحی ہونے پر اجماع اور اقوال سلف کی دلالت

یہ معاملہ اس وقت اور واضح ہو جاتا ہے جب ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر علماء اسلام کا اجماع ثابت ہو چکا ہے کہ قرآن کی طرح سنت نبویہ بھی وحی الٰہی ہے، اس موضوع کے سلسلے میں سلف صالحین کے اقوال ومنقولات اتنے زیادہ ہیں کہ شمار کرنے والا انہیں شمار نہیں کر سکتا، اس سلسلے میں واردان کے اقوال میں سے بعض یہ ہیں:

حسان بن عطیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس سنت لے کر اسی طرح نازل ہوا کرتے تھے جس طرح وہ آپ پر قرآن لے کر نازل ہوتے تھے)57.

ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس اثر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (یہ بات ۔آپ ﷺ کے دین میں ضرورتاً۔ معلوم ہے کہ آپ تمام جن وانس کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں، اور اللہ تعالی نے قرآن کے ذریعہ تمام جن وانس کو خطاب فرمایا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے: **وَأُوْحِيَ إِلَيَّ هَذا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ** [**الأنعام**: ۱۹] ترجمہ: (اور یہ قرآن مجھے بذریعہ وحی دیا گیا ہے، تاکہ اس ذریعہ تمہیں اور ہر اس شخص کو ڈراؤں جس تک اس قرآن کا پیغام پہنچے)۔

پس جن وانس میں سے جس تک قرآن پہنچا ہے اسے نبی ﷺ نے انذار سنایا ہے، اور انذار: خوف ناک بات کی خبر دینا ہے، اور خوف ناک شئی ۔عذاب۔ ہے جو اس کے امر ونہی کی مخالفت کرنے والے پر نازل ہوتا ہے۔

آپ ﷺ نے ہر اس شخص کو جس تک قرآن پہنچا، اس سے باخبر فرما دیا کہ اگر وہ ان کی اطاعت نہیں کرے گا تو اللہ تعالی اسے عذاب سے دوچار کریں گے، اور اگر اس کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالی اس کی تکریم کریں گے۔

اور چونکہ نبی ﷺ انتقال فرما چکے ہیں، چنانچہ آپ کی اطاعت قرآن میں اللہ کی طرف سے واجب وحرام ٹھہرائے گئے احکام کی اتباع کے ذریعہ ممکن ہے، اسی طرح رسول ﷺ کی جانب سے اپنی سنت کے ذریعہ واجب و

57. سنن الدارمی، (153/1)، (ح588)؛ وابوداودفی (المراسیل)، (ص361).

حرام قرار دئے گئے احکام کی اتباع کے ذریعہ، قرآن نے آپ کی اطاعت کے وجوب کو بیان کیا ہے، اور یہ بھی کہ اللہ تعالی نے آپ پر قرآن اور حکمت نازل فرمایا ہے، اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی ازواج سے فرمایا ہے:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ [الأحزاب:٣٤]58.

ترجمہ: (اور تمہارے گھروں میں اللہ کی جن آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے، انہیں یاد رکھو)

دلالت اجماع:

۱۔ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ صحیح ہے کہ دین میں رسول اللہ ﷺ کا سارا کلام اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہے، اس میں ادنی شک نہیں ہے، اور اہل لغت وشریعت میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ: ہر وہ وحی جو اللہ عزوجل کی طرف سے نازل ہوئی ہے وہ ذکر منزل ہے)59.

۲۔شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اہل علم میں شمار ہونے والے سارے لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ: شریعت سازی میں سنتِ مطہرہ کو مستقل حیثیت حاصل ہے، اور حلال کو حلال ٹھہرانے اور حرام کو حرام ٹھہرانے میں وہ قرآن کی مانند ہے)60.

اقوال سلفیہ کی دلالت:

سلف صالح سنت کی تعظیم واجلال کیا کرتے تھے، اور اسے قرآن کی طرح وحی شمار کرتے تھے، ان سے یہ روایات آئی ہیں:

۱۔ابوالبقاء الحسینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (قرآن اور حدیث اس میں ایک ہیں کہ دونوں اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ وحی ہیں)61.

۲۔معتمر بن سلیمان کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے والد کو یہ کہتے ہوئے سنا: (ہمارے نزدیک نبی ﷺ کی احادیث تنزیل (قرآن) کی طرح ہیں) ابوموسی نے کہا: یعنی: استعمال میں، رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اسی طرح

58. مجموع الفتوی، (149,148/16).

59. الإحکام فی اصول الأحکام، (114/1).

60. ارشاد الفحول الی تحقیق علم الأصول، (ص68).

61. کلیات ابی البقاء، (ص722).

استعمال کیا جائے گا جس طرح اللہ عزوجل کے کلام کو استعمال کیا جاتا ہے)62.

۳۔سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (رسول اللہ ﷺ کی جو بھی حدیث مجھ تک پہنچی تو میں نے اس کو اللہ تعالی کی کتاب میں پایا)63.

اورشاید ان علمائے عظام کا اوران کے علاوہ دیگر فقہاء واصولیین ومحدثین کا سنت کے وحی منجانب اللہ ہونے پر ایمان ہی تھا جس نے انہیں اس کی جمع وتوثیق وتبویب کے اعتناء واہتمام پر آمادہ وتیار کیا، اوراسی کی وجہ کر ایسے علوم کا ابداع وابتکار عمل میں آیا جن کے متعلق دنیا والوں نے سنا بھی نہیں تھا، مثال کے طور پر جرح وتعدیل اور اسنا دو غیرہ کا علم، جو کہ صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مستشرقین اور غیر مسلم باحثین کے لئے بھی باعث حیرت واستعجاب بن گیا۔

62. الھر وی در (ذم الکلام)، (70/2)، (رقم 255).

63. تفسیر الطبر ی، (19/12) اور تفسیر ابن ابی حاتم، (2015/6).

چوتھا مطلب

قرآن وسنت کے درمیان فرق

علمائے مسلمین کے درمیان۔جیسا کہ بیان کیا گیا۔اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قرآن اور سنت دونوں اللہ تعالی کی جانب سے نازل کی جانے والی وحی ہیں،اور وہی دونوں اس شریعت کا واحد مصدر اور اس کے سرچشمے ہیں جن سے اس کے سوتے پھوٹتے ہیں،ان دونوں کے علاوہ جتنے بھی دلائل ہیں۔خواہ ان کی جتنی قسمیں اور جو بھی تعداد ہو۔وہ انہیں دونوں کی طرف راجع اور انہیں سے مستفاد ہیں۔

قرآن کریم اور سنت نبویہ شریعت کے دو مصادر ہیں جو دونوں ایک دوسرے کی تائید وتوثیق کرتے ہیں، اکثر احکام کے اثبات میں وہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے ،لیکن دونوں کے منزل ہونے ، وحی ہونے ، ذکر ہونے اور محفوظ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دونوں ہر اعتبار سے برابر ہیں، یہ اس لئے کہا جارہا ہے تاکہ غیر شعوری طور پر غلو اور تفریط میں نہ واقع ہو جائیں۔

قرآن اصلِ اول اور اس دین کا رکنِ رکین ہے، وہ اللہ تعالی کی طرف اپنی نسبت کی بنا پر مشرف و معظم ہے ،وہ اللہ کا کلام اور اللہ کی کتاب ہے،اور یہ ایسا شرف ہے جس کے قریب کوئی شرف نہیں پہنچ سکتا،اور ایسا مقام ہے جس کو کوئی مقام نہیں پاسکتا،اور اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی ذات شریفہ پر اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے،اس کا فرمان ہے:(**إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ**) [**الحجر** :9] ترجمہ:(بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)،اس حفاظت کا اثر یہ ہوا کہ کھلواڑ کرنے والے ہاتھ اپنی کثرت کے باوجود اس کی طرف بڑھنے سے عاجز رہے، کیونکہ وہ اللہ کے ذمہ میں ہے۔

اور سنت نبویہ اپنی عظمت اور جس ذات کی طرف وہ منسوب ہے اس کی عظمت کے اعتبار سے عظیم ہے،لیکن اس کی عظمت قرآن کی عظمت کے مدمقابل نہیں ہے۔

علماء اسلام نے اس بات کو اچھی طرح محسوس کیا،لہذا انہوں نے یہ ثابت کیا کہ قرآن وسنت کے درمیان

جوہری فرق پایا جاتا ہے جن میں سے اہم یہ ہیں:64.

۱۔تمام کا تمام قرآن اللہ تعالی کا کلام ہے جب کہ سنت میں سے بعض اللہ تعالی کا کلام ہے،اور وہ احادیث قدسیہ ہیں،اوران میں سے بعض نبی ﷺ کا کلام ہے،اور بعض صحابہ کا کلام ہے جس میں انہوں نے نبی ﷺ کے افعال کو بیان کیا ہے۔

۲۔قرآن اپنے لفظ کے ساتھ معجز ہے،جب کہ سنت اپنے لفظ کے ساتھ معجز نہیں ہے،حتی کہ وہ بھی نہیں جو اللہ کے کلام میں سے ہے،جیسے کہ احادیث قدسیہ ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن کی طرح ان کے الفاظ کے ذریعہ تحدی (چیلنج) نہیں کیا ہے جو کہ وہ معجزۂ کبری ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ مبعوث کئے گئے تھے اور جس کے ذریعہ آپ نے جن وانس کو چیلنج کیا تھا،جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے: **قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيراً** [**الإسراء** :۸۸]۔

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام جن وانس مل کر اس قرآن جیسا لانے کی کوشش کریں گے تو اس جیسا نہیں لا پائیں گے،چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں)۔

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے:(**مَا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ ، وَ إِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْياً أَوْحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ**)65.(یعنی:انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو ایسی چیز دی گئی جس طرح کی چیز پر انسان ایمان لا چکا تھا،اور جو چیز مجھے دی گئی وہ وحی تھی جس کو اللہ تعالی نے مجھ پر نازل فرمایا،پس میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز میں ان سب سے زیادہ اتباع والا نبی ہوں گا)۔

۳۔قرآن کی تلاوت کو عبادت ٹھہرایا گیا ہے،اور یہ ثابت ہے کہ اس میں سے ایک حرف کی قراءت پر دس نیکیاں ملتی ہیں،لیکن سنت کی تلاوت کو اللہ تعالی نے عبادت نہیں ٹھہرایا ہے،ہاں اس کے بعض اذکار کے التزام پر مخصوص اجر کا ثبوت پایا جاتا ہے،اسی طرح اس کا درس و مذاکرہ اور اس کی قراءت علم نافع کے طلب کے ضمن

64. فیض الرحمٰن فی الأحکام الفقهية الخاصة بالقرآن،ڈاکٹر احمد ساجد ملحم (۲۱-۲۹)

65. البخاری،(1905/4)،(ح4696)؛ومسلم،(134/1)،(ح152).

میں داخل ہے، اور یہ ان اعمال صالحہ میں سے ہے جن پر اللہ تعالی اپنے بندوں کو ثواب سے نوازتا ہے۔

۴۔ پورا قرآن بطریق تواتر منقول ہے، لیکن سنت میں سے بعض متواتر ہیں اور بعض اخبار آحاد ہیں۔

۵۔ قرآن کو تلاوت، تجوید اور تحسین صوت کی رعایت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کے اس قول میں آیا ہے: (**مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ**)66.

(یعنی: اللہ تعالی کسی چیز کو اس طرح نہیں سنتا جس طرح وہ بہتر آواز میں قرآن پڑھنے والے نبی کو سنتا ہے جو بلند آواز میں اس کو پڑھتے ہیں)۔

لیکن سنت کی قراءت میں ترنم، تجوید اور تحسین مطلوب نہیں ہے۔

۶۔ نماز میں قرآن کی بالمعنی قراءت جائز نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کے اجماع کے مطابق اس کی بالمعنی روایت جائز ہے، لیکن سنت کی بالمعنی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اس سے حدیث کے معنی ومراد میں تبدیلی پیدا نہ ہوتی ہو، یا وہ تحریف کا موجب نہ ہو، کیونکہ اس کے الفاظ قرآن کی طرح مقصود بالذات نہیں ہیں، سوائے بعض مقامات کے جیسے کہ وہ اذکار جن میں مقصود ان کے الفاظ ہیں، اسی بنا پر

نبی ﷺ نے اس شخص کو جس نے سونے سے پہلے کی دعاؤں میں سے ایک دعا کے لفظ میں تبدیلی کر دی تھی، یہ فرمایا: (**لا، وَ نَبِيِّکَ الَّذِی أَرْسَلْتَ**)67، جب کہ اس شخص نے (**وَ رَسُولِکَ**) کا لفظ کہہ دیا تھا، پس آپ نے اس کی غلطی کی اصلاح فرمائی۔

۷۔ رکوع وسجود میں قرآن پڑھنا حرام ہے، لیکن سنت کے اذکار کو ان جیسے مقامات میں پڑھنا مشروع ہے۔

۸۔ جنبی کے لئے قرآن پڑھنا جائز نہیں ہے جب کہ حدیث پڑھنا جائز ہے۔

۹۔ قرآن کے فواصل کو آیات اور اس کے جمل کو سورتیں کہا جاتا ہے، لیکن سنت کی اکائیوں کو احادیث، یا اخبار، یا آثار کہا جاتا ہے۔

---

66. البخاری، (2743/6)، (ح7105)؛ ومسلم، (545/1)، (ح792).

67. البخاری، (97/1)، (ح 244).

خلاصہ:

علماء نے قرآن کی جو اصطلاحی تعریف کی ہے وہ اس کے معنی کو واضح کرتی ہے اور اسے دوسروں سے علیحدہ کرتی ہے، چنانچہ انہوں نے اس کی یہ تعریف کی ہے: (وہ اللہ کا کلام ہے، جو اس کے نبی محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے، جو اپنے لفظ کے ساتھ معجز ہے، جس کی تلاوت کرنا عبادت قرار دیا گیا ہے، جو مصاحف میں مکتوب ہے اور تواتر کے ذریعہ منقول ہے)68.

68. دیکھئے: مباحث فی علوم القرآن، (ص20).

دوسرا مبحث

سنت کی عظمت اس اعتبار سے کہ وہ قرآن کی طرح محفوظ ہے

اور اس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کی حفاظت کے اسباب

دوسرا مطلب: نبی ﷺ کے عہد میں سنت کی حفاظت

تیسرا مطلب: عصر صحابہ میں سنت کی حفاظت

چوتھا مطلب: سنت کی حفاظت میں علماء سلف کی کوششیں

پہلا مطلب

سنت کی حفاظت کے اسباب

یہ امت اسلامیہ کے لئے نہایت افتخار کی بات ہے کہ اللہ تعالی نے آسمانی کتابوں کے درمیان ان کی کتاب کی حفاظت فرمائی اوراس کے ساتھ ساتھ سنت مطہرہ کو ضائع ہونے سے، اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کئے جانے سے، اور کذب وتحریف سے محفوظ بنایا، چنانچہ ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جان لو میرے بھائیو، اللہ تعالی آپ کو توفیق سے نوازے کہ تحریف سے پاک اللہ تعالی کی کتاب منزہ اوراس کے رسول مرسل کی سنت کے علاوہ اورکوئی چیز محفوظ نہیں ہے)69.

اور اللہ تعالی کی طرف سے مہیا کرائے گئے بہت سے اسباب ہیں جن سبھوں کا اجتماعی طور پر سنت کی حفاظت میں اہم کردار رہا ہے، اوران میں سے اہم اسباب یہ ہیں 70:

پہلا سبب: سنت اس ذکر میں سے ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالی نے لیا ہے:

اللہ تعالی کا فرمان ہے: **(إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ) [الحجر :٩]** ترجمہ: (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

(اور ذکر: ہر اس چیز کا نام ہے جس کو اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ پر نازل فرمایا ہے خواہ وہ قرآن ہو یا سنت ہو جس کے ذریعہ قرآن کو بیان کیا گیا ہو)71.

وحی منزل کی دو قسمیں ہیں:

اول: وہ وحی جو متلو اور معجز ہے، اور وہ قرآن ہے۔

دوم: وہ وحی جو مروی ومنقول ہے، معجز نہیں ہے اور نہ متلو ہے البتہ وہ مقروء ہے، اور وہ سنت ہے۔

---

69. الضعفاء، والمتروکین (1/5)

70. حفظ اللہ السنۃ، احمد بن فارس السلوم (39-57)

71. الإحکام في أصول الأحکام، (1/115).

اور وحی بلا اختلاف ذکر ہے اور ذکر محفوظ ہے، لہذا نبی ﷺ کی سنت اللہ تعالی حفاظت کی بنا پر محفوظ ہے، اس میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوسکتا72.

دوسرا سبب: قرآن کی حفاظت سنت کی حفاظت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا:

قرآن کریم کی حفاظت اس کی تشریح وتفسیر کرنے والی سنت کی حفاظت کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور قرآن کی جس مکمل حفاظت کا ذمہ اللہ تعالی نے لیا ہے اس نے مبانی (الفاظ) اور معانی دونوں کی حفاظت کی ہے، یعنی: اس نے حروف کی حفاظت کی اور ساتھ میں معانی کی حفاظت کی، اور معانی سے مراد سنت ہے اس لئے کہ وہ قرآن کریم کی شارح، مفسّر اور موضّح ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: (**وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ**)[**النحل** :۴۴] (ترجمہ: اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے، اور تاکہ لوگ غور وفکر کریں) گویا اللہ تعالی نے اس ذکر کے بیان کی ذمہ داری نبی ﷺ کے کندھوں پر عائد فرمائی ہے۔

اور (قرآن میں بہت سے مجمل احکام ہیں، جیسے کہ نماز، زکاۃ، حج اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے وہ احکام جن کے متعلق ہم یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالی نے ہم پر لفظ قرآن کے ذریعہ کیا لازم کیا ہے، بلکہ اسے ہم رسول اللہ ﷺ کے بیان کے ذریعہ جانتے ہیں، تو اگر آپ ﷺ کی طرف سے اس مجمل کا بیان محفوظ نہیں ہوتا اور اس کی سلامتی کی گارنٹی نہیں ہوتی تو نص قرآن سے انتفاع باطل ہوجاتا، اور اس کے نتیجے میں ہم پر عائد اکثر فرائض بھی باطل ہوجاتے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے)73.

تیسرا سبب: سنت کی حفاظت کے بغیر نبی ﷺ کی اقتدا ممکن نہیں ہوسکتی:

اللہ تعالی نے ہمیں نبی کریم ﷺ کی اقتدا کرنے کا مطلق حکم دیا ہے، ان کے تمام اقوال اور تمام افعال کے اندر، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں آیا ہے: (**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ**) [**الأحزاب**:۲۱] ترجمہ: فی الحقیقت تم مسلمانوں کے لئے رسول اللہ کا قول وعمل ایک بہترین نمونہ ہے.

---

72. الإحکام فی اصول الأحکام، (1/93-94).

73. الإحکام فی اصول الأحکام، (1/115).

اور مسلمانوں کے لئے نبی ﷺ کی سنتوں کی اقتدا اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی تھی جب تک وہ محفوظ نہ ہوں، اور ویسی صورت میں اس آیت کے اندر اور اس قسم کی دیگر آیتوں کے اندر وارد اللہ تعالی کا کلام۔نعوذ باللہ۔ عبث و بے معنی ہوتا، نیز یہ حکم تکلیف مالا یطاق کے قبیل سے ہوتا، کیونکہ وہ صدیوں پہلے ضائع و برباد ہو چکا ہوتا، حالانکہ اللہ کی شریعت اس قسم کی چیزوں سے پاک وصاف ہے، اور سنت نبویہ کے محفوظ ہونے کی تائید وتوثیق واقع سے بھی ہوتا ہے، اس بنا پر آپ ﷺ کی اقتداء و پیروی ممکن ہے۔

اور اس آیت کریمہ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہی بات اس کی مثل آیتوں کے بارے میں کہا جائے گا، مثال کے طور پر اللہ تعالی کا یہ قول: **(فَلا وَ رَبِّکَ لا یُؤْمِنُوْنَ حَتَّی یُحَکِّمُوکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّاقَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً)** [**النساء:٦٥**] ترجمہ: (پس آپ کے رب کی قسم، وہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے اختلافی امور میں اپنا فیصل نہ مان لیں، پھر آپ کے فیصلے کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تکلیف نہ محسوس کریں، اور پورے طور سے اسے تسلیم کرلیں)۔

پس اگر ہمارے لئے سنت اور مختلف امور سے متعلق اس کے احکام محفوظ نہ ہوتے تو ہمیں یہ مان لیا جاتا کہ ہم ایمان نہیں لائے، اور یہ محال امر ہوتا، کیونکہ امت اسلامیہ اس سے محفوظ ہے، بلکہ ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی اور وہ غالب ومؤید ہوگی۔

چوتھا سبب: وحی اور رسالتوں کا انقطاع حفظ سنت کو مستلزم ہے:

چونکہ وحی منقطع ہو چکی ہے اور ہمارے پیارے رسول محمد ﷺ کی رسالت کے ساتھ ہی رسالتوں کا خاتمہ ہو چکا ہے لہذا اس سے کتاب وسنت سمیت آپ کی شریعت کا قیامت تک محفوظ ہونا لازم ہوتا ہے، اور یہ اللہ تعالی کا عدل ہے۔ جو کہ امر واقعی ہے۔ کہ آپ کے اقوال وافعال وتقریرات اور شرع حکیم کو اسی طرح محفوظ بنا دیا گیا ہے جس طرح قرآن کریم کی حفاظت کی گئی تھی، اور ان دونوں کی حفاظت لازم وملزوم ہے۔

(ہمارے نبی محمد ﷺ سے پہلے کے نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اگر لوگ ان کی تکذیب کرتے۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ تو اللہ تعالی انہیں ہلاک کر دیتا، جیسے کہ عاد وثمود کے ساتھ ہوا اور ان کی طرح اور بھی بہت سی قومیں ہلاک ہوئیں، اور اگر وہ ایمان لائے اور تصدیق کیا تو اس نبی کے بعد دوسرے نبی تشریف

لاتے تھے، جیسا کہ بنواسرائیل کے ساتھ ہوا، وہ موسیٰ سے شروع کیئے گئے اور عیسیٰ پر ختم کیئے گئے، اوران دونوں کے درمیان اتنے انبیاء آئے جن کی صحیح تعداد کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے: (بنی اسرائیل کی قیادت ان کے انبیاء کیا کرتے تھے، چنانچہ جب کوئی نبی وفات پا جاتے تو ان کے بعد ایک نبی آجاتے)74، اوراس کی وجہ سے وہ اپنے

انبیاء سابقین کی سنت کے محتاج نہیں تھے، کیونکہ آنے والے نبی ان کے لئے کافی ہوتے تھے، اوراس سے ان پر حجت قائم ہوجاتی تھی)75

پانچواں سبب: سنت نے ایسی قوموں کو خطاب کیا ہے جو آخری زمانوں میں آنے والی ہیں:

اللہ تعالی کی طرف سے سنت کی حفاظت کیئے جانے کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ: سنت نے ایسی قوموں کو بھی خطاب کیا ہے جو آخری زمانوں میں آئیں گی اور وہ نبی ﷺ کے زمانے میں موجود نہیں تھیں، اور نہ ان کے بعد کی صدیوں میں موجود تھیں، چنانچہ نبی ﷺ نے لوگوں کو۔ جیسا کہ ثابت احادیث میں آیا ہے۔ غربت کے زمانے میں سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی ترغیب دی ہے، اہلِ قسطنطنیہ کے لئے آپ نے استغفار طلب فرمایا ہے، اوراس جماعت کو جو ہندوستان کے خلاف جنگ کرے گی اور دوسری وہ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہوگی آپ نے جہنم سے حفاظت کرنے کی بات فرمائی ہے، نیز آپ نے ایام فتن کی اور علامات قیامت کی خبر دی ہے، اوراپنی امت کے بعض ان اصناف کی خبر دی ہے جن کو آپ نے اپنے زمانے میں نہیں دیکھا تھا، اوراس طرح کی اور بھی بہت ساری حدیثوں میں آپ نے قرونِ متاخرہ کے لوگوں کو خطاب کیا ہے، تو اگر نبی ﷺ کے علم میں سنت کے تعلق سے الٰہی حفاظت کا علم نہ ہوتا تو آپ کی زبان مبارک سے اس طرح کی احادیث کا ظہور بے کار ولاحصل ہوتا، خصوصاً اس لئے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ضرورت مند بھی نہیں تھے اور مقامِ نبوت اس طرح کی بے مقصد گفتگو کرنے سے محفوظ رہا ہے76.

اسی بنا پر نبی ﷺ اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو ان سے سنی ہوئی باتوں کو اپنے بعد والوں تک پہنچانے کی

74. البخاری، (1273/3)، (ح3268)؛ ومسلم، (1471/3)، (ح1842).

75. حفظ اللہ السنۃ، (ص47).

76. دیکھئے: حفظ اللہ السنۃ، (ص48).

ترغیب دیا کرتے تھے، اسی طرح قیامت تک اس سلسلہ کو باقی رکھنے کا حکم ہے تا کہ تبلیغِ دین اور حفاظتِ سنت کا کام جاری رہے، اس قسم کی احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**تَسْمَعُونَ** 77، **وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ ، وَ يُسْمَعُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْكُمْ**78)79.

(یعنی: تم لوگ سنو گے، اس کے بعد تم لوگوں سے دوسرے سنیں گے، اور تم سے سننے والوں سے دوسرے لوگ سنیں گے)، اور علماء نے اس کو نبی ﷺ کی نبوت کے معجزات میں سے ایک معجزہ شمار کیا ہے۔

چھٹا سبب: سنت اسناد کے ساتھ محفوظ ہے جس طرح قرآن محفوظ ہے:

قرآن کریم اللہ تعالی کی حفاظت سے محفوظ ہے، اسی طرح اس اسناد سے محفوظ ہے جو نبی ﷺ سے متصل ہے ، اور ٹھیک یہی چیز نبی ﷺ کی سنت میں بھی پائی جاتی ہے اس لئے کہ وہ بھی اللہ کی وحی ہے لہذا وہ بھی محفوظ ہے، اور اس میں بھی نبی ﷺ سے متصل اسناد پائی جاتی ہے، ایسی صورت میں ہم دو باہم مشابہ اور دو مروی چیزوں کے درمیان کیونکر فرق کر سکتے ہیں؟ چنانچہ حفاظت کتاب اور سنت دونوں کو حاصل ہے، (**قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا**) [النساء :۷۸] ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ کی طرف سے ہے، پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ بات سمجھتے ہی نہیں ہیں)۔

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اسناد دین میں سے ہے، اور اگر اسناد نہ ہوتی تو کوئی بھی شخص جو چاہتا وہ کہتا)80.

اور ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ المدنی المتروک (راوی متروک) سے کہا: (اے اسحاق! تم ایسی حدیثیں لاتے ہو جو بے نکیل اور بے لگام کے ہوتی ہے، چنانچہ جب تم حدیث بیان کرو تو

77.(**تَسْمَعُون**): یعنی: تم لوگ مجھ سے حدیث سنو گے، اور میری طرف سے اس کو پہنچاؤ گے، اور تم میں سے میرے بعد کے لوگ سنیں گے۔

78.(**وَ يُسْمَعُ مِمَّنْ سَمِعَ مِنْكُمْ**): یعنی: تم سے حدیث سننے والوں سے دوسرے لوگ سنیں گے، اسی طرح ان کے بعد والے بھی، علم اسی طرح ظاہر ہوگا اور پھیلے گا، اور اسی نہج پر تبلیغ کا کام ہوگا، دیکھئے: فیض القدیر، (245/3).

79. ابوداود، (321/3)، (ح3659). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (411/2)، (ح3659) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے.

80. مقدمۃ صحیح مسلم، (15/1).

سند کے ساتھ کرو)81.

اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (بلا اسناد حدیث طلب کرنے والے کی مثال حاطب لیل (رات میں لکڑی جمع کرنے والے) کی ہے، جس کی لکڑی میں سانپ بھی ہوسکتا ہے جو اسے اس کی بے خبری میں ڈس سکتا ہے)82.

اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ علم دین ہے لہذا غور کرلو کہ تم کس سے اپنا دین حاصل کررہے ہو)83.

اس مقولہ کی تائید شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کی ہے، وہ کہتے ہیں: (اسناد و روایت کے علم سے اللہ تعالی نے اس امت محمدیہ کو مخصوص فرمایا ہے، اور اسے درایت تک پہنچنے کی سیڑھی بنایا ہے، پس اہلِ کتاب کے پاس اسناد نہیں ہے جس کے ذریعہ وہ منقولات کو حاصل کریں، یہی حال اس امت کے مبتدعین اور اہل ضلالات کا ہے، اسناد تو ان کے پاس ہے جن پر اللہ کا بڑا فضل واحسان ہے، اور وہ مسلمانوں میں اہل سنت ہیں جو اس کے ذریعہ صحیح وسقیم کے درمیان اور معوج وقویم کے درمیان تفریق کرتے ہیں، ان کے علاوہ اہل بدعت اور کفار کا بھی یہی حال ہے کہ ان کے نزدیک منقولات ہیں جنہیں وہ بغیر اسناد کے حاصل کرتے ہیں، اور ان کے دین میں انہیں منقولات پر اعتماد کیا جاتا ہے، لیکن وہ ان میں سے حق کو باطل سے اور مزین کو خالی سے امتیاز نہیں کرسکتے)84.

ساتواں سبب: اکمال دین اور اتمام نعمت حفظ سنت کو مستلزم ہے:

اللہ تعالی کے اس قول کے مصداق: (**اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا**) [**المائدة** :۳] (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی، اور اسلام کو بحیثیت دین تمہارے لئے پسند کرلیا)۔

پس اکمالِ دین اور اتمامِ نعمت سے کتاب وسنت کا محفوظ ہونا لازم آتا ہے، اس لئے وہ دونوں اللہ کے وہ دین ہیں جس کو اس نے مکمل کیا ہے اور جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے اور اسی کے ذریعہ ان پر اللہ کی نعمت کا اتمام ہوا ہے۔

---

81. الإرشاد فی معرفة علماء الحدیث، لأبی یعلی القزوینی (194/1).
82. نفس مصدر، (154/1).
83. مقدمہ صحیح مسلم، (14/1).
84. مجموع الفتاوی، (9/1).

دوسرا مطلب

نبی ﷺ کے عہد میں سنت کی حفاظت

حفاظتِ سنت کے سلسلے میں نبی ﷺ کے وسائل:

سنت کی تبلیغ وتعلیم کے بارے میں نبی ﷺ کے طریقے کا مطالعہ کرنے والا یہ پاتا ہے کہ آپ ﷺ اس کے شدید حریص ومشتاق تھے کہ آپ کے کلام کو صحیح طریقے سے اور دقت کے ساتھ منتقل کیا جائے، تاکہ وہ سنت کو سینوں میں پائیدار طور پر محفوظ کئے جانے کا باعث بنے، اور جن وسائل کو نبی ﷺ نے تبلیغِ سنت کی خاطر بروئے کار لایا، اور جو تبلیغ حفظِ سنت کا باعث بنی، ان وسائل میں سے اہم یہ تھے85:

اول: سنت کی حفاظت اور اس کی تبلیغ کی ترغیب دینا:

نبی ﷺ اپنے اصحاب کرام کو سنت کی حفاظت کرنے اور اس کی لوگوں میں تبلیغ کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، نبی ﷺ مختلف موقعوں پر یہ فرمایا کرتے تھے: (**وَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ**)86، (یعنی: موجود آدمی غیر موجود تک اسے ضرور پہنچائے)۔

نیز آپ یہ بھی کہا کرتے تھے: (**بَلِّغُوا عَنِّي وَ لَو آيَةً**)87، (یعنی: میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو)۔

اور نبی ﷺ حدیث نقل کرنے والوں کے حق میں تروتازگی اور تابندگی کی دعا کیا کرتے تھے اور فرماتے:

(نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثاً فَحَفِظَهُ حَتَّي يُبَلِّغَهُ ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ)88.

---

85. جهود الأئمة في حفظ السنة، احمد بن عبدالرحمٰن الصويان، مجلة البيان، (عدد: ۱۱۵)، (ربیع الأول 1418ھ)، (ص8).

86. البخاری، (51/1)، (ح104)؛ ومسلم، (987/2)، (ح1354).

87. البخاری، (1275/3)، (ح3274).

88. ابوداود، (322/3)، (ح3660). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (411/2)، (ح3660) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے.

(یعنی: اللہ تعالی اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے مجھ سے حدیث سنی، پس اسے یاد کیا یہاں تک کہ اسے پہنچا دیا، کتنے حاملِ فقہ اسے اپنے سے بڑے فقیہ تک پہنچاتے ہیں، اور کتنے حاملِ فقہ فی الحقیقت فقیہ نہیں ہوتے)۔

اور نبی ﷺ اپنے اصحاب سے کہا کرتے تھے: (احْفَظُوهُنَّ وَأَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَائِكُمْ)89.

(یعنی: انہیں یاد کرلو اور ان کے بارے میں تم لوگ پیچھے رہ جانے والوں کو بتاؤ)۔

اور آپ ﷺ نے مالک بن حویرث اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا: (**لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوهُمْ**)90، (یعنی: جب تم لوگ اپنے وطن کو لوٹو گے تو وہاں لوگوں کو سکھاؤ گے)

دوم: اپنے اصحاب کے لئے حفظ وفہم کی دعا کرنا:

رسول اللہ ﷺ اپنے بعض اصحاب کے لئے فقہ وفہم کی دعا کیا کرتے تھے، ان میں سے آپ کی مشہور دعا وہ ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے کی تھی: (**اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ**) 91. (یعنی: اے اللہ! اسے دین میں بصیرت عطا فرما)۔

اور آپ ﷺ اپنے بعض اصحاب کے لئے حفظ وضبط کی دعا کرتے تھے، ایک دن آپ اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں: (کون اپنی چادر بچھائے گا، حتی کہ میں اپنے کلام کو مکمل کرلوں، پھر وہ اسے سمیٹ لے گا، تو اس کے بعد جو بھی مجھ سے سنے گا اسے وہ ہرگز نہیں بھولے گا)، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے اپنی وہ چادر بچھادی جو میرے بدن پر تھی، اور قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! میں نے جو کچھ آپ سے سنا اس میں سے کچھ بھی نہیں بھولا 92.

سوم: آپ کا اس شخص کو جہنم کی شدید وعید سنانا جو علم کو چھپائے، یا جان بوجھ کر آپ کی طرف جھوٹ منسوب کرے:

---

89. البخاری، (29/1)، (ح53).

90. البخاری، (242/1)، (ح625)

91. البخاری، (66/1)، (ح143).

92. البخاری، (2677/6)، (ح6921).

نبی ﷺ نے کتمانِ علم پر نہایت سخت انداز میں دھمکی دی ہے، آپ کا فرمان ہے: (**مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ فَكَتَمَهُ ؛ أَلْجَمَهُ اللّٰهُ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**)93.

(یعنی: جس سے کسی علم کے بارے میں پوچھا گیا، پس اس نے اسے چھپایا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جہنم کی آگ کی لگام پہنائے گا)۔

اس طرح نبی ﷺ آپ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے پر بھی شدید قسم کی دھمکی دی ہے، آپ کا فرمان ہے: (**اِنَّ كَذِباً عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلَى أَحَدٍ ، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ**)94.

(یعنی: مجھ پر جھوٹ گڑھنا کسی دوسرے پر جھوٹ گڑھنے کی طرح نہیں ہے، جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گڑھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم کو بنالے)۔

اور یہ وعید صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کے لوگوں کے لئے ہے کیونکہ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعدیل کئے جانے کی بنا پر عادل ہیں، ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (صحابہ میں کوئی ایسے صحابی نہیں جس نے عمداً رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گڑھا ہو، حالانکہ ان میں گناہ والے پائے جاتے ہیں، لیکن یہ باب ایسا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی ﷺ پو جھوٹ گڑھنے سے محفوظ رکھا ہے)95.

چہارم: صحابہ کو کتابتِ حدیث کی اجازت دینا:

نبی ﷺ نے ابتدا میں اپنے اصحاب کو حدیث لکھنے سے منع کیا تھا، آپ نے فرمایا تھا: (**لا تَكْتُبُوا عَنِّي، وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرآنِ فَلْيَمْحُهُ**) 96. (یعنی: میری کوئی بات لکھا نہ کرو، اور جس نے قرآن کے سوا میری کوئی بات لکھی ہے تو اسے مٹا دے)۔

سببِ ممانعت: قرآن کا حدیث سے اختلاط کا اندیشہ، یا یہ اندیشہ کہ کہیں لوگ قرآن کے بجائے حدیث میں نہ مشغول ہو کر رہ جائیں، اور جب یہ اندیشہ دور ہو گیا تو آپ نے اپنے اصحاب کو کتابتِ حدیث کی اجازت دے

93. ابوداود، (321/3)، (ح3685). اور البانی نے (صحیح ابی داود)، (411/2)، (ح3658) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

94. البخاری، (434/1)، (1229)؛ ومسلم، (10/1)، (ح4).

95. الرد علی الأخنائی، (ص104,103).

96. مسلم، (2298/4)، (ح3004).

دی تا کہ ضبط واتقان میں اور زیادتی ہو۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا، میں اسے یاد رکھنا چاہتا تھا، لیکن قریش نے مجھے اس سے منع کر دیا اور کہا: کیا تم ہر اس بات کو لکھتے ہو جس کو رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو، جب کہ وہ انسان ہیں اور غضب ورضا کی حالت میں بات کرتے ہیں، چنانچہ میں اس کے بعد لکھنے سے رُک گیا، اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنی انگلی سے اپنے دہانِ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: (لکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے صرف حق ہی نکلتا ہے) 97.

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے اصحاب کو کتابت کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: (**قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ**) 98 (یعنی: علم کو تحریر میں لا کر قید کر لو)۔

پنجم: تعلیم کے لئے نبی ﷺ کا وسائل وطرق پر اعتماد کرنا:

لوگوں کو آسان انداز میں تعلیم دینا نبی ﷺ کی بعثت کے اہم مقاصد میں سے تھا، اس سلسلے میں نبی ﷺ خود فرماتے ہیں: (**إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتاً ، ولا مُتَعَنِّتاً ، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّماً مُيَسِّراً**) 99، (یعنی: اللہ تعالی نے مجھے سخت وترش رو بنا کر نہیں بھیجا ہے، اور نہ سختی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، بلکہ اس نے مجھے سہل معلم بنا کر بھیجا ہے)، اور اس معلمِ سہل پسند ﷺ نے تعلیم کے ایسے وسائل وطرق ایجاد فرمائے کہ ان کی وجہ سے آپ کو جدید نظریات وطرق پر زبردست سبقت حاصل ہوگئی، جن کی طرف آج مسلمان ماہرینِ تربیت کو توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے تا کہ وہ نبی ﷺ کے منہجِ تربیت وطریقۂ تعلیم کو اول مقام میں رکھ سکیں، اور آپ ﷺ کی حدیثوں کو کھنگھالنے والا ان کے اندر ان وسائل کو واضح طور پر محسوس کرتا ہے جنہوں نے سنت نبویہ کی حفاظت کے تعلق سے پورے عالم کو حیرت میں ڈال دینے والا محیر العقول کارنامہ انجام دیا ہے، اور اس سلسلے میں آپ کے اختیار کردہ وسائل - بطور مثال نہ کہ بطور حصر - یہ تھے:

ا۔ گفتگو میں تکرار کرنا تا کہ آپ کی بات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے:

جب نبی ﷺ کوئی بات کہتے تو اس کے شدید خواہش مند ہوتے کہ آپ کی بات کو سمجھ لیا جائے اور آپ کی

97. ابوداود، (318/3)، (ح3646). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (408/2)، (ح3646) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے.
98. مستدرک الحاکم، (188/1)، (ح362). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع)، (816/2)، (ح4434) میں صحیح کہا ہے.
99. مسلم، (1104/2)، (ح1478).

مراد واضح ہوجائے ،اور اگر کسی کلمہ کا اعادہ کرنے کی ضرورت ہوتی تو اس کا اعادہ فرماتے ،اور کبھی کبھی تو تین تین بار دہرایا کرتے تھے حتی کہ آپ کو یقین ہوجاتا تھا کہ اسے سمجھ لیا گیا ہے:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: (جب رسول اللہ ﷺ کوئی بات بولتے تو تین بار اس کا اعادہ کرتے، یہاں تک کہ اسے سمجھ لیا جاتا)100.

۲۔اپنے بعض اصحاب کے محفوظات کا مراجعہ فرمانا:

براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو نماز کے وضو کی طرح وضو کرلو، پھر اپنے داہنے پہلو پر لیٹ جاؤ، پھر یہ کہو: **(اللَّهُمَّ اِنِّی أَسْلَمْتُ وَجْهِی اِلَیْکَ، وفَوَّضْتُ أَمْرِي اِلَیْکَ ، وَ أَلْجَأْتُ ظَهْرِي اِلَیْکَ، رَغْبَةً وَ رَهْبَةً اِلَیْکَ ، لَا مَلْجَأَ ولا مَنْجا مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ، آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، و بِنَبِیِّکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ)** ،اور اس دعا کو اپنا آخری کلام بنالو (یعنی اس کے بعد دوسری کوئی بات نہ کرو)، تو اگر تم اسی رات مر گئے تو تمہاری موت فطرت پر ہوئی) براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے یاد کرنے کے غرض سے ان کلمات کو دہرایا تو میں نے کہا **(آمَنْتُ بِرَسُولِکَ الذی أَرْسَلْتَ)**، تو نبی ﷺ نے فرمایا: (کہو : **آمَنْتُ بِنَبِیِّکَ الَّذِي أَرْسَلْتَ**)101.

رسول اللہ ﷺ صحابہ کی حالت کی رعایت کیا کرتے تھے، آپ اسی وقت ان سے حدیث بیان فرماتے جب ان میں سننے اور سیکھنے کی رغبت موجود ہوتی تھی، اور بلا شبہ یہ سنی ہوئی بات کو ذہن میں راسخ کرنے اور سستی و اکتاہٹ سے دور ہونے کی حالت ہوتی ہے:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (**كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوعِظَةِ فِي الأَيَّامِ ؛ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَينَا**)102.(یعنی: نبی ﷺ بعض دنوں میں وعظ بیان کرنے میں ناغہ کردیا کرتے تھے، ہم پر اکتاہٹ طاری ہوجانے کے اندیشے سے)۔

۴۔آپ کا آہستگی اور سنجیدگی کے ساتھ حدیث بیان کرنا اور سرسری انداز میں کلام پیش نہ کرنا:

جب نبی ﷺ حدیث بیان کرتے تو متانت اور آہستگی کے ساتھ بیان کرتے ،بعض کلام کو بعض میں داخل نہ

---

100. البخاری، (48/1)، (ح95).

101. مسلم (2081/4).

102. البخاری، (38/1)، (ح68)؛ ومسلم، (2173/4)، (ح2821).

کرتے، اور نہ اسے سرسری انداز میں پیش فرماتے، اور یہ مسموع کی سلامت، سامع کی حفاظت اور فہم حدیث کا بہت بڑا باعث تھا:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: (**كان كَلَامُ رَسُولِ اللّهِ ﷺ كَلَاماً فَصْلاً** 103، **يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ**)104، (یعنی: رسول اللہ ﷺ کا کلام الگ الگ ہوتا تھا، ہر سننے والا اسے سمجھ لیتا تھا)۔

اور جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (**كان فِي كَلَامِ رَسُولِ اللّهِ ﷺ تَرْتِيلٌ** 105 **أَوْ تَرْسِيلٌ** 106)107 (یعنی: رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ترتیل یا ترسیل (دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی: رُک رُک اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی صفت) پائی جاتی تھی)۔

۵۔ کبھی آپ کا سوال کی صورت میں علمی فائدہ کو بیان فرمانا:

سوال کی صورت میں علمی فائدہ کو پیش کرنا سامع اور طالب کو اس کے جواب تک پہنچنے پر آمادہ کرتا ہے، اور یہ طریقہ انتباہ وتشویق کو بیدار کرتا ہے، پس جب نبی ﷺ جواب دیتے تھے تو آپ کی بات اذہان میں راسخ ہو جاتی تھی، کیونکہ اس وقت عقول آمادہ، اور قلوب متشوق، اور اذہان قبول کے لئے تیار ہوا کرتے تھے:

ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَإِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، فَحَدِّثُونِي ما هِيَ؟** فَوَقَعَ النَّاسُ فِي الْبَوَادِي) قال عبد اللّهِ: وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا: حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّهِ؟ قَالَ: (**هِيَ النَّخْلَةُ**)108.

(یعنی درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے، اور وہ مسلمان کی مانند ہے، پس تم لوگ بتاؤ کہ وہ کونسا درخت ہے؟ لوگ دیہات کے درختوں میں غور کرنے لگے) عبداللہ بیان کرتے ہیں: میرے دل

103. (كَلَامًا فَصْلاً): یعنی: اجزاء کے درمیان فاصلہ والا اور واضح کلام. دیکھئے: عون المعبود، (126/13).

104. ابوداود، (261/4)، (ح 4839). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (189/3)، (ح 4839) میں اس کو حسن کہا ہے.

105. (تَرْتِيلٌ): یعنی: ٹھہر ٹھہر اور رُک رُک کر، حروف وحرکات کی وضاحت کے ساتھ پڑھنا حتی کہ سامع شمار کر سکے.

106. (أَوْ تَرْسِيل): راوی کو شک ہے کہ ترتیل کہا یا ترسیل، اور ترتیل وترسیل کا معنی ایک ہے، عون المعبود، (126/13).

107. ابوداود، (260/4)، (ح 4838). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (189/3)، (ح 4838) میں صحیح قرار دیا ہے.

108. البخاری، (34/1)، (ح 61)؛ ومسلم، (2164/4)، (ح 2811).

میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں شرما گیا، پھر صحابہ نے عرض کیا: وہ کیسا درخت ہے اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا:(وہ کھجور کا درخت ہے)۔

٦۔تفہیم وتقریب کے لئے مثل کا استعمال کرنا:

متعلمین وطالبانِ علم کے لئے امثال بیان کرنا نبی ﷺ کی تربیت کے اسالیب میں سے ہے جن کا استعمال آپ نے بہت ساری احادیث میں کیا ہے، اس مقصد سے کہ مراد کی تفہیم اور ذہن میں اس کی ترسیخ ہو جائے، تا کہ اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لیا جائے، چنانچہ آپ بعید کو قریب سے، اور مجہول کو معلوم سے، اور معنوی کو محسوس سے سمجھاتے تھے، اور آپ کے مشہور امثال میں سے یہ ہیں:

نبی ﷺ کا قول ہے: **(مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالسُّوءِ ، كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْكِيرِ)** 109 (یعنی: نیک ہم مجلس اور بُرے ہم مجلس کی مثال حاملِ مسک (عطر بردار) اور نافخ کیر (بھٹی پھونکنے والے) کی ہے)۔

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: **(إِنَّ مَثَلِي وَ مَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي ، كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتاً ، فَأَحْسَنَهُ وَ أَجْمَلَهُ ، إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَ يَعْجَبُونَ لَهُ ، وَ يَقُولُونَ : هَلَّا وُضِعَتْ هذه اللَّبِنَةُ ، قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ ، وَأَنَا خَاتِمُ النَّبِيِّينَ)**110.

یعنی: میری اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے جس نے گھر بنایا اور اسے خوب حسین وجمیل شکل دیا، سوائے اس کے کسی کنارے میں ایک اینٹ کے، اور لوگ اس کا چکر لگانے لگے اور اس پر تعجب کرنے لگے، اور یہ کہنے لگے: اس اینٹ کو کیوں نہ رکھا گیا، پھر آپ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں، اور میں ہی خاتم النبیین ہوں)۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: **(مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ ؛ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَي مِنْهُ عُضْوٌ ، تَدَاعَى له سَائِرُ الجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالحُمَّي)**111.

(یعنی: مؤمنوں کی مثال آپسی محبت ورحمت ومہربانی میں اس جسم کی ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو مرض

---

109. البخاری، (2104/4)، (ح5241)؛ ومسلم، (2026/4)، (ح2628).

110. البخاری، (1300/3)، (ح3341)؛ ومسلم، (1790/4)، (ح2286).

111. مسلم، (1999/4)، (ح2586).

لاحق ہو جاتا ہے تو سارا جسم بخار و بیداری.........).

۷۔ بروقت اصلاح کو منہج تعلیم میں مقام دینا:

نبی ﷺ بروقت اصلاح اور اس پیغام کے درمیان ربط قائم فرماتے تھے جس کو آپ سیکھنے والے تک پہنچانا چاہتے تھے اور یہ طریقہ کہی جانے والی بات کو ذہن میں خاصا راسخ کر دیتا تھا، اور اس کی مثال:

عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (میں رسول اللہ ﷺ کے زیر پرورش ایک بچہ تھا، اور میرا ہاتھ کھانے کے برتن میں گردش کیا کرتا تھا، پس رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: (بچے! بسم اللہ کہو، اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور اپنے پاس کی چیز سے کھاؤ). اس کے بعد ہمیشہ وہی میرے کھانے کا طریقہ رہا)112.

۸۔ سمعی و بصری موثرات پر اعتماد کرنا:

تعلیم کے سلسلے میں نبی ﷺ کو تمام جدید علمی نظریات پر سبقت حاصل ہے، اس اعتبار سے کہ آپ نے اس زمانے میں حاصل تمام امکانات کا استعمال کیا، تاکہ وہ ان معلومات کو پیش کرنے کے وسائل بنیں جن کو آپ پہنچانا چاہتے تھے، اور اس کی مثال ہے:

بصری موثرات: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے، پس آپ نے ایک خط کھینچا، پھر اس کے دائیں دو خطوط کھینچے اور اس کے بائیں دو خطوط کھینچے، پھر آپ نے اپنا ہاتھ درمیانے خط پر رکھا اور فرمایا: (یہ اللہ کا راستہ ہے) پھر اس آیت کی تلاوت کی: [**وَ أَنَّ هَـٰذَا صِـرَاطِـي مُسْتَقِيماً فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ**] [**الأنعام**:۱۵۳]113.

موثرات سمعیہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ (**كَـانَ رَسُـولُ الـلَّـهِ ﷺ إِذَا خَـطَـبَ احْـمَـرَّتْ عَيْـنَـاهُ ، وَعَـلَـى صَوْتُهُ ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ ، يَقُولُ : صَبَّحَكُمْ وَ مَسَّاكُمْ**)114.

---

112. البخاری، (2056/5)، (ح5063)؛ ومسلم، (1599/3)، (ح2022).

113. ابن ماجۃ، (6/1)، (ح11). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (21/1)، (ح11) میں صحیح قرار دیا ہے.

114. مسلم، (592/2)، (ح867).

(یعنی: جب رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے تو آپ کی دونوں آنکھیں سرخ ہو جاتیں، اور آپ کی آواز بلند ہو جاتی، اور آپ کا غضب شدید تر ہو جاتا، حتی کہ لگتا کہ آپ کسی لشکر کو ڈرانے والے ہیں، اور آپ فرما رہے ہیں: وہ صبح میں تمہارے پاس آنے والا ہے اور شام میں آنے والا ہے)

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (خطیب کے لئے مستحب ہے کہ وہ خطبہ کو ہیبت ناک بنائے، اپنی آواز کو بلند کرے، اپنے کلام کو مختصر بنائے، اور ترغیب یا ترھیب پر مشتمل اس کا کلام اس موقع کے مناسب ہو جس میں وہ خطبہ دے رہا ہے، اور شاید نبی ﷺ کا شدید غصہ کسی عظیم امر سے ڈرانے اور کسی غیر معمولی واقعہ کو بیان کرنے کے وقت ظاہر ہوتا تھا)115.

۹۔ طالبانِ علم کا خیال رکھنا اور ان کے ساتھ بہتر سلوک کی وصیت کرنا:

اس سلسلے میں رسول کریم ﷺ نے زبردست عملی مثال قائم کیا ہے، اس طور پر کہ آپ نے طالبانِ علم کا بھرپور خیال رکھا، ان کی خاطر داری کی اور ان کے لئے وصیت فرمائی، اس کی مثال یہ ہے:

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**سَيَأْتِيكُمْ أَقْوَامٌ يَطْلُبُونَ الْعِلْمَ، فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُمْ فَقُولُوا لَهُمْ: مَرْحَباً مَرْحَباً بِوَصِيَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَاقْنُوهُمْ) قُلْتُ لِلْحَكَمِ: ما (أَقْنُوهُمْ؟) قال: عَلِّمُوهُمْ**116.

(عنقریب تمہارے پاس کچھ اقوام آئیں گی جو علم طلب کریں گی، پس جب تم انہیں دیکھو تو ان سے کہو: خوش آمدید، خوش آمدید، اللہ کے رسول ﷺ کی وصیت کے مطابق، اور انہیں راضی وخوش کر دو) میں نے حکم سے پوچھا: اقناء (راضی وخوش کرنے) کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے کہا: انہیں تعلیم دو۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ داخل ہوا تو آپ نے پینے کے ایک برتن میں دودھ پایا، پس آپ نے فرمایا: (اے ابو ہریرہ! اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں میرے پاس لاؤ) وہ کہتے ہیں کہ: میں ان لوگوں کے پاس آیا اور انہیں بلایا، پس وہ لوگ آپ کے گھر کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے داخل ہونے کی اجازت مانگی، پس انہیں اجازت دے دیا گیا پھر وہ داخل ہو گئے 117.

115. شرح النووی علی صحیح مسلم، (156/6).

116 ابن ماجۃ، (90/1)، (247). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (99/1)، (203) میں صحیح قرار دیا ہے.

117. البخاری، (2305/5)، (ح5892).

تیسرا مطلب

عصر صحابہ میں سنت نبویہ کی حفاظت

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کے لئے طہر و پاکیزگی میں اعلی مرتبہ پر فائز جلیل القدر اصحاب کو منتخب فرمایا، تا کہ وہ ہمارے لئے آپ کی سنت کو محفوظ بنائیں اور ہماری طرف شریعت کو منتقل کریں، اور واقعتاً انہوں نے نبی ﷺ کی حیاتِ مبارکہ سے متعلق ہر چھوٹی بڑی بات کو ہماری طرف منتقل کیا، جس کی لوگوں کو دین کے سلسلے میں ضرورت ہوسکتی تھی، چاہے اس کو آپ نے حالتِ اقامت میں کہا ہو یا حالتِ سفر میں، حالتِ امن میں فرمایا ہو یا حالتِ حرب میں، رضا میں یا غضب میں، حتی کہ آپ کے اپنے اہل کے ساتھ کے خاص معمولات اور آپ کے جملہ حالات کو منتقل فرمایا۔

چنانچہ ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ کسی چڑیا نے ہوا میں اپنے پروں کو ہلایا بھی تھا تو آپ نے اس کے بارے میں معلومات سے نواز دیا تھا118، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی بھی ایسی بات باقی نہیں رہی جسے تمہارے لئے بیان نہ کردیا گیا ہو)119.

اور۔ایک اور جگہ پر۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**تَرَكْتُكُمْ عَلَي الْبَيْضَاءِ 120؛ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِی اِلَّا هَالِكٌ**)121.

(یعنی: میں نے تم لوگوں کو حجتِ واضحہ پر چھوڑا ہے، جس کی رات بھی دن کی مانند ہے، میرے بعد اس سے ہلاک ہونے والا ہی منحرف ہوسکتا ہے)

---

118. یہاں تک احمد نے مسند، (162/5)، (رقم 21477) میں روایت کیا ہے.

119. الطبرانی فی الکبیر، (155/2)، (ح 1647). اور البانی نے اس کو (السلسلۃ الصحیحۃ)، (416/4)، (ح 1803) میں صحیح قرار دیا ہے.

120. (**تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاء**): یعنی: میں نے تم کو اس ملت اور اس حجتِ واضحہ پر چھوڑا ہے جو کسی طرح کے شبہ کو گوارا نہیں کرتی.

121. ابن ماجۃ، (16/1)، (ح 43). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (32/1)، (ح 41) میں صحیح قرار دیا ہے.

عصر صحابہ میں سنت کی حفاظت کے بارے میں گفتگو چند امور کے تحت پیش کی جائے گی:

اول: اس پر اجماع منعقد ہے کہ سارے صحابۂ کرام عادل ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں ان کی تعریف کی ہے اوران کا تزکیہ بیان کیا ہے، اور تعدیل وتزکیہ کے لئے اس کی ذات کافی ہے، نیز اللہ تعالی نے انہیں وسعتِ حفظ اورقوتِ ضبط سے مالا مال کیا تھا جس کا کتاب وسنت کی شکل میں دین کی حفاظت کے اندر بہت بڑا کردار رہا ہے.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے قلوب کو دیکھا تو محمد ﷺ کے قلب کو تمام بندوں کے قلوب سے اچھا پایا، پھر آپ ﷺ کے بعد دوبارہ اپنے بندوں کے قلوب کی طرف دیکھا تو آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے قلوب کو تمام بندوں کے قلوب سے اچھا پایا، لہذا انہیں اپنے نبی کا وزیر بنادیا، جو اس کے دین کی خاطر قتال کرتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں نے جس کو اچھا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور جس کو بُرا سمجھا وہ اللہ کے نزدیک بُرا ہے)122.

اور خطیب بغدادی نے کہا ہے: (اگر اللہ عزوجل کی طرف سے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان (صحابہ) کے بارے میں وہ باتیں وارد نہ ہوئی ہوتیں جن کا ذکر میں نے کیا ہے تو بھی ان کی وہ حالت جس پر وہ قائم تھے، یعنی ان کی ہجرت، جہاد اور نصرت وحمایت، جانوں اور مالوں کی قربانی، اپنے آباء واولاد کو قتل کرنا، دینی امور میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنا اور ان کی قوتِ ایمان ویقین، یہ سب ان کی عدالت کی قطعیت اور ان کے اعتقاد کی نزاہت ونظافت کو ثابت کرتی ہیں، اور یہ باور کراتی ہیں کہ وہ عادل ٹھہرائے گئے اور تزکیہ سے نوازے گئے ان تمام لوگوں سے افضل وبرتر ہیں جو ان کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے، یہی عام اور تمام علماء کا مذہب ہے اور ان فقہاء کا بھی جن کے قول کو لائق اعتناء سمجھا جاتا ہے)123.

دوم: ان کے اندر سنت کے حفظ وضبط کی شدید خواہش کا پایا جانا:

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم سنت کے حفظ وضبط کے سب سے بڑے حریص تھے، اس بات پر اٹوٹ ایمان ہونے کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ ان لوگوں سے فرماتے ہیں وہ اللہ تعالی کی طرف سے کی گئی وحی ہوتی ہے،

---

122. مسند احمد، (379/1)، (ح3600). اور البانی نے (شرح العقیدہ الطحاویۃ) (ص530) میں (حسن موقوف) کہا ہے.

123. الکفایۃ فی علم الروایۃ، (49).

صحابۂ کرام کی حالت اور حدیث رسول سننے کی ان کی چاہت کا تتبع کرنے والا کسی شک وشبہ کے بغیر اس ٹھوس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حدیثیں سننے کا اپنا منہج تھا، ان کا سننا تحمل، تعلم، حفظ، تدوین اور تبلیغ کے لئے ہوتا تھا اور سنت کے حفظ وضبط کے تعلق سے صحابہ کرام کے اس منہج کی روشن مثالیں درج ذیل ہیں:

ا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھنے کے لئے ان کا آپس میں باری مقرر کرنا:

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (میں نے اور عوالی مدینہ میں مقیم بنی امیۃ بن زید کے میرے ایک انصاری پڑوسی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے باری مقرر کرلیا تھا، ایک دن وہ آپ ﷺ کی خدمت میں جاتا اور ایک دن میں جاتا، جب میں جاتا تو اس دن کی وحی اور غیر وحی سے متعلق ساری خبر اسے سناتا، اور جب وہ جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا)124.

ایسا انفرادی طور پر انجام دیا جاتا تھا، جہاں تک اجتماعی طور پر سننے کی بات ہے تو نبی ﷺ کے دروس اور آپ کی مجلسیں مسجد وغیرہ میں ہی سجا کرتی تھیں تاکہ لوگ دینی امور سیکھ لیں، اور یہ حفظِ سنت کا موثر وفعال طریقہ تھا، اس غرض کے لئے بھی ان کی باریاں لگی ہوئی تھیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ مجلس میں حاضر نہ ہوسکنے والے لوگوں کی تعلیم وتبلیغ کے بھی بہت حریص ہوتے تھے اور آپ اکثر کہا کرتے تھے: (**فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ**)125.

یعنی: چاہئے کہ موجود آدمی غیر موجود تک ضرور پہنچائے.

بلکہ صحابیات ۔ رضی اللہ عنہن ۔ بھی اس عمل میں شریک ہوگئیں، جب چند عورتیں نبی ﷺ کی خدمت میں شکایت لے کر گئی تھیں، اس بارے میں آیا ہے:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عورتوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا: **غَلَبَنَا عَلَيكَ الرِّجَالُ** 126 (آپ کے پاس آنے میں مرد ہم عورتوں پر غالب آگئے ہیں)، اس لئے آپ اپنی طرف سے ہمارے لئے ایک دن متعین فرمادیں، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کے لئے ایک دن کا وعدہ کرلیا جس میں آپ ان سے ملتے، انہیں

---

124. البخاری، (1991/5)، (ح4895).

125. البخاری، (619/2)، (ح1652)؛ ومسلم، (1306/3)، (ح1679).

126. (**غَلَبَنَا عَلَيكَ الرِّجَالُ**): یعنی: ہم کمزور عورتیں ہیں ان مردوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں جو ہر روز آپ سے حدیث سنتے ہیں، اس لئے ہمارے لئے ایک دن مقرر کردیں جس میں ہم علم حاصل کریں. دیکھئے: عمدۃ القاری، (134/1).

وعظ سناتے اور احکام بتاتے ، آپ نے ان سے جو باتیں فرمائیں ان میں یہ بات بھی تھی: (تم میں سے جو بھی عورت اپنے تین بچوں کو پہلے بھیج دیتی ہے (یعنی اس کے تین بچے مرجاتے ہیں) تو وہ اس کے لئے جہنم سے آڑ ہوں گے)، ایک عورت نے کہا: اور دو بچے؟ آپ نے فرمایا: (اور دو بچے بھی) 127.

٢۔ان کا نبی ﷺ کے تصرفات پر گہری نظر رکھنا:

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دن عصر بعد نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ان دونوں رکعتوں سے آپ کو منع کرتے ہوئے سنتی ہوں اور آپ کو خود انہیں پڑھتے ہوئے دیکھ رہی ہوں؟ پس نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: (**سَأَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ؛ إِنَّهُ أَتَانِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ بِالْإِسْلَامِ مِنْ قَوْمِهِمْ ، فَشَغَلُونِي عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ، فَهُمَا هَاتَانِ**)128.

(یعنی: تم نے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے، تو میرے پاس قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگ اپنی قوم سے مسلمان ہو کر آئے تھے اور انہوں نے مجھے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا تھا، وہ وہی دو رکعتیں تھیں)۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نماز میں تکبیر (تکبیر تحریمہ) کہتے تو کچھ دیر خاموش رہتے 129، قبل اس کے کہ آپ قراءت کریں، چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! تکبیر اور قراءت کے درمیان آپ اپنی خاموشی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ اس میں آپ کیا کہتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: (**أقول : اللَّهُمَّ ! بَاعِدْ بَيْنِي وَ بَيْنَ خَطَايَايَ ؛ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اللَّهُمَّ ! نَقِّنِي مِنْ خَطَايَايَ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ ، اللَّهُمَّ! اغْسِلْنِي مِنْ خَطَايَايَ بِالثَّلْجِ وَالْمَاءِ وَالْبَرَدِ**) 130.

---

127. البخاری، (50/1)، (ح598).
128. مسلم، (571/1)، (ح834).
129. حدیث میں (هُنَيَّة) کا لفظ ہے جو تھوڑے وقت کو کہتے ہیں. فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، لابن رجب (85/5).
130. مسلم، (419/1)، (ح598).

(میں کہتا ہوں : اے اللہ ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان دوری پیدا کردے جس طرح تو نے مشرق ومغرب کے درمیان دوری پیدا کردیا ہے، اے اللہ ! مجھے میرے گناہوں سے پاک وصاف کردے جس طرح سفید کپڑے کو گندگی سے صاف کیا جاتا ہے، اے اللہ ! مجھ سے میرے گناہوں کو دھودے، برف سے اور پانی سے اور اولے کے سے).

۳۔سماع حدیث کی خاطر ان کا سفر کرنا:

صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی جستجو اور آپ کی سنتوں کی تلاش میں ہر قیمتی ونفیس چیز کو قربان کیا، اس سلسلے میں ان کے حالات جگ ظاہر اور مشہور ہیں 131:

یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جو اللہ کی قسم کھاتے ہیں اور اپنی قسم میں کہتے ہیں: (قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، کتاب اللہ کی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی مگر میں اس کے متعلق یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی ہے، اور کتاب اللہ کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے، اور اگر میں یہ جان لوں کہ کوئی شخص کتاب اللہ کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور اس تک اونٹ مجھے پہنچا سکتا ہے تو میں اس تک پہنچ جاتا)132.

اور(جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن انیس سے صرف ایک حدیث سننے کے لئے ایک ماہ کا سفر طے کیا تھا)133.

۴۔ان کا حدیث رسول تحریر میں لانا:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا اسے لکھ لیا کرتا تھا، میں اس کی حفاظت کے پیش نظر ایسا کرتا تھا، مگر قریش نے مجھے منع کردیا اور کہا: کیا تم رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی تمام باتیں لکھ لینا چاہتے ہو حالانکہ وہ بشر ہیں، وہ غصے میں بھی بات کرتے ہیں اور خوشی میں بھی؟ چنانچہ میں لکھنے سے رک گیا، لیکن میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا اور

---

131. دیکھئے: الرحلۃ فی طلب الحدیث، للخطیب البغدادی.

132. البخاری، (1912/4)، (رقم 4716)؛ ومسلم، (1913/4)، (رقم 2463).

133. البخاری معلقاً، (41/1). اور ابن حجر نے فتح الباری، (174/1) میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

فرمایا: (**اكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَق**)134.

(یعنی: لکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا).

لہذا نبی ﷺ اپنے اصحاب کو لکھنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے: (**قَيِّدُوا الْعِلْمَ بِالْكِتَابِ**) 135.(یعنی: علم کو تحریر کے ذریعہ قید کرلیا کرو).

سوم: روایت حدیث میں ان کا احتیاط:

نبی ﷺ سے روایت کرنا یوں تو راویوں کے لئے بہت شرف وفضل کی بات تھی، لیکن وہ راوی کے کندھے پر عائد بہت بھاری ذمہ داری بھی تھی، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام احادیث کی روایت میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے تاکہ کہیں غلطی میں واقع نہ ہوجائیں، اور اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

عمرو بن میمون اودی بیان کرتے ہیں: میں ہر جمعرات کو ابن مسعود کے پاس آیا کرتا تھا، جب وہ کہتے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، تو یہ کہتے ہوئے ان کے گردن کی رگ پھول جاتی تھی، پھر وہ آخر میں کہتے: (**أو دُوْنَ ذَلِكَ ، أَوْ فَوْقَ ذَلِكَ ، أَوْ قَرِيْبٌ مِنْ ذَلِكَ ، أَوْ شَبِيهٌ بِذَلِكَ ، أَوْ كَمَا قَالَ**)(یعنی: کم و بیش ایسا ہی فرمایا، یا قریب قریب ایسا ہی، یا اس کے مشابہ فرمایا، یا جیسا کہ آپ نے فرمایا)136.

اور محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں: انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرنے کے معاملے میں قلیل الحدیث تھے، اور جب وہ رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرتے تو کہتے: (**أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ**)137.

اور اسماعیل بن عبید اللہ بیان کرتے ہیں: ابو الدرداء رضی اللہ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث روایت کرتے تو (آخر میں) کہتے: (**هذا و نَحْوَهُ ، أو شِبْهَهُ ، أو شَكْلَهُ**)138.

---

134. اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص:)

135. اس کی تخریج گذر چکی ہے (ص:)

136. الکامل فی ضعفاء الرجال، (18/1).

137. سنن الدارمی، (96/1)، (رقم 276). اور اس کی سند حسن ہے.

138. سنن الدارمی، (448/1)، (رقم 790).

اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (صحابہ رضوان اللہ علیہم میں ایسے لوگ تھے جو نبی ﷺ سے حدیث کی روایت کرنے کے بعد کہا کرتے تھے: أو نَحْوَهُ ، أَوْ شَكْلَه ، أَوْ كَمَا قَالَ رَسولُ اللّهِ ﷺ ، جب کہ صحابۂ کرام ارباب لسان تھے اور کلام کے معانی کو تمام لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے، لہذا وہ لوگ یہ بات خوف کی بنا پر ہی کہتے رہے ہوں گے، کیونکہ وہ روایت بالمعنی کے خطرہ سے اچھی طرح آگاہ تھے)139.

چہارم: روایت حدیث میں ان کی دقت وباریکی:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرنے میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ دقت وباریکی سے کام لینے والے تھے، اس سلسلے میں ان سے منقول اخبار بہت ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبید بن عمیر کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث روایت کرتے ہوئے سنا جو کہ رہے تھے :(**مَثَلُ الْمُنَافِقِ ؛ كَمَثَلِ الشَّاةِ الرَّابِضَةِ بين الْغَنَمَيْنِ**) (یعنی: منافق کی مثال بکریوں کے دوگلوں کے درمیان بھٹکنے والی بکری کی ہے) تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم لوگ برباد ہو! رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہ کرو، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے: (**مَثَلُ الْمُنَافِقِ ؛ كَمَثَلِ الشَّاةِ الْعَائِرَةِ**140 **بين الْغَنَمَيْنِ**)141.

اور محمد بن علی بیان کرتے ہیں: جب ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتے تو اس میں نہ کوئی زیادتی کرتے، نہ اس میں سے کچھ کمی کرتے، اور نہ اس سے تجاوز کرتے اور نہ اس میں تقصیر سے کام لیتے تھے)142.

اور اعمش رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: (یہ علم ان اقوام کے پاس تھا جن میں سے کسی کو آسمان سے گر جانا اس سے بہتر تھا کہ وہ اس میں واو کا، یا الف کا، یا دال کا اضافہ کرے)143.

اور اس میں ان کی مدد ان کی قوتِ حافظہ اور وسعتِ ذاکرہ نے کیا جن سے اللہ تعالی نے انہیں نوازا تھا، نیز وہ ایسے ماحول ومعاشرہ سے تعلق رکھتے تھے جس کے افراد اپنے اخبار کی تدوین اور اپنے آثار واسفار اور اپنے امجاد و اجداد کے کارناموں کی حفاظت کے لئے روایت وسماع اور حفظ وضبط پر اعتماد کرتے تھے.

---

139. الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، (34/2).

140. (**العَائِرَة**): یعنی: دوریوڑوں کے درمیان بھٹکنے والی، جو فیصلہ نہیں کرپاتی کہ کس ریوڑ میں جائے. دیکھئے: النھایۃ، (328/3).

141. مسند احمد، (88/2)، (ح5610). اور ابن عمر کے اصل کلام کو مرفوعاً مسلم نے روایت کیا ہے، (2146/4)، (ح2784).

142. مسند الحمیدی، (302/2)، (رقم688).

143. الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب البغدادی، (ص177).

چوتھا مطلب
سنت کی حفاظت میں علمائے سلف کی کاوشیں

اس امت پر یہ اللہ تعالی کا احسان ہے کہ اس نے اس کے لئے ایسے ائمۂ اعلام کو وجود بخشا جو شبِ تاریک میں قندیل رہبانی بن کر چمکے، اور صدیاں بیتنے، کئی نسلوں کے گذرنے، اور زنادقہ ومفسدین کے بکثرت پائے جانے کے باوجود بھی اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کی سنت کو تبدیلی وتحریف سے محفوظ رکھا، ائمۂ اسلام نے اس کی حفاظت وصیانت میں زبردست کوششیں صرف کیں، اور قدیم وجدید تمام زمانوں کے زنادقہ اور ملحدین کے سامنے مضبوط دیوار بن کر کھڑے رہے، یہ اس امت پر اللہ تعالی کا عظیم ترین احسان ہے، اس پر ہم اس کی خوب خوب تعریف وحمد بیان کرتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ سنت نبویہ ایسے رواۃ کے ذریعہ منقول ہے جو خطا ونسیان سے محفوظ نہیں ہیں، تو یہ محض دعویٔ باطل ہے، یہ دعوی کسی صحیح علمی دلیل پر قائم نہیں ہے 144.

سنت نبویہ کی حفاظت میں علمائے سلف کی قربانیوں کا بیان تین فروع پر مشتمل ہے:

فرع اول: ان کی قوتِ حفظ وضبط.

فرع دوم: سنت کی جمع وتدوین.

فرع سوم: سنت کے حفظ میں محدثین کا منہج.

144. اهتمام المحدثين ومنهجهم في حفظ السنة النبوية، د.عبد العزيز بن احمد الجاسم، مجلة البحوث الإسلامية، (عدد: 67)، (1423ھ)، (ص257).

فرع اول

ان کی قوتِ حفظ وضبط

سلف صالحین حدیث کے حفظ وضبط کا غایت درجہ اہتمام کیا کرتے تھے، حتی کہ انہوں نے اسے شروط روایت میں شامل کیا، جیسا کہ عبدالرحمٰن بن مھدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں (آدمی کے اوپر حرام ہے کہ وہ کسی دینی مسئلہ میں حدیث بیان کرے یہاں تک کہ وہ اسے قرآن کی آیت کی طرح اور اپنے نام کی طرح خوب اچھی طرح سے یاد اور اسے پختہ نہ کرلے، اور مستحب یہ ہے کہ وہ احادیث کو ان کے الفاظ کے ساتھ بیان کرے، کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ محفوظ طریقہ ہوگا)145.

ائمۂ حدیث کے محفوظات کی کثرت اور ان کے تنوع کے باوجود وہ قوتِ حافظہ میں اور اپنے محفوظات کی رعایت میں یگانۂ روزگار تھے، انہوں نے ایسی مثالیں پیش کی ہیں جو حیران وششدر کردینے والی ہیں، ان میں سے بعض مشہور مثالیں درج ذیل ہیں:

ا۔امام زہری کی قوتِ حافظہ:

امام زہری رحمہ اللہ قوتِ حافظہ میں مشہور تھے، ان کے اندر جتنی قوت جمع تھی اتنی دوسروں میں نہیں پائی جاتی ہے، وہ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں: (میں نے کسی حدیث کو کبھی نہیں دہرایا، اور نہ مجھے کسی حدیث میں کبھی شک ہوا سوائے ایک حدیث کے، اس کے بارے میں میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا تو وہ ویسی ہی ثابت ہوئی جیسا میں نے یاد کیا تھا)146.

۲۔قتادہ بن دعامہ کی قوتِ حافظہ:

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے: (تمام اہل بصرہ میں قتادہ سب سے بڑے حافظ تھے، وہ جس حدیث کو سنتے

---

145. الکفایۃ فی علم الروایۃ، (ص167).

146. الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، (253/2)، (رقم1767).

اسے یاد کر لیتے،ان کے اوپر جابر کے صحیفہ کو ایک بار پڑھا گیا اور انہوں نے اسے یاد کرلیا)147.

اور معمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (میں نے دیکھا کہ قتادہ نے سعید بن ابی عروبہ سے کہا: تم مصحف کو پکڑو، پھر انہوں نے سورۂ بقرہ کو پڑھا تو ایک حرف میں بھی غلطی نہیں کیا، چنانچہ انہوں نے کہا: اے ابونضر! مجھے جابر کا صحیفہ سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ یاد ہے)148.

اور قتادہ رحمہ اللہ خود اپنے بارے میں کہتے ہیں: (میں نے کسی محدث سے کبھی نہیں کہا کہ مجھ پر اعادہ کریں اور میرے دونوں کانوں نے جو کچھ بھی سنا اسے میرے دل نے محفوظ کرلیا)149.

۳۔امام احمد کی قوتِ حافظہ:

کسی بھی شخص کو امام احمد رحمہ اللہ کے حفظ واتقان کی قوت میں ان کی کثرتِ محفوظات کے باوجود شک نہیں ہونا چاہئے،علی بن مدینی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (ہمارے اصحاب میں ابوعبداللہ احمد بن حنبل سے بڑا حافظ کوئی نہیں ہے)150.

ان کی شدتِ اتقان اور قوتِ ذاکرہ کے بارے میں ان کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں: (میرے والد محترم نے کہا: وکیع کی کتابوں میں سے جس کتاب کو چاہو لے لو، اگر تم مجھ سے کلام کے بارے میں پوچھو گے تو میں اسناد کے ساتھ تمہیں بتاؤں گا، اور اگر اسناد کے بارے میں پوچھو گے تو میں تمہیں کلام کے بارے میں بتاؤں گا)151.

اللہ تعالی نے اہل حدیثوں کو جو یہ قوتِ حافظہ عنایت فرمایا تھا وہ کرامات میں سے ایک کرامت اور رب سماوات وارض کی جانب سے عطا کردہ ایک ہبہ وہدیہ تھا، تاکہ اس کے ذریعہ اس کے دین کی اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کی حفاظت ہو سکے۔

---

147. سیر اعلام النبلاء،(276/5)؛ تذکرۃ الحفاظ،(123/1).

148. التاریخ الکبیر،للبخاری(186/7)؛حلیۃ الأولیاء،لأبی نعیم(334/2).

149. تھذیب الکمال،للمزی(512/23)؛ تذکرۃ الحفاظ،(123/1).

150. الجرح والتعدیل،لابن ابی حاتم(295/1)؛حلیۃ الأولیاء،(165/9).

151. تاریخ الإسلام،للذھبی(68/18)؛طبقات الشافعیۃ الکبری،للسبکی(28/2).

فرع دوم

سنت کی جمع وتدوین

جس طرح سلف صالحین نبی ﷺ کی حدیثوں کو سننے، انہیں علماء صحابہ وتابعین سے حاصل کرنے، اور انہیں منضبط ومحکم بنانے کے شدید مشتاق تھے، اسی طرح وہ ۔اس کے بعد۔ان کی جمع وتدوین کے بھی شدید خواہش مند تھے، چنانچہ پہلی صدی ہجری میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں سنت کو مدون کیا گیا، اس بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (یہ جان لو۔اللہ تعالی مجھے اور تجھے جو ہر علم سے نوازے۔کہ نبی ﷺ کے آثار آپ کے اصحاب اور ان کے کبار تابعین کے زمانہ میں جوامع کی شکل میں مدون نہیں تھے اور نہ مرتب تھے، دو اسباب کی بنا پر:

پہلا: وہ لوگ ابتدائے حال میں اس سے منع کردئے گئے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم میں وارد ہے؛ اس اندیشے سے کہ کہیں ان کا کوئی حصہ قرآن کریم کے ساتھ مختلط نہ ہوجائے۔

دوسرا: ان کی قوتِ حافظہ اور سیلانِ ذہن کی وجہ سے، اور اس لئے کہ ان میں سے اکثر لکھنا نہیں جانتے تھے، پھر تابعین کے آخری زمانے میں تدوینِ آثار اور تبویبِ اخبار کا کام عمل میں آیا، جب علماء مختلف شہروں میں متفرق ہوگئے اور خوارج وروافض اور منکرینِ اقدار کی طرف سے بدعتوں کا بکثرت ظہور ہونے لگا۔

پس جن لوگوں نے سب سے پہلے آثار کو جمع کیا ان میں ربیع بن صبیح اور سعید بن ابی عروبہ وغیرہما ہیں، اور یہ لوگ ہر باب کو الگ الگ تحریر کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ طبقہ ثالثہ کے کبار محدثین جلوہ گر ہوئے اور انہوں نے احکام کو مدون کیا...)152.

کتابت وتدوین کے درمیان فرق:

کتابت اور تدوین کے درمیان فرق یہ ہے کہ: کتابت: کسی شئی کو مطلق لکھنا ہے، لکھے گئے صحیفوں کو ایک

152.هدى السارى مقدمة فتح البارى، (ص6).

طرز پر جمع کرنے کی رعایت کے بغیر، اور تدوین: کتابت کے بعد کا مرحلہ ہے، اور یہ مکتوب صحیفوں کو بغرض حفاظت ایک دیوان میں جمع کرنا ہے۔

اس فرق کے مطابق ائمہ کے اس قول: (سنت پہلی صدی کے اخیر میں مدون کی گئی) سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس صدی کے دوران اسے نہیں لکھا گیا تھا، بلکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکتوب تھی، البتہ وہ تدوین کے درجہ تک نہیں پہنچی تھی۔ یعنی: صحیفوں کو دفتر میں جمع نہیں کیا جا سکا تھا۔ بلکہ اکثر علماء جو کچھ سنتے تھے اسے ترتیب کے بغیر لکھ لیا کرتے تھے، مگر جب ان کے پاس خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کا حکم آیا تو اس نے سرکاری حیثیت حاصل کر لیا اور تدوین نے مختلف شکلیں اختیار کر لیں، اور معاصرین کا جو یہ سمجھنا ہے کہ۔ تدوین ہی کتابت ہے۔ تو یہ غلط سمجھ ہے اور یہ تدوین وکتابت کے درمیان تمیز نہ کرنے کا نتیجہ ہے 153.

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ائمہ سنت نے سنت کی جمع وتبویب میں زبردست کاوشیں صرف کی ہیں، اور دسیوں مصنفات ودواوین کی شکل میں ہمارے لئے نہایت قیمتی اثاثہ چھوڑا ہے، حتی کہ امت اسلامیہ انسانیت کی تاریخ میں سب سے قیمتی، نہایت گراں قدر، اور سب سے اعظم اور ارفع میراث کی مالک بن گئی، پس اکمالِ نعمت اور اتمامِ منت کے لئے اللہ تعالی پوری حمد وثنا کا تنہا مستحق ہے 154.

---

153. دیکھئے: السنة النبوية: مكانتها، عوامل بقائها، تدوينها، (ص 97).

154. دیکھئے: جهود الأئمة في حفظ السنة، (ص 30).

فرع سوم

سنت کی حفاظت میں محدثین کا منہج

سنت کے جائزہ، اس کی جمع وتدوین وتبویب، صحیح وسقیم کے درمیان تمیز اور اس سے ملتصق ہو جانے والے موضوع روایات سے اس کی تطہیر کے لئے محدثین نے جو منہج اختیار کیا وہ نہایت وقیع ودلچسپ انسانی عمل سمجھا جاتا ہے، اس کے ذریعہ محدثین نے انصاف پسند اعداء دین کی طرف سے بھی داد تحسین حاصل کیا ہے، یہ ایسا علم ہے جو پوری انسانی تاریخ میں کبھی نہیں پایا گیا، بلکہ اسے محدثین نے ایجاد کیا تا کہ وہ خالص اسلامی علم کی حیثیت سے جانا جائے، اسی علم کے ذریعہ انہوں نے سنت نبویہ کو دست درازوں کی دست درازی سے اور حاسدوں کی سازش سے محفوظ ومصون بنایا، جس کی بنا پر وہ آج تک اپنی اصلی حالت میں باقی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالی کا وہ فیصلہ آجائے جو آنے والا ہے، اور اس سلسلے میں اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا کہ اجمالاً نہ کہ تفصیلاً اس منہج کی کچھ اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کروں، اور وہ ہیں:

اول: اداءِ حدیث کے لئے استعمال کردہ صیغے:

اداءِ حدیث کے لئے استعمال کئے جانے والے صیغوں کے اختیار میں محدثین کرام نہایت دقت وامانت سے کام لینے والے تھے، معتمر بن سلیمان بصری (ت ۱۸۷ھ) کہتے ہیں: (میرے لئے ''سمعتُ'' کہنا حدَّثنا اور ''اخبرنا'' اور ''حدَّثنی'' اور ''اخبرنی'' کہنے سے زیادہ آسان ہے کیونکہ آدمی سُن لیتا ہے لیکن اس سے بیان نہیں کیا جاتا ہے)155.

اور تعلم وتلقی سنت کو منضبط کرنے کے لئے علماءِ حدیث نے تحمّل کے طرق وانواع مقرر فرمائے ہیں، اور ان کے احکام کو تفصیلاً بیان کرتے ہوئے ان کے آٹھ طریقے بیان فرمائے ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ جان لو کہ طرقِ نقل، وجوہِ اخذ، اور اصولِ روایت کی بہت ساری قسمیں

---

155. الکفایۃ فی علم الروایۃ، (ص288).

ہیں اوران سب کوآٹھ قسموں میں جمع کیا جاتا ہے:

پہلی: شیخ کے لفظ کوسننا، دوسری: شیخ پر پڑھنا، تیسری: مناولہ، چوتھی: شیخ کی طرف سے لکھ کر دیا جانا، پانچویں: اجازہ، چھٹی: طالب کواس کی اطلاع دے دینا کہ یہ کتابیں اس کی روایت کردہ ہیں، ساتویں: اس کیلئے لکھنے کی وصیت کرنا، آٹھویں: صرف راوی کے خط سے آگاہ ہونا)156.

اور کبھی وہ لوگ تحمل ونقل کے ان طریقوں کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے جن پر ہرراوی علیحدہ علیحدہ طور پر اعتماد کیا کرتا تھا، مثال کے طور پر:

۞ جس نے احادیث کوکسی موثوق کتاب میں دیکھ کرروایت کیا ہوتا تو محدثین اس کو بیان کردیتے اوراس کے حق میں کہتے: اس نے احادیث کووجادہ کے ذریعہ روایت کیا ہے، یااس نے اسے صحیفہ سے روایت کیا ہے، یا اس جیسی دیگرعبارتیں ذکرکرتے جواس حدیث کے عدم سماع پر دلالت کرتی ہیں جس کووہ روایت کررہا ہے:

شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جابر سے مروی سفیان کی حدیث دراصل صحیفہ سے ہے)157.

اورعبدالرحمٰن بن مہدی بیان کرتے ہیں: (میں نے سفیان سے اسرائیل کی حدیث روایت کیا، جس کو اسرائیل نے عبدالأعلی سے اورانہوں نے ابن الحنفیہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: وہ احادیث کتاب سے روایت کی گئی تھی، میں (ابن ابی حاتم) کہتا ہوں: یعنی وہ سماع کے طریق سے مروی نہیں ہیں)158۔ اور یہ ان کی امانت واہتمام کی واضح دلیل ہے۔

بلکہ خودرواۃ بھی تحمل کے اس طریقہ کی طرف اورنقل کی اس کیفیت کی طرف اشارہ کردیا کرتے تھے جس کے ذریعہ وہ احادیث کوحاصل کئے ہوتے، یہ خالص علمی منہج تھا جس کا رواۃ نے التزام کیا تھا اورجس کے ذریعہ انہوں نے دقت وامانت کی مثال قائم کی تھی:

ان کی غایت درجہ کی امانت داری کی مثال یہ ہے کہ جب راوی سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا جاتا جس کووہ بیان کیا کرتے تھے تو وہ کہہ دیتے کہ میں نے اسے صحیفہ سے لیا ہے، یااس کے علاوہ دوسرے طریقۂ تحمل

156. الإلماع إلی معرفۃ أصول الروایۃ وتقیید السماع، للقاضی عیاض (ص68).

157. العلل ومعرفۃ الرجال، (592/2)، (رقم 3810).

158. الجرح والتعدیل، لابن ابی حاتم (71/1).

کے ذریعہ لیا ہے، اور اس کی مثال:

حسن بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: (میں نے ابراہیم سے کسی چیز کا تذکرہ کیا تو انہوں (ابراہیم) نے کہا: اس کو میں نے صحیفہ میں پایا تھا)159.

اور کبھی کبھار راوی طریقہ ہائے تحمل میں سے کئی طریقوں کو جمع کر لیتا تھا، اور اہل حدیث علماء نے ان کے مابین امتیاز کرنے اور ہر ہر طریق کی مرویات کی شناخت کرنے اور ایک کی دوسرے سے تمیز کرنے میں اپنی مہارت کا لوہا منوایا ہے:

۞ محدثین کرام سماع، عرض، اور مناولہ کے درمیان فرق بیان کیا کرتے تھے، حالانکہ ان تمام طریقوں کے ذریعہ تحمل وروایت صحیح ہے:

امام احمد رحمہ اللہ نے ابن وہب کے بارے میں کہا ہے: (ان کی بعض احادیث سماع کے ذریعہ، اور بعض عرض کے ذریعہ، اور بعض مناولہ کے ذریعہ حاصل کردہ تھے، اور جس کو وہ نہیں سنے ہوتے تو اس کے بارے میں کہتے: حیوہ نے کہا ہے، فلاں نے کہا ہے)160.

۞ محدثین کی ایک جماعت محدث سے اس وقت تک حدیث نہیں سنتے تھے جب تک وہ ''حدَّثنا'' یا ''سَمِعْتُ'' نہ کہے:

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (عمرو بن دینار سے پہلے عبدالکریم پہلے شخص ہیں جن کی مجلس میں بیٹھا، وہ اپنی بہت سی حدیثوں میں ''سمعتُ'' نہیں کہا کرتے تھے، بلکہ کہتے: ''فلاں نے کہا ہے'' یہ دیکھ کر میں ان کے پاس سے فرار ہو گیا، اور عمرو بن دینار کے پاس چلا گیا جو ''سمعتُ'' اور ''حدَّثنا'' کہتے تھے)161.

اور شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں: (ہر وہ حدیث جس میں ''حدثنا'' یا ''أخبرنا'' نہ ہو وہ گھاس پات ہے)162.

---

159. المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (ص212).

160. الکفایۃ فی علم الروایۃ، (ص289).

161. العلل ومعرفۃ الرجال، (469/3)، (رقم6003).

162. المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (ص517).

دوم: ان کی طرف سے حدیث کی نشر واشاعت:

ائمۂ سلف اسی شخص سے حدیث بیان کرتے تھے جو کتاب اللہ کا حافظ ہوتا:

حفص بن غیاث رحمہ اللہ (ت ۱۹۵ھ) بیان کرتے ہیں: (میں اعمش کے پاس آیا اوران سے کہا: مجھ سے حدیث بیان کریں! انہوں نے کہا: کیا تم قرآن کے حافظ ہو؟ میں نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: جاؤ قرآن یاد کرو، پھر میرے پاس آؤ تو میں تجھ سے حدیث بیان کروں گا، پس میں واپس گیا اور قرآن حفظ کیا پھر ان کے پاس آیا تو انہوں نے مجھ سے قرآن پڑھوایا، جب میں نے پڑھ دیا تو انہوں نے مجھ سے حدیث بیان کیا)163.

اور اسی سے حدیث بیان کرتے جو زیرک وذہین ہوتا:

عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (ہم لوگ مصر میں سعید بن ابی مریم کے پاس تھے، ان کے پاس ایک آدمی آیا اور ان سے ایک کتاب کا سوال کیا جس میں وہ دیکھ رہے تھے، یا اس نے ان سے بعض احادیث بیان کرنے کی گذارش کی، لیکن انہوں نے انکار کردیا، جب کہ ایک دوسرے آدمی نے ان سے اسی کی درخواست کی تو اس کی بات قبول کرلی، چنانچہ پہلے شخص نے ان سے کہا: میں نے آپ سے سوال کیا تو اس کا جواب نہیں دیا اور اس نے سوال کیا تو آپ نے جواب دے دیا، یہ علم کا حق نہیں ہے! یا اس نے ایسی ہی بات کہی.

دارمی کہتے ہیں: ابن ابی مریم نے کہا: اگر تم شیبانی کی سیبانی سے تمیز کرسکتے ہو اور ابو جمرہ کی ابوحمزہ سے تمیز کرسکتے ہو جو دونوں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، تو ہم تم سے حدیث بیان کریں گے اور تمہیں خاص بنالیں گے جس طرح اس کو خاص بنایا ہے)164.

اور اسی سے حدیث بیان کرتے تھے جو حدیث سننے اور اسے حاصل کرنے کا خواہش مند ہو:

مسروق بن اجدع رحمہ اللہ کہتے ہیں: (تم اپنا کپڑا165 اسی شخص کے سامنے پھیلاؤ جو اس کا خریدار ہو، امام احمد نے کہا ہے: ان کا مقصد حدیث ہے)166.

---

163. نفس مصدر، (ص203).

164. نفس مصدر، (ص274)؛ تھذیب الکمال، للأزھری (395/10).

165. لفظ ہے: (**البَزّ**): جو کپڑے کی ایک قسم ہے، تھذیب اللغۃ، للأزھری (130/13).

166. العلل ومعرفۃ الرجال، (254/1).

اور ابن شہاب زہری رحمہ اللہ نے کہا ہے: (حدیث کی آفت اور نکد (دشواری) اور ھجنہ 167 ہوتی ہے، اس کی آفت اسے بھولنا ہے، اس کا نکد (دشواری) جھوٹ ہے، اور اس کا ہجنہ (بے عزتی) نالائق شخص کو اس کی تعلیم دینا ہے)168.

۞ وہ محدث سے طویل حدیثوں کے اعادہ کا مطابہ کیا کرتے تھے تا کہ انہیں یاد کر لیا جائے:

امام مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (ایک دن میری ملاقات ابن شہاب سے جنازہ گاہ میں ہوئی، وہ اپنے خچر پر سوار تھے، میں نے ان سے ایک حدیث پوچھی جو لمبی تھی، انہوں نے اس کو مجھ سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ان کے خچر کی لگام کو پکڑ لیا، میں اس حدیث کو یاد نہیں کر پایا تھا، پس میں نے کہا: اے ابو بکر! اس کا مجھ پر اعادہ کریں، انہوں نے اس سے انکار کر دیا! میں نے کہا: کیا آپ اس کو پسند نہیں کرتے کہ آپ پر حدیث کا اعادہ کیا جائے؟ چنانچہ انہوں نے اس کا اعادہ کیا اور میں نے اسے یاد کر لیا)169,

سوم: حدیث بیانی میں ان کا طریقہ:

۞ وہ قلیل تعداد میں حدیثیں بیان کرتے تھے تا کہ حدیث کو اس کے حروف سمیت یاد کر لیا جائے:

شعبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (میں قتادہ رحمہ اللہ کے پاس آتا تھا اور ان سے دو حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کرتا، وہ مجھ سے

ابو بکر بن عیاش رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جب اعمش تین حدیثیں بیان کر لیتے تو کہتے: تمہارے پاس سیلاب آ چکا. ابو بکر کہتے ہیں: میں بھی اعمش کی طرح ہوں)171.

ابن الزہری رحمہ اللہ کا بیان ہے: (جو ایک بارگی علم حاصل کرتا ہے تو وہ اس سے ایک بارگی ہی رخصت ہو جاتا ہے، علم تو ایک اور دو حدیث کی شکل میں حاصل کیا جاتا ہے)172.

---

167. (**هُجْنة**): ''کلام ھجنہ'' عیب دار کلام کو کہتے ہیں، دیکھئے: لسان العرب، (431/13).

168. المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (ص 571).

169. العلل ومعرفۃ الرجال، (72/2).

170. الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، (232/1)، (رقم 448).

171. مسند ابن الجعد، (ص 125)، (رقم 781).

172. الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، (232/1)، (رقم 450).

❁ جب ان میں سے کسی کو کسی حدیث میں شک ہوجاتا تو اسے ہٹادیتے، اور اگر حدیث واضح نہ ہو پاتی تو پوری کتاب کو ہٹادیتے تھے:

عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کا بیان ہے: (میں نے اپنی کتابوں میں سے ایک کتاب کے اندر اپنی تحریر میں شعبہ کی ایک حدیث کو پایا جس کو میں نہیں جانتا تھا، لہذا میں نے اسے ہٹادیا)173.

اور یحی بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے: (جو حدیث میں چشم پوشی کرنے والا نہ ہو وہ کذاب ہوگا، ان سے کہا گیا: چشم پوشی کرنے والا کیسے ہوگا؟ انہوں نے کہا: جب حدیث میں اس کو شک ہو تو اسے چھوڑ دے)174.

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جب مالک رحمہ اللہ کو بعض احادیث میں شک ہوجاتا تو وہ سب کو چھوڑ دیتے)175.

اور حسین بن حریث المروزی رحمہ اللہ کا قول ہے: (میں نے علی بن حسن شقیقی سے دریافت کیا: کیا آپ نے ابوحمزہ سے کتاب الصلاۃ سنی ہے؟ انہوں نے کہا: پوری کتاب سنی ہے، مگر ایک دن ایک گدھا رینکنے لگا جس کی وجہ سے ایک حدیث یا بعض حدیث مجھ سے مخفی رہ گئی، پھر میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ کتاب کے اندر کون سی حدیث تھی، لہذا میں نے پوری کتاب کو چھوڑ دیا)176.

❁ بلکہ انہیں اگر حدیث کے ایک کلمہ میں بھی شک ہوجاتا تو پوری حدیث چھوڑ دیتے تھے:

یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے کہا ہے: (سونے اور چاندی کی امانت حدیث کی امانت سے زیادہ آسان ہے، یہ ادائیگی ہے اور یہ امانت بھی ہے)177,

اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اگر کسی ایک متعین حدیث میں شک ہوجائے کہ اسے سنا ہے یا نہیں تو اس کے اوپر اسے چھوڑ دینا واجب ہوگا، اور اس کے لئے اس کے سوا کتاب کی دیگر احادیث کو روایت کرنا جائز ہوگا، اور اگر وہ اس حدیث کو بعینہ نہیں جانتا جس میں اس کو شک ہوا ہے تو اس کے لئے کتاب کی کسی بھی

---

173. الکفایۃ فی علم الروایۃ، (ص233)، الجرح والتعدیل، (865/2)، (رقم892).
174. الکامل فی ضعفاء الرجال للجرجانی (123/1)؛ الکفایۃ فی علم الروایۃ، (ص233).
175. الجرح والتعدیل، (14/1)؛ حلیۃ الأولیاء، (322/6).
176. الکفایۃ فی علم الروایۃ، (ص234).
177. الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، (202/2)، (رقم161).

حدیث کو بیان کرنا جائز نہیں ہوگا)178.

چہارم: ان کا حدیث لکھنا اور کتابوں سے شغف رکھنا:

۞ ان میں سے اکثر حدیث کو صحیفوں میں لکھتے تھے تا کہ اختلاف کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جاسکے:

اسی وجہ سے علماء نے اختلاف کی صورت میں عبدالرحمٰن بن مہدی کی حدیث کو وکیع بن الجراح کی حدیث پر مقدم کیا ہے، حالانکہ دونوں امام، حافظ اور حجت ہیں؛ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن مہدی کتاب سے زیادہ قریب رہتے تھے، امام احمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جب وکیع اور عبدالرحمٰن کے درمیان اختلاف ہو جائے تو عبد الرحمٰن اثبت ہوں گے کیونکہ وہ کتاب سے زیادہ قریب رہنے والے تھے)179.

گویا محدثین کے نزدیک اختلاف کی صورت میں کتاب ہی حَکَم ہوا کرتی تھی، اسی طرح اگر راوی سیئ الحفظ ہوتا تو اس سے حدیث نہیں لیتے تھے الا یہ کہ وہ اپنی کتاب سے بیان کرے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی غلطی سے محفوظ رہیں180.

۞ بلکہ وہ کتاب سے بیان کرنے والے کو ''صاحب کتاب'' کہہ کر اس کی تعریف کرتے تھے:

یحیی بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے: (جریر بن حازم ابوھلال سے امثل (اقوی) تھے، کیونکہ وہ صاحب کتاب تھے181.

اور عجلی رحمہ اللہ نے زھیر بن معاویہ کے ترجمہ میں بیان کیا ہے: (زھیر بن معاویہ ابوخیثمہ الجعفی، کوفی، ثقہ، ثبت، مامون، صاحب سنت واتباع ہیں اور وہ اپنی کتاب سے حدیث بیان کیا کرتے تھے)182.

اور رامہرمزی رحمہ اللہ کا قول ہے: (اور حدیث کو ضبط نہیں کیا جاسکتا مگر تحریر کے ذریعہ، پھر مقابلہ، مدارسہ، پابندی، تحفظ، مذاکرہ، سوال، ناقلین کے جائزہ اور ان کی نقل کردہ احادیث میں تفقہ کے ذریعہ)183.

---

178. مصدر سابق، (ص234).

179. المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (ص192).

180. دیکھئے: التاریخ والمعرفۃ للفسوی (117/2).

181. مسند ابن الجعد، (458/1)، (رقم3134).

182. معرفۃ الثقات، (372/1).

183. المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (ص385).

❁ کتاب سے حدیث بیان کرنے کی وصیت کیا کرتے تھے کیونکہ یہ وہم وغلط سے دور رکھتا ہے:

علی بن مدینی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (ہمارے اصحاب میں ابوعبداللہ احمد بن حنبل سے بڑا حافظ کوئی نہ تھا ،اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ فقط کتاب سے حدیث بیان کیا کرتے تھے،اوران کی ذات میں ہمارے لئے اسوہ ہے)184.

اورذھبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(احتیاط اس میں ہے کہ محدث کتاب سے حدیث بیان کرے،جیسا کہ امام المحد ثین احمد بن حنبل کیا کرتے تھےاوردوسروں کواس کی نصیحت کرتے تھے)185.

اورخطیب بغدادی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(محدث کے لئے احتیاط اس میں ہےاوراس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ اپنی کتاب سے روایت کرے،تاکہ وہ وہم اور غلطی سے محفوظ،اورزلات سے دوررہ سکے)186.

❁ وہ کلمہ پرحرکت اور نقطے لگانے کا اہتمام کیا کرتے تھے تاکہ اس میں تصحیف واقع نہ ہو:

راوی کی باریک بینی اور اس کی کتاب کی درستگی وصحت کی اہم ترین دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ شکل 187(حرکات)اورتنقیط 188(نقطے ڈالنے)کا اہتمام کرے،یہی وجہ ہے محدثین کرام کتاب کونقطوں اور حرکات سے مزین کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے:

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:(جب تم کسی کتاب کے اندرالحاق واصلاح دیکھوتواس کے حق میں صحت کی گواہی دو)189.

❁ بعض محدثین پورے کلام کوحرکات سے مزین کرتے تھےاوربعض ضرورت کے مطابق:

رامہرمزی رحمہ اللہ کہتے ہیں:(ہمارے اصحاب کا کہنا ہے:جہاں تک نقطوں کی بات ہےتو وہ بالکل ضروری

184. الجرح والتعدیل،(69/2)؛الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع،(12/2)،(رقم 1030).

185. سیر اعلام النبلاء،(383/9).

186. الجامع لأخلاق لاراوی وآداب السامع،(10/2).

187. (**الشَّكل**):کلمہ کوحرکات سے مزین کرنا.

188. (**التَّنقِيط**):نقطے لگانا یعنی:تاءکویاسےاورحاءکوخاءسےالگ کر

189. الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع،(279/1)،(رقم 591).

ہیں، اس لئے کہ ان کے بغیر آپ مشکل اسماء کی تحدید نہیں کر سکتے ... نیز ان کا کہنا ہے: مُشْکل کو مُشکَّل کیا جانا چاہیئے، عدم اشکال کی صورت میں تشکیل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور دوسرے لوگوں نے کہا ہے: اولیٰ یہ ہے کہ تمام کو مشکَّل کیا جائے، اور عفان وحبّان اہل شکل واہل ضبط و تقیید میں سے تھے)190.

۞ بعض محدثین کو جب کسی کلمہ میں شک ہوتا تو وہ عربی لغت کے ماہر سے اس کے بارے میں پوچھتے تاکہ اس کو ضبط کیا جاسکے:

ابن مبارک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جب تم مجھ سے کوئی حدیث سنو تو اسے عربی کے ماہر کے سامنے پیش کرو، پھر اس کو ضبط کرلو)191.

---

190. المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (ص608).

191. الکفایۃ فی علم الروایۃ، (ص255).

تیسرا مبحث

سنت کی عظمت قرآن پر اس کے دلالت کرنے کے اعتبار سے

اوراس میں پانچ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کی عظمت اس کی طرف سے قرآن کا بیان کئے جانے کے اعتبار سے.

دوسرا مطلب: سنت کی عظمت قرآن کی تخصیص کرنے کے اعتبار سے.

تیسرا مطلب: سنت کی عظمت قرآن کی تقیید کرنے کے اعتبار سے.

چوتھا مطلب: سنت کی عظمت قرآن کو منسوخ کرنے کے اعتبار سے.

پانچواں مطلب: سنت کی عظمت اپنے طور پر احکام جاری کرنے کے اعتبار سے.

پہلا مطلب

سنت کی عظمت اس کی طرف سے قرآن کا بیان کیے جانے کے اعتبار سے

سنت نبویہ قرآن کا سب سے بہتر بیان ہے، اس لئے کہ وہ بھی قرآن کی طرح وحی ہے، بلکہ قرآن سے سنت کا تعلق بیان کا تعلق ہے، اوراس بیان کی متعدد قسمیں ہیں جن کو ابن القیم رحمہ اللہ نے تین بنیادی اقسام میں منحصر کیا ہے، ان کے قول کا خلاصہ ہے: (قرآن کے ساتھ سنت کی تین حالتیں ہیں:

پہلی: وہ ہر اعتبار سے قرآن کے موافق ہو، اس صورت میں وہ توارد ادلہ کے باب سے ہوگی۔

دوسری: وہ قرآن کے مراد کے بیان میں ہوگی۔

تیسری: وہ ایسے حکم پر دلالت کرتی ہوگی جس سے قرآن خاموش ہو، تیسری قسم کی یہ سنت اصالۃً نبی ﷺ کی طرف سے صادر ہونے والا حکم ہوگا، چنانچہ اس میں آپ کی اطاعت واجب ہوگی، اور اگر نبی ﷺ کی اسی میں اطاعت کی جاتی جو قرآن کے موافق حکم ہو تو آپ کے لئے خاص اطاعت نہیں ہوتی، حالانکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **(مَنْ يُّطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ)** [النساء:٨٠]، (ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔

اور اس شخص کا قول نہایت متناقض ہے جس کا کہنا ہے کہ قرآن پر وارد زائد حکم کو نہیں مانا جائے گا الا یہ کہ وہ متواتر یا مشہور ہو)192'۔ لہذا سنت یا تو قرآن کے بیان کردہ حکم کی تاکید کرتی ہے، یا اس کی تشریح کرتی ہے، یا اپنے طور پر ایسے احکام کی تاسیس کرتی ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں گذرا۔

اور اگر سنت کی طرف سے قرآن کا بیان نہ ہوتا تو اس کے اندر ایسی نصوص اور آیتیں باقی رہ جاتیں جن میں سے بیشتر کے معانی سمجھنے سے انسان قاصر رہتا، اسی طرح وہ ان سے شرعی احکام مستنبط کرنے سے عاجز ہوتے، ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (سنت کا اہتمام والتزام کرو اسلئے کہ وہ قرآن کی شارح اور موضح ہے)193.

192. إعلام الموقعين، (308/2) بتصرف واختصار؛ فتح الباري، (283/13).

193. تفسير ابن كثير، (4/1).

نبی ﷺ نے قرآن کا لفظ اور معنی دونوں کو بیان فرمایا ہے:

البانی رحمہ اللہ نے اللہ تعالی کے قول :**(وَ أَنْزَلْنَا اِلَيْکَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيهِمْ** [النحل) :
۴۴] کے سلسلے میں کہا ہے: (میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کریمہ کے اندر مذکور یہ بیان دو قسم کے بیان کو شامل ہے:

پہلا: لفظ اور اس کی عبارت کا بیان اور اس کا عدم کتمان، بلکہ اس کو امت تک پہنچانا بعینہ اسی حالت میں جس میں اللہ تعالی نے اس کو آپ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا، یہی اللہ تعالی کے اس قول سے مراد ہے: **(يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ اِلَيکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ**[المائدة :٦٧]

ترجمہ: (اے رسول! آپ پر آپ کے رب کی جانب سے جو نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے، اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا)

اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک حدیث میں کہا ہے: ''جو تم لوگوں سے یہ بیان کرے کہ محمد ﷺ نے ایسی کوئی چیز چھپا دی ہے جس کی تبلیغ کا انہیں حکم دیا گیا تھا تو اس نے اللہ تعالی پر زبردست الزام دھرا، پھر انہوں نے مذکورہ آیت کی تلاوت کی'' [بخاری و مسلم]194.

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: اگر رسول اللہ ﷺ کسی ایسی چیز کو چھپانا چاہتے جس کی تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا تھا تو اللہ تعالی کے اس قول کو چھپاتے: **وَ اِذْ تَقُولُ لِلَّذِی أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِکْ عَلَيکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِی نَفْسِکَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ** [الأحزاب :٣٧]195.

دوسرا: اس لفظ یا جملہ یا آیت کے معنی کا بیان جس کے بیان کی امت کو ضرورت ہو سکتی تھی، اور اکثر بیان کی ضرورت مجمل یا مطلق یا عام آیتوں کی ہوتی ہے، چنانچہ سنت آ کر مجمل کی توضیح، عام کی تخصیص، اور مطلق کی تقیید کرتی ہے، اور یہ کام نبی ﷺ کے قول کے ذریعہ اور کبھی فعل کے ذریعہ اور کبھی اقرار کے ذریعہ انجام پاتا ہے)196.

سنت کی طرف سے قرآن کا بیان معانی کی توضیح اور مجمل کی تفصیل پر مشتمل ہوتا ہے، اور اس کو ہم درج ذیل دو فرع میں بیان کرنے جا رہے ہیں:

---

194. البخاری، (1686/4)، (رقم 4336)؛ و مسلم، اور لفظ انہی کا ہے، (159/1)، (رقم 177).

195. مسلم، (160/1) ، (رقم 177).

196. منزلۃ السنۃ فی الإسلام، (ص 6'7).

فرع اول

معانی کی توضیح

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر قرآن کے عمدہ ترین طریقہ کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: (اگر کوئی یہ کہے کہ: تفسیر کا احسن ترین طریقہ کیا ہے؟ تو جواب ہوگا: اس سلسلے میں سب سے بہتر طریقہ یہ کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے کیونکہ جس چیز کو ایک جگہ مجملاً بیان کیا گیا ہے اسے دوسری جگہ تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، اگر قرآن سے تفسیر کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہو تو تم سنت کو اختیار کرو، اس لئے کہ وہ قرآن کی شارح اور موضح ہے)197.

سنت کے ذریعہ قرآن کے معانی کی توضیح وتفسیر کی مثالیں:

ہم بطور مثال بعض آیتیں لیتے ہیں جن سے واضح ہوگا کہ سنت کے بغیر ان آیتوں کو اللہ تعالی کی مراد کے مطابق صحیح طور پر سمجھنا ممکن نہیں ہے198.

پہلی آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: (**الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ**)[الأنعام:۸۲]

ترجمہ: (جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، انہی کے لئے امن ہے، اور وہی راہ راست پر ہیں)۔

صحابۂ کرام نے اللہ تعالی کے قول: (**وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْم**) کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جو ہر طرح کے ظلم پر مشتمل ہے، اگرچہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ان لوگوں نے آیت کو مشکل میں شمار کیا اور کہا: ہم میں سے کون ہے جس کا ایمان ظلم سے متاثر نہیں ہے؟ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ایسی بات نہیں ہے، کیا تم لوگوں نے لقمان کے اس قول کو نہیں سنا: **إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ** [لقمان:۱۳]199.

---

197. تفسیر ابن کثیر، (4/1).

198. دیکھئے: منزلۃ السنۃ فی الإسلام، (ص8-10).

199. البخاری، (2523/6)، (ح6520).

دوسری آیت: اللہ تعالی کا قول ہے :(**وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا**)[النساء :۱۰۱]

ترجمہ: (اور تم جب حالتِ سفر میں ہوتو نماز قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار تم پر آ چڑھیں گے)۔

اس آیت کریمہ کا ظاہر بتا رہا ہے کہ سفر میں نماز قصر کرنے کے لئے خوف شرط ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بعض صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے حالتِ امن میں نماز قصر کرنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: (**صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ ، فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ**) 200۔(یعنی: یہ صدقہ ہے جس کو اللہ تعالی نے تم پر کیا ہے، پس تم اس کے صدقہ کو قبول کرو)۔

تیسری آیت: اللہ تعالی کا قول ہے :(**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ**) [المائدہ:۳]

اور اس کو سنت نے واضح وظاہر کیا کہ کے کچھ مردے حلال ہیں جیسے کہ مری ہوئی ٹڈی اور مچھلی، اسی طرح کچھ خون بھی حلال ہیں جیسے کہ کلیجی اور تلی، اور یہ رسول اللہ ﷺ کے اس قول میں آیا ہے: (**أُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَ الْجَرَادُ ، وَ أَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَالطِّحَالُ**)201.(یعنی: ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں، دو مردار: یعنی مچھلی اور ٹڈی، اور دو خون: یعنی کلیجی اور تلی)۔

چوتھی آیت: اللہ تعالی کا قول ہے :(**قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَّكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ**)[الأنعام: ۱۴۵].

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ جو کتاب مجھے بذریعۂ وحی دی گئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا ہو، سوائے اس کے کہ کوئی مُردار جانور ہو، یا بہنے والا خون، یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا ایسا جانور جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا ہو)۔

اور سنت نے اس کی توضیح و بیان کرتے ہوئے کچھ ایسی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جن کا ذکر آیت کریمہ میں

---

200. مسلم، (487/1)، (ح686).

201. ابن ماجۃ، (1073/2)، (ح3218). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (129/3)، (ح2695) میں صحیح کہا ہے.

نہیں کیا گیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ: **(نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطيرِ)** 202.

(رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلی والے درندے اور پنجے سے پکڑ کر کھانے والے پرندے سے منع فرمایا ہے)

نیز نبی ﷺ کا قول ہے: **(إِنَّ اللَّـهَ وَ رَسُولَـهُ يَنْهَيَانِكُمْ عن لُحُومِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ ، فَإِنَّهَا رِجْـــسٌ)**203 (یعنی: اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہیں پالتو گدھوں کے گوشت سے منع کرتے ہیں، کیونکہ وہ ناپاک ہیں)۔

پس اگر لوگ نبی ﷺ کی سنت کو اختیار نہیں کرتے تو وہ نبی ﷺ کی زبانی اللہ تعالی کی طرف سے حرام ٹھہرائی گئی چیز کو حلال بنا لیتے، اور درندوں، پنجے سے پکڑ کر کھانے والے پرندوں، اور پالتو گدھوں وغیرہ کو شوق سے کھاتے۔

پانچویں آیت: (قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللَّـهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ) [الأعراف : ٣٢]

ترجمہ: (آپ کہئے کہ اللہ کی زینت کو کس نے حرام کیا ہے، جس کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے)۔

آیت کریمہ کے ظاہر کا تقاضا ہے کہ ہر وہ زینت جس کو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ حلال ہے، اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس ظاہر کو سنت نے اس وقت واضح اور مبرہن کیا جب نبی ﷺ نے اپنے بائیں ہاتھ میں ریشم اور داہنے ہاتھ میں سونا لیا اور ان دونوں کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو اٹھایا پھر فرمایا: **(إِنَّ هَـذَيْنِ حَـرَامٌ عَـلَـى ذُكُورِ أُمَّتِي حِلٌّ لِإِنَـاثِهِمْ)**204. (یعنی: یہ دونوں ہماری امت کے مردوں کے لئے حرام ہیں اور اس کی عورتوں کے لئے حلال ہیں)۔

گویا نبی ﷺ نے یہ واضح اور ظاہر فرما دیا کہ زینت میں سے کچھ مردوں کے لئے حرام ہیں عورتوں کے لئے نہیں، یہ سنت کی طرف سے قرآن کی توضیح اور اس کا بیان ہے۔

چھٹی آیت: اللہ تعالی کا قول ہے: **(وَ لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً) [الحجرات :١٢]** (ترجمہ: اور تم میں

---

202. مسلم، (1534/3)، (ح 1934).

203. البخاری، (2103/5)، (ح 5208)؛ ومسلم، (1540/3)، (ح 1940).

204. ابن ماجۃ، (1189/2)، (ح 3595). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (197/3)، (ح 2912) میں صحیح کہا ہے.

سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے)۔

اور آیت کریمہ کے اندر وارد غیبت کی تفسیر سنت نے کی ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ ؟**)قَالُوا : اللَّهُ وَ رَسُولُهُ أَعْلَمُ . قال:(**ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ**) . قِيْلَ : أَفَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ فِي أَخِي ما أَقُولُ ؟ قال:(**اِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدْاغْتَبْتَهُ، وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ فيه فَقَدْ بَهَتَّهُ**)205.

(کیا تم لوگ یہ جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟) صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ علم والے ہیں، آپ نے فرمایا: (تمہارا اپنے بھائی کے بارے میں ایسی بات کرنا جس کو وہ ناپسند کرتا ہو) آپ سے کہا گیا: اگر میرے بھائی میں میری کہی گئی بات پائی جاتی ہو تو اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا: **(اگر اس میں تمہاری کہی گئی بات پائی جاتی ہے تو ایسی صورت میں تم نے اس کی غیبت کی، اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے تو تو نے اس پر الزام لگایا)**۔

ساتویں آیت: اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **يٰأَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ احْصُوا الْعِدَّةَ** [**الطلاق** : ١]

(ترجمہ: اے نبی! جب آپ لوگ عورتوں کو طلاق دیں تو ان کی عدت کی ابتدا میں طلاق دیں، اور عدت کو گن لیا کریں)۔

اور سنت نے ان احکام کو بیان کیا جن پر یہ آیت مشتمل ہے، نیز یہ واضح کیا ہے کہ اللہ تعالی کی مراد کے مطابق عورتوں کو کیسے طلاق دیا جا سکتا ہے۔

---

205. مسلم،(2001/4)،(ح2589).

فرع ثانی

مجمل کی تفصیل

قرآن میں جو احکام وشرائع مجملاً 206 وارد ہوئے ہیں سنت نے ان کی تفصیل وتشریح کی ذمہ داری ادا کی ہے، ان کی دلالت کو واضح کیا ہے، ان کے تعلق سے اللہ کی مراد کو بیان کیا ہے، نیز اس غموض کا ازالہ کیا ہے جو اس کے مشکل الفاظ میں پایا جاتا تھا، اور ایسے مجمل احکام قرآن میں بہت ہیں، جیسے کہ نماز، زکاۃ، روزہ، اور حج وغیرہ کے احکام، ان جیسے اجمالی فرائض کی تفسیر معلوم کرنا نبی ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کئے بغیر ممکن نہیں ہے، اللہ تعالی نے آپ کو اپنے اس قول کے ذریعہ مخاطب کیا ہے: **وَ أَنْزَلْنَا اِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيهِمْ** [النحل : ۴۴]

(ترجمہ: اور آپ پر ہم نے قرآن نازل کیا ہے، تاکہ لوگوں کے لئے جو کچھ نازل کیا گیا ہے، اسے آپ ان کے لئے کھول کر بیان کر دیجئے)۔

اس آیت کے مطابق اللہ تعالی نے قرآن کو اپنے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمایا ہے، اور آپ ﷺ پر اس کے نازل کئے جانے کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے (**لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيهِمْ**) یعنی: تاکہ لوگوں کے لئے قرآن میں عقائد، احکام، عبادات، معاملات، اور آداب سے متعلق جو کچھ نازل کیا گیا ہے اسے آپ کھول کر بیان کر دیں، یعنی اسے لوگوں کے لئے اپنے قول اور فعل کے ذریعہ بیان کریں، پس معلوم یہ ہوا کہ نبی ﷺ نماز، زکاۃ، روزہ، حج اور کتاب اللہ میں وارد اس طرح کے دوسرے اجمالی احکام کے تعلق سے اللہ تعالی کی مراد کو بیان کرنے والے ہیں، جن احکام میں عقل کے لئے رائے استعمال کرنے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وحی کے واسطہ کے بغیر ان کا ادراک ممکن نہیں ہے۔

206. (**المُجْمَل**): لغت میں مفسَّر کی ضد ہے، اور اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جس کی دلالت واضح نہ ہو. دیکھئے: الإتقان فی علوم القرآن، (18/2).

اس سلسلے میں امام شاطبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جن احکام کا ذکر قرآن میں مجمل آیا ہے ان کی تفصیل سنت نے بیان کیا ہے، یا تو کیفیات عمل کو، یا اس کے اسباب کو، یا اس کے موانع کو، یا اس کے شروط کو، یا اس کے لواحق کو، یا ان کے مشابہ دیگر امور کو، جیسے کہ سنت کی طرف سے نمازوں کی تفصیل بیان کیا جانا، ان کے اوقات، رکوع، سجود اور دوسرے بقیہ احکام کے ساتھ، نیز اس کا زکاۃ کے احکام کو بیان کرنا، یعنی اس کے مقادیر کو، اس کی ادائیگی کے اوقات کو، زکاۃ نکالے جانے اموال کے نصاب کو بیان کرنا، اور اس کی تعیین کرنا کہ کس مال کی زکاۃ دی جائے گی اور کس کی نہیں، نیز روزہ کے ان احکام کو بیان کرنا جن کے سلسلے میں کتاب اللہ کے اندر نص وارد نہیں ہوئی ہے، اسی طرح حدثی اور خبثی طہارت کو بیان کرنا، حج، ذبائح، شکار کس جانور کا کیا جائے گا اور کس کا نہیں، نکاح اور اس سے متعلق امور جیسے کہ طلاق، رجعت، ظہار اور لعان کو بیان کرنا، اسی طرح بیوع اور ان کے احکام کو، قصاص اور دیگر جنایات وغیرہ کو، یہ تمام چیزیں قرآن کے مجمل احکام کے بیان میں ہی ہیں)207.

بطور مثال آپ قرآن کے لفظ ''نماز'' کو لے لیں، اس کا ذکر (۵۸) بار آیا ہے جو انٹھاون آیتوں کے اندر ہے، اور قرآنی آیات اقامتِ نماز کے حکم سے، نفلی نمازوں کی ترغیب سے اور انہیں ادا کرنے والوں کی توصیف سے خالی نظر نہیں آتیں، اس کے باوجود اس میں نہ تو ان کے اول وآخر وقت کی تحدید وتفصیل پائی جاتی ہے اور نہ ہر ہر نماز کی تعداد رکعات کی تفصیل ہے اور نہ ہر رکعت کے ارکان اور سنتوں کا ذکر ہے، اور نہ فرض ونفل اور مسنون نمازوں کا بیان ہے، اور نہ نماز کی کیفیت کا ذکر ہے، نہ اس کے مبطلات کا، نہ اس کے لئے وضو کرنے کے طریقے اور اس کی شرائط کا ذکر ہے، بلکہ ان تمام چیزوں کو سنت نے واضح اور مبین کیا ہے، یہی بات آپ زکاۃ، روزہ، حج، ساری عبادات اور معاملات، عائلی احکام، جنگ وامن کے قوانین، قضاء، سیاست اور اقتصاد وغیرہ کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں208.

---

207. الموافقات، (26'25/4) معمولی تصرف کے ساتھ.

208. دیکھئے: دراسات فی السنۃ النبویۃ الشریفۃ، (ص49).

دوسرا مطلب
سنت کی عظمت قرآن کی تخصیص کرنے کے اعتبار سے

اوراس میں دوفرع ہیں:

فرع اول: سنتِ متواترہ کے ذریعہ قرآن کی تخصیص.

فرع دوم: خبرِ آحاد کے ذریعہ قرآن کی تخصیص.

فرع اول

سنت متواترہ کے ذریعہ قرآن کی تخصیص

سنت متواترہ209 کے ذریعہ قرآن کی تخصیص کئے جانے کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے210.

دلائل:

ا۔سنت متواترہ (قولیہ) کے ذریعہ قرآن کی تخصیص کی مثال:

اَ۔اللہ تعالی کا قول ہے :(**يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ**)[النساء: ١١]ترجمہ:(اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے برابر ہے)۔

اوراس آیت کریمہ کی تخصیص نبی ﷺ کے اس قول سے ہوتی ہے: (**القَاتِلُ لَا يَرِثُ**)211.یعنی: قاتل وارث نہیں ہوگا۔

ب۔اللہ تعالی کا قول ہے:(**وَ أَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ**) [البقرة :٤٣](ترجمہ:اورنماز قائم کرواورزکاۃ ادا کرو)۔

آیت کا عموم اس پر دلالت کررہاہے کہ انسان جس چیز کا بھی مالک ہواس کی زکاۃ دیناواجب ہے،لیکن اس عموم کی نبی ﷺ کی متواترقولی سنت نے اس طور پر تخصیص کی ہے کہ گھوڑے کی زکاۃ ادانہیں کی جائے گی، نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ فِي عَبْدِهِ وَلَا فَرَسِهِ صَدَقَةٌ**) 212.(یعنی:مسلمان پراس کے غلام میں اوراس کے گھوڑے میں زکاۃ نہیں)۔

٢۔سنتِ متواترہ(فعلیہ) کے ذریعہ قرآن کی تخصیص کی مثال:

209.الحدیث المتواتر: وہ خبر جس کواتنی بڑی جماعت روایت کرے جس کا عادۃً جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو.دیکھئے: تدریب الراوی، للنووی(180/2).

210. دیکھئے: نسخ وتخصیص وتقیید السنۃ النبویۃ للقرآن الکریم،(ص271).

211.ابن ماجۃ،(913/2)،(ح2735).اورالبانی نے اس کو(صحیح سنن ابن ماجۃ)،(348/2)،(ح2157) میں صحیح کہا ہے.

212. مسلم،(675/2)،(ح982).

اللہ تعالی کا قول ہے: فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ [البقرة:٢٢٢]

(ترجمہ: حالتِ حیض میں اپنی عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں، ان کے قریب نہ جاؤ)۔

آیت کریمہ کا عموم اس پر دلالت کررہا ہے کہ ایام حیض میں جماع یا دوسرے کسی مقصد سے حایضہ کے قریب جانا حرام ہے، لیکن یہ عموم نبی ﷺ سے ثابت فعلی سنت سے مخصوص ہے، میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: (جب رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں میں سے کسی سے مباشرت کا ارادہ فرماتے، تو انہیں ازار باندھنے کا حکم فرماتے، جب کہ وہ حالتِ حیض میں ہوتیں)213.

دلیل اجماع:

سنت متواترہ کے ذریعہ قرآن کی تخصیص کئے جانے کے جواز پر کئی علماء نے اجماع نقل کیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ آمدی رحمہ اللہ ہیں، وہ کہتے ہیں: (عموم قرآن کو سنت کے ذریعہ خاص کرنا جائز ہے، اور اگر سنت متواتر ہوتو اس میں ہمیں کسی کے اختلاف کا علم نہیں ہے)214.

شوکانی ہیں، وہ فرماتے ہیں: (عموم کتاب کی سنتِ متواترہ کے ذریعہ تخصیص اجماعاً جائز ہے)215.

---

213. البخاری، اور لفظ انہی کا ہے، (115/1)، (ح297)؛ ومسلم، (243/1)، (ح294).

214. الإحکام في أصول الأحکام، (347/2).

215. ارشاد الفحول الی تحقیق علم الأصول، (ص267).

فرع ثانی

خبر آحاد کے ذریعہ قرآن کی تخصیص

اخبار آحاد216 کے ذریعہ قرآن کی تخصیص کئے جانے کے بارے میں علماء کے مابین اختلاف ہے اوران کے پانچ اقوال ہیں جن میں راجح قول خبر واحد کے ذریعہ قرآن کی تخصیص کا جواز ہے، یہی جمہور علماء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا قول ہے 217

غزالی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (مختار قول یہ ہے کہ: عادل کی خبر اولیٰ ہے، اس لئے کہ نص کی روایت میں عادل واحد سے نفس کو اسی طرح اطمینان حاصل ہوتا ہے جس طرح شہادت میں دو عادل سے سکون حاصل ہوتا ہے) 218

اور شنقیطی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اخبار آحاد کے ذریعہ قرآن اور سنتِ متواترہ کی تخصیص جائز ہے، اس لئے کہ تخصیص بیان ہے اور تحقیق کے مطابق قطعی کے معنی ومقصد کو آحاد کے ذریعہ بیان کیا جاسکتا ہے)219.

دلائل:

ا۔اللہ تعالی کا قول ہے: (**حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ**)[المائدة :٣]لیکن یہ آیت کریمہ اس سے مخصوص ہے کہ نبی ﷺ نے مچھلی اور ٹڈی کو حلال قرار دیا ہے جب کہ وہ دونوں مرے ہوئے ہوں، اسی طرح کلیجی اور تلی کو مباح قرار دیا ہے حالانکہ یہ دونوں خون ہیں، نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**أُحِلَّتْ لَكُمْ مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ؛ فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَ الْجَرَادُ ، وَ أَمَّاالدَّمَانِ ؛ فَالْكَبِدُ وَ الطِّحَالُ**) 220.

(یعنی: تمہارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کر دئے گئے ہیں، دو مردار سے مراد: مچھلی اور ٹڈی ہیں، اور

---

216. **(خبر الآحاد)** : وہ خبر جو تواتر کے درجہ سے نیچے ہو. دیکھئے: ارشاد الفحول، (ص41).

217. دیکھئے: نسخ وتخصیص وتقیید السنۃ النبویہ للقرآن الکریم، (ص275).

218. المستصفی، (ص249).

219. نشر الورود علی مراقی ابی سعود، (306/1).

220. ابن ماجۃ، (1102/2)، (ح3314). اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (129/3)، (ح2695) میں اس کو صحیح ٹھہرایا ہے.

دوخون سے مراد: کلیجی اور تلی ہیں)۔

۲۔اللہ تعالی کا قول ہے: ﴿ **وَ أُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ** ﴾[النساء: ۲۴] (ان کے علاوہ عورتوں سے شادی کرنا حلال کر دیا گیا ہے)۔

یہ آیت کریمہ نبی ﷺ کے اس قول سے خاص کی گئی ہے: ﴿ **لا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَي عَمَّتِهَا وَلا عَلَي خَالَتِهَا** ﴾221 (یعنی: عورت سے نہ اس کی پھوپھی کے اوپر اور نہ اس کی خالہ کے اوپر نکاح کیا جائے گا)، گویا آیت کے اندر وارد عمومی حلت کو عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان، اور عورت اور اس کی خالہ کے درمیان جمع کرنے کی حرمت کے ذریعہ خاص کر دیا گیا ہے۔

۳۔صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم خبر واحد کے ذریعہ قرآن کریم کی تخصیص کئے جانے کے جواز پر متفق ہیں، ان میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی ہے لہذا اس پر ان کا اجماع ہوا222.

خلاصہ:

سنت نبویہ شریفہ کی دونوں قسموں: متواتر و آحاد کے ذریعہ قرآن کریم کی تخصیص جائز ہے۔

---

221. البخاری، (1965/5)، (ح4819)؛ ومسلم، اور لفظ انہی کا ہے، (1029/2)، (ح1408)

222. دیکھئے: المحصول فی علم الأصول للرازی (86/3)؛ المستصفی، (160/2).

تیسرا مطلب

سنت کی عظمت اس کی طرف سے قرآن کی تقیید کئے جانے کے اعتبار سے

اوراس میں دوفرع ہیں:

فرع اول: سنتِ متواترہ کا قرآن کومقید کرنا.

فرع ثانی: سنتِ آحاد کا قرآن کومقید کرنا.

فرع اول

سنت متواترہ کا قرآن کو مقید کرنا

سنتِ متواترہ کا قرآن کو مقید کرنے کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے 223.

اور علماء نے بیان کیا ہے کہ تقیید تخصیص کے قائم مقام ہے، اس کی صراحت کرنے والوں میں:

ا۔ آمدی رحمہ اللہ ہیں، ان کا قول ہے: (جب مطلق اور مقید کا معنی سمجھ لیا گیا، تو یہ جان لیں کہ عمومات کی تخصیص کے سلسلے میں جو بھی متفق علیہ اور مختلف فیہ، اور مزیف و مختار اقوال بیان کئے گئے ہیں وہ سب بعینہ مطلق کی تقیید میں جاری ہیں، پس تمہارے اوپر ان کا اعتبار کرنا اور یہاں تک ان کو نقل کرنا لازم ہے) 224.

۲۔ شوکانی رحمہ اللہ، ان کا قول ہے: (جان لو کہ عام کی تخصیص کے سلسلے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ مطلق کی تقیید کے بارے میں بھی جاری ہے، چنانچہ اس کی تفصیلات کے لئے تخصیص کے باب کی طرف رجوع کرو، وہ تمہیں اس باب کے بہت سے مباحث سے بے نیاز کر دے گا) 225.

دلیل:

اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ** [**النساء:١١**].

وصیت کے سلسلے میں وارد اس نص کی تقیید اس میں تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرنے کے ذریعہ کی گئی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کے اس قول میں آیا ہے: (**فَالثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ**) 226 (یعنی: ثلث وصیت کر سکتے ہو اور ثلث بھی بہت زیادہ ہے)۔

اور علماء کا سنتِ متواترہ کے ذریعہ کتاب اللہ کی تخصیص کے جواز پر اجماع ہے، جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے 227، اور تقیید تخصیص کے قائم مقام ہے۔

---

223. دیکھئے: نسخ وتخصیص وتقیید السنۃ النبویۃ للقرآن الکریم، (ص 333).

224. الإحکام فی اصول الأحکام، (6/3).

225. إرشاد الفحول إلی تحقیق علم الأصول، (ص 282).

226. البخاری، (1006/3)، (ح 2591)؛ ومسلم، (1252/3)، (ح 1628).

227. دیکھئے: قرآن کی تخصیص بذریعۂ اجماع کے ضمن میں مذکور دلیلِ اجماع کے تحت ذکر کردہ دلائل.

فرع ثانی

خبر آحاد کے ذریعہ سنت کی تقیید

خبرِ واحد کے ذریعہ قرآن کی تقیید کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہےاوران کے چاراقوال ہیں، ان میں راجح خبر واحد کے ذریعہ قرآن کی تقیید کا جواز ہے، یہی جمہور علماء مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور محدثین کا قول ہے228.

دلائل:

۱۔اللہ تعالی کےقول: **وَ أُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِكُمْ** [**النساء** :۲۴](تمہارے لئے ان کے علاوہ عورتوں سے شادی کرنا حلال کردیا گیاہے) کی تخصیص نبی ﷺ کےاس قول:(**لَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَي عَمَّتِهَا وَلَا عَلَي خَالَتِهَا**) 229 (یعنی: کسی عورت سے نہ اس کی پھوپھی کےاوپراور نہ اس کی خالہ کےاوپر نکاح کیا جائے گا) سے کیا جاتا ہے۔

پس آیت کریمہ کےاندروارد عام حِلت کوعورت اوراس کی پھوپھی اورعورت اوراس کی خالہ کے درمیان جمع کرنے کی حرمت کے ذریعہ خاص کیا گیاہے،اور جیسا کہ پہلے بیان کیا گیاہےتقیید قائم مقام ہے تخصیص کے۔

۲۔صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا خبر واحد کے ذریعہ قرآن کی تخصیص کئے جانے کے جواز پراجماع ہے،ان میں سے کسی نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی ہے،لہذااس پران کا اجماع ہے 230،اورتقیید قائم مقام ہے تخصیص کے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا.

خلاصہ:

قرآن کریم کی تقیید سنت نبویہ شریفہ کی دونوں قسموں متواتر اورآحاد کے ذریعہ جائز ہے .

228. دیکھئے: نسخ وتخصیص وتقیید السنۃ النبویۃ للقرآن الکریم،(ص334).

229. اس کی تخریج گذرچکی ہے(ص).

230. دیکھئے: المحصول فی علم الأصول،للرازی(86/3)؛ المستصفی،(160/2).

چوتھا مطلب

سنت کی عظمت قرآن کو منسوخ کرنے کے اعتبار سے

اور اس میں دو فرع ہیں:

فرعِ اول: سنتِ متواترہ کا قرآن کو منسوخ کرنا.

فرعِ ثانی: اخبارِ آحاد کا قرآن کو منسوخ کرنا.

فرع اول
سنتِ متواترہ کا قرآن کو منسوخ کرنا

قرآن کے ذریعہ قرآن کو منسوخ کئے جانے پر اوراس کے وقوع پر علماء کا اتفاق ہے 231 البتہ ان کا سنتِ متواترہ کے ذریعہ قرآن کو منسوخ کئے جانے کے بارے میں اختلاف ہے اوران کے دو اقوال ہیں، جن میں راجح قول سنت متواترہ کے ذریعہ قرآن کو منسوخ کئے جانے کا جواز ہے، یہی جمہور حنفیہ، مالکیہ، احمد کی ایک روایت، اور بہت سے حنابلہ کا قول ہے 232، متاخرین میں سے اس کو شوکانی اور شنقیطی وغیرہما نے اختیار کیا ہے 233.

دلائل:

۱۔اللہ تعالی کا قول ہے:(**الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوفِ**)[البقرة:۱۸۰] .

اوروالدین واقربین کےحق میں وصیت کو نبی ﷺ کی اس حدیث کے ذریعہ منسوخ کردیا گیا ہے(لا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ 234)،(یعنی: وارث کے لئے وصیت نہیں کی جائے گی)۔

۲۔اللہ تعالی کا قول ہے :(**وَالَّتِي يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً**) [النساء :۱۵]

(ترجمہ:اورتمہاری عورتوں میں سے جو زنا کا ارتکاب کریں،توان پر چار مرد گواہ لاؤ،اگر وہ گواہی دیں تو انہیں گھروں میں بند کردو،یہاں تک کہ ان کی موت آجائے،یا اللہ ان کے لئے کوئی سبیل نکال دے)۔

اس آیت کریمہ کو نبی ﷺ کے اس قول سے منسوخ کیا گیا ہے: (**خُذُوا عَنِّي ، خُذُوا عَنِّي ،**

231. دیکھئے:الإحکام،للآمدی(181/3)؛روضۃ الناظر،(223/1).

232. اصول السرخسی،(78/1)؛الإحکام،للآمدی(189/3).

233. دیکھئے:ارشادالفحول،(ص167).

234. ابن ماجۃ،(906/2)،(ح2714).اورالبانی نے اس کو(صحیح سنن ابن ماجۃ)،(367/2)،(ح2211) میں صحیح قرار دیا ہے.

قَدْجَعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیلاً : اَلْبِکْرُ بِالْبِکْرِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَ نَفْيُ سَنَۃٍ ، وَالثَّیِّبُ بِالثَّیِّبِ جَلْدُ مِائَۃٍ وَالرَّجْمُ) 235.

(یعنی: مجھ سے حاصل کرو، مجھ سے حاصل کرو، اللہ تعالی نے عورتوں کے لئے راستہ نکال دیا ہے: کنوارا مرد کنواری عورت کے ساتھ زنا کرے تو ان کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو ان کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے)۔

اللہ تعالی کا قول ہے: (**الزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِی فَاجْلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ**)[**النور**:۲]

(زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو)۔

اس آیت کریمہ نے کنوارے اور شادی شدہ دونوں طرح کے زانی کی سزا سو کوڑے بیان کی ہے، لیکن شادی شدہ۔ خواہ مذکر ہو یا مؤنث۔ سے کوڑے کی سزا کو رجم کی سزا سے منسوخ کر دیا گیا 236، اور نبی ﷺ کی متواتر فعلی سنت سے یہ ثابت ہوا ہے کہ آپ نے ماعز وغیرہ کو رجم کی سزا دی تھی 237.

۴۔ اللہ تعالی نے پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت سے پہلے نبی ﷺ پر اور مسلمانوں پر رات کی نماز (تہجد کی نماز) کو فرض کیا تھا، اور اس کا حکم اس آیت کریمہ میں تھا: (**یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ . قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً . نِصْفَہُ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلاً . اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً**)[**المزمل** : ۱-۴] (ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے! آپ رات میں نماز کے لئے قیام کیجئے، سوائے تھوڑے وقت کے. آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیجئے. یا اس سے کچھ زیادہ، اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے)۔

پھر تہجد کی نماز کی فرضیت کو پنج وقتہ نمازوں کی فرضیت سے منسوخ کر دیا گیا، اس سلسلے میں کئی احادیث وارد ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**خَمْسُ صَلَوَاتٍ کَتَبَھُنَّ اللّٰہُ عَلَی الْعِبَادِ** ...) الحدیث 238. (یعنی: پانچ

---

235. مسلم، (1316/3)، (ح 1690).

236. الإحکام، للآمدی (190/3).

237. البخاری، (2502/6)، (ح 6438)؛ ومسلم، (1318/3)، (ح 1694).

238. ابوداود، (62/2)، (ح 1420). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (391/1)، (ح 1420) میں اس کو صحیح کہا ہے.

نمازیں ہیں جن کو اللہ تعالی نے بندوں پر فرض کیا ہے...)۔

اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک پراگندہ سر والا دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ مجھے بتائیں کہ اللہ تعالی نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہے؟ آپ نے فرمایا: (**پانچ وقت کی نمازوں کو والا یہ کہ تم کچھ نفل پڑھنا چاہو**)239.

۵۔ قرآن کو سنت متواترہ سے منسوخ کئے جانے کے لئے کوئی مانع نہیں ہے، نہ شرعاً اور نہ عقلاً، اس لئے کہ دونوں اللہ تعالی کی وحی ہیں جن کی اتباع واجب ہے 240.

239. البخاری، (669/2)، (ح 1792) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (40/1)، (ح 11).

240. دیکھئے: نسخ وتخصیص وتقیید السنۃ النبویۃ للقرآن الکریم، (ص 137).

فرع ثانی

اخبار آحاد کے ذریعہ قرآن کی منسوخی

اخبار آحاد کے ذریعہ قرآن کی منسوخی کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے اور ان کے تین اقوال ہیں، جن میں راجح قول: اخبار آحاد کے ذریعہ قرآن کو منسوخ کئے جانے کا جواز ہے، یہ بعض ظاہریہ، بعض مالکیہ، بعض شافعیہ، اور حنابلہ میں سے طوفی کا قول ہے 241، متاخرین میں سے شوکانی اور شنقیطی نے اس کو اختیار کیا ہے 242.

دلائل:

اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوْحِيَ إِلَيَّ محُرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ** [الأنعام:١٤٥]

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ جو کتاب مجھے بذریعہ وحی دی گئی ہے اس میں کسی کھانے والے کے لئے کوئی چیز حرام نہیں پاتا ہوں، سوائے اس کے کہ کوئی مُردار جانور ہو، یا بہنے والا خون ہو، یا خنزیر کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا ایسا جانور جو غیر اللہ کے نام پر چھوڑا گیا ہو)۔

یہ آیت کریمہ اخبار آحاد کے ذریعہ منسوخ ہے، مثلاً:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ (**أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نَهَى عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَعَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ**) 243. (یعنی: رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلی والے درندے اور پنجے سے پکڑ کر کھانے والے پرندے کے گوشت سے منع فرمایا ہے)، تو یہ اخبار آحاد کے ذریعہ قرآن کی منسوخی کی دلیل ہے۔

---

241. دیکھئے: الإحکام لابن حزم (644/4)؛ المحصول فی علم الأصول للرازی (333/3).

242. ارشاد الفحول، (ص 167)؛ اضواء البیان، (251/2).

243. مسلم، (1534/3)، (ح 1934).

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: (**نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ**)244،(یعنی: رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا)۔

شنقیطی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (صحیح اخبار آحاد کے ذریعہ جس کا قرآن کے بعد وارد ہونا ثابت ہو، قرآن کو منسوخ کئے جانے کی مثال: پالتو گدھوں کے گوشت کی اباحت کو منسوخ کیا جانا ہے جس پر صریح حصر کے ساتھ اس آیت کے اندر نص وارد ہوئی تھی: **قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ**، اس سنت صحیحہ کے ذریعہ منسوخ کیا گیا ہے جس کا تاخر ثابت ہے، اس لئے کہ آیت سورۃ الانعام کی ہے جو کہ مکی ہے، یعنی وہ بلا اختلاف ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور پالتو گدھوں کو سنت کے ذریعہ حرام قرار دئے جانے کا واقعہ ہجرت کے بعد خیبر میں پیش آیا ہے)245.

۲۔ احادیث آحاد۔ صحت سند اور اتصال کی صورت میں۔ اللہ تعالی کی طرف سے نازل ہونے والی وحی ہیں ، اور مختلف نوع کی وحی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اخبار متواترہ اور اخبار آحاد کے درمیان کوتفریق نہیں کی جاتی تھی 246.

خلاصہ:

قرآن کریم کو سنت نبویہ شریفہ کی دونوں قسموں متواتر وآحاد کے ذریعہ منسوخ کرنا جائز ہے.

سنت کے ذریعہ قرآن کی منسوخی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سنت قرآن کریم کا استدراک کرتی ہے یا وہ اس میں وارد غلطی کی اصلاح کرتی ہے یا نعوذ باللہ اس میں پائے جانے والے خلل کی وہ بھرپائی کرتی ہے، بلکہ مؤمنین کے اوپر شفقت و مہربانی کے پیش نظر بعض احکام کے اندر نسخ وارد ہوا ہے، یہ نرمی وسہولت، تعلیم میں تدرج اور احکام کی ذمہ داری کو ادا کرنے کی ٹریننگ کے نوع سے ہے، نیز نسخ میں سنت کی اہمیت اور اس کے مقام کی طرف اشارہ بھی پایا جاتا ہے۔

---

244. البخاری، (1544/4)، (ح 3982) اور لفظ انہی کا ہے، ؛ ومسلم (1541/3)، (ح 1941).

245. مذکرۃ اصول الفقہ، (ص 87).

246. دیکھئے: نسخ وتخصیص وتقیید السنۃ النبویۃ للقرآن الکریم، (ص 154).

پانچواں مطلب

سنت کی عظمت اپنے طور پر احکام جاری کرنے کے اعتبار سے

سنت کا کردار قرآن کے احکام کی تاکید، معانی کی توضیح، مجمل کی تفصیل، مطلق کی تقیید، عام کی تخصیص، اور اس کے بعض احکام کی تنسیخ کرنے تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان سب سے تجاوز کرتے ہوئے وہ ایسے نئے اور مستقل احکام کو وضع بھی کرتی ہے جو نہ نصاً اور نہ صراحتاً قرآن میں وارد ہوئے ہیں، اور ایسے احکام بے شمار ومتنوع ہیں۔

ایسے احکام کے پائے جانے پر علماء کے اتفاق کے باوجود ان کا ان احکام کو موسوم کئے جانے میں اختلاف- لفظی- ہے جن کی بنا وتاسیس مستقلاً سنت شریفہ کے ذریعہ عمل میں آئی ہے، اور ان کے دو اقوال ہیں جن میں راجح یہ ہے کہ سنت نے اپنے طور پر ایسے احکام جاری کئے ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، اور یہی جمہور علماء کا قول ہے 247.

سنت کا اپنے طور پر احکام جاری کرنے کے دلائل:

سنت مطہرہ کا اپنے طور پر احکام جاری کرنے کے اہم دلائل میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ رب کی طرف سے آنے والے احکام کی تبلیغ میں رسول اللہ ﷺ کا زیغ وخطا سے بالکل معصوم ومامون ہونا، چاہے وہ احکام وحی کے طریقوں میں سے جس طریقہ کے ذریعہ آئے، اور اس میں وہ سنت بھی شامل ہے جو ایسے احکام کو ثابت اور جاری کرنے والی ہے جن سے قرآن خاموش ہے 248.

۲۔ ان آیات قرآنیہ کا عموم جو نبی ﷺ کی اتباع کے وجوب پر اور ان کے اوامر ونواہی میں ان کی اطاعت کرنے پر دلالت کرتی ہیں، اور جو قرآن کے حکم کی تاکید کرنے والی، یا اس کو بیان کرنے والی، یا اپنے طور پر احکام بیان کرنے والی سنتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتیں، ایسی آیتیں قرآن کے اندر بہت ہیں جو اپنے عموم کے ساتھ ان تینوں قسم کی سنتوں کو قطعی قرار دیتی ہیں اور ان میں سے مستقل سنتوں کو خارج نہ کئے جانے پر

---

247. دیکھئے: الرسالۃ، للشافعی (ص 91-93).

248. دیکھئے: منزلۃ السنۃ من الکتاب وأثرھا فی الفروع الفقھیۃ، (ص 484).

دلالت کرتی ہیں۔

۳۔ان احادیث کا عموم جو حجیتِ سنت پر دلالت کرتی ہیں اور اسے کسی خاص نوع کی حدیث کے ساتھ مقید نہیں کرتیں، ان میں سے بعض ایسی بھی حدیثیں ہیں جو صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سنت میں کچھ ایسے احکام پائے جاتے ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں، اور انہیں اسی طرح اختیار کرنا واجب ہے جس طرح قرآنی حکم کو اختیار کرنا واجب ہے 249، جیسے کہ نبی ﷺ کا یہ قول: (خبردار! کوئی پیٹ بھرا شخص اپنے مسند پر ٹیک لگائے ہوئے کہے گا: تم لوگ اس قرآن کو لازم پکڑ لو! اس میں جس کو تم حلال پاؤ اس کو حلال گردانو، اور اس میں جس کو تم حرام پاؤ اس کو حرام گردانو) 250.

ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے: (سنت کے وہ احکام جو قرآن میں نہیں ہیں وہ اگر قرآنی احکام سے زیادہ نہیں ہیں تو وہ ان سے کم بھی نہیں ہیں، پس اگر ہمارے لئے نص قرآن سے زائد ہر ایک سنت کو رد کر دینا جائز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کی تمام سنتیں باطل ہو جاتیں، سوائے اس سنت کے جس پر قرآن دلالت کرتا ہو، اور یہی وہ چیز ہے جس کے واقع ہونے کی نبی ﷺ نے خبر دی ہے، اور آپ کی خبر کا واقع ہونا ضروری ہے) 251.

چنانچہ اس قسم کی احادیث پوری وضاحت کے ساتھ اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ سنت میں کچھ ایسے احکام پائے جاتے ہیں جو قرآن میں موجود نہیں ہیں، (اور یہ ان علماء کے قول کے مصداق ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ قرآن نے سنت کے لئے کچھ جگہ چھوڑی ہے اور سنت نے کچھ جگہ قرآن کے لئے چھوڑی ہے) 252.

۴۔ بحث وتحقیق سے ثابت ہے کہ سنت میں ایسی بے شمار چیزیں ہیں جن پر قرآن نے نص بیان نہیں کیا ہے، جیسے کہ عورت سے اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے اوپر شادی کرنے کی حرمت، پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت، اور کچلی والے درندوں کی حرمت وغیرہ 253، اس تعلق سے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان

---

249. دیکھئے: السنۃ ومکانتھا فی التشریع الإسلامی، (ص 381).

250. اس کی تخریج گذر چکی ہے.

251. إعلام الموقعین، (309/2).

252. الموافقات، (17/4).

253. مصدر سابق، (16/4).

کرتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ لوگوں کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ وحی سے متعلق کوئی چیز پائی جاتی ہے؟ انہوں نے کہا: قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا، مجھے ایسی کسی چیز کا علم نہیں ہے، سوائے اس فہم کے جسے اللہ کسی شخص کو قرآن کے اندر عطا فرماتا ہے، اور سوائے ان احکام کے جو اس صحیفہ میں ہیں، میں نے کہا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ انہوں نے بیان کیا: (**دیت اور قیدی کی رہائی کا حکم ہے اور اس کا بیان ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جاسکتا**)254.

۵۔صرف قرآن پر انحصار کرنا سنت کے باغی منافقین کی صفت ہے، اس قوم کے پاس کوئی ایمان نہیں ہے، اس کا دعوی ہے کہ قرآن میں ہر چیز کا بیان ہے، اس لئے احکام سنت کو چھوڑ دو اور اس سے دوری اختیار کرلو، اور ان کی اسی سوچ نے انہیں جماعت سے نکل جانے اور قرآن کی اس کے مقصد نزول کے برخلاف تاویل کرنے پر آمادہ کیا255.

ایسے لوگوں کا جواب سنت کے ذریعہ دیا جائے گا، جیسا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا ہے: (عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو تم لوگوں سے شبہات قرآن کے ذریعہ جدال کریں گے، تو تم لگ سنتوں کے ذریعہ ان کا جواب دو، سنت والے کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں)256.

۶۔سنت واجب الاتباع ہے اگرچہ وہ قرآن کے بیان کردہ حکم سے زائد حکم پر مشتمل ہو، کیونکہ وہ اللہ تعالی کی وحی ہے، لہذا وہ قرآن کی معارض نہیں ہوگی، اور ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ سنت کا قرآن کے ساتھ تین میں سے ایک رشتہ ضرور ہے:

پہلا: وہ ہر اعتبار سے قرآن کے موافق ہوگی، اس صورت میں قرآن اور سنت دونوں کا ایک ہی حکم پر وارد ہونا توارد ادلہ کے باب سے ہوگا۔

دوسرا: وہ قرآن کی مراد کو بیان کرنے والی اور اس کی تفسیر کرنے والی ہوگی۔

تیسرا: وہ ایسے حکم کو ثابت کرنے والی ہوگی جس سے قرآن خاموش ہو، یا اس فعل کو حرام کرنے والی ہوگی

254. البخاری،(1110/3)،(ح2882).

255. الموافقات،(17/4).

256. سنن الدارمی،(62/1)،(رقم119).

جس کو حرام قرار دینے سے قرآن خاموش ہو ...اس میں سے جو سنت قرآن سے زیادہ حکم بیان کرتی ہو وہ نبی ﷺ کی طرف سے ابتداءً صادر ہونے والا حکم ہوگا، جس میں آپ کی اطاعت واجب اور آپ کی نافرمانی حرام ہوگی، اور یہ اس کو اللہ کی کتاب پر فوقیت دینا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کا جو حکم دیا ہے اس کی بجا آوری ہے)257.

سنت کا اپنے طور پر احکام جاری کرنے کی چند مثالیں:

سنت مطہرہ کا اپنے طور پر احکام جاری کرنے کے دلائل میں سے اہم یہ ہیں:

ا۔سنت نبویہ نے تمام رضاعی رشتوں کو اپنے طور پر حرام قرار دیا ہے، بجز اس کے جس کا ذکر اللہ تعالی کے اس قول میں آیا ہے: **و أُمّهاتُكُمُ الّتِي أرْضعْنكُمْ وأخواتُكُمْ مِن الرّضاعةِ** [**النساء :٢٣**] ترجمہ: (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے، اور تمہاری رضاعی بہنیں)۔ نبی ﷺ کے اس قول کی بنا پر: **يحْرُمُ مِن الرّضاعِ ما يحْرُمُ مِن النّسبِ**)258، (یعنی: رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں)۔

۲۔ دو مردوں کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورت کی شہادت پر فیصلہ کرنے کے بارے میں قرآن کے اندر اللہ تعالی کے اس قول میں نص وارد ہوئی ہے : **وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ** [**النساء : ٢٨٢**] ترجمہ: (اور اپنے لوگوں میں سے دو مردوں کو گواہ مقرر کر لو، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہوں گی، جنہیں تم بطور شاہد پسند کرو)۔

اور سنت کے اندر یہ استقلالی حکم آیا ہے کہ ایک گواہ اور قسم کی بنیاد پر فیصلہ دیا جا سکتا ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: (**اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضَى بِيَمِيْنٍ وَ شَاهِدٍ**)259 (یعنی: رسول اللہ ﷺ نے قسم اور ایک شاہد کی بنیاد پر فیصلہ دیا)۔

۳۔ مردوں اور عورتوں کے اوپر سونے اور چاندی کے برتنوں کے استعمال کی حرمت؛ اس لئے کہ نبی ﷺ کا

---

257. اعلام الموقعین، (2/307-308).

258. البخاری، (2/935)، (ح2502)؛ ومسلم، (3/1637)، (ح2067).

259. مسلم، (3/1337)، (ح1712).

قول ہے:(**لَا تَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ، وَلَا تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَالدِّبَاجَ ؛ فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ لَكُمْ فِي الآخِرَةِ**)260. (یعنی: سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیو، اور ریشم وحریر کو نہ پہنو، یہ ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہے اور تمہارے لئے آخرت میں ہے)۔

اور نبی ﷺ کا قول ہے:(**مَنْ شَرِبَ فِي إِنَاءٍ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ ؛ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَاراً مِنْ جَهَنَّمَ**)261۔(یعنی: جس نے سونے یا چاندی کے برتن میں پیا، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کو اونڈیلتا ہے)

۴۔ **مردوں کے لئے سونا اور ریشم پہننے کی حرمت؛** اس لئے کہ نبی ﷺ کا قول ہے:(**إِنَّ اللَّهَ عز وجلَّ أَحَلَّ لِإِنَاثِ أُمَّتِي الْحَرِيْرَ وَالذَّهَبَ ، وَحَرَّمَهُ عَلَى ذُكُورِهَا**)262. (یعنی: بے شک اللہ عز وجل نے میری امت کی عورتوں پر ریشم اور سونا کو حلال کر دیا ہے، جب کہ اس کے مردوں پر اس کو حرام قرار دیا ہے)۔

۵۔ **عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ کے درمیان جمع کرنے کی حرمت؛** جیسا کہ نبی ﷺ کا قول ہے:(**لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَ عَمَّتِهَا وَ لَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَ خَالَتِهَا**)263. (یعنی: عورت اور اس کی پھوپھی کے درمیان جمع نہیں کیا جائے گا اور نہ عورت اور اس کی خالہ کے درمیان جمع کیا جائے گا)

۶۔ **پالتو گدھوں کی حرمت،** جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:(**نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ**)264. (یعنی: رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا)۔

۷۔ **ہر کچلی والے درندے اور پنجوں سے پکڑ کر کھانے والے پرندے کی حرمت؛** اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: (**أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ نهى عَنْ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ ، وَ عَنْ كُلِّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ**)265. (یعنی: رسول اللہ ﷺ نے ہر کچلی والے درندے اور پنجے سے پکڑ کر کھانے والے

260. البخاری،(2133/5)،(ح5310) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم،(1637/3)،(ح2067).
261. مسلم،(1635/3)،(ح2056).
262. النسائی(190/8)،(ح5265).اور البانی نے اس کو (صحیح سنن النسائی)،(400/3)،(ح5280)، میں صحیح قرار دیا ہے.
263. البخاری،(1965/5)،(ح4820)؛ ومسلم،(1028/2)،(ح1408).
264. اس کی تخریج گذر چکی ہے.
265. اس کی تخریج گذر چکی ہے.

پرندے سے منع فرمایا ہے)۔

۸۔حائضہ اور نفساء سے نماز کا ساقط ہونا؛ کیونکہ نبی ﷺ کا قول ہے:(**أَلَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ**)266.(یعنی: کیا ایسا نہیں ہے کہ جب وہ (عورت) حائضہ ہوجاتی ہے تو نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی)۔اور حائضہ روزے کی قضا کرتی ہے لیکن نماز کی قضا نہیں کرتی؛ اس لئے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے:(ہمیں حیض آتا تو ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا لیکن نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا)267.

۹۔مسلمان کو کافر کے بدلے قتل کئے جانے کا حکم؛ کیونکہ نبی ﷺ کا قول ہے:(**لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ**)268.(یعنی: کوئی مسلمان کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا)۔

۱۰۔شراب پینے والے کی حد؛ جیسا کہ نبی ﷺ کے اس قول میں ہے:(**مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ ، فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ ؛ فَاقْتُلُوهُ**)269.(یعنی: جو شراب پیئے اسے کوڑے لگاؤ، اگر وہ چوتھی بار دہرائے تو اسے قتل کردو)۔

۱۱۔رجم کی حد؛ جیسا کہ نبی ﷺ کے اس قول میں ہے:(**خُذُوا عَنِّي ، خُذُوا عَنِّي ، قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلاً ، الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَ نَفْيُ سَنَةٍ ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ**) **270.**

(یعنی: مجھ سے حاصل کرو، مجھ سے حاصل کرو، اللہ نے ان (عورتوں) کے لئے راستہ طے کردیا ہے، کنوارا کنواری سے زنا کرے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے اور رجم ہے)

۱۲۔ارتداد کی حد؛ جیسا کہ نبی ﷺ کے اس قول میں ہے: (**لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدَى ثَلَاثٍ : الثَّيِّبُ الزَّانِي ، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ ، وَالتَّارِكُ لِدِيْنِهِ الْمَفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ**)271.(یعنی: کسی ایسے مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ہے جو اس کی شہادت دیتا

266. البخاری،(116/1)،(ح298).

267. مسلم،(265/1)،(ح335).

268. اس کی تخریج گذر چکی ہے.

269. الترمذی،(48/4)،(ح1444).اور البانی نے(صحیح سنن الترمذی)،(131/2)،(ح1444) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے.

270. مسلم،(1316/3)،(ح1690).

271. مسلم،(1302/3)،(ح1676).

ہو کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں ہے اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مگر تین میں سے کسی ایک وجہ سے: شادی شدہ زانی ہو، یا جان کے بدلے جان لی جائے، یا اپنے دین کو چھوڑ دینے والا جماعت کو توڑنے والا ہو)۔

۱۳۔نکاحِ متعہ کی ممانعت، علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: (**أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ يَوْمَ خَيْبَرَ**)272. (یعنی: نبی ﷺ نے خیبر کے دن نکاحِ متعہ سے منع کر دیا)، اور ان کے علاوہ بہت سے ایسے احکام ہیں جن کو سنت مطہرہ نے اپنے طور پر جاری کیا ہے، ان سبھوں کو یہاں پر بیان کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ یہ مقام بسط وتفصیل کا نہیں ہے بلکہ مختصر شرح کا ہے۔

خلاصہ:

سنت کی طرف سے اپنے طور پر ایسے احکام جاری کئے جانے کی جن کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، جو دلیلیں اور مثالیں اوپر بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ اسلامی شریعت کے دونوں مصادر قرآن اور سنت کے درمیان گہرا ربط ہے، سنت قرآن کے احکام کی شرح کرنے والی، اس کے مجمل احکام کی تفصیل بیان کرنے والی، اس کے مطلق کو مقید، اس کے عام کو خاص، اور اس بعض احکام کو منسوخ کرنے والی ہے، نیز وہ اپنے طور پر ایسے احکام کو جاری و نافذ کرنے والی ہے جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا ہے۔

۲۔ قرآن وسنت کا مصدر ایک ہی ہے؛ یہ دونوں اللہ تعالی طرف سے نازل کردہ ہیں جو وحی کے ذریعہ نبی ﷺ تک پہنچے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں پایا جاتا ہے۔

۳۔ سید انسانیت ﷺ کے ساتھ غایت درجہ کی الٰہی عنایت ہے کہ اس نے آپ کی طرف سنت کو منسوب کیا اور بظاہر مستقل طور پر شریعت سازی کا اختیار دیا، تاکہ آپ ﷺ کی عزت افزائی اور تکریم میں اضافہ ہو۔

---

272. مسلم، (1027/2)، (ح1407).

دوسری فصل

نبی ﷺ کی عظمت

اور اس میں تین مباحث ہیں:

پہلا مبحث: نبی ﷺ کے اوصاف کی عظمت.

دوسرا مبحث: نبی ﷺ کے مقام کی عظمت دنیا میں.

تیسرا مبحث: نبی ﷺ کے مقام کی عظمت آخرت میں.

پہلا مبحث
نبی ﷺ کے اوصاف کی عظمت

اور اس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: خلق عظیم سے موصوف کیا جانا.

دوسرا مطلب: رافت ورحمت سے موصوف کیا جانا.

تیسرا مطلب: سراج منیر سے آپ کو موصوف کیا جانا.

پہلا مطلب

خلق عظیم سے موصوف کیا جانا

اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کی تعریف کی ہے، آپ کا تزکیہ بیان کیا ہے اور آپ کی تعدیل کی ہے؛ اس نے آپ کی عقل کا تزکیہ کیا ہے، اللہ تعالی کا قول ہے: (**مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوَى . وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحَى**) [النجم:۱۱] (ترجمہ: تمہارے ساتھی (یعنی: رسول اللہ ﷺ) نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ بھٹکے ہیں، اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اتاری جاتی ہے)؛ اسی طرح اس نے آپ کے قلب کا تزکیہ بیان کیا ہے، اس کا قول ہے: (**مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى**) [النجم:۱۱] رسول اللہ نے جو کچھ دیکھا اُن کے دل نے اس کی تکذیب نہیں کی) اس نے آپ کی نگاہ کا تزکیہ کیا ہے، اس کا قول ہے: (**مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى. لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى**) [النجم: ۱۷، ۱۸] (یعنی: نہ ان کی نگاہ نے خطا کی، اور نہ حد سے متجاوز ہوئی، انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں)؛ پھر اس کے بعد اس نے آپ کا مکمل تزکیہ بیان کیا ہے اور آپ کو فضل وکمال اور ثناء حسن سے مشرف کیا ہے، اس نے اپنی کتاب عزیز میں آپ کی یہ صفت بیان کی ہے: (**وَ إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ**) [القلم:] (اور آپ یقیناً عظیم اخلاق والے ہیں) یعنی: (عظیم ادب والے ہیں، اور وہ قرآن کا ادب ہے جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز کیا ہے، اور وہ اسلام اور اس کے شرائع ہیں)273.

(اس کی تفصیل یہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے اپنے اندر تمام فضائل کو جمع کر لیا تھا، اور ہر اچھی خصلت کو اپنے اندر سمو لیا تھا، جیسے کہ: شرف نسب، وفور عقل، صحت فہم، کثرتِ علم، شدتِ حیاء، کثرتِ عبادت، سخاوت، صداقت، شجاعت، صبر، شکر، مروءت، محبت، میانہ روی، زہد، تواضع، شفقت، عدل، عفو، غصہ پی جانا، صلہ رحمی، حسن معاشرت، حسن تدبیر، فصاحتِ لسان، قوتِ حواس، حسنِ صورت، اور ان کے علاوہ وہ تمام صفات وعادات جو آپ

273. تفسیر الطبری، (18/29).

کی احادیث وسیر میں وارد ہوئی ہیں)274.

نبی ﷺ کو صاحب خلق عظیم سے متصف کیئے جانے کا سبب:

اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کے اخلاق کو عظیم سے متصف کیئے جانے کی کئی وجہیں ہیں:

ایک وجہ یہ ہے کہ: اللہ تعالی کے سوا آپ کا اور کوئی مطلوب ومقصود نہیں تھا۔

ایک وجہ یہ کہ: جس ذات نے آپ کو تعلیم سے مشرف کیا وہ اللہ تعالی کی ذات ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں آیا ہے: (**وَ أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيماً**) [**النساء** :١١٣] (ترجمہ: اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے، اور جو آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ کو سکھایا ہے، اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل تھا)

اور یہ ایسا شرف ہے جسے اور کوئی شرف نہیں پاسکتا اور نہ کوئی فضل اس فضل کے قریب جاسکتا ہے۔

ایک وجہ یہ ہے کہ: نبی ﷺ کے اندر سارے عمدہ خصائل اور محاسن اخلاق جمع تھے، اس کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ**) 275.(یعنی: میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں تاکہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں)، اور ایک روایت میں: (**صَالِحَ الْأَخْلَاقِ**)276 کا لفظ آیا ہے، بلکہ جس محمود صفت کا ذکر کیا جائے اس کا اچھا خاصا حصہ نبی ﷺ کی ذات گرامی کے اندر موجود تھا277.

ایک سبب یہ تھا کہ: آپ نے اللہ تعالی کے اس ادب کو اختیار فرمایا جس کو اللہ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے: (**خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ**) [**الأعراف** : ١٩٩] ترجمہ: (**آپ عفو ودرگذر کو اختیار کیجئے اور بھلائی کا حکم دیجئے اور نادانوں سے اعراض کیجئے**)۔

ایک سبب یہ ہے کہ: آپ اسلام کے آداب اور اس کے شرائع واحکام سے آراستہ ومزین تھے، اس

---

274. التسهیل لعلوم التنزیل، للکلبی (137/4).

275. مسند البزار، (476/2)، (ح 8949). اور البانی نے اس کو (سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ)، (112/1)، (ح 45) میں صحیح کہا ہے۔

276. مسند احمد، (381/2)، (ح 8939). اور البانی نے (صحیح الأدب المفرد) (ص 118) ، (ح 207) میں اس کو صحیح کہا ہے.

277. دیکھئے: تفسیر القرطبی، (227/18).

کی دلیل یہ روایت ہے کہ قتادہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: (اے ام المومنین! مجھے آپ نبی ﷺ کے اخلاق کے متعلق بتائیں، انہوں نے جواب دیا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، انہوں نے کہا: اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق قرآن تھا)278.

اس کا مطلب ہے: نبی ﷺ قرآن کے اوامر ونواہی کی بجا آوری کرتے تھے، قرآن پر مکمل طور سے عمل پیرا تھے، اس کے متعین کردہ حدود کے نزدیک وقوف فرماتے تھے، اس کے آداب سے آراستہ تھے، اس کے امثال و قصص سے عبرت حاصل کرتے اور اس میں غایت درجہ تدبر فرماتے تھے279.

---

278. مسلم، (513/1)، (ح746).

279. شرح النووی علی صحیح مسلم، (26/6).

دوسرا مطلب

رافت ورحمت سے موصوف کیا جانا

اوراس میں تین فروع ہیں:

فرع اول: مؤمنین کے ساتھ رحمت ومہربانی.

فرع ثانی: اعداء اور مخالفین کے ساتھ رحمت ومہربانی.

فرع ثالث: بے زبان جانوروں کے ساتھ رحمت ومہربانی.

فرع اول

مؤمنین کے ساتھ رحمت ومہربانی

اللہ تعالی کا قول ہے: **لَقَدْ جَائَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** [**التوبة** :۱۲۸] (ترجمہ: تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں جن پر ہر وہ بات شاق گذرتی ہے جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے، تمہاری ہدایت کے بڑے خواہش مند ہیں، مومنوں کے لئے نہایت شفیق ومہربان ہیں)۔

اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں پر بہت بڑا احسان کیا کہ اس نے ان کے پاس انہیں میں سے نبی امی ﷺ کو ارسال فرمایا، جو اس نبی کی حالت سے آگاہ تھے، اور وہ ان میں اشرف ترین اور افضل تر تھے، ایسا اس لئے تاکہ ان کے لئے ان سے اخذ واستفادہ کرنا آسان ہو، اور ان کی تابعداری ان لوگوں پر گراں نہ گذرے، اور وہ نبی ﷺ ان کے بہت بڑے خیر خواہ اور ان کے مصالح کے نگہبان تھے۔

چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا: **عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ**، یعنی: ان پر وہ بات نہایت شاق گذرتی ہے جو ان کی امت کو تکلیف پہنچاتی ہے، اور ان کے لئے باعث مشقت ہوتی ہے، یعنی جو انہیں مشقت ومصیبت اور تکلیف میں مبتلا کرتی ہے،۔

پھر اس کے بعد فرمایا ہے: **حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ**، اور نبی ﷺ کا اپنی امت کے لئے حریص ہونا ان کے ایمان، ان کی ہدایت اور ان کی بھلائی کے لئے حریص ہونے کو شامل ہے، نیز ان تک دینی ودنیوی فائدے پہنچانے کا حرص بھی اس میں شامل ہے، یعنی نبی ﷺ ان کے لئے خیر کے طلبگار ہیں اور اس کو ان تک پہنچانے کے لئے پوری جانفشانی سے کام لیتے ہیں، اسی طرح وہ ان کے لئے شر کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کو ان سے دور رکھنے کے لئے تمام جتن کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ**، بعض کا کہنا ہے: فرمانبرداروں کے ساتھ رؤف ہیں اور

گنہگاروں کے اوپر رحیم ہیں، گویا نبی ﷺ مومنوں کے اوپر نہایت مہربان اور رحیم ہیں، بلکہ ان کے اوپر ان کے والدین سے بھی زیادہ رحیم ہیں، اسی لئے آپ کا حق تمام مخلوقات کے حقوق پر مقدم ہے، اور اسی وجہ کرامت کے لئے آپ پر ایمان لانا، آپ کی تعظیم کرنا، آپ کی توقیر اور آپ کی نصرت وحمایت کرنا واجب ہے 280.

یہ آیت کریمہ (سورۃ البراءۃ) کے آخر میں آیا ہے جو کہ مومنوں، منافقوں اور کافروں کے ذکر پر مشتمل ہے، اس کے آخر میں یہ تاکید آئی ہے کہ نبی ﷺ: **رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ہیں، اور یہ منافقین اور کفار کو اس رافت ورحمت سے خارج کردیتی ہے۔

آپ ﷺ کی رحمت مومنوں کے ساتھ ایسی ہے کہ آپ ان کے لئے ان کے والد کی منزلت میں ہیں جو اپنی اولاد پر رحمت وشفقت کا اظہار کرتے اور انہیں تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بے شک میں تم لوگوں کے لئے تمہارے والد کی طرح ہوں؛ تمہیں تعلیم دیتا ہوں..) 281.

پس نبی ﷺ مومنوں کے لئے والد کے مقام میں ہیں، شفقت وعنایت میں، مرتبہ اور مقام میں نہیں، اور ضروری باتوں کی تعلیم دینے میں، یعنی جس طرح والد اپنے بچے کو ادب سکھاتے ہیں اسی طرح نبی ﷺ انہیں ضرورت کی باتیں بتاتے ہیں، اور تعلیمی پدری نسبی پدری سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ اللہ تعالی انہیں کے ذریعہ ہمیں جہالت کی تاریکی سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لایا 282.

امت کے ساتھ آپ ﷺ کی رحمت وشفقت کی مثالیں:

ا۔ دعوت مستجابہ کو اپنی امت کی خاطر قیامت کے دن کے لئے چھوڑ رکھنا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ ، وَ اِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يومَ الْقِيَامَةِ ، فَهِيَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللَّهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لاَ يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئاً**) 283.

---

280. دیکھئے: تفسیر الطبری، (76/11)؛ تفسیر البغوی، (342/2).

281. ابوداود، (3/1)، (ح 8). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (14/1)، (ح 8) میں حسن قرار دیا ہے۔

282. دیکھئے: فیض القدیر، (723/2).

283. مسلم، (189/1)، (ح 202).

(یعنی: ہر نبی کو ایک دعائے مستجاب دی گئی تھی، پس ہر ایک نبی نے فوراً ہی اپنی وہ دعا مانگ لی، لیکن میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے بچا کر رکھ لیا، اور وہ ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جس کی موت اس حال میں ہوئی ہو کہ اس نے اللہ تعالی کے ساتھ شرک نہ کیا ہو)۔

(اس حدیث کے اندر امت پر نبی ﷺ کی کمالِ شفقت ومہربانی کا بیان ہے، اور اس کا ذکر ہے کہ آپ ان کے مصالح کا غایت درجہ خیال کرنے والے ہیں، اسی بنا پر آپ نے امت کی خاطر اپنی دعا کو ان کی سب سے اہم ضرورت کے وقت تک کے لئے موخر کر دیا284.

۲۔ آپ کی عام امت کے ساتھ رحمت ومہربانی:

ایک دن نبی ﷺ نے لوگوں کو خطاب فرمایا اور کہا: **(أَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي سَبَبْتُهُ سَبَّةً ، أَوْ لَعَنْتُهُ لَعْنَةً فِي غَضَبِي ؛ فَإِنَّمَا أَنَا مِنْ وَلَدِ آدَمَ ، أَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُونَ ؛ وَإِنَّمَا بَعَثَنِي رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ؛ فَاجْعَلْهَا عليهم صَلَاةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ)**285.

(یعنی: میں نے اپنی امت میں سے جس شخص کو بھی برا بھلا کہا ہو، یا میں نے اپنے غصہ میں اس پر کسی طرح کی لعنت کی ہو؛ تو میں آدم کی اولاد ہی میں سے ہوں، میں اسی طرح غصہ ہوتا ہوں جس طرح وہ غصہ ہوتے ہیں، لیکن اللہ نے تو مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے؛ میں اس (لعنت) کو قیامت کے روز ان کے لئے دعا بنا دوں گا)۔

۳۔ آپ کا رات میں روتے ہوئے اور اپنی امت کے لئے دعا کرتے ہوئے قیام کرنا:

ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز ادا فرمائی جس میں آپ ایک آیت پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اسی (آیت) کے ساتھ رکوع اور اسی کے ساتھ سجدہ کر رہے تھے، وہ آیت تھی: **إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** [المائدة: ۱۱۸] (ترجمہ: اگر تو انہیں عذاب دے گا، تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انہیں معاف کر دے گا تو بے شک تو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے) جب آپ نے صبح کی تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے اسی آیت کو پڑھتے پڑھتے صبح کر دی، اسی کی قراءت رکوع میں کیا اور سجدہ میں کیا؟ آپ نے فرمایا: **(إِنِّي**

284. شرح النووی علی صحیح مسلم، (75/3).

285. ابوداود، (215/4)، (ح4659). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (134/3)، (ح4659) میں صحیح قرار دیا ہے.

سَأَلْتُ رَبِّی الشَّفَاعَةَ لِأُمَّتِی فَأَعْطَانِیْهَا ، وَهِیَ نَائِلَةٌ . اِنْ شَاءَ اللّٰهُ . لِمَنْ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰهِ شَیْئاً)

286 (یعنی: میں نے اپنے رب تعالی سے اپنی امت کے لئے شفاعت مانگی تو اللہ نے مجھے وہ عطا کر دیا، اور وہ۔ ان شاءاللہ۔ ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جس نے اللہ تعالی کے ساتھ کسی طرح کا شرک نہ کیا ہو)۔

❁ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالی کے اس قول کی تلاوت کی: **رَبِّ اِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ کَثِیْراً مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِی فَاِنَّهُ مِنِّی وَمَنْ عَصَانِی فَاِنَّکَ غَفُورٌ رَّحِیْمٌ**)(ترجمہ: میرے رب! ان بتوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے، پس جو شخص میری اتباع کرے گا وہ بے شک مجھ میں سے ہوگا، اور جو میری نافرمانی کرے گا، تو بے شک تو بڑا مغفرت کرنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے) اور عیسی علیہ السلام نے کہا: **اِنْ تُعَذِّبْهُم فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ** [المائدۃ:۱۱۸] (ترجمہ: اگر تو انہیں عذاب دے گا، تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں، اور اگر تو انہیں معاف کر دے گا تو بے شک تو زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے)، اور نبی ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا اور فرمایا: (**اللّٰهُمَّ أُمَّتِی أُمَّتِی ، وَبَکَی ، فَقَالَ اللّٰهُ عز وجل : یَا جِبْرِیلُ ! اذْهَبْ اِلَی مُحَمَّدٍ . وَرَبُّکَ أَعْلَمُ . فَسَلْهُ مَا یُبْکِیْکَ ؟ فَأَتَاهُ جِبْرِیْلُ علیه السلام فَسَأَلَهُ ، فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَا قَالَ وهو أَعْلَمُ ، فَقَالَ اللّٰهُ : یَا جِبْرِیلُ ! اذْهَبْ اِلَی مُحَمَّدٍ ﷺ ، فَقُلْ : اِنَّا سَنُرْضِیکَ فِی أُمَّتِکَ ، وَلَا نَسُوءُکَ**)287. (یعنی: اے اللہ میری امت میری امت، اور آپ رونے لگے، پس اللہ عزوجل نے فرمایا: اے جبریل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو۔ حالانکہ تمہارا رب زیادہ علم والا ہے۔ کہ ان کو کون سی بات رلا رہی ہے؟ پس جبریل علیہ السلام ان کے پاس آئے اور دریافت کیا تو نبی ﷺ نے انہیں اپنی بات سے آگاہ فرمایا حالانکہ وہ اس سے اچھی طرح آگاہ تھے، پھر اللہ تعالی نے فرمایا: اے جبریل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے، اور ہم آپ کو تکلیف میں مبتلا نہیں کریں گے)۔

---

286. مسند احمد، (149/5)، (ح21366). اور محققین مسند نے اس کو حسن کہا ہے.

287. مسلم، (191/1)، (ح202).

یہ حدیث مختلف فوائد پر مشتمل ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

أ۔ نبی ﷺ کا اپنی امت پر نہایت درجہ کی شفقت ومہربانی کرنا، ان کے مصالح کا خیال رکھنا، اوران کے معاملات کا اہتمام کرنا۔

ب۔ دعا میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے کا استحباب۔

ج۔ اس امت کے لئے۔ زادھا اللہ تعالی شرفاً۔ عظیم بشارت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالی نے اپنے اس قول کے اندر کیا ہے: (**إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ ، وَلَا نَسُوءُكَ**) ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کردیں گے، اور آپ کو تکلیف میں مبتلا نہیں کریں گے)، یہ اس امت کے لئے سب سے خوش کن حدیث اور سب سے آخری وعدہ ہے۔

د۔ اللہ تعالی کے نزدیک نبی ﷺ کے مقام عالی کا اظہار ہوتا ہے۔

ھ۔ نبی ﷺ کے اوپر اللہ تعالی کا عظیم لطف وانعام۔

و۔ نبی ﷺ سے سوال کے لئے جبریل علیہ السلام کو بھیجنے کی حکمت آپ ﷺ کے شرف کا اظہار ہے اوراس کا بیان کہ آپ بلند مقام پر فائز ہیں اس لئے آپ کو راضی کیا جاتا ہے اور ایسی چیز سے نوازے جاتا ہے جس سے خوش ہوجائیں، اور یہ اللہ تعالی کے اس قول کے موافق ہے: **وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى** [**الضحیٰ**:۵]288 (ترجمہ: اور عنقریب آپ کا رب آپ کو دے گا تو آپ خوش ہوجائیں گے)۔

۴۔ اپنی امت کو مشقت میں نہ ڈالنا:

اوراس بارے میں کئی احادیث ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

أ۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ**)289 (یعنی: اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتی تو میں لوگوں کو ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا)۔

---

288. شرح النووی علی صحیح مسلم، (79,78/3).

289. البخاری، (303/1)، (ح847).

ب۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ ؛ فَإِنَّ مِنْهُمْ الضَّعِيفَ ، وَالسَّقِيمَ ، وَالْكَبِيرَ ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ**)290 (یعنی: جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ ان میں کمزور، بیمار، اور بوڑھے ہوتے ہیں، اور جب تم میں سے کوئی تنہا نماز پڑھے تو جتنی لمبی پڑھنا چاہے پڑھے)۔

ج۔ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا ، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي ؛ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ**) 291 (یعنی: میں نماز کھڑا میں ہوتا ہوں تو میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کو لمبی کروں، اسی اثناء میں میں بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز میں تیزی کر دیتا ہوں، اس کو بہتر نہ سمجھتے ہوئے کہ میں اس کی ماں کو مشقت میں ڈالوں)۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (**خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ وَ أُمَامَةُ بِنْتُ أَبِي الْعَاصِ على عَاتِقِهِ فَصَلَّى فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا ، وَإِذَا رَفَعَ رَفَعَهَا**)292. (یعنی: نبی ﷺ ہمارے پاس آئے اس حال میں کہ امامہ بنت ابی العاص آپ کے کندھے پر تھی، پس آپ نے (اسی حال میں) نماز پڑھائی، جب آپ رکوع کرتے تو اسے زمین پر رکھ دیتے اور جب اٹھتے تو اسے اٹھا لیتے)۔

ان احادیث کے اندر نبی ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ کمال درجے کا لطف وعنایت، مقتدیوں اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والے سارے بوڑھوں، بچوں، بیماروں، اور کمزوروں پر مہربانی، اور ان کے مصالح کا لحاظ وخیال کا ذکر پایا جاتا ہے، اور آپ کی یہ کوشش کہ لوگوں پر ایسا بوجھ نہ ڈالیں جو ان پر دشوار گذرے، اگر چہ وہ معمولی کیوں نہ ہو293.

290. البخاری، (248/1)، (ح671)؛ ومسلم، (341/1)، (ح467).

291. البخاری، (250/1).

292. البخاری، (2235/5)، (ح5650) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (385/1)، (ح543).

293. شرح النووی علی صحیح مسلم، (187/4).

فرع ثانی

اعداء اور مخالفین کے ساتھ رحمت ومہربانی

نبی ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں:

اللہ تعالی نے انبیاء سابقین کو ان لوگوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا جن لوگوں نے ان پر ایمان لایا اور ان کی اقوام میں سے جن لوگوں نے ان کی اتباع کیا، لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کی رحمت سارے جہاں والوں کو شامل رہی، آپ کے اتباع کو بھی اور آپ کے اعداء اور مخالفین کو بھی، کیونکہ آپ جہاں والوں کے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ نبی ﷺ کے اس قول میں غور کریں جس میں آپ تمام انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (**يٰأَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ**)294 (یعنی: اے لوگو! میں تو رحمت ہوں ہدیہ کے طور پر پیش کیا گیا ہوں) اور یہ بات اس لئے کہی کیونکہ اللہ نے آپ کو مؤمنین کے لئے رحمت بنا کے بھیجا تھا، نیز کافروں کے لئے بھی رحمت تھے کیونکہ آپ کی وجہ سے ان کے عذاب کو مؤخر کر دیا تھا، پس جس نے آپ کے ہدیہ کو قبول کیا وہ کامیاب وفائز ہوا، اور جس نے قبول نہیں کیا وہ ناکام ونامراد ہوا 295.

❁ اور جن آیتوں میں تمام لوگوں کے لئے نبی ﷺ کے رحمت ہونے کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں سے ایک اللہ تعالی کا یہ قول ہے (**وَ مَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ** [الأنبياء:١٠٧] (ترجمہ: اور ہم نے آپ کو سارے جہاں والوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے) (یعنی: اے محمد! ہم نے تمام لوگوں پر رحمت کرتے ہوئے ہی آپ کو شرائع واحکام کے ساتھ بھیجا ہے، اور یہ استثنا عام احوال اور علل سے الگ ہے، یعنی: ہم نے آپ کو کسی اور علت کے لئے نہیں بھیجا ہے، سوائے اپنی وسیع رحمت کے، اور بے شک آپ جس کے ساتھ بھیجے گئے ہیں وہ سعادت دارین کا سبب ہے)296.

294. سنن الدارمی، (21/1)، (ح15). اور البانی نے اس کو (السلسلۃ الصحیحۃ)، (882/2)، (ح490) میں صحیح کہا ہے.
295. مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، (474/16).
296. فتح القدیر، (430/3).

اور اللہ تعالی نے (اپنے نبی محمد ﷺ کو تمام عالم کے لئے یعنی مؤمن و کافر سب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، مومن کے لئے اس طور پر رحمت بنے کہ اللہ تعالی نے آپ کے ذریعہ اسے ہدایت دی، اوران پر ایمان لانے اور وہ جو احکام اللہ کے پاس سے لائے ان پر عمل کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل کیا، کافر کے لئے رحمت اس طور پر بنے کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالی نے اس سے فوری بلاء کو ٹال دیا، جو بلا اس سے پہلے رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں پر نازل ہوا کرتی تھی)297؛ جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے: **وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيهِمْ** [**الأنفال** :۳۳] (اور اللہ انہیں عذاب استیصال نہیں دے گا اس حال میں کہ آپ ان میں موجود ہوں)، اس لئے کہ آپ سارے جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں، چنانچہ جب تک آپ ان کے درمیان ہیں انہیں عذاب نہیں دیا جائے گا) 298.

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: (جس نے آپ کی اتباع کی اس کے لئے آپ دنیا و آخرت میں رحمت تھے، اور جس نے آپ کی اتباع نہیں کی اسے مسخ کر دیئے جانے، دھنسا دیئے جانے اور پتھر برسائے جانے جیسے عذاب سے معاف کر دیا گیا جس سے باقی قومیں دوچار کی گئی تھیں)299.

نبی ﷺ کی رحمت متنوع، اور جن وانس سمیت پورے عالم کو شامل تھی:

جس طرح نبی ﷺ کی رحمت مومنوں، کافروں اور منافقوں کو شامل تھی: (اور آپ مومنوں کے لئے اس طور پر رحمت تھے کہ آپ نے انہیں جنت کا راستہ بتایا، منافقین کے لئے اس طور پر رحمت تھے کہ وہ قتل سے مامون رہے، اور کافروں کے لئے اس طور پر کہ ان سے عذاب کو مؤخر کر دیا گیا)300.

اسی طرح نبی ﷺ کی رحمت لوگوں کے دینی و دنیوی تمام امور کو شامل تھی: (دینی امر میں اس طرح کہ آپ ﷺ مبعوث کئے گئے تو اس وقت لوگ جہالت وضلالت میں پڑے ہوئے تھے، توریت وانجیل کے حاملین اپنے دین کے تعلق سے تذبذب میں مبتلا تھے، ان پر لمبا عرصہ گذر جانے، ان کے تواتر کے منقطع ہو جانے، اوران کی

---

297. تفسیر الطبری، (106/17).

298. احکام القرآن للجصاص (228/4).

299. الکبیر للطبرانی، (23/12)، (رقم 12358).

300. تفسیر السمرقندی، (445/2).

کتابوں میں اختلاف واقع ہوجانے کی بنا پر، پس اللہ تعالی نے اس وقت نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا جب طالب حق کے سامنے فوز وثواب کی کوئی راہ باقی نہیں تھی، پس آپ نے انہیں حق کی دعوت دی، ان کو راہ حق سے آشنا کیا، ان کے لئے احکام مشروع کئے، اور حلال وحرام کے درمیان تفریق کیا، اور اس رحمت سے وہی مستفید ہوسکتا تھا جس کے پاس طلب حق کی خواہش ہو، چنانچہ وہ نہ تو تقلید پر بھروسہ کرتا ہو اور نہ عناد واستکبار کو اختیار کرتا ہو اور توفیق اس کی شامل حال ہو، اللہ تعالی کا قول ہے: **قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا هُدًى وَ شِفَاءٌ** [فصلت:۴۴] (ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن باعث ہدایت وشفا ہے ان لوگوں کے لئے جو اہل ایمان ہیں)۔

دنیوی امر میں اس طرح کہ آپ کے سبب سے لوگ بہت سی ذلتوں سے، قتال وخوں ریزی اور جنگوں سے محفوظ ہوگئے، اور آپ کے دین کی برکت سے مدد کئے گئے)301، اسی طرح آپ نے ان کے لئے دنیوی سعادت کے راستے بیان فرمائے، اس پر چلنے کی صورت میں ان کے لئے خوشگوار زندگی کی ضمانت دی اور ان کے لئے استقرار اور راحت وآرام سے رہنے کا موقع فراہم کیا۔

نبی ﷺ ہر اعتبار سے رحمۃ للعالمین تھے، جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کے جھنڈے کے نیچے آگئے وہ دنیا وآخرت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اور جن لوگوں نے ایمان لانے سے اور آپ کے جھنڈے تلے آنے سے انکار کیا وہ ان تین حالات سے باہر نہیں ہیں:

پہلی: وہ ان سے جنگ وعداوت کریں گے؛ اور اگر پہلے ہی قتل کردیئے گئے تو گویا سخت ترین عذاب سے معاف کردئے گئے، اس لئے کہ وہ زندہ رہنے کی صورت میں ان سے اور زیادہ لڑائیاں کرتے، اور جیسے جیسے ان کی محاربت میں اضافہ ہوتا اسی قدر ان کے عذاب میں اضافہ ہوتا، اور اگر وہ زندہ رہتے تو وہ اس عذابِ عام میں مبتلا کئے جانے سے محفوظ رہتے جو ان کا بالکل خاتمہ کردیتا، جیسا کہ پچھلی امتوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے۔

دوسری: ان سے معاہدہ کریں اور ان سے جنگ نہ کریں، ان لوگوں کے لئے انہوں نے امن وامان اور حسن جوار کا اور اس کا ذمہ لیا ہے کہ زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے گا، حالانکہ آخرت میں ان کو عذاب سے دوچار کیا جائے گا، لیکن ان کا عذاب آپ ﷺ کی محاربت کرنے والوں کے عذاب سے کم تر ہوگا۔

---

301. التفسیر الکبیر، (228/22).

تیسری: وہ منافقین ہوں گے جوان کے سامنے دین کا اظہار کریں گے، ان لوگوں کے لئے یہ ذمہ لیا ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیا جائے گا اور ان کا حساب ان کے رب کے حوالے ہوگا جو قیامت کے دن ان سے محاسبہ کرے گا302.

دشمنوں اور مخالفین کے ساتھ نبی ﷺ کی رحمت کی مثالیں:

سنت نبویہ اس طرح کے عظیم مظاہر اور ایسی بے شمار احادیث سے بھری پڑی ہے جو اعداء ومخالفین پر نبی ﷺ کی رحمت ومہربانی کی روشن دلیلیں ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ قبیلہ دوس پر آپ کا بددعا نہ کرنا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: طفیل بن عمرو دوسی اور ان کے اصحاب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دوس قبیلہ نے نافرمانی اور سرکشی کردی ہے، اس پر آپ بددعا کردیں، لوگوں نے کہنا شروع کردیا: دوس ہلاک ہوجائے گا، مگر رسول اللہ ﷺ نے کہا: **(اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور اور انہیں اسلام میں لے آ)**303.

مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں: (مشرکین پر بددعا کرنے کا مختلف معنی ہے: اگر وہ دین اور اہل دین کی حرمت کو پامال کرنے والے ہوں تو ان پر اور ان کی راہ پر گامزن دوسرے گنہگاروں اور دین کی پامالی کرنے والوں پر بددعا کرنا واجب ہے، اگر وہ دین اور اہل دین کی حرمت کو پامال نہیں کرتے تو ان کے لئے اسلام کی طرف آنے کی دعا کرنا واجب ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا جب آپ سے دوس کے خلاف بددعا کرنے کی درخواست کی گئی تھی: **(اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور انہیں اسلام کی طرف لے آ)**304.

۲۔ مشرکین پر بددعا نہ کرنا:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول! مشرکین پر بددعا کردیں تو آپ نے فرمایا: (**إِنِّـي لَـمْ أُبْعَثْ لَعَّاناً ، وَ إِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً**)305 (یعنی: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا

302. دیکھئے: جلاء الأفہام فی فضل الصلاۃ والسلام علی محمد خیر الأنام، (182,181/1).

303. البخاری، (1073/3)، (ح2779)؛ ومسلم، (1957/4)، (ح2524).

304. شرح صحیح البخاری، لابن بطال (7/3).

305. مسلم، (2006/4)، (ح2599).

گیا ہوں، بلکہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔

اس لئے کہ دعا میں لعنت کرنے کا مطلب اللہ کی رحمت سے دور رکھنے کی بد دعا کرنا ہے، پس اگر نبی ﷺ اپنی قوم پر بد دعا کرتے تو وہ رحمت سے دور ہو جاتی، اور نبی ﷺ اس کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے تھے بلکہ آپ پورے عالم کے لئے رحمت و باعث ہدایت بنا کر بھیجے گئے تھے۔

۳۔ مشکل ترین حالات میں بھی اپنی قوم کے خلاف صبر و تحمل کا اظہار کرنا:

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اللہ تعالی نے آپ سے کہی گئی آپ کی قوم کی بات کو سنا اور ان کی طرف سے آپ کو جو جواب دیا گیا اسے بھی سنا، اور اللہ تعالی نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے تاکہ آپ اس کو ان کے بارے میں جو حکم دینا چاہیں دیں، چنانچہ مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دیا اور مجھے سلام کیا پھر کہا: اے محمد! آپ جو چاہیں اس کا حکم دیں، اگر آپ چاہیں تو انہیں دو پہاڑوں کے درمیان کچل دیا جائے، لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: (**بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئاً**)306 (یعنی: بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالی ان کی نسلوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے)

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریش نے نبی ﷺ سے کہا: ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کردو کہ وہ صفا پہاڑ کو ہمارے لئے سونا بنا دے پھر ہم تم پر ایمان لے آئیں گے! آپ نے فرمایا: کیا تم لوگ ایسا کروگے؟ انہوں نے کہا: ہاں، راوی کہتے ہیں: آپ نے دعا کی چنانچہ جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: آپ کے رب عز وجل نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ پیغام بھیجا ہے کہ: (اگر آپ چاہیں تو صفا کو سونا بنا دیا جائے گا، لیکن اس کے بعد ان میں سے جو کفر کرے گا اس کو میں ایسا عذاب دوں گا جیسا عذاب پہلے دنیا والوں میں سے کسی کو نہیں دیا ہوگا، اور اگر آپ چاہیں تو ان کے لئے توبہ اور رحمت کے دروازے کو کھول دوں، آپ نے فرمایا: بلکہ توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی ٹھیک ہے)307.

---

306. البخاری، (1180/3)، (ح3059)؛ ومسلم، (1420/3)، (ح1795).

307. مسند احمد، (242/1)، (ح2166). اور البانی نے اس کو (صحیح الترغیب والترھیب)، (218/3)، (ح3142) میں صحیح قرار دیا ہے.

فرع ثالث

بے زبان جانوروں پر آپ کی رحمت ومہربانی

نبی ﷺ کی رحمت انسانوں کے ساتھ خاص نہیں تھی بلکہ وہ عام رحمت تھی جس کا دائرہ بے زبان جانوروں تک پھیلا ہوا تھا، بلکہ جمادات تک پھیلا ہوا تھا، اور آپ ﷺ اس میں مسلمان اور غیر مسلمان سمیت پورے عالم کے لئے اسوہ تھے، آپ کی سیرت مبارکہ ضرب المثل اور اس کے تعلق سے وارد آپ کے اقوال وافعال نہایت تعجب خیز تھے کہ آخر وہ نبی کیسے تھے جو اپنی دعوت ورسالت اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول رہے، اور جو اپنے دشمنوں کے ساتھ جنگ میں اور اپنے دین وعقیدہ کا دفاع کرنے میں مشغول رہے، نیز جوامت کی قیادت کرنے میں، اپنی حکومت کو چلانے میں اپنی رعیت کے معاملات کی انجام دہی میں اور ان کے علاوہ دیگر مہمات کو سرکرنے اور مختلف قسم کے امور کو انجام دینے میں مشغول رہے، وہ کیسے تھے کہ انہوں نے ان مخلوقات کو فراموش نہیں کیا جن کو کچھ بھی اہمیت نہیں دی جاتی تھی، اور جن کی طرف شفقت ورحمت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، لیکن یہ سب کام نبی ﷺ کی تعلیمات کے سایہ میں اور آپ کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے مسلمانوں کی رعایت میں انجام پایا، مغرب کے اس خیالی تمدن پر سبقت حاصل کرتے ہوئے جس نے حیوانات کے سلسلے میں ڈھونگ رچائے ہیں، ان کے حقوق مقرر کئے ہیں، اور ان کی خاطر بہت سی جمعیتیں، ادارے اور بہت سے ویلفیئر ہاسپٹل قائم کئے ہیں، حالانکہ اسی مغرب نے معصوم جانوں کا قتل عام کیا ہے اور دنیا کے بیشتر حصوں میں کمزور انسانوں کو جلاوطنی پر مجبور کیا ہے، اور ایسا کر کے اس نے اپنی خست ودناءت کو، اپنی کج روی کو، اور اپنے اصحاب کی خساست کو اجاگر کیا ہے۔

جانوروں اور بے زبان حیوانات پر نبی ﷺ کی رحمت ومہربانی کے مظاہر بکثرت پائے جاتے ہیں، آپ کی سنت ایسے واقعات سے بھری ہے جو آپ کی اس رحمت پر دلالت کرتے ہیں، اسی طرح آپ کی شریعت ان سے متعلق احکام سے پُر ہے، نبی کریم ﷺ نے اپنے اس کامل وشامل منہج میں جو زندگی کے تمام گوشوں کو شامل اور اس

کے تمام جوانب کومحیط ہے،ان بے زبان جانوروں کے ساتھ روار کھے جانے والے سلوک کے بیان واظہار کونظر اندازنہیں کیا، چنانچہ فقہ کی کتابیں بھی ان سے متعلق احکام سے بھری ہوئی ہیں، یہ اسلام اور نبی اسلام کے بلند سوچ کی عکاس ہے، نیز یہ حیوانات کے اوپر نبی ﷺ کی رحمت ورافت کی روشن دلیل بھی ہے،سنت میں ایسی مثالیں بہت ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

حیوانات پر نبی ﷺ کی رحمت کے چند نمونے:

أ۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن حکم بن ایوب کے گھر پر گئے تو دیکھا کہ کچھ بچے۔یا کچھ نوجوان۔ایک مرغی کو باندھ کراسے نشانہ بنارہے تھے،انس رضی اللہ عنہ نے کہا: (**نهى النّبي ﷺ أنْ تُصبر الْبهائِمُ**)308 (یعنی: نبی ﷺ نے جانوروں کو باندھ کران کونشانہ سے منع فرمایا ہے)۔

ب۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:(**نَهَى رَسُولُ اللَّـهِ ﷺ أَنْ يُقْتَلَ شَىْءٌ مِنَ الدَّوَابِ صَبْراً**)(یعنی: رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی جانور کو باندھ کر قتل کیا جائے)309.

اور **صبر البهائم** کا معنی ہے: کسی زندہ جانور کو باندھ دیا جائے تا کہ اسے تیر وغیرہ کے ذریعہ قتل کیا جائے 310.

ج۔ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:(**لَا تَتَّخِذُوا شَيْئاً فِيهِ الرُّوحُ غَرَضاً**)311 (یعنی کسی ذی روح شئی کونشانہ بناؤ)اس کا مطلب ہے: کسی زندہ حیوان کونشانہ بازی کے لئے نہ اختیار کرو یعنی: نشانہ بازی کے لئے اسے نشانہ بنا کر اس کی طرف تیر نہ چلاؤ312.

۲۔چڑیا کے چوزے کو پکڑنے کی ممانعت:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے،آپ اپنی

---

308. البخاری،(2100/5)،(ح5194)؛ومسلم،(1549/3)،(ح1956).

309. مسلم،(1550/3)،(ح1959).

310. دیکھئے:شرح النووی علی صحیح مسلم،(107/13).

311. مسلم،(1549/3)،(ح1957).

312. دیکھئے:شرح النووی علی صحیح مسلم،(114/1).

ضرورت کے لئے تشریف لے گئے، اس دوران ہم نے ایک گوریا کو دیکھا جس کے پاس دو بچے تھے، ہم لوگوں نے اس کے دونوں بچوں کو لے لیا، وہ گوریا آئی اور اپنے پر پھڑ پھڑانے لگی، پھر نبی ﷺ تشریف لے آئے تو آپ نے فرمایا: (اس کے بچے کو لے کر کس نے اسے گھبراہٹ میں ڈال رکھا ہے، اسے اس کے بچے کو واپس کر دو)313.

جانوروں کو ذبح کرتے وقت احسان کرنے کا حکم:

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ ، واذا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ ، فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ**)314. (یعنی: اللہ تعالی نے ہر چیز کے ساتھ احسان کرنے کو فرض کر دیا ہے، پس جب تم (قصاص وغیرہ میں) قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو، اور جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح سے ذبح کرو، اور چاہئے کہ تم میں سے ہر کوئی اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچائے)۔

۴۔ ذبیحہ کے سامنے چھری تیز کرنے کی ممانعت:

ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو اپنا پاؤں بکری کی گردن پر رکھے ہوا تھا اور اسی حالت میں اپنی چھری تیز کر رہا تھا، جب کہ وہ بکری اپنی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، پس نبی ﷺ نے کہا: (کیا تم اسے کئی بار مارنا چاہتے ہو؟ اس کو لٹانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چھری تیز کیوں نہیں کر لی تھی؟)315.

زندہ جانور سے گوشت کاٹنے کی ممانعت:

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے اس وقت لوگ اونٹ کے کوہان کو اور بکری کے سرین کے گوشت کو کاٹا کرتے تھے، اس موقع پر آپ نے فرمایا: (زندہ جانور کا جو گوشت کاٹا جائیگا وہ مردار کا گوشت ہوگا)316.

---

313. ابوداود، (55/3)، (ح2675). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (147/2)، (ح2681) میں صحیح قرار دیا ہے.

314. مسلم، (1548/3)، (ح1955).

315. مصنف عبدالرزاق، (493/4)، (ح8608). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع)، (80/1)، (ح93) میں صحیح کہا ہے.

316. الترمذی، (74/4)، (ح1480). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (149/2)، (ح1480) میں صحیح کہا ہے.

اس اخلاق عالیہ کا کیا کہنا، اور اس صاحب رحمت کا کیا پوچھنا، غور کریں کہ نبی ﷺ نے جانوروں کی ایذا رسانی کو، انہیں مبتلائے عذاب کئے جانے کو، اور انہیں باندھ کر قتل کئے جانے کو حرام قرار دے کر ہی ان پر رحم نہیں کیا ہے بلکہ اس سے تجاوز کرتے ہوئے آپ کی رحمت کا دائرہ جانور کے احساس وشعور تک پہنچ گیا، نبی ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ اس چڑیا کو اپنے بچوں کے گم ہو جانے کا قلق ہوگا، لہذا آپ نے اپنے اصحاب سے اس کے بچوں کو لوٹانے کا مطالبہ کیا، اس کو قلق وتکلیف سے نجات دلانے اور ایک ماں کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے جو اس کے اندر پائے جاتے تھے۔

پھر آپ نے یہ واضح فرمایا کہ حیوان بھی اپنے اندر احساسات وجذبات رکھتے ہیں جن میں سے خوف اور قلبی تکلیف کا احساس بھی ہے، لہذا آپ نے ذبیحہ کی موجودگی میں چاقو تیز کئے جانے سے منع فرمادیا۔

۶۔ جمادات پر آپ کی رحمت:

اس رحمت کے آثار میں سے جو نبی ﷺ کی ذات شریفہ کے اندر ہی پائی جاسکتی تھی، ایک جمادات پر آپ کی رحمت ہے، آپ نے اس کھجور کے تنے کا جس پر آپ خطبہ دیا کرتے تھے اس قدر خیال رکھا تھا کہ وہ آپ کی جدائی پر رو پڑا، ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: (**كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ اِلَى جِذْعٍ ، فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ تَحَوَّلَ اِلَيْهِ ، فَحَنَّ الْجِذْعُ ، فَأَتَاهُ ، فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ**)317.

(یعنی: نبی ﷺ ایک تنا پر خطبہ دیا کرتے تھے، جب آپ نے منبر بنوالیا تو اس پر خطبہ دینے لگے، پس وہ تنا رونے لگا، چنانچہ نبی ﷺ اس کے پاس آئے اور اس پر اپنا ہاتھ پھیرا)۔

ایک موقع پر نبی ﷺ نے جبل احد کے بارے میں فرمایا: (احد پہاڑ ہے، وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں)318.

یہ کیسی رحمت ہے جو نبی ﷺ کی ذات شریفہ میں پائی جاتی تھی؟، اور وہ کیسی رافت ہے جو آپ کے اخلاق کریمانہ کا حصہ تھی؟!

---

317. البخاری، (705/2)، (ح3624).

318. البخاری، (281/1)، (ح1506)؛ ومسلم، (595/1)، (ح3438) اور لفظ انہی کا ہے.

تیسرا مطلب

سراج منیر سے آپ کو متصف کیا جانا

اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَّ مُبَشِّراً وَّ نَذِيراً . وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَ سِرَاجاً مُنِيراً**[الأحزاب :۴۵،۴۶] ترجمہ:(اے میرے نبی! ہم نے آپ کو گواہ بنا کر اور جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے)۔

اور(آپ ﷺ ''سراج منیر'' ہیں، اس کا مطلب ہے کہ لوگ عظیم تاریکی میں تھے، اور ان کے سامنے ایسی کوئی روشنی نہیں تھی جس سے وہ اس تاریکی میں راہ پاتے، نہ ہی کوئی علم تھا جس کی مدد سے وہ اس پر غلبہ پاتے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کریم کو مبعوث کیا جن کے ذریعہ اس نے ان تاریکیوں کو روشن کیا، ان کے علم کے ذریعہ جہالتوں کا خاتمہ کیا، اور ان کے واسطے سے گمراہوں کو صراط مستقیم کی طرف گامزن کیا، جس کے بعد وہ اہل استقامت بن گئے، ان کے لئے اس نے راستے کو واضح کر دیا چنانچہ وہ اس امام کے پیچھے چلنے لگے اور ان کے ذریعہ انہوں نے خیر وشر کو پہچانا اہل شقاوت سے اہل سعادت کی شناخت کی، ان سے روشنی حاصل کر کے اپنے معبود کو پہچانا، نیز آپ کے اوصاف حمیدہ، افعال سدیدہ، اور احکام رشیدہ کو جانا)319.

نبی ﷺ کو سراج منیر سے موصوف کئے جانے کا سبب:

علمائے تفسیر نے آپ کو ''سراج منیر'' سے موصوف کئے جانے کا جو سبب بیان کیا ہے وہ یہ ہے:

۱۔اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ شرک کی تاریکیوں کا ازالہ کیا اور آپ کے ذریعہ گمراہ لوگوں نے ہدایت پائی، جس طرح رات کی تاریکی کو سراج منیر سے روشن کیا جاتا ہے اور جس سے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں320.

319. تفسیر السعدی،(668/1).

320. الکشاف،(556/3).

۲۔ نبی ﷺ جس حق کے ساتھ آئے اس میں آپ کا معاملہ بالکل واضح تھا، چمکتے دمکتے سورج کی طرح جس کا انکار مکابر و معاند شخص ہی کرسکتا ہے 321.

۳۔ آپ ﷺ اس سراج منیر کی طرح ہیں جس کی مدد سے تاریکی کو روشنی میں بدلا جاتا ہے، اور آپ سراج اس لئے ہیں کیونکہ جس وقت آپ کی بعثت ہوئی تو اس وقت شرک کی تاریکی نے پوری دنیا کو ڈھانپ رکھا تھا، پس آپ کا وجود اس سراج کی طرح ہے جو تاریکی میں ظاہر ہوتا ہے 322.

۴۔ جہالت و گمراہی کی تاریکیوں میں آپ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، اور آپ کے انوار سے رشد و ہدایت کے راستوں کو تلاش کیا جاتا ہے، یعنی کہ: آپ کی امت میں سے آپ کی اتباع کرنے والا آپ سے ہمیشہ ہدایت حاصل کرتا رہے 323.

اگر یہ آپ ﷺ کی صفت ہے تو ایسی حالت میں عقل اور منطق اس کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ سے قول، فعل اور تقریر کی صورت میں جو کچھ صادر ہوتا ہے وہ خیر ہی خیر اور خالص حق ہے، لہذا آپ کی سنت کو ہر چیز پر مقدم مانا جائے گا، آپ کی ہدایت کو دوسروں کی ہدایت پر فوقیت دی جائے گی، اور یہ آپ ﷺ کی اور آپ کے وصف کی عظمت کی دلیل ہے۔

نبی ﷺ دو قسم کے نور کے حامل تھے:

نبی ﷺ کی ذات شریفہ میں دو طرح کا نور، یعنی نور معنوی (نور ہدایت) اور نور حسی (آپ کے چہرے کی چمک اور جمال) پایا جاتا تھا، جس نے شمائل محمدیہ سے متعلق کتابوں میں، یا کتبِ سنت کے اندر نبی ﷺ کے اوصاف سے متعلق احادیث کو پڑھا ہے اسے اچھی طرح معلوم ہوگا کہ وہ حدیثیں آپ کی کچھ یوں وصف بیان کرتی ہیں: (آپ کا چہرۂ انور اس طرح روشن اور پُر نور تھا جس طرح چودھویں رات کا چاند پُر نور ہوتا ہے) 324، اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے بیان میں آیا ہے:

۱۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: (کیا نبی ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ انہوں نے کہا: نہیں،

---

321. تفسیر ابن کثیر، (498/3).

322. احکام القرآن، للجصاص (231/5).

323. تفسیر الطبری، (18/22)؛ تفسیر ابی السعود، (108/7).

324. صفۃ النبی ﷺ وجمیل أخلاقہ، محمد بن عبد الواحد المقدسی (ت 643ھ)، (ص 146).

بلکہ چاند کی مانند تھا)325.

۲۔اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے چہرۂ انور کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا: (آپ کا چہرہ تلوار کی طرح تھا؟ توانہوں نے کہا:نہیں، بلکہ چانداور سورج کی طرح تھا،اور گول تھا)326.

۳۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز نہیں دیکھی،آپ ایسے تھے جیسے کہ سورج327 آپ کے چہرے میں اتر آیا ہے)328.

خلاصہ: سابقہ بیانات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے اخلاق ایسے ہوں اور جن کی یہ صفات ہوں ان کی زبان سے حق کے سوااور کوئی بات نہیں نکل سکتی، وہ فقط خیر وہدایت کی طرف اوران امور کی طرف ہی لوگوں کی رہنمائی کریں گے جن میں ان کے لئے دنیاوآخرت کی بھلائی ہو۔

ان اوصاف کی عظمت میں یہ چیز اوراضافہ کردیتی ہے کہ وہ اللہ تعالی کے عطا کردہ اوصاف ہیں،جن سے اس نے اپنے نبی امین ﷺ کوموصوف کیا ہے،پس اللہ تعالی کی طرف سے اپنے نبی کے لئے ان اوصاف کی گواہی دیناان کی عظمت، بلندیٔ مقام،رفعتِ شان،ان کی عدالت،صداقت اور ثقاہت کی روشن دلیل ہے۔

اور جب کہ لوگ ایک دوسرے کی تعدیل بیان کرتے ہیں اور خطا وصواب کی محتمل بشری توثیق کی بنیاد پر ایک دوسرے کی روایتیں اورشہادتیں قبول کیا کرتے ہیں،تو ہم ان کے بارے میں کیا اندازہ کرسکتے ہیں جن کی تعدیل وتوثیق ان کے رب نے کی ہو،جس کی بناپر وہ تعدیل وتوثیق کے اعلی ترین مقام پر فائز ہوں،جس کی بلندی کو کوئی مقام نہیں چھوسکتا ہواور نہ کوئی منزلت اس کے قریب جاسکتی ہو؟

یہ بات اس کا تقاضا کرتی ہے کہ ان کے ہر قول،فعل،اور تقریر کو قبول کیا جائے،یعنی:ان کی سنت کو قبول کیا جائے اسے رد نہ کیا جائے، بلکہ اس پر کسی اور چیز کو مقدم نہ کیا جائے،اور یہ سنت کی عظمت کے مظاہر میں سے ہے جس کو اس نے نبی ﷺ کی عظمت سے اور رب تبارک وتعالی کی طرف سے عطا کئے جانے والے اوصاف کی عظمت سے اسے حاصل کیا ہے۔

---

325. البخاری،(1304/3)،(ح3359).

326. مسلم،(1823/4)،(ح2344).

327.(**كَأَنَّ الشَّمْس**) :یعنی:اس کی روشنی،اس میں نبی ﷺ کے چہرے کے انوار کی چمک کو سورج کے انوار کی چمک سے تشبیہ دی گئی ہے۔

328. مسند احمد،(380/2)،(ح8930).اور محققین مسند نے اس کو حسن قرار دیا ہے(506/14)،(ح8942).

دوسرا مبحث

نبی ﷺ کے مقام کی عظمت دنیا میں

اور اس میں دو مطالب ہیں:

پہلا مطلب: اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کی تکریم

دوسرا مطلب: سارے انبیاء ورسل پر آپ کو فضیلت عطا کیا جانا.

پہلا مطلب

اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کی تکریم

اوراس میں چار فروع ہیں:

فرع اول: آپ کی بعثت اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان.

فرع دوم: سارے عالم میں آپ کے ذکر کو بلند کیا جانا.

فرع سوم: اللہ تعالی کا اور فرشتوں کو آپ پر درود بھیجنا.

فرع چہارم: آپ کے ذکر کے ساتھ قسم کا آنا.

فرع اول

آپ کی بعثت اللہ تعالی کا بہت بڑا احسان

نبی ﷺ کی بعثت بہت بڑا احسان اور اللہ تعالی کی عظیم ترین نعمت تھی جس سے صرف مومنین کو ہی مشرف نہیں کیا گیا بلکہ اس سے ساری انسانیت مشرف ہوئی، اور چونکہ اللہ تعالی نے نبی کریم، صاحبِ مقامِ محمود، اپنے رب کی جانب سے رفیع منزلت پانے والے، خلق عظیم کے حامل، دین قویم لانے والے، تمام ادیان کا خاتمہ کرنے والے، اور تمام رسالتوں پر قابض ہونے والے کو لوگوں کی طرف اس لئے ارسال فرمایا تھا تاکہ وہ انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالیں، ضلالت سے ہدایت کی طرف منتقل کریں، اور کفر وشرک سے ایمان کی طرف موڑیں، انہیں جہنم سے بچائیں اور جنت کی طرف لے جائیں، اس ہدایت اور دین حق کی مدد سے جسے دے کر اللہ تعالی نے انہیں لوگوں کی طرف بھیجا تھا، اور یہ فضل ونعمت اس کا مستحق ٹھہرا کہ اللہ تعالی اسے اپنی کتاب میں مومنین پر احسان جتلاتے ہوئے ذکر کرے، جس کی وہ قیامت تک اللہ تعالی کی کتاب میں تلاوت کرتے رہیں گے، اس نے کہا ہے: **لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ** [آل عمران :۱۶۴]

ترجمہ: (اللہ کا مومنوں پر یقیناً یہ احسان ہے کہ اس نے ان کے لئے انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اس کی آیتوں کی ان لوگوں پر تلاوت کرتے ہیں، اور انہیں پاک کرتے ہیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اور اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے)۔

اس آیت کریمہ سے نبی ﷺ کی بعثت کی شکل میں اللہ کے عظیم احسان کا اظہار ہو رہا ہے، نیز یہ آیت اس بات کی بھی شہادت دے رہی ہے کہ آپ اللہ کے برحق رسول ہیں، آپ تمام مخلوقات میں سب سے مشہور، سب سے اکمل، سب سے افضل، اور اللہ تعالی کے نزدیک سب سے مضبوط وسیلہ والے ہیں، آپ کو جو دیا گیا اس جیسا کسی اور بندے کو نہیں دیا گیا، اسی وجہ کر آپ کے ذریعہ نبوات ورسالات کا خاتمہ عمل میں آیا329.

329. دیکھئے: منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول ﷺ وتکریمہ، (ص326).

اس میں نبی ﷺ کی تکریم وتشریف پائی جاتی ہے، کیونکہ اسی کی وجہ سے آپ سابقہ رسالتوں پر قابض ہوئے، آپ کی رسالت واجب قرار پائی اور آپ کا دین وہ دین قرار پایا جس کا بدیل اللہ تعالی کو پسند نہیں ہے، اور آپ کی بعثت کے اندر وہ احسانات پائے جاتے ہیں جو تمام مخلوقات کو شامل ہیں۔

نبی ﷺ کی بعثت سارے عالم کے اوپر احسانِ عظیم ہے:

نبی ﷺ کی بعثت سارے عالم پر احسان ہے اس لئے کہ آپ پورے عالم کی طرف بھیجے گئے تھے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: **(مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَّ نَذِيراً)**[سبا : ۲۸](ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)، مگر اس انعام سے اہل اسلام ہی مستفید ہوئے اس لئے اللہ تعالی نے اس احسان کو مومنین کے ساتھ خاص کیا ہے اور اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے: **هُدىً لِّلْمُتَّقِيْنَ** [البقرة : ۲]، حالانکہ وہ سب کے لئے باعث ہدایت ہے، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: **(هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرقَانِ)**[البقرة : ۱۸۵](ترجمہ: جو تمام لوگوں کو راہ راست دکھتا ہے اور جس میں ہدایت کے لئے اور حق و باطل کے درمیان تفریق کرنے کے لئے نشانیاں ہیں)، نیز اس کا قول ہے: **(إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشَاهَا)** [النازعات: ۴۵][330].

نبی ﷺ کی صفات میں وارد اللہ تعالے کے قول میں مذکور احسانات:

پہلا احسان: آپ ﷺ کی بعثت عرب کے لئے فخر وشرف کی بات ہے:

اسی وجہ سے اللہ تعالی نے کہا ہے: **مِنْ أَنْفُسِهِمْ** (یعنی: ان کے اصل سے اور ان کے عربی نسب سے، جن کے نسب کو وہ جانتے ہیں، اور کہا گیا ہے: **مِنْ أَنْفُسِهِمْ** ، یعنی: انہی کی طرح بنو آدم کے جنس سے، اور انہیں فرشتوں میں سے نہیں بنایا ہے، اس کے ذریعہ خاص مسلمانوں کو مخاطب کیا ہے، کیونکہ مومنین ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی تصدیق کی، تو گویا آپ انہیں میں سے ہیں، اور شاذ قراءت میں (**مِنْ أَنْفَسِهِمْ**) فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے، یعنی: ان کے شرفاء میں سے۔

آپ ﷺ کو تین چیزوں میں فضیلت حاصل تھی: پہلی: آپ شریف نسب والے تھے، اس لئے کہ تمام کا اس

330. دیکھئے: التفسیر الکبیر، (494/9).

پر اتفاق تھا کہ عرب سب سے افضل ہیں، ان میں قریش افضل ہیں، اور قریش میں بنو ہاشم افضل ہیں، اس لئے اللہ تعالی نے آپ کو بنو ہاشم میں سے بنایا، دوسری: آپ ان کے درمیان وحی سے پہلے بھی امین تھے، تیسری: آپ امّی (ان پڑھ) تھے، ایسا اس لئے تا کہ لوگوں کے تاثرات مشکوک نہ ہوں)331۔ اوراس میں خاص کر عربوں کی منقبت پائی جاتی ہے جس میں اور کوئی جنس بشر ان کا مقارب نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ تعالی نے انسانوں پر یہ احسان جتلایا ہے کہ اس نے اس نبی کو انہیں کے جنس سے بنایا ہے، کسی فرشتے کو یہ مرتبہ نہیں دیا ہے، اور نہ کسی جن کو یہ مقام عطا کیا ہے، بلکہ ایک بشر کو ثقلین یعنی جن وانس کی طرف ارسال کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کے لئے جہاں ان سے تعلقات قائم کرنا اور دین حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے وہاں تمام انسانوں کا مقام ومرتبہ بھی بلند ہوا ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت کے ذریعہ عرب پر احسان کئے جانے کا خلاصہ ان نکات پر مشتمل ہے:

۱۔آپ کا ان کے درمیان معروف النسب ہونا۔

۲۔ان کا آپ کے تعلق سے پوری طرح باخبر ہونا، اوران کی صداقت، امانت، عفت، اور طہارت سے واقف ہونا۔

۳۔عرب سے ہونے کی بنا پر ان کے لئے ان سے حصول علم کا آسان ہونا، کیونکہ ان کی زبان سے ان کی زبان پوری طرح موافقت رکھتی تھی۔

۴۔اس لئے کہ ان کا شرف ان میں سے نبی کے ظاہر ہونے سے اوج کمال کو پہنچ گیا332۔

۵۔ان کا وجود ان کی ترقی کا باعث اور دنیا کے اندر نہایت پست حالت سے سیادت وقیادت کے مقام تک ان کے پہنچنے کا سبب بنا، تا کہ وہ لوگوں کے لئے تیار کی جانے والی خیر امت بن سکیں، اوران کا یہ وصف ہمیشہ ان سے چسپاں رہے اور کبھی بھی ان سے جدا نہ ہو، اور نہ قیامت تک دوسرے کی طرف وہ منتقل ہو۔

دوسرا احسان: وہ انہیں قرآن کریم کی تعلیم دیتے ہیں:

اس بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**) ، یعنی: ان پر قرآن پیش

---

331. تفسیر السمر قندی، (287/1).

332. تفسیر الماوردی، (287/1)؛ زاد المسیر ، (494/1).

کرتے ہیں، اور انہیں اس کے الفاظ ومعانی کی تعلیم دیتے ہیں، جب کہ اس سے پہلے وہ جاہل تھے جو نہ تو شرائع کو جانتے تھے اور نہ انہیں لکھنے اور پڑھنے کا سلیقہ معلوم تھا، (اور قرآن کے جملوں کو آیات سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر آیت نبی ﷺ کی صداقت کی دلیل ہے، بلاغتِ لفظ اور کمالِ معنی کے لحاظ سے، اور وہ ان پر تلاوت کی جانے والی آیات کو بغیر ترجمان کے اچھی طرح سمجھنے کی پوزیشن میں تھے)333.

تیسرا احسان: وہ ان کا تزکیہ کرتے ہیں:

اللہ تعالی نے اس احسان کے بارے میں کہا ہے: **وَيُـزَكِّهِـمْ** ، اور تزکیہ: تطہیر کے معنی میں ہے، یعنی: وہ انہیں ایسی باتوں کی طرف بلاتے ہیں جن کے ذریعہ وہ ''ازکیاء'' بن سکتے ہیں، وہ انہیں اسلام کی ہدایت کے ذریعہ ان کے نفوس کی تطہیر کرتے ہیں، انہیں معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں، تاکہ ان کے نفوس صاف ہوجائیں اور اس نجاست وگندگی سے پاک ہوجائیں جس سے وہ حالت شرک وجاہلیت میں آلودہ تھے، کیونکہ۔ نبی ﷺ کی بعثت سے قبل۔ بشریت انسانی تاریخ کے سب سے نچلے مراحل میں تھی، اور خاص کر عرب کے لوگ 334.

اسی لئے اللہ تعالی نے اس آیت کا اختتام اپنے اس قول سے کیا ہے: (**وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِيْـنٍ**)، یعنی: نبی ﷺ کی تشریف آوری سے قبل وہ واضح غلطی میں تھے جس کے اندر شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ: وہ کھلی گمراہی اور واضح جہالت میں پڑے تھے، جو کسی سے پوشیدہ نہیں تھی۔

اور ''ضلال'' کو ''مبین'' کے وصف سے اس لئے متصف کیا گیا ہے کیونکہ اس کی شدت کی وجہ سے کسی کو بھی اس میں ہدایت کے شائبہ کا گمان یا شبہ نہیں ہوسکتا تھا، اور اس سے مراد: شرک کی ضلالت، جہالت، قتل وغارت گری، اور احکام جاہلیت ہیں، کیونہ وہ اپنے رب کی طرف لے جانے والے راستے سے بالکل ناواقف، اور ان کے نفوس کا تزکیہ وتطہیر کرنے والے امر سے لاعلم تھے، بلکہ ان کی جہالت جس کو مزین کر کے پیش کرتی اسے انجام دیتے، اگر چہ وہ ساری دنیا کی عقل کے پرے ہو 335.

333. التحریر والتنویر، (158/4).

334. دیکھئے: الکشاف، (463/1)؛ ابن کثیر، (425/1)؛ تفسیر الماوردی، (287/1).

335. دیکھئے: التحریر والتنویر، (159/4)؛ تفسیر السعدی، (155/1).

چوتھا احسان: وہ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں:

اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ**) ، یعنی: قرآن وسنت کی انہیں تعلیم دیتے ہیں، جب کہ اس سے پہلے وہ سب سے بڑے جاہل اور علوم سے کوسوں دور تھے336.

---

336. دیکھئے: الکشاف، (463/1).

فرع دوم

سارے عالم میں آپ کے ذکر کو بلند کیا جانا

آدمی کے اوپر اللہ تعالی کا سب سے بڑا انعام یہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے ذکر کو پورے عالم میں بلند کردے اوراس کے مقام کو اونچا کردے، یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء ورسل کو اس کا اتنا بڑا حصہ دیا ہے جو دوسروں کو کبھی نہیں مل سکتا ہے، اور نبی ﷺ کو سارے عالم میں ذکر کی بلندی کا سب سے زیادہ اور سب سے گراں مایہ حصہ دیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے دنیا وآخرت میں آپ کے ذکر کو بلند کرکے آپ کی عزت افزائی کی ہے، اللہ سبحانہ کا قول ہے: (**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**) [الشرح :۴](اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کا نام اونچا کردیا ہے)، آپ کے مقام وسر بلندی کے لئے یہی کافی ہے کہ توحید کی شہادت میں آپ کے نام کو اللہ تعالی کے نام کے ساتھ ملایا گیا ہے، اور اللہ نے آپ کو سید ولد آدم بنایا ہے، اور بہت سے امور میں آپ کو اولیت عطا کی ہے 337.

آیت کے سلسلے میں وارد آثار:

اللہ تعالی کے قول: (وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ) کے سلسلے میں وارد آثار یہ ہیں:

۱۔ مجاہد سے اللہ تعالی کے قول:: (**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**) کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہے: (جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں آپ کا بھی ذکر ہوگا، **أَشْهَدُ أَنْ لاَ اِلَهَ اِلاَّ اللهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحمدًا رَسُولُ اللّهِ**)338.

۲۔ قتادہ سے اللہ تعالی کے قول:: (**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**) کے بارے میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے کہا ہے: (عبودیت کے ساتھ شروع کرو، اور رسالت کے ساتھ دوہرا کرو) معمر نے کہا ہے: **أشهد أن لا الـه الا الله ، و أن محمداً عبده** ، یہ عبودیت ہے، ورسولہ یعنی وہ کہے: عبدہ ورسولہ 339.

---

337. دیکھئے: منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول وتکریمہ، (ص 331-333).
338. مسند الشافعی، (ص 233). اور البانی نے اس کو (فضل الصلاۃ علی النبی)، (ص 83)، (رقم 103)، میں صحیح قرار دیا ہے.
339. تفسیر الطبری، (235/30). اور البانی نے اس کو (فضل الصلاۃ علی النبی)، (ص 84)، (رقم 104) میں صحیح کہا ہے.

۳۔اور قتادہ نے اللہ تعالی کے قول: (**وَرَفَعْنَا لَکَ ذِكْرَكَ**) کے بارے میں کہا ہے: (اللہ تعالی نے آپ کے ذکر کو دنیا وآخرت میں بلند کیا ہے، چنانچہ ہر خطیب، کلمۂ شہادت کو پڑھنے والا ہر شخص اور ہر نماز پڑھنے والا اس کی ندا لگاتا ہے: أَشْهَدُ أَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحمدًا رَسُولُ اللّه)340.

عالم میں نبی ﷺ کے ذکر کی بلندی کے مظاہر:

سارے عالم میں نبی ﷺ کے ذکر کی بلندے کے مظاہر میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔اللہ تعالی نے نبیوں سے میثاق لیا، اور انہیں ان پر ایمان لانے کا اور ان کے فضل کا اقرار کرنے کا پابند بنایا، جب وہ ان کی بعثت کے وقت زندہ ہوں، اللہ تعالی کا قول ہے: **وَ اِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتَابٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَائَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ، قَال. ءَأَقْرَرْتُمْ وَ أَخَذْتُمْ عَلَى ذٰلِكُمْ اِصْرِى ، قَالُوا أَقْرَرْنَا**)341 (ترجمہ: اور جب اللہ نے نبیوں سے میثاق لیا کہ میں جو کچھ تمہیں کتاب وحکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری چیزوں کی تصدیق کرے، تو اس پر ضرور ایمان لے آؤ گے، اور اس کی ضرار مدد کرو گے، اللہ نے کہا کہ کیا تم لوگوں نے اقرار کرلیا اور اس پر میرا عہد قبول کرلیا، انہوں نے کہا کہ ہم نے اقرار کرلیا).

۲۔جہاں۔اکثر۔اللہ تعالی کا ذکر کیا جاتا ہے وہاں نبی ﷺ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے؛ جیسے اسلام میں داخل ہونے کے وقت، اذان، اقامت، تشہد، جمعہ کے دن منبر پر، عید الفطر کے دن، عید الاضحیٰ کے دن، ایام تشریق میں، عرفہ کے دن، رمی جمار کے وقت، صفا ومروہ پر، خطبۂ نکاح میں اور دنیا کے تمام مشرق ومغرب میں، اور اگر کوئی آدمی اللہ کی عبادت کرے، جنت وجہنم کی تصدیق کرے اور ہر چیز کو تسلیم کرے مگر وہ اس کی شہادت نہ دے کہ (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) تو اسے ان چیزوں کے اقرار سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، اور وہ کافر ہی رہے گا342.

۳۔اللہ تعالی نے آپ کو اونچا مقام عطا کیا ہے، آپ کو شہرت ونیک نامی اور ذکر جمیل سے نوازا ہے جہاں تک کسی بھی دوسرے انسان کی رسائی نہیں ہوسکی ہے، اور آپ کے لئے آپ کی امت کے دلوں میں جو

340. تفسیر الطبری،(235/30)؛اور تفسیر ابن ابی حاتم،(3445/10).

341. دیکھئے: تفسیر الخازن،(346/7).

342. دیکھئے: تفسیر البغوی،(502/4)؛اللباب فی علوم الکتاب،(516/20).

محبت، اجلال اور تعظیم کا جذبہ پایا جاتا ہے وہ اللہ تعالی کے بعد کسی انسان کے لئے نہیں پایا جا سکتا ہے 343.

۴۔ اللہ تعالی نے آپ کے ذکر کو آخرت میں بلند کیا ہے جس طرح اسے دنیا میں بلند کیا ہے؛ اللہ تعالی نے آپ سے پہلے انبیاء پر نازل کی جانے والی کتابوں میں آپ کا ذکر کیا اور انہیں اس کا حکم دیا کہ وہ آپ کی بشارت دیں، کوئی بھی دین ہو اس پر آپ کا دین غالب رہے گا، نیز اللہ تعالی نے آسمان میں فرشتوں کے نزدیک اور زمین میں مومنین کے نزدیک آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے، آخرت میں اس طور پر آپ کے ذکر کو بلند فرمایا کہ آپ کو سیدِ ولدِ آدم بنایا، آپ کو مقامِ محمود، اور شفاعت عظمی سے نوازا، نیز آپ صاحبِ حوض وکوثر ہیں، علاوہ ازیں اللہ تعالی نے قیامت کے دن آپ کو اپنی امت کے اوپر اور دیگر ساری امتوں کے اوپر شہید یعنی گواہ بنایا ہے 344.

۵۔ قرآن کی کئی آیتوں میں اس نے اپنے نام کے ساتھ آپ کے نام کو جوڑا ہے؛ اس نے آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے، جیسے کہ اللہ تعالی فرمان ہے: **قُلْ أَطِيعُوا اللّٰه وَ الرَّسُول** [آل عمران : ۳۲] (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو) اور اللہ تعالی کا قول ہے: **وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيْهَا** [النساء :۱۳] (ترجمہ: اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، تو وہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے)۔

نیز اللہ تعالی کا قول ہے: **وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً** [الأحزاب:۷۱] (ترجمہ: اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ یقیناً بڑی کامیابی سے سرفراز ہوگا)۔

اور اللہ تعالی نے آپ کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملایا ہے، اس کا قول ہے: **وَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْن** [التوبة:۶۲] (ترجمہ: اگر وہ مؤمن ہوتے تو اللہ اور اس کے رسول زیادہ حقدار تھے کہ انہیں خوش رکھتے)۔

اور اس نے اپنی بیعت کے ساتھ نبی ﷺ کی بیعت کو ملایا ہے، اللہ تعالی کا قول ہے: **اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُونَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ** [الفتح :۱۰] (ترجمہ: جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ در حقیقت اللہ

---

343. دیکھئے: تفسیر السعدی، (929/1).

344. دیکھئے: تفسیر الماوردی، (570/6)؛ زاد المسیر، (163/9).

سے بیعت کرتے ہیں)۔

نیز اس نے اپنی عزت کے ساتھ نبی ﷺ کی عزت کو بیان کیا ہے، اس کا فرمان ہے: **وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ** [المنافقون :٨] (ترجمہ: حالانکہ عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور مومنوں کے لئے ہے)۔

اور اس نے ان کی اجابت کو اپنی اجابت کے ساتھ ملایا ہے، اس کا قول ہے: **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ** [الأنفال :٢٤] 345 (ترجمہ: اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کے رسول تمہیں ایسے کام کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے زندگی کے مترادف ہو تو ان کی پکار پر لبیک کہو)۔

٦۔ انبیاء کے سارے معجزات ناپید ہو گئے، نبی ﷺ کے معجزات میں سے قرآن ہے جو آخری زمانے تک باقی رہے گا 346.

345. دیکھئے: تفسیر النسفی، (346/4)؛ اللباب فی علوم الکتاب، (300/4).

346. دیکھئے: اللباب فی علوم الکتاب، (300/4).

فرع سوم

اللہ اوراس کے فرشتوں کا آپ پر درود بھیجنا

اللہ تعالی کا قول ہے: **اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلائِکَتَہُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ، یأَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا** [الأحزاب :۵۶] 347،(ترجمہ: بے شک اللہ اوراس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں،اے ایمان والو!تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو)۔

وجہ دلالت: آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے کمال،اور اللہ تعالی کے نزدیک اوراس کی مخلوقات کے نزدیک ان کے مقام کی رفعت،قدرومنزلت کی بلندی اور ذکر کی عظمت پر دلالت کررہی ہے،کیونکہ اللہ تعالی نے ملائکہ کے درمیان اور ملأ اعلی میں ان کی تعریف کی ہے، مسلمانوں کوان پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے جوکہ اس کی ان سے غایت درجہ کی محبت اوراس کے نزدیک ان کے عظیم مقام کو بیان کرتا ہے۔

علاوہ ازیں آیت کریمہ کا سیاق اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ یہ صلاۃ ودرود ہمیشہ جاری ومستمر رہے گا،کیونکہ اسے اللہ تعالی کے اس قول: **یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِی** میں فعل مضارع کے صیغہ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے،جوتجدد اوراستمرار کا فائدہ دیتا ہے۔

اوراس پر اجماع منعقد ہے کہ اس آیت کریمہ میں نبی ﷺ کی جوتعظیم وتوقیر پائی جاتی ہے وہ دوسری آیت میں نہیں پائی جاتی ہے348.

اللہ اوراس کے فرشتوں کی طرف سے نبی ﷺ پر درود بھیجے جانے کا مطلب:

علماء کا (نبی ﷺ پر اللہ اوراس کے فرشتوں کی طرف سے درود بھیجے جانے) کے معنی کے سلسلے میں اختلاف ہے اوران کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے راجح دو اقوال ہیں:

---

347. دیکھئے: منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول ﷺ وتکریمہ،(ص335-337).

348. دیکھئے: فتح الباری،(156/11).

پہلا قول: اللہ کے درود کا مطلب ہے: فرشتوں کے نزدیک ان کی تعریف کرنا، اور فرشتوں کے درود بھیجنے کا مطلب دعا کرنا ہے349، اسی کو ابن القیم، سخاوی اور ابن حجر وغیرہم نے راجح قرار دیا ہے350.

ابو العالیہ نے کہا ہے: (اللہ تعالی کا درود بھیجنا: فرشتوں کے نزدیک ان کی تعریف کرنا ہے، اور فرشتوں کے صلاۃ کا مطلب دعا ہے)351.

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (تمام اقوال میں اولی قول وہ ہے جو ابو العالیہ کے حوالے سے اوپر گذرا ہے کہ اللہ کا اپنے نبی پر درود بھیجنے کا مطلب: ان کی تعریف بیان کرنا اور ان کی تعظیم کرنا ہے، اور فرشتوں وغیرہ کے درود بھیجنے کا مطلب: ان کے لئے اللہ تعالی سے اس کو طلب کرنا ہے، اور مراد طلب زیادتی ہے، نہ کہ اصل صلاۃ (درود) کا طلب)352.

دوسرا قول: صلاۃ کا معنی برکت ہے، اسی کو طبری نے اختیار کیا ہے

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: (درود بھیجتے ہیں: یعنی: برکت مانگتے ہیں)353.

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالی کے قول: (**اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِى**) کا معنی: **یبارکون علی النبی** (نبی کے لئے برکت طلب کرتے ہیں) ہے)354. ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے: (یعنی: وہ ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں، اس طرح یہ ابو العالیہ کے قول کے موافق ہے، لیکن اس سے زیادہ خاص ہے)355.

اور ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہ ثناء اور ارادۂ تکریم و تعظیم کے ذریعہ کی جانے والی اس کی تفسیر کے

---

349. دیکھئے: تفسیر مجاہد، (520/2)؛ تفسیر الماوردی، (43/4).

350. دیکھئے: جلاء الأفہام، (ص168)؛ القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع للسخاوی (ص13).

351. البخاری معلقاً، (1802/4). اور البانی نے (فضل الصلاۃ علی النبی ﷺ)، (ص79)، (رقم 95) میں صحیح کہا ہے.

352. فتح الباری، (156/11).

353. البخاری معلقاً، (1802/4)، اور طبری نے علی بن ابی طلحۃ عن ابن عباس کے طریق سے اس کو موصولا روایت کیا ہے، دیکھئے: تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، لابن حجر (286/4).

354. تفسیر الطبری، (43/22).

355. فتح الباری، (533/8).

خلاف نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی کی جانب سے تبریک ان معانی کو شامل ہے، اسی لئے ان پر درود اور تبریک کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے)356، یعنی: درود ابراہیمی کے اندر۔

مؤمنین کا درود بھیجنا:

اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ پر درود بھیجے جانے میں ان کی عزت افزائی اور تکریم میں زیادتی پائی جاتی ہے، اور اللہ کی طرف سے نبی ﷺ کے علاوہ پر درود بھیجے جانے میں رحمت پائی جاتی ہے، اسی سے متعلق اللہ تعالی کا یہ قول ہے: **هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَ مَلَائِكَتُهُ** [الأحزاب :۴۳] (وہ ذات برحق تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے) اس سے نبی ﷺ اور عام مؤمنین کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اس کا جتنا حصہ نبی ﷺ کے لائق ہے وہ دوسرے کے حصہ سے کہیں زیادہ ہوگا357.

مؤمنین کا نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجنا:

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: (**يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**، اس کے قول: **صَلُّوا عَلَيْه**) کا مطلب ہے: (تم اپنے رب سے ان پر رحمت کے لئے دعا کرو)358.

اور (نبی ﷺ پر درود کا مطلب ان کی تعظیم ہے، چنانچہ ہمارے قول: (**اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ**) کا معنی (**عَظِّمْ محمداً**) ہوگا، اور دنیا میں ان کی تعظیم سے مراد: ان کے ذکر کو بلند کرنا، ان کے دین کا اظہار کرنا، اور ان کی شریعت کو باقی رکھنا ہے، اور آخرت میں تعظیم سے مراد: ان کے اجر و ثواب میں اضافہ کرنا، ان کی امت کے لئے انہیں شفیع بنانا، اور مقام محمود عطا کر کے ان کی فضیلت کا اظہار کرنا ہے)359.

اور اس کے قول: **وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** کا مطلب ہے: (انہیں اسلام کے تحیہ کے ذریعہ تحیہ پیش کرو)360.

نبی ﷺ پر درود بھیجنے کے فوائد:

(محمد ﷺ پر درود بھیجنے کے دس کرامات ہیں، **پہلی**: ملِک جبّار (اللہ تعالی) کی طرف سے تعظیم و تکریم، دوسری:

356. جلاء الأفہام، (ص168).

357. فتح الباری، (156/11).

358. فتح الباری، (156/11).

359. فتح الباری، (156/11).

360. تفسیر البغوی، (542/3).

نبی مختار کی شفاعت، تیسری: ملائکۂ ابرار کی اقتداء، چوتھی: منافقین وکفار کی مخالفت، پانچویں: خطاؤں اور گناہوں کی معافی، چھٹی: حوائج وضروریات کی تکمیل، ساتویں: ظواہر واسرار کی پاکیزگی، آٹھویں: دار بوار کے عذاب سے نجات، نویں: راحت وقرار والے گھر میں داخلہ، دسویں: مِلک غفار کا سلام)361.

مؤمنین کی طرف سے نبی ﷺ پر درود کے فوائد:

کوئی سوال کرنے والا یہ سوال کرسکتا ہے: جب اللہ تعالی اور اس کے فرشتے نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں تو ان پر مؤمنین کے درود بھیجنے کی کیا ضرورت ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: مؤمنین کا نبی ﷺ پر درود بھیجنا انہیں ان کے درود کے ضرورت مند ہونے کی بنا پر نہیں ہے ورنہ اللہ تعالی کے درود کے ساتھ فرشتوں کے درود کی ضرورت بھی نہیں تھی، بلکہ اس کا مقصد نبی ﷺ کی تعظیم کا اظہار ہے جیسے کہ اللہ تعالی نے مؤمنین کے اوپر اپنے ذکر کو واجب قرار دیا ہے حالانکہ وہ ان کے ذکر کا محتاج نہیں ہے، اس لئے نبی ﷺ پر مؤمنین کے درود کا مطلب آپ کی تعظیم کا اظہار ہے، یہ مسلمانوں پر شفقت کی خاطر ہے تاکہ انہیں اس کا ثواب ملے، اسی لئے اللہ تعالی نے نبی ﷺ پر درود بھیجنے والے کے حق میں عظیم اجر متعین فرمایا ہے، جیسے کہ نبی ﷺ کا قول ہے: (**مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً ؛ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ عَشْراً**)362 (یعنی: جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا، اللہ تعالی اس پر دس بار درود بھیجے گا)، اور نبی ﷺ کا قول ہے: (**مَنْ صَلَّى عَلَيَّ مَرَّةً وَاحِدَةً ، كَتَبَ اللَّهُ عزوجل لَهُ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ**)363 (یعنی: جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا، اللہ تعالی اس کے لئے اس کے بدلے دس نیکیاں لکھے گا)۔

خلاصہ یہ کہ: (اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے بندوں کو ملأ اعلی میں اپنے نزدیک اپنے بندے اور رسول کی قدر ومنزلت سے آگاہ کیا ہے، اس طرح کہ وہ ملائکہ مقربین کے نزدیک ان کی تعریف کرتا ہے، فرشتے بھی ان پر درود بھیجتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالی نے عالم سفلی والوں کو ان پر درود وسلام بھیجنے کا حکم دیا ہے، تاکہ ان کے حق میں دونوں عالم یعنی عالم علوی اور عالم سفلی والوں کی ثنا جمع ہوجائے)364.

---

361. بستان الواعظین وریاض السامعین، عبدالرحمٰن بن ابی الحسن البغدادی (ص 297).

362. مسلم، (306/1)، (ح 408).

363. مسند احمد، (262/2)، (ح 7551). اور البانی نے اس کو (السلسلۃ الصحیحۃ)، (1080/7)، (ح 3359) میں صحیح قرار دیا ہے.

364. تفسیر ابن کثیر، (508/3).

فرع چہارم

آپ کے ذکر کے ساتھ قسم کا آنا

اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کی تکریم کے مظاہر میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے دیگر انبیاء کے بجائے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے، اللہ سبحانہ کا قول ہے: **لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِی سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُونَ** [الحجر : ۷۲]365.

(ترجمہ: آپ کی جان کی قسم! وہ لوگ اپنے گناہوں کے نشے میں دیوانہ ہوئے جا رہے تھے)۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے: (**مَا خَلَقَ اللّٰهُ تعالی وَ مَا ذَرَأَ 366مِنْ نَفْسٍ أَکْرَمَ عَلَیهِ مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ ، وَمَا سَمِعْتُ اللّٰهَ تعالی أَقْسَمَ بِحَیَاةِ أَحَدٍ اِلَّا بِحَیَاتِهِ ، فقال : لَعَمْرُکَ اِنَّھُمْ لَفِی سَکْرَتِھِمْ یَعْمَھُونَ** [الحجر :۷۲]367، (یعنی: اللہ تعالی نے کسی ایسے شخص کو نہ پیدا کیا اور نہ کوئی ایسا نفس بنایا جو اس کے نزدیک محمد ﷺ سے زیادہ معزز ہو، اور میں نے اللہ تعالی کو محمد ﷺ کی زندگی کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم کھاتے ہوئے نہیں سنا، اللہ تعالی کا قول ہے: (ترجمہ: آپ کی جان کی قسم! وہ لوگ اپنے گناہوں کے نشے میں دیوانہ ہوئے جا رہے تھے)۔

اور ایک روایت میں ہے: (اللہ تعالی نے محمد ﷺ کی زندگی کے علاوہ اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی، اس نے کہا: اے محمد! آپ کی زندگی، آپ کی عمر اور دنیا میں آپ کے بقا کی قسم)368.

یہ قسم اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کی تعریف پر مشتمل ہے، اس لئے کہ قسم بیان کے ان اسالیب میں سے ہے جو کسی امر کی تاکید یا اس کی نفی کے لئے، یا قسم کھائے جانے والے کی عظمت کا احساس دلانے، یا قسم کھانے

---

365. دیکھئے: منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول وتکریمہ، ص(338-340).

366. **الذّرأ**: ذریت پیدا کرنا. دیکھئے: تھذیب اللغۃ، للأزھری (5/15).

367. مسند الحارث، (871/2)، (رقم 934). اور اس کی سند حسن ہے.

368. تفسیر الطبری، (44/14).

والے کے نزدیک قسم کھائے جانے والے کی رفعت کے بیان کے لئے استعمال کی جاتی ہے 369.

اور (عقلاء کے نزدیک متعارف یہ ہے کہ قسمیں اسی کی کھائی جاتی ہیں جو مبجّل، معظّم اور مکرّم ہوں، پس آپ کی زندگی کی قسم کھائے جانے سے آپ ﷺ کی جلالت، آپ کے معاملہ کی عظمت ...اور آپ کی نبوت و رسالت کی رفعت واضح ہوتی ہے، کیونکہ آپ سب سے معزز انسان اور سب سے محترم ومکرم مخلوق ہیں) 370.

اللہ تعالی کا نبی ﷺ کی زندگی کی قسم کھانے پر اجماع ہے:

تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ جس کی قسم کھائی گئی ہے وہ نبی ﷺ کی زندگی ہے دوسرے انبیاء کی زندگی نہیں، اور اس سلسلے میں یہ اقوال وارد ہوئے ہیں:

۱۔ قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (قاضی عیاض نے کہا ہے: اس کے بارے میں اہل تفسیر کا اجماع ہے کہ یہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے نبی ﷺ کی مدت حیات کی کھائی جانے والی قسم ہے ...اور یہ نہایت درجہ کی تعظیم، اور غایت درجہ کی توقیر وتشریف ہے، ابوالجوزاء نے کہا ہے: اللہ تعالی نے محمد ﷺ کی زندگی کے علاوہ اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی ہے، کیونکہ آپ اس کے نزدیک سب سے معزز انسان ہیں) 371

۲۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے: (سلف وخلف میں سے اکثر مفسرین کا۔ بلکہ سلف میں سے کسی سے بھی اختلاف منقول نہیں ہے۔ قول ہے کہ: یہ اللہ تعالی کی جانب سے نبی ﷺ کی زندگی کی کھائی جانے والی قسم ہے، اور یہ نبی ﷺ کی عظیم ترین فضیلت ہے کہ رب عز وجل آپ کی زندگی کی قسم کھائیں، یہ آپ کی ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے کسی کو حاصل نہیں ہے...

اس میں شک نہیں کہ آپ کی عمر اور آپ کی حیات مبارکہ عظیم ترین نعمتوں اور نشانیوں میں سے ہے، لہذا آپ اس لائق ہیں کہ آپ کی قسم کھائی جائے، اور آپ کی قسم کھانا دوسرے مخلوقات کی قسم کھانے سے بہتر ہے) 372.

---

369. دیکھئے: جلاء الأفہام، (ص80).

370. دلائل النبوۃ، لأبی نعیم الأصبہانی (ص269).

371. تفسیر الطبری، (39/10).

372. التبیان فی علوم القرآن، (ص269).

نبی ﷺ کے ذکر کے ساتھ قسم کے آنے کی مثالیں:

اللہ تعالی نے قرآن کے مختلف مقامات پر اس کی بعض سورتوں کی ابتدا میں نبی ﷺ کے ذکر کے ساتھ مختلف نوع کی قسمیں کھائی ہیں، ان مقامات میں سے ہم صرف دو مقام کے ذکر پر اکتفا کر رہے ہیں:

پہلا مقام: اللہ تعالی کا قول ہے: **وَ النَّجْمِ اِذَا هَوَى ٭ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَ مَا غَوَى ٭ وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ٭ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوْحَى**[النجم :۱-۴] (ترجمہ: ستارے کی قسم جب وہ گرتا ہے، تمہارے ساتھی (یعنی: رسول اللہ ﷺ) نہ گمراہ ہوئے ہیں اور نہ بھٹکے ہیں، اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں، وہ تو وحی ہوتی ہے جو ان پر اُتاری جاتی ہے)۔

اللہ تعالی نے رات کی واپسی کے وقت آخری رات میں ستارے کے سقوط کی قسم کھائی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہاں ''نجم'' اسم جنس ہے جو سارے ستاروں کو شامل ہے، تو گویا اللہ تعالی نے اس بات پر تمام ستاروں کی قسم کھائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو وحی الہی لے کر آئے ہیں وہ صحیح ہے۔

اور جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے وہ علم میں ضلالت اور ارادے میں فساد سے نبی ﷺ کو پاک وصاف بتانا ہے، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ نبی ﷺ اپنے علم میں ہدایت یاب ہیں، آپ ہادی، اچھا ارادہ رکھنے والے اور مخلوقات کے خیر خواہ ہیں۔

اس نے کہا ہے: **صَاحِبُكُم**، تاکہ ان کی صداقت وراست بازی کے بارے میں جو وہ جانتے ہیں اس کا انہیں احساس دلایا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ ان سے ان کا کوئی بھی امر مخفی نہیں ہے، **وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ**: یعنی: ان کی باتیں ان کی خواہش نفس سے صادر نہیں ہوتیں، **اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوْحَى**: یعنی: وہ وہی کہتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے، اس کو وہ لوگوں تک کامل ومکمل صورت میں بلا کسی حذف واضافہ کے پہنچاتے ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ تعالی اور اس کی شریعت کی طرف سے پہنچانے میں معصوم ہیں373.

دوسرا مقام: اللہ تعالی کا قول ہے: **يٰسٓ ٭ وَالْقُرآنِ الْحَكِيمِ ٭ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرسَلِينَ ٭ على صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ٭ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ** [يٰس :۱-۵] (ترجمہ: یس، قسم ہے اس قرآن کی جو حکمتوں کا خزانہ ہے،

---

373. دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، (247/4)؛ تفسیر السعدی، (818/1).

آپ بے شک رسولوں میں سے ہیں، آپ سیدھی راہ پر ہیں، یہ قرآن غالب ومہربان اللہ کا نازل کردہ ہے)۔

یہ اللہ تعالی کی طرف سے قرآن کی کھائی جانے والی قسم ہے جس کا وصف حکمتوں والا ہونا ہے، اور یہ ہر چیز کو اس کے مقام میں رکھنا ہے، **اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرسَلِین**َ، یہی مقسم علیہ ہے، یعنی محمد ﷺ کی رسالت، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ رسولوں میں سے ایک ہیں، کوئی تنہا رسول نہیں ہیں، اور جو رسولوں کے احوال واوصاف میں غور کرے گا اسے ان کے درمیان اور غیروں کے درمیان فرق معلوم ہوجائے گا، اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہمارے نبی ﷺ چنندہ رسولوں میں سے ہیں کیونکہ آپ کے اندر صفات کاملہ اور اخلاق فاضلہ کا خزینہ ہے۔

اور مقسم بہ یعنی قرآن کریم اور مقسم علیہ یعنی محمد ﷺ کی رسالت کے درمیان جو ربط واتصال پایا جاتا ہے وہ بالکل واضح ہے، اگر قرآن کریم کے علاوہ آپ کی رسالت کے لئے کوئی اور دلیل وشاہد نہ ہوتا تو یہی ایک دلیل و شاہد آپ کی رسالت کے لئے کافی ہوتا۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر دلالت کرنے والی عظیم ترین صفت کو بیان کیا ہے، یعنی آپ ﷺ (**عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیمٍ**) سیدھے، معتدل، اور اللہ تعالی تک اور اس کے دار کرامت تک پہنچانے والے راستے پر ہیں۔

اس قرآن کی جلالت میں غور کریں کہ کیسے اس نے قسموں میں سے سب سے اشرف قسم کے درمیان اور سب سے جلیل مقسم علیہ یعنی نبی ﷺ کے درمیان جمع کیا ہے 374.

نقاش رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اللہ تعالی نے اپنی کتاب کے اندر اپنے انبیاء میں سے آپ کے سوا کسی کے لئے رسالت کی قسم نہیں کھائی ہے)375.

---

374. دیکھئے: تفسیر السعدی، (692.1).

375. الشفا، (32/1).

دوسرا مطلب

سارے انبیاء ورسل پر آپ کو فضیلت عطا کیا جانا

امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء ومرسلین انسانوں میں سب سے افضل ہیں، اس کی واضح ترین دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**وَ مَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا**) [النساء: ٦٩] (ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے، وہ (جنت میں) ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ، اور یہ لوگ بڑے اچھے ساتھی ہوں گے) اس آیت کے اندر اللہ تعالی نے انبیاء کو دوسروں پر مقدم کیا ہے376.

اس پر بھی امت کا اجماع ہے کہ دنیا وآخرت میں تمام انبیاء ورسل سے افضل ہمارے نبی کریم محمد ﷺ ہیں 377، اس لئے کہ اللہ تعالی نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے اور ہمارے نبی ﷺ کو سارے انبیاء اور مرسلین پر فضیلت عطا کیا ہے۔

دلائل:

اول: بعض انبیاء پر بعض کو فضیلت دیئے جانے کے دلائل:

ا۔ اللہ تعالی کا قول ہے: (**تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ** [البقرة: ٢٥٣]

(ترجمہ: ہم نے ان رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے بات کی، اور بعض کو اللہ نے کئی گنا اونچا مقام دیا)

۲۔ اللہ تعالی کا قول ہے: **وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ** [الاسراء: ۵۵]۔

376. دیکھئے: منہاج السنۃ النبویۃ، لابن تیمیۃ (417/2).

377. دیکھئے: شرح صحیح البخاری، لابن بطال (485/10).

(ترجمہ: اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا کیا ہے)۔

اللہ تبارک وتعالی نے خبر دیا ہے کہ (اس نے رسولوں کو عام لوگوں پر فضیلت دی ہے، کیونکہ اس نے ان کی طرف وحی بھیج کر اور انہیں لوگوں کی طرف مبعوث کر کے عام لوگوں میں انہیں خصوصیت بخشا ہے، اور انہوں نے مخلوق کو اللہ تعالی کی طرف بلایا ہے، پھر اس نے ان میں ودیعت کردہ اوصافِ حمیدہ، افعالِ سدیدہ اور نفعِ عام کی بنا پر بعض کو بعض پر فضیلت عطا کیا ہے، چنانچہ ان میں سے بعض سے اللہ تعالی نے بات کیا جیسے کہ موسی بن عمران کو اس شرف سے نوازا، اور ان میں سے بعض کے درجات کو سبھوں پر بلند کیا ہے، جیسے کہ ہمارے نبی ﷺ کے درجات کو بلند کیا کیونکہ ان میں وہ تمام فضائل جمع ہو گئے تھے جو آپ کے علاوہ انبیاء میں متفرق تھے، نیز اللہ نے آپ کے اندر ایسے تمام مناقب کو جمع کر دیا تھا جن کی بنا پر آپ تمام اولین وآخرین پر فائق ہو گئے تھے)378.

دوم: تمام انبیاء ورسل اور تمام مخلوقات پر نبی ﷺ کو فضیلت دیئے جانے کے دلائل:

اور وہ یہ ہیں:

۱۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَ أَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عنه الْقَبْرُ، وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَ أَوَّلُ مُشَفَّعٍ**)379.

(یعنی: میں قیامت کے روز اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور میں پہلا شخص ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی، اور میں پہلا شافع اور پہلا مشفع ہوں گا)۔

۲۔ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَة؛ وَ لَا فَخْرَ، وَ بِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ؛ وَ لَا فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ: آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ؛ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ؛ وَلَا فَخْرَ**)380.

(یعنی: میں قیامت کے روز اولادِ آدم کا سردار ہوں گا، اور مجھے فخر نہیں ہے، اور میرے ہی ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا، اور مجھے فخر نہیں ہے، اور اس دن آدم سے لے کر دیگر سارے انبیاء میں کوئی بھی نبی میرے جھنڈے سے

378. تفسیر السعدی، (109/1).

379. مسلم، (1782/4)، (ح2278).

380. الترمذی، (587/5)، (ح3615) اور کہا ہے: (حسن صحیح). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (486/3)، (ح

باہر نہ ہوگا، اور میں پہلا شخص ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی، اور مجھے فخر نہیں ہے)۔

ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ کُنْتُ اِمَامَ النَّبِیِّیْنَ وَ خَطِیبَهُمْ ، وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ ، غَیْرَ فَخْرٍ**)381.

(یعنی: جب قیامت کا دن آئے گا تو میں نبیوں کا امام اور خطیب اور ان کے لئے شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور مجھے فخر نہیں ہے)۔

نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں سید ولد آدم ہوں گا تو ایسا آپ نے انبیاء پر فخر کرنے کے لئے نہیں کہا ہے چہ جائیکہ تمام مخلوق پر فخر کریں، بلکہ آپ کی اس صراحت کے دو اسباب ہیں: (پہلا: اللہ تعالی کے اس قول کی پیروی: **وَ أَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ** [الضحی :۱۱] (ترجمہ: اور اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہئے) ،دوسرا: یہ ایسا بیان ہے جس کو امت تک پہنچانا آپ کے لئے ضروری تھا، تاکہ لوگ اس کو جان لیں، اور اس کا اعتقاد رکھیں، اس کے تقاضا کے مطابق عمل کریں، اور آپ کے مرتبہ کے مطابق آپ کی توقیر کریں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اور یہ حدیث تمام خلق پر آپ کو افضل قرار دیئے جانے کی روشن دلیل ہے)382.

۴۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**سَلُوا اللَّهِ لِی الْوَسِیْلَةَ ؛ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِی الْجَنَّةِ ، لَا تَنْبَغِی اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ ، وَأَرْجُو أَنْ أَکُونَ أَنَا هُوَ**)383.

(یعنی: میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو، وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے لئے موزوں ہے، اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ بندہ ہوں)۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وسیلہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: (**أَعْلَی دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ ، لَا یَنَالُهَا اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ ، أَرْجُو أَنْ أَکُونَ أَنَا هُوَ**)384.

3615) میں صحیح کہا ہے.

381. ابن ماجۃ، (1443/2)، (ح4314). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (405/2)، (ح3500) میں حسن قرار دیا ہے

382. شرح النووی علی صحیح مسلم، (38/15).

383. مسلم، (288/1)، (ح384).

384. الترمذی، (586/4)،(3612). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (484/3)، (ح3612) میں صحیح کہا ہے.

(یعنی: جنت میں اعلی درجہ ہے، جسے صرف ایک ہی آدمی پا سکتا ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا)۔

۵۔سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضاً ، وَ اِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ ؛ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ وَارِدَةً ، وَإِنِّي أَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً**)385.

(یعنی: ہر نبی کے لئے حوض ہوگا، اور وہ اس پر فخر کریں گے کہ کن کے حوض پر وارد ہونے والے زیادہ ہیں، اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے پاس آنے والے زیادہ ہوں گے)۔

سارے انبیاء پر نبی ﷺ کو فضیلت دیئے جانے کے مظاہر:

سارے انبیاء ومرسلین پر نبی ﷺ کو فضیلت دیئے جانے کے مظاہر میں سے بعض یہ ہیں:

اول: تمام انبیاء سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا جانا:

اللہ تعالی نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا ہے کہ اگر وہ محمد ﷺ کو پائیں گے تو ان پر ایمان لائیں گے، ان کی اتباع کریں گے، اور ان کی مدد کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں ہے: (**وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا ءَاتَيْتُكُم مِّن كِتَٰبٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ**) [آل عمران:۸۱]386.

(ترجمہ: اور جب اللہ نے نبیوں سے میثاق لیا کہ میں تمہیں جو کچھ کتاب وحکمت دوں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو تمہاری چیزوں کی تصدیق کرے، تو اس پر ضرور ایمان لے آؤ گے، اور اس کی ضرور مدد کروگے)۔

اور علی بن ابی طالب وابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان دونوں نے اس آیت کے معنی کے بارے میں کہا ہے: (اللہ تعالی نے آدم سے لے کر ان کے بعد تک کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس سے محمد ﷺ کے بارے میں یہ عہد لیا کہ اگر وہ ان کی زندگی میں اٹھائے گئے تو وہ ان پر ضرور ایمان لائیں گے اور ان کی ضرور مدد کریں گے اور اس نبی کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی قوم سے اس کا عہد لیں گے)387.

---

385. الترمذی، (628/4)، (ح 2443 .اور البانی نے اس کو(صحیح سنن الترمذی)، (584/2)، (ح 2443) میں صحیح کہا ہے.
386. منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول ﷺ وتکریمہ، (ص 347).
387. تفسیر الطبری، (332/3)؛ تفسیر ابن کثیر، (361/4).

(اوراس کا مطلب: ان کا اپنی امتوں کواس سے آگاہ کرنا ہے تاکہ یہ میثاق ساری نسلوں کے پاس محفوظ رہے)388.

ایک موقع پر نبی ﷺ نے تمام انبیاء پرآپ کی اتباع کے واجب ہونے کی صراحت فرمائی ہے،آپ کا ارشاد ہے:(**وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ مُوسَى كَانَ حَيًّا ؛ مَا وَسِعَهُ إِلَّا أَنْ يَتَّبِعَنِی**)389.

(یعنی: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع کئے بغیر کوئی گنجائش نہ ہوتی)۔

دوم: قرآن میں انبیاء کے ذکر پرآپ کو مقدم کیا جانا:

جب قرآن میں انبیاء کرام کے اسماء وارد ہوتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنے نبی محمد ﷺ کو مذکور سارے انبیاء پر مقدم کرتا ہے، باوجودیکہ آپ کی بعثت ان تمام انبیاء کے بعد ہوئی ہے، اور ایسا ان پر آپ کی برتری کی وجہ سے کیا گیا ہے390، جن جگہوں پرآپ کو ان پر مقدم کیا ہے وہ ہیں:

۱۔اللہ تعالی کا قول ہے: **إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَّالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَ أَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ وَ إِسْحَاقَ وَ يَعْقُوبَ وَ الْأَسْبَاطَ وَعِيسَىٰ وَ أَيُّوبَ وَ يُونُسَ وَ هَارُونَ وَ سُلَيْمَانَ وَ آتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوراً** [النساء :۱۶۳] (ترجمہ: بے شک ہم نے آپ پر وحی اُتاری ہے جس طرح نوح اور ان کے بعد کے انبیاء پر اُتاری تھی،اور جیسے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان پر وحی اُتاری تھی،اور ہم نے داؤد کو زبور دیا تھا)۔

۲۔اللہ تعالی کا قول ہے: **وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَّ إِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَى عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقاً غَلِيظاً** [الأحزاب:۷] (ترجمہ:اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد و پیمان لیا اور آپ سے لیا،اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے لیا،اور ہم نے ان سب سے بڑا پختہ عہد لیا)۔

---

388. التحریر والتنویر،(298/3).

389. مسند احمد،(387/3)،(ح15195).اور البانی نے اس کو(ارواء الغلیل)،(34/6) میں حسن کہا ہے.

390. دیکھئے: الشفاء،(120/1).

سوم: آپ کونبوت ورسالت سے ملقب کیا جانا اور دوسرے انبیاء کوان کے ناموں سے مخاطب کیا جانا:

اللہ تعالی کی طرف سے دوسرے انبیاء پر نبی ﷺ کو افضل قرار دیئے جانے کی ایک صورت یہ ہے کہ اس نے قرآن کریم میں نبوت و رسالت سے ملقب کر کے آپ کو پکارا اور مخاطب کیا ہے، جب کہ دوسرے انبیاء۔علیہم السلام۔کو ان کے ناموں سے پکارا اور مخاطب کیا ہے، اور اس کی دلیلیں یہ ہیں 391:

اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیاء کو ان کے ناموں سے پکارا ہے، جیسے کہ اس کا قول ہے: **(وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ)** [البقرة :٣٥] (ترجمہ: اور ہم نے کہا: اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو)، اور نوح علیہ السلام کو اس قول سے پکارا ہے: **(قِيْلَ يَا نُوْحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا)** [هود:٤٨] (ترجمہ: کہا گیا، اے نوح! اب آپ ہماری جانب سے سلامتی کے ساتھ کشتی سے نیچے اتر آیئے)، اور ابراہیم علیہ السلام کو اس قول کے ذریعہ مخاطب کیا ہے: **(وَنَادَيْنَهُ أَن يَّآبْرَاهِيمُ)** [الصافات :١٠٤] (ترجمہ: تو ہم نے انہیں آواز دی کہ اے ابراہیم)، اور موسیٰ علیہ السلام کو اس قول کے ذریعہ خطاب کیا ہے: **(فَلَمَّا أَتٰهَا نُودِيَ يٰمُوسَىٰ. إِنِّيٓ أَنَاْ رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ)** [طه :١١-١٢] (ترجمہ: پس جب وہ وہاں پہنچے تو انہیں پکارا گیا، اے موسیٰ!، بے شک میں آپ کا رب ہوں، اپنے جوتے اُتار دیجئے)، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے اس قول کے ذریعہ پکارا: **(إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى وَالِدَتِكَ)** [المائدة : ١١٠] (ترجمہ: جب اللہ تعالی کہے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! تم اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرے احسان کو یاد کرو)۔

لیکن نبی ﷺ کو اپنے اس قول کے ذریعہ پکارا: **(يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ)** [الأنفال :٦٤] اور اس قول کے ذریعہ: **(يٰٓأَيُّهَا الرَّسُولُ)** [المائدة :٤١]، اور اس میں شک نہیں کہ ان صفات سے پکارے جانے والے ان سے زیادہ عظیم وجلیل ہیں جنہیں محض ان کے ناموں سے پکارا گیا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کو محض ان کے نام سے پکاریں، جیسے کہ اللہ سبحانہ کے اس قول میں آیا ہے: **(لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا)** [النور :٦٣] (ترجمہ: مسلمانو! رسول کے بلانے کو تم آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ بناؤ)۔

---

391. منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول ﷺ وتکریمہ، (349).

اور جب اللہ تعالی نے نبی ﷺ کو ان کے اس علم سے پکارا تو انہیں رسالت کے وصف سے متصف کیا، جیسا کہ اس کے اس قول میں ہے: (**مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰه**)[الفتح:٢٩]، اور جب دونوں خلیلوں کے درمیان جمع کیا تو ابراہیم علیہ السلام کو ان کے نام سے یاد کیا جب کہ محمد ﷺ کو کنایہ کے ساتھ، اس کا قول ہے: (**اِنَّ أَوْلَــــى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَ هٰذَاالنَّبِیُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا**) [آل عمران) 392.

چہارم: دیگر انبیاء کے علاوہ آپ کو بعض خاص امور سے نواز کر افضل قرار دیا جانا:

اس کی ایک مثال وہ ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ ، وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ ، وَ أُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ، وَ جُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ طَهُوراً وَ مَسْجِداً ، وَ أُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً ، وَ خُتِمَ بِی النَّبِيُّونَ**)393.

(یعنی: چھ چیزوں کے ذریعہ مجھے دیگر انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے: مجھے جوامع الکلم دیا گیا، اور رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی، اور میرے لئے غنائم کو حلال کیا گیا، اور میرے لئے زمین کو پاک اور مسجد بنا دیا گیا، اور مجھے تمام مخلوق کے لئے بھیجا گیا، اور میرے ذریعہ نبیوں کا خاتمہ کیا گیا)۔

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**أُعْطِيتُ خَمْساً لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ قَبْلِی**)، (یعنی: مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء میں سے کسی کو نہیں دی گئی تھیں...) الحدیث 394.

---

392. دیکھئے: دلائل النبوۃ، لابی نعیم (41/1).

393. مسلم، (371/1)، (ح523).

394. البخاری، (168/1)، (ح427)؛ ومسلم، (370/1)، (ح521).

تیسرا مبحث

نبی کے مقام کی عظمت آخرت میں

اوراس میں تین مطالب ہیں:

پہلا مطلب: بعث ومحشر کے وقت نبی ﷺ کی عظمت۔

دوسرا مطلب: جنت میں نبی ﷺ کے مقام کی عظمت۔

تیرا مطلب: آخرت میں آپ کے مقام کی عظمت کے تقاضے۔

پہلا مطلب

بعث ومحشر کے وقت آپ کے مقام کی عظمت

بعث ومحشر کے وقت نبی ﷺ کے مقام کی عظمت ان امور سے ظاہر ہوتی ہے395:

اول: قیامت کے دن آپ سب سے پہلے اُٹھائے جائیں گے:

اللہ تعالی نے آخرت میں کئی امور کے اندر اپنے نبی کریم ﷺ کو اولیت عطا کیا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پہلے شخص ہوں گے جن کی قبر پہلے پھٹے گی، آپ ﷺ فرماتے ہیں: (**أَنَا ...أَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ....**)396، (میں پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر پہلے پھٹے گی) اور ایک روایت میں ہے: (**فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عنه الأَرْضُ ...**)397 (یعنی: میں پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی) اور یہ فضیلت اللہ تعالی کے نزدیک آپ کی عزت وکرامت اور قیامت کے دن تمام دنیا والوں پر آپ کی سیادت کی وجہ سے ہی ہے۔

دوم: قیامت کے دن آپ تمام اولین وآخرین کے سردار ہوں گے:

قیامت کے روز نبی ﷺ کی عظمت بالکل عیاں و بیاں ہوگی، اس لئے کہ اس دن آپ کی سیادت اپنی واضح ترین شکل اور نفیس ترین جوڑے میں دکھائی دے گی، کیونکہ تمام لوگ آدم سے لے کر آخری بشر تک جمع ہوں گے، ان میں انبیاء، مرسلین اور صالحین ہوں گے، ان میں شاہان، بڑے بڑے امپائر، رؤساء اور قائدین وغیرہم ہوں گے، سب کے سب ایک مکان اور ایک زمان میں موجود ہوں گے، اور ان تمام لوگوں پر ہمارے نبی محمد ﷺ کو سیادت وقیادت حاصل ہوگی، یہ کتنا بڑا مقام ہوگا اور کتنا بڑا اشرف! اس سلسلے میں وارد نصوص میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**)398، (یعنی: میں قیامت کے روز بنو آدم کا

395. دیکھئے: خصائص النبی محمد ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء، (ص124).
396. مسلم (1782/4)، (ح2278).
397. البخاری، (850/2)، (ح2281).
398. مسلم، (1782/4)، (ح2278).

سردار ہوں گا)۔

۲۔اور ایک روایت میں ہے: (**أَنَـا سَيِّـدُ وَلَـدِ آدَمَ يَـوْمَ الْقِيَامَةِ ؛ وَلَا فَخْرَ ..**)399،(یعنی: میں قیامت کے روز آدم کی اولاد کا سردار ہوں گا،اور مجھے فخر نہیں ہے...)۔

۳۔اور ایک روایت میں ہے: (**أَنَـا سَيِّـدُ النَّـاسِ يَـوْمَ الْقِيَـامَةِ**)400،(یعنی: میں قیامت کے روز لوگوں کا سردار ہوں گا)۔

عز بن عبدالسلام رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ دارین میں ان سبھوں سے افضل ہیں، دنیا میں اس بنا پر کہ جملہ اخلاق عظیمہ سے متصف ہیں، اور آخرت میں اس بنا پر کہ جزاء اخلاق واوصاف کے اعتبار سے ہی دی جاتی ہے، چنانچہ جب آپ دنیا کے اندر مناقب وصفات میں ان سے افضل قرار پائے تو آخرت میں مراتب ودرجات کے اندران سے افضل قرار پائیں گے، آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے: (**أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ**) تو اس لئے تاکہ آپ کی امت اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ آپ کے مقام ومرتبہ کو جان لے)401.

اور قیامت کے دن کے ساتھ مقید کئے جانے کا سبب یہ ہے کہ (قیامت کے دن آپ کی سرداری سب پر واضح ہوجائے گی، اس دن کوئی معترض ومعاند نہ ہوگا جس طرح دنیا میں ہوا کرتا تھا، جہاں آپ کی سرداری کو شاہانِ کفر اور زعماء مشرکین کی طرف سے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا تھا)402.

سوم: قیامت کے دن ساری امتوں پر آپ کی شہادت:

قیامت کے دن ظاہر ہونے والے آپ کے نمائندہ مناقب اور ان مقامات جلیلہ میں سے جہاں آپ بالتحدید وقوف فرمائیں گے۔اور وہ قبروں سے اُٹھائے جانے کے بعد حساب کے لئے لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔اور جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے: (**وَيَـوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَداً**)[الکھف:۴۷]

399.اس کی تخریج گذر چکی ہے.

400.البخاری،(1745/4)،(ح4435)؛ومسلم،(184/1)،(ح194).

401.بدایۃ السول فی تفضیل الرسول(ص34).

402.شرح النووی علی صحیح مسلم،(37/15).

اس دن نبی ﷺ تمام قوموں کے بارے میں شہادت دیں گے، اور کئی آیتوں میں صفت شہادت کے ساتھ آپ کا وصف بیان کیا گیا ہے، جیسے کہ:

۱۔اللہ تعالی کا قول ہے :**(وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً)**[البقرة:۱۴۳](ترجمہ:اوراس طرح ہم نے اے مسلمانو تمہیں ایک معتدل اور بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں کے بارے میں گواہی دو،اور رسول تمہارے بارے میں گواہی دیں)۔

۲۔اوراللہ تعالی کا قول ہے:**(لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ)** [**الحج**:۷۸](ترجمہ: تاکہ قیامت کے دن رسول تمہارے بارے میں گواہی دیں،اور تم لوگوں کے بارے میں گواہی دو)۔

۳۔اللہ تعالی کا قول:**(فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيداً)** [**النساء** : ۴۱](ترجمہ: پس کیسا ہوگا وہ منظر جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ لائیں گے،اور آپ کو (اے رسول!)ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے)۔

۴۔اللہ تعالی کا قول ہے:**(وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيداً عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيداً عَلَى هَؤُلَاءِ)** [**النحل** :۸۹](ترجمہ:اور آپ اس دن کو یاد کیجئے جب ہم ہر گروہ سے ان پر ایک گواہ کھڑا کریں گے،اور آپ کو ان سب پر گواہ کی حیثیت سے پیش کریں گے)۔

قیامت کے دن نبی ﷺ کی شہادت دو طرح کی ہوگی:

۱۔**شہادت خاصہ**:اس میں آپ کے ساتھ تمام انبیاء علیہم السلام شریک ہوں گے، کیونکہ ہر رسول اپنی اس قوم کے بارے میں گواہی دیں گے جس کی طرف وہ بھیجے گئے ہیں،اور دوسری وتیسری آیت سے یہی مراد ہے۔

۲۔**شہادت عامہ**:اس میں قیامت کے دن نبی ﷺ کو حاصل مقام ومنزلت پوری طرح عیاں ہوگی کیونکہ اس شہادت میں آپ اور دیگر انبیاء اور قومیں آپ کی اور آپ کی امت کی شریک نہیں ہوں گی ، اور پہلی و دوسری آیتوں میں یہی مراد ہے۔

اور جو آیتیں دونوں طرح کی شہادتوں کو شامل ہیں ان میں سے ایک اللہ تعالی کا یہ قول ہے: **(يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ**

اِنَّـا أَرْسَـلْنَاکَ شَاهِداً وَ مُبَشِّراً وَ نَذِیراً]الأحزاب :۴۵[(ترجمہ:اے میرے نبی! ہم نے آپ کوگواہ بنا کراور جنت کی خوشخبری دینے والا اور جہنم سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)۔

ابن عطیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یعنی اپنی امت میں تبلیغ کرنے پراور دوسری قوموں میں ان کے انبیاء کے تبلیغ کرنے پرآپ کوگواہ بنا کر بھیجا ہے)403.اس لئے کہ آیت کے اندر لفظ شاہد مطلق آیا ہے۔

اور قیامت کے دن نبی ﷺ کی اور آپ کی امت کی گواہی اس وقت ہوگی جب انبیاء کے متبعین ۔جھوٹ و بہتان سے کام لیتے ہوئے۔ان پر یہ الزام لگائیں گے کہ انہوں نے ان تک ان کے رب کے پیغام کونہیں پہنچایا تھا،اس وقت نبی ﷺ اورآپ کے بعدآپ کی امت کے لوگ یہ گواہی دیں گے کہ رسولوں نے امانت ادا کردی تھی اور رسالت کو پہنچایا تھا،اوراس میں شک نہیں کہ یہ نبی کریم ﷺ کوحاصل بہت بڑا مقام ہے،اسی طرح آپ کے بعدآپ کی امت کا مقام بھی عیاں ہوتا ہے،اوراس سلسلے میں نبی ﷺ کا یہ قول آیا ہے: (قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا،پس وہ کہیں گے: اے رب! لبیک وسعدیک،اللہ تعالی کہیں گے: کیا تو نے تبلیغ کی تھی؟ وہ کہیں گے: ہاں،اس کے بعدان کی امت سے پوچھا جائے گا: کیاانہوں نے تم لوگوں میں تبلیغ کی؟ وہ کہیں گے: ہمارے پاس کوئی ڈرانے والانہیں آیا،پس نوح سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے لئے گواہی کون دے گا؟ وہ کہیں گے: محمداوران کی امت کے لوگ گواہی دیں گے،اوروہ گواہی دیں گے کہ انہوں رسالت کو پہنچایا تھا،یہی اللہ تعالی کے اس قول میں مذکور ہے: (**وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً**]البقرة :۱۴۳[404.(ترجمہ:اوراس طرح ہم نے اے مسلمانوں تمہیں ایک معتدل اور بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں کے بارے میں گواہی دو،اور رسول تمہارے بارے میں گواہی دیں)۔

چہارم: آپ کومقام محمود(شفاعت عظمی)دیا جانا:

اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ پرایک نوازش یہ ہے کہ اس نے محشر کے دن آپ کوصاحب شفاعت بنایا ہے تا کہ موقف کی ہولنا کی سے لوگوں کوسکون فراہم ہواوراس دن حساب جلد ہو سکے،اور یہ اس وقت ہوگا جب رب

403. تفسیرابن عطیہ،(389/4).

404.البخاری،(1632/4)،(ح4217).

جل جلالہ بندوں کے درمیان فیصلہ کے لئے تشریف لائیں گے، یہ وہ مقام ہے جو آپ ہی کے لئے خاص ہوگا، اس سے اولوالعزم انبیاء ورسل بھی دور رہیں گے یہاں تک کہ آپ کی باری آئے گی اور آپ کے لئے اس کو خاص کردیا جائے گا، اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول آیا ہے: **عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا** [الاسراء : ۷۹] اور جمہور صحابہ نے مقامِ محمود کی تفسیر شفاعت عظمیٰ سے کیا ہے 405؛ اس لئے کہ یہی وہ مقام ہے جس پر اہل موقف ان کی حمد بیان کریں گے، اور اس سلسلے کی احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**يُبْعَثُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأَكُونُ أَنَا وَ أُمَّتِي عَلَى تَلٍّ ، وَيَكْسُونِي رَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى حُلَّةً خَضْرَاءَ ، ثُمَّ يُؤْذَنُ لِي، فَأَقُولُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ أَقُولَ ، فَذَاكَ الْمَقَامُ الْمَحْمُودُ**) 406.

یعنی: (قیامت کے دن لوگ اُٹھائے جائیں گے تو میں اور میری امت کے لوگ ایک ٹیلہ پر ہوں گے، اور میرے رب تبارک وتعالیٰ مجھے سبز جوڑا پہنائیں گے، پھر مجھے اجازت دی جائے گی چنانچہ میں اللہ کی مشیئت کے مطابق کچھ بولوں گا اور یہی مقام محمود ہے)۔

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: (قیامت کے دن سورج قریب آجائے گا یہاں تک کہ پسینہ نصف کان تک ہو جائے گا، اس دوران لوگ آدم علیہ السلام سے مدد طلب کریں گے پھر موسیٰ سے پھر محمد ﷺ سے، اور آپ اس کی سفارش کریں گے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کردیا جائے، چنانچہ آپ آگے بڑھیں گے یہاں تک کہ دروازے کی کنڈی کو پکڑ لیں گے، اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور پورے اہل محشر آپ کی حمد بیان کریں گے) 407.

شفاعتِ عظمیٰ سے متعلق احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام انسانوں میں سب سے عظیم جاہ والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کی جاہ سے بڑھ کر دوسرے کسی مخلوق

405. فتح الباری، (427/11).

406. مسند احمد، (456/3)، (ح 15821). اور البانی نے اس کو (السلسلة الصحيحة)، (485/5)، (ح 2370) میں صحیح کہا ہے.

407. البخاری، (536/2)، (ح 1405).

کی جاہ نہیں ہے، اور نہ آپ کی شفاعت سے بڑھ کر کسی کی شفاعت ہے)408.

نبی ﷺ دنیا وآخرت میں لوگوں کے لئے رحمت ہیں:

آپ ہمارے نبی ، ہمارے قائد ، ہمارے لئے اللہ کی رحمت ، اور ہمارے رب کے پاس ہمارے لئے سفارش کرنے والے ہیں، تمام لوگوں کے حق میں آپ اللہ کے یہاں اس کی سفارش کریں گے کہ اللہ تعالی لوگوں کا حساب جلد لے لے، اور اللہ تعالی آپ کو اس شفاعت عظمیٰ سے سرفراز فرمائے گا جس سے انبیاء ومرسلین دست بردار ہو چکے ہوں گے، وہ اس کے سزاوار نہیں ہوں گے لیکن نبی ﷺ اس کے حقدار اور اس کے سزاوار ہوں گے۔

پھر آپ ﷺ اپنی امت پر لطف ومہربانی کرتے ہوئے ان کے حق میں اپنی خاص شفاعت کریں گے۔

پس اے اہلِ اسلام ! اے اہلِ ایمان ! اے جملہ مسلمانانِ عالم : نیک و بد مسلمانو ، پاکباز و گنہگار مسلمانو ، سنت مصطفیٰ کے شیدائیو اور ان کی سنت سے اعراض کرنے والو، آپ کے منہج کی اتباع کرنے والو اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے لیبرالی ، لادینی ، اشتراکی ، مارکسی ، شیوعی ، جدت پسندی اور دوسرے مناہج ونظریات کو اپنا منہج قرار دینے والو!

اے مختلف مسالک ومشارب کے مسلمانو ! اپنے دلوں کو اسلام کے لئے کھول دو، قرآن کو پڑھو، اس کی آیتوں کے اندر غور کرو، سنت کے بارے میں سوچو اور اپنے نبی کی قدر کو پہچانو ، اللہ کی قسم ! شفاعتِ عظمیٰ اور شفاعتِ خاصہ اور اس سے متعلق احادیث۔ اگر تم ان پر ایمان رکھو۔ ہی اس بات کی کفیل ہیں کہ وہ تمہیں روح و ریحان اور جنت کی سیر کرائیں، نہیں بلکہ تمہارے نبی ﷺ تمہیں باغات جنت کی سیر کائیں گے بشرطیکہ تم ان کی سنت کی اتباع اور ان کے طریقے کی پیروی کرو، بے شک اس میں اس آدمی کے لئے عبرت ونصیحت ہے جس کے پاس دل ہے یا وہ کان لگا کر سنے اس حال میں کہ اس کا دماغ حاضر ہو۔

پنجم: آپ نے اپنی امت کی خاطر دعوت مستجابہ کو قیامت کے دن کے لئے محفوظ کر رکھا ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: **(لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ ، فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَومَ الْقِيَامَةِ ، فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ**

---

408. مجموع الفتاوی، (145/1).

اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئاً) 409.

(یعنی: ہر نبی کو دعوت مستجابہ دی گئی اور سب نے جلدی جلدی اس کا استعمال کر لیا، مگر میں نے اپنی دعوت کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے چھپا رکھا ہے، اور وہ دعا ان شاء اللہ میری امت کے ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس حال میں مرے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا ہو)۔

ایک روایت میں ہے: **(لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ دَعَا بِهَا فِي أُمَّتِهِ فَاسْتُجِيبَ لَهُ ، وَإِنِّي أُرِيدُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أُؤَخِّرَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ)410.**

(یعنی: ہر نبی کو ایک دعا دی گئی جس کو انہوں نے اپنی امت کے لئے مانگی اور وہ قبول کر لی گئی، اور میں چاہتا ہوں کہ ان شاء اللہ اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لئے ذخیرہ کر لوں)۔

نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہ حدیثیں ایک دوسرے کی تفسیر کر رہی ہیں، ان کا معنی ہے: ہر نبی کو یقینی طور پر قبول ہونے والی دعا دی گئی، اور ہر نبی کو اس دعا کی قبولیت پر یقین تھا، اس کے علاوہ وہ اپنی بقیہ دعاؤں کی قبولیت کی امید کرتے تھے، ان میں سے بعض قبول ہوتیں اور بعض قبول نہ ہوتیں...

نیز اس حدیث سے امت کے اوپر نبی ﷺ کی کامل شفقت، لطف وعنایت، ان کے مہتم بالشان مصالح و امور کا غایت درجہ خیال ولحاظ عیاں و بیاں ہو رہا ہے، اسی لئے نبی ﷺ نے امت کے لئے اپنی دعا کو ان کی ضرورت کے اہم اوقات تک کے لئے مؤخر کر دیا...

ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان ہے: (ابن بطال نے کہا ہے: اس حدیث کے اندر ہمارے نبی ﷺ کی دیگر انبیاء پر فضیلت کو بیان کیا گیا ہے، کیونکہ آپ نے دعائے مستجاب میں اپنی امت کو اپنے اوپر اور اہل بیت پر ترجیح دیا، نیز اس کو آپ نے اسے ان کی ہلاکت کے لئے بددعا نہیں بنائی جس طرح آپ سے پہلے کے انبیاء نے کی تھی۔

اور ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ آپ ﷺ کا حسنِ تصرف ہے کیونکہ آپ نے دعا کو اس مقام کے لئے مخصوص کر دیا جہاں اسے ہونا چاہئے، اور آپ کی کثرت نوازش ہے کیونکہ آپ نے اپنے اوپر اپنی امت کو

---

409. مسلم، (189/1)، ح199).

410. مسلم، (190/1)، (ح199).

ترجیح دیا، اور آپ کی صحتِ نظر کی علامت ہے اس لئے کہ آپ نے اس دعا کو اپنی امت کے گنہگاروں کے لئے مقرر فرما دیا ہے کیونکہ وہ عبادت گذاروں سے کہیں زیادہ اس کے ضرورت مند ہیں)411.

ششم: تمام انبیاء قیامت کے روز آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے اور آپ ان کے امام وخطیب ہوں گے:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کو افضل قرار دیئے جانے کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز ''لواء حمد'' کو آپ کے ہاتھ میں دے دے گا، سارے انبیاء ومرسلین آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے اور آپ اس دن ان کے امام وخطیب ہوں گے، اس سلسلے میں وارد احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؛ وَلَا فَخْرَ ، وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ ؛ وَلَا فَخْرَ ، وَمَامِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ : آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ ؛ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي ...**)412.

(یعنی: میں قیامت کے روز بنو آدم کا سردار ہوں گا، اور مجھے فخر نہیں ہے، اور میرے ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا، اور مجھے فخر نہیں ہے، اور اس دن آدم سمیت جتنے بھی نبی ہوں گے وہ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے ...)۔

۲۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ إِمَامَ النَّبِيِّينَ وَ خَطِيبَهُمْ ، وَ صَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ ، غَيرَ فَخْرٍ**)413.

(یعنی: جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمام نبیوں کا امام وخطیب ہوں گا، اور میں ان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور مجھے فخر نہیں ہے)۔

ہفتم: آپ ہی صاحبِ حوض مورود ہوں گے:

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو موقفِ عظیم میں موردِ کریم اور حوضِ عظیم عطا فرما کر تکریم کرے گا، جس حوض کے سارے کنارے نہایت وسیع ہوں گے، اس کے کناروں میں سے ہر کنارہ ایک ماہ کی مسافت کا ہوگا، کیونکہ

---

411. فتح الباری، (97/11).

412. اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

413. ابن ماجہ، (1443/2) (ح4314). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجہ)، (405/3)، (ح3500) میں صحیح کہا ہے۔

اس کی لمبائی اور چوڑائی برابر ہوگی، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا، ذائقہ کے اعتبار سے وہ شہد سے زیادہ شیریں ہوگا، اس کی خوشبو مسک سے زیادہ عمدہ ہوگی، اس کے پیالے اور برتن آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے، حوض کا چشمہ نہرِ جنت کوثر سے پھوٹا ہوگا، پس وہ کوثر ہی کا حصہ ہوگا، اس پر محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت وارد ہوگی، جو شخص اس کا ایک جام پی لے گا وہ کبھی اس کے بعد پیاسا نہ ہوگا۔

حوض کے بارے میں وارد احادیث متواتر ہیں جن کو نبی ﷺ کے پچاس صحابہ سے زیادہ نے روایت کیا ہے 414، ان احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**حَوْضِي مَسِيْرَةُ شَهْرٍ ، وَزَوَيَاهُ سَوَاءٌ 415 ، وَمَاءُ هُ أَبْيَضُ مِنَ الْوَرِقِ ، أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ ، وَ كِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ ، فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَا يَظْمَأُ بَعْدَهُ أَبَداً**)416، وفی روایة :(**مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ**)417.

(یعنی: میرا حوض ایک ماہ کی مسافت تک ہوگا، اس کے اطراف برابر ہوں گے، اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید اور مسک سے زیادہ خوشبودار ہوگا، اور اس کے پیالے آسمان کے تاروں کی مانند ہوں گے، جو اس کا پانی پی لے گا وہ اس کے بعد پیاسا نہ ہوگا)، اور ایک روایت میں ہے: (اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا)

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ حَوْضِي أَبْعَدُ مِنْ أَيْلَةَ مِنْ عَدَنٍ 418 ، لَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضاً مِنَ الثَّلْجِ ، وَ أَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ بِاللَّبَنِ ، وَلَآنِيَتُهُ أَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُومِ ، وَإِنِّي لَأَصُدُّ النَّاسَ عَنْهُ كَمَا يَصُدُّ الرَّجُلُ إِبِلَ النَّاسِ عَنْ حَوْضِهِ**) .

---

414. ابن حجر نے فتح الباری، (468/11) میں راویان حوض صحابہ کرام کے اسماء کو بیان کیا ہے۔

415. (**زواياه سواء**): یعنی وہ مربع ہوگا، اس کی لمبائی اور چوڑائی میں ذرہ برابر فرق نہ ہوگا، شرح النووی، (55/15).

416. البخاری، (2405/5)، (ح 6208)؛ ومسلم، (1793/4)، (ح 2292) اور لفظ انہی کا ہے۔

417. البخاری، (2405/5)، (ح 6208).

418. (**أَبْعَدُ مِنْ أَيْلَةَ مِنْ عَدَنٍ**) : یعنی: میرے حوض کے دونوں کناروں کے درمیان کی دوری ایلہ -اردن کا عقبہ شہر- اور یمن کے عدن شہر کے درمیان کی دوری سے زیادہ ہے. دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح، (225/10).

قَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ! أَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ ؟ قال : نَعَم: لَكُمْ سِيمَا 419 لَيْسَتْ لِأَحَدٍ مِنَ الْأُمَمِ ، تَرِدُونَ عَلَيَّ غُرّاً مُحَجَّلِينَ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوءِ) 420.

(یعنی: میرے حوض کے دو کناروں کی دوری ایلہ اور عدن کے درمیان کی مسافت سے زیادہ ہوگی ، اور وہ برف سے زیادہ سفید اور دودھ کے مقابلے شہد کی مٹھاس سے زیادہ شیریں ہوگا ، اور اس کے پیالے آسمان کے تاروں سے زیادہ تعداد میں ہوں گے ، اور میں اس سے لوگوں کو روک رہا ہوں گا جس طرح آدمی اپنے حوض سے لوگوں کے اونٹوں کو روکتا ہے)۔

صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس دن آپ ہمیں پہچانیں گے؟ آپ نے فرمایا: (ہاں، اس دن تم لوگوں کے پاس ایک نشانی ہوگی جو دیگر قوموں میں سے کسی کے پاس نہیں ہوگی، تم لوگ میرے پاس وضو کے اثر سے چمکتے چہرے اور پیر کے ساتھ آ ؤ گے)۔

۳۔انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: **(تُرَى فِيهِ أَبَارِيقُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ كَعَدَدِ نُجُمِ السَّمَاءِ) 421.**

(یعنی: اس میں آسمان کے تاروں کی تعداد کے حساب سے سونے اور چاندی کے لوٹے دکھائی دیں گے)

۴۔ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ۔ جب آپ سے اس کے پانی کے بارے میں سوال کیا گیا تو ۔فرمایا: **(أَشَدُّ بَيَاضاً مِنَ اللَّبَنِ ، وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ ، يَغُتُّ فيه مِيزَابَانِ يُمُدَّانِهِ مِنَ الْجَنَّةِ 422 ، أَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَ الآخَرُ مِنْ وَرِقٍ 423.**

(یعنی: دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہوگا ، دو پرنالے ہوں گے جو جنت سے کھینچ کر

419.**(السِّيما)**: یعنی: علامت.

420. مسلم، (217/1)، (ح247).

421. مسلم، (1801/4)، (ح2303).

422.**(يَغُتُّ فيه مِيزَابَانِ يُمُدَّانِهِ مِنَ الْجَنَّةِ)**: یعنی: اس میں دونالے لگاتار اور شدت کے ساتھ پانی اونڈیل رہے ہوں گے، جس کی وجہ سے پانی میں کثرت واضافہ ہو رہا ہوگا ، دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (63/15).

423. مسلم، (1799/4)، (ح2301).

اس میں پانی اونڈیل رہے ہوں گے،ان میں سے ایک سونے کا ہوگا اور دوسرا چاندی کا)۔

۵۔اور سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضاً، وَ إِنَّهُمْ يَتَبَاهَوْنَ ؛ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ وَارِدَةً، وَإِنِّي أَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً**)424.

(یعنی: ہر نبی کے پاس حوض ہوگا اور وہ ایک دوسرے پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے پاس وارد ہونے والے زیادہ ہیں،اور میں امید کرتا ہوں کہ میرے پاس وارد ہونے والے سب سے زیادہ ہوں گے)۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ہر نبی کے پاس ان کا خاص حوض ہوگا،لیکن (حوضِ اعظم نبی ﷺ کے لئے خاص ہوگا،اس میں دوسرے کوئی نبی آپ کے شریک نہیں ہوں گے)425.

424. الترمذی،(628/4)،(ح2443).اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)،(584/2)،(ح2443) میں اس کو صحیح کہا ہے.

425. حاشیہ ابن القیم علی سنن ابی داود،(57/13).

دوسرا مطلب

جنت میں آپ کے مقام کی عظمت

جنت میں آپ کی سیادت اور آپ کے عظیم مقام کو واضح کرنے والی باتیں یہ ہیں 426:

پہلی: رسولوں میں آپ پہلے رسول ہوں گے جو اپنی امت کے ساتھ جنت کے لئے پل صراط کو عبور کریں گے:

پل صراط:

صراط ایک پُل ہے جسے جہنم پر نصب کیا گیا ہے، جہنم کا یہ پُل جنت وجہنم کے درمیان ہوگا، اس کو مومنین ہی عبور کریں گے جن میں گنہ گار وخطا کار ہوں گے اور اہلِ نفاق بھی ہوں گے، پُل سے پہلے ہی ان پر تاریکی ڈال دی جائے گی، نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا: لوگ کہاں ہوں گے **يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَـرَزُوا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار** [ابراھیم: ۴۸]، تو نبی ﷺ نے فرمایا: (وہ جسر (پُل) سے پہلے تاریکی میں ہوں گے)427، یہی وہ لوگ ہوں گے جن کے لئے پُل صراط نصب کیا جائے گا۔

دلیل: ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِذَا كَـانَ يَـوْمُ الْقِيَـامَةِ أَذَّنَ مُـؤَذِّنٌ : لِيَتَّبِـعْ كُـلُّ أُمَّةٍ مَـا كَـانَـتْ تَـعْبُدُ ، فَلا يَبْقَى أَحَدٌ ، كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ مِنَ الْأَصْـنَـامِ وَالْأَنْـصَابِ ، إِلَّا يَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ مِنْ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ، وَ غُبَّرِ أَهْلِ الْكِتَابِ 428 .**

فَيُـدْعَـى الْيَهُـودُ ...فَيُحْشَرُونَ إِلَى النَّارِ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضاً ، فَيَتَسَاقَطُونَ فِي الـنَّـارِ ثُـمَّ يُـدْعَى النَّصَارَى ...فَيُحْشَرُونَ إِلَى جَهَنَّمَ كَأَنَّهَا سَرَابٌ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضاً ،

426. دیکھئے: خصائص النبی ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء، (ص136).

427. مسلم، (252/1)، (ح315).

428. (غُبَّرِ أَهْلِ الْكِتَاب): یعنی: ان کے بقیہ، غابر کی جمع ہے. شرح النووی علی صحیح مسلم، (26/3).

فَيَتَسَاقَطُونَ فِي النَّارِ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ تَعَالَى مِنْ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِينَ سُبْحَانَهُ وَ تَعَالَى ...ثُمَّ يُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلَى جَهَنَّمَ ...) الحديث429.

(یعنی: جب قیامت کا دن ہوگا تو آواز لگانے والا یہ آواز لگائے گا: ہر ایک امت اس کی اتباع کرے جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا، اس کے بعد اللہ سبحانہ کے علاوہ بتوں اور آستانوں کی عبادت کرنے والا کوئی شخص جہنم میں گرنے سے نہیں بچے گا، یہاں تک کہ جب اللہ کی عبادت کرنے والے نیک وبد کے علاوہ، اور بقیہ اہل کتاب کے علاوہ کوئی نہیں بچے گا، تو پھر یہود کو بلایا جائے گا...اور انہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا جیسے کہ وہ سراب ہوں اور ان میں سے بعض بعض کو کچل رہا ہو، پھر وہ جہنم میں گرنے لگیں گے، پھر نصاری کو بلایا جائے گا...اور انہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا جیسے کہ وہ سراب ہوں اور بعض بعض کو دھکا دے رہے ہوں، اس طرح وہ جہنم میں گرنے لگیں گے، یہاں تک کہ نیک وبد میں سے صرف اللہ تعالی کی عبادت کرنے والے رہ جائیں گے تو ان کے پاس رب العالمین سبحانہ وتعالی تشریف لائیں گے...، پھر جہنم پر پُل بنا دیا جائے گا...) الحدیث

ابن رجب رحمہ اللہ کا قول ہے: (یہ جان لیں کہ لوگ صرف اللہ کی عبادت کرنے والے اور اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کرنے والے مومن بندوں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرک لوگوں میں منقسم ہوں گے، جہاں تک مشرکین کی بات ہے تو ان کا گذر پُل صراط سے نہ ہوگا بلکہ وہ پُل صراط کے رکھے جانے سے پہلے ہی جہنم میں چلے جائیں گے)430.

رسولوں میں سے سب سے پہلے اپنی امت کے ساتھ صراط کو عبور کر کے جنت کی طرف جانے والے:

نبی ﷺ کی سارے انبیاء ومرسلین پر یہ بہت بڑی فضیلت ہے کہ آپ اپنی امت کے ساتھ سب سے پہلے صراط کو عبور کر کے جنت کی طرف جائیں گے، آپ کے امتی اپنے اعمال کے مطابق صراط سے گذریں گے، ان میں سے بعض جہنم میں گریں گے، البتہ وہ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ ان کو اللہ تعالی کی رحمت حاصل ہوگی اور شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے شادکام ہوں گے، اس سلسلے میں وارد احادیث میں سے ایک وہ حدیث

---

429. البخاری، (1671/4)، (ح4305)؛ ومسلم، (167/1)، (ح183) اور لفظ انہی کا ہے.

430. التخویف من النار والتعریف بدار البوار، (ص171).

ہے جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**... وَتَبْقَى هَذِهِ الْأُمَّةُ فِيْهَا مُنَافِقُوهَا ... فَيُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَى جَهَنَّمَ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ 431 مِنَ الرُّسُلِ بِأُمَّتِهِ ، وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ إِلَّا الرُّسُلُ ، وَ كَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ : اللَّهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ ، وَ فِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ ، مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ 432، هَلْ رَأَيْتُمْ شَوْكَ السَّعْدَانِ ؟) قَالُوا : نَعَمْ، قَالَ: (فَإِنَّهَا مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ ، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا إِلَّا اللَّهُ ، تَخْطَفُ النَّاسَ بِأَعْمَالِهِمْ ، فَمِنْهُمْ مَنْ يُوبَقُ بِعَمَلِهِ ، وَ مِنْهُمْ مَنْ يُخَرْدَلُ 433 ثُمَّ يَنْجُو...**) الحدیث434.

(یعنی:... اِس امت میں منافقین باقی رہیں گے ...پس جہنم کے سامنے صراط نصب کر دیا جائے گا، اور میں رسولوں میں اپنی امت کے ساتھ پہلا عبور کرنے والا ہوں گا، اس دن رسولوں کے علاوہ اور کوئی بات نہیں کر سکے گا، اور اس دن رسولوں کا کلام ہوگا: اے اللہ محفوظ رکھ محفوظ رکھ، اور جہنم میں لوہے کی ٹیڑھے منھ والی سلاخیں ہوں گی، سعدان پودے کے کانٹے کی طرح، کیا تم لوگوں نے سعدان کے کانٹے دیکھے ہیں؟) صحابہ نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: (وہ سلاخیں سعدان کے کانٹے کی طرح ہوں گی، البتہ اس کے بڑے ہونے کی مقدار سے اللہ کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہوسکتا، وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گی، ان میں سے کچھ اپنے عمل کے باوجود ہلاک کردئے جائیں گے، اور کچھ کو وہ سلاخیں اچک لیں گی پھر وہ نجات پالیں گے...)۔

دوسری: آپ پہلے شخص ہوں گے جو باب جنت پر دستک دیں گے اور اس میں داخل ہوں گے:

اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کی تکریم کئے جانے کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے آپ کو تمام لوگوں سے قبل

431.(**فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يَجُوزُ**): یعنی: اس پر سے گذرنے اور اس کو طے کرنے والا میں پہلا آدمی ہوں گا، شرح النووی، (20/3).

432. (**وَ فِي جَهَنَّمَ كَلَالِيبُ ، مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ**): کلالیب: جمع کُلُّوب ہے، اس کا معنی لوہے کا وہ چھڑ جس کا سرا ٹیڑھا ہو، جس میں گوشت لٹکایا جاتا ہے اور اسے تنور میں ڈالا جاتا ہے. اور سعدان: وہ پودا جس میں بڑا کانٹا ہوتا ہے حسک (کانٹے دار پودے) کی طرح چاروں طرف سے کانٹے گھیرے ہوتے ہیں. دیکھئے: شرح صحیح البخاری، لابن بطال (468/10).

433.(**يُخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُو**): المخردل: ڈالا، پھینکا اور کاٹا ہوا، اور اس کا مطلب ہے: صراط کی سلاخیں اس کو کھینچیں گی حتی کہ وہ جہنم میں گرنے لگے گا، دیکھئے: تفسیر غریب ما فی الصحیحین، (ص294).

434. البخاری، (278/1)، (ح773).

بابِ جنت پر دستک دینے والا اوراس میں داخل ہونے والا پہلا شخص بنایا ہے، اس سلسلے میں وارد احادیث میں سے یہ ہیں:

۱۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ**)435.

(میں قیامت کے روز تمام انبیاء میں سب سے زیادہ اَتباع والا ہوں گا، اور میں سب سے پہلے بابِ جنت کو دستک دینے والا ہوں گا)۔

۲۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ : مَنْ أَنْتَ ؟ فَأَقُولُ : مُحَمَّدٌ ، فَيَقُولُ : بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ**) 436.

(یعنی: میں قیامت کے روز جنت کے دروازے کے پاس آؤں گا اور اسے کھلواؤں گا، خازن جنت کہے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد ہوں، وہ کہے گا: اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں)۔

تیسری: آپ پہلے شخص ہوں گے جو اپنی امت کو تمام لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہونے کے لئے شفارس کریں گے:

اللہ تعالی کی جانب سے نبی ﷺ کی تکریم کئے جانے کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ آپ کی امت۔ اگرچہ وہ تمام امتوں سے بعد کی ہے۔فضل اور بجلد حساب لئے جانے اور جنت کے اندر داخل ہونے میں تمام امتوں پر سبقت لے جائے گی، اس سلسلے میں درج ذیل احادیث وارد ہوئی ہیں:

۱۔شفاعت والی طویل حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ تمام لوگوں کو موقف کی شدت سے راحت پہنچانے کے سلسلے میں اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو شفارس کرنے کی اجازت دے دئے جانے کے بعد آپ

---

435. مسلم، (188/1)، (ح196).

436. مسلم، (188/1)، (ح196).

سب سے پہلے اپنی امت کو جنت میں داخل کئے جانے کا اللہ تعالی سے مطالبہ کریں گے، اور اللہ تعالی آپ کو اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جنت کے دروازوں میں سے باب ایمن سے جنت میں داخل کرنے کی اجازت دے گا جن پر حساب نہیں ہوگا، اس حدیث میں شاہد نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (**... ثُمَّ يُقَالُ : يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ ، سَلْ تُعْطَهْ ، وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ ، فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ : أُمَّتِي يَا رَبِّ ، أُمَّتِي يَا رَبِّ ، فَيُقَالُ : يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ ...**) **الحديث**437.

(...پھر کہا جائے گا: اے محمد، اپنا سر اُٹھائے، مانگئے آپ کو دیا جائے گا، شفارس کیجئے آپ کی شفارس قبول کی جائے گی، چنانچہ میں اپنا سر اُٹھاؤں گا اور کہوں گا: اے رب میری امت! اے رب میری امت! مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں ہے جنت کے دروازوں میں سے ایمن دروازے سے داخل کر لیجئے...)۔

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**نَحْنُ الْآخِرُونَ وَالْأَوَّلُونَ**438 **يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَنَحْنُ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ، وَ أُوتِينَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ، فَا خْتَلَفُوا ، فَهَدَانَااللَّهُ لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ**) 439.

(یعنی: ہم ہی لوگ قیامت کے روز اول اور آخر ہوں گے، اور ہم ہی لوگ جنت میں پہلے داخل ہونے والے ہوں گے، جب کہ ان لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی، اور ہم لوگوں کو ان کے بعد کتاب ملی، مگر وہ لوگ مختلف ہو گئے جب کہ ہم لوگوں کو اللہ تعالی نے ان کے اختلافی مسائل میں حق کی ہدایت دی)۔

۳۔حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، الْمُقْضِيُّ لَهُمْ**440 **قَبْلَ الْخَلَائِقِ**) وَفِي رِوَايَةٍ : (**الْمُقْضِيُّ بَيْنَهُمْ**) .

437. البخاری،(1745/4)،(ح4435)؛ ومسلم،(184/1)،(ح194).

438. (**الآخرون والأولون**): یعنی: زمانہ کے اعتبار سے آخر اور منزلت کے اعتبار سے اول۔ دیکھئے: فتح الباری،(354/2).

439. مسلم،(585/2)،(ح855).

440. (**المقضى لهم**): یعنی: تمام قوموں کے اوپر، کیونکہ ان کی حجت ان لوگوں سے ان کے اتباع کرنے کا تقاضا کرتی ہے جو ان سے پہلے گذرے ہیں، دیکھئے: کشف المشکل، ابن الجوزی،(398/1).

(یعنی: ہم لوگ اہل دنیا میں سے آخری دین والے ہیں اور قیامت کے روز سب سے اول ہوں گے، جن کا جملہ خلائق سے پہلے فیصلہ کردیا جائے گا) ایک روایت میں ہے: (جن کے مابین پہلے فیصلہ کیا جائے گا)۔

۴۔ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**نَحْنُ آخِرُ الْأُمَمِ ، وَ أَوَّلُ مَنْ يُحَاسَبُ ، يُقَالُ : أَيْنَ الْأُمَّةُ الْأُمِّيَّةُ وَ نَبِيُّهَا ؟ فَنَحْنُ الْآخِرُونَ الْأَوَّلُونَ**)441.

(یعنی: ہم آخری قوم ہیں اور سب سے پہلے حساب لئے جانے والے ہیں، کہا جائے گا: اَن پڑھ امت اور اس کے نبی کہاں ہیں؟ پس اس دن ہم لوگ آخر واول ہوں گے)۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے اس امت کی ان چھ خصوصیات کو بیان کیا ہے جن کی وجہ سے ان کو قیامت کے روز دیگر اقوام پر سبقت حاصل ہوگی، وہ کہتے ہیں: (اس امت کو زمین سے باہر آنے کے اعتبار سے تمام امتوں پر سبقت حاصل ہوگی، وہ موقف میں سب سے بلند جگہ حاصل کرنے میں سبقت کرنے والی، عرش کے سایہ میں سب سے پہلے پہنچنے والی، فیصلہ اور حساب میں سب سے اول ہوگی، پُل صراط سے سب سے پہلے گذرنے والی ہوگی، اور جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والی ہوگی، اس وقت تک جنت میں داخل ہونا انبیاء پر حرام ہوگا جب تک محمد ﷺ اس میں داخل نہ ہوجائیں، امتوں پر اس وقت تک اس میں داخل ہونا حرام ہوگا جب تک آپ ﷺ کی امت اس میں داخل نہ ہوجائے)442.

ابن حجر رحمہ اللہ نے تمام امتوں پر اس امت کی اولیت کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے: (اس امت کو۔ اگرچہ دنیا میں اس کا وجود دیگر اقوام سے متاخر ہے۔ آخرت میں تمام اقوام پر برتری حاصل ہوگی، اس امت کے لوگ سب سے پہلے جمع کئے جائیں گے، ان کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا، سب سے پہلے ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا، اور سب سے پہلے یہ امت جنت میں داخل ہوگی)443.

چوتھی: جنت میں آپ کے متبعین کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی ﷺ کے بلند مقام ومرتبہ کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ اس نے بیشتر اہل جنت آپ

441. ابن ماجہ، (1434/2)، (ح4290)؛ اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجہ)، (396/3)، (ح3482) میں صحیح کہا ہے.

442 حادی الأرواح الی بلاد الأفراح، (ص77).

443. فتح الباری، (354/2).

کی امت کو قرار دیا ہے، اس سلسلے کی احادیث یہ ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ...**) الحدیث 444.

(یعنی: قیامت کے روز میں تمام انبیاء سے زیادہ متبعین والا ہوں گا)

۲۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**أَنَا أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ ، لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ ، وَ إِنَّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيّاً مَا يُصَدِّقُهُ مِنْ أُمَّتِهِ إِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ**) 445.

(یعنی: میں جنت میں پہلا سفارشی ہوں گا، انبیاء میں سے کسی نبی کی اتنی تصدیق نہیں ہوسکی جتنی میری ہوئی ، انبیاء میں سے ایسے بھی نبی ہوئے ہیں جن کی تصدیق ان کی قوم میں سے صرف ایک ہی شخص نے کی تھی)۔

۳۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَطْمَعُ أَنْ تَكُونُوا شَطْرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ ، إِنَّ مَثَلَكُمْ فِي الْأُمَمِ كَمَثَلِ الشَّعَرَةِ الْبَيْضَاءِ فِي جِلْدِ الثَّوْرِ الْأَسْوَدِ ، أَوْ كَالرَّقْمَةِ 446 فِي ذِرَاعِ الْحِمَارِ**) 447.

(یعنی: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں اس بات کی شدید خواہش رکھتا ہوں کہ تم لوگ جنت میں نصف تعداد میں ہو، بے شک امتوں میں تمہاری مثال کالے بیل کے چمڑے میں سفید بال کی ہے، یا گدھے کے بازو میں سفید ٹکڑے کی) اور ایک روایت میں ہے: (**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ أَهْلِ الْجَنَّةِ**) 448.

(قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مجھے امید ہے کہ تم لوگ آدھے اہلِ جنت ہوگے...)

---

444. مسلم، (188/1)، (ح196).

445. مسلم، (188/1)، (ح196).

446. **الرّقمة**: وہ سفید ٹکڑا جو گدھے اور گھوڑے کے عضو کے باطن میں ہوتا ہے اور وہ بکری کے پاؤں میں پایا جاتا ہے، دیکھئے: فتح الباری، (388/11).

447. البخاری، (2392/5)، (ح6165)؛ ومسلم، (201/1)، (ح222).

448. البخاری، (2448/6)، (ح6266)؛ ومسلم، (200/1)، (ح221).

پانچویں: آپ نہر کوثر کے مالک ہیں:

اللہ تعالی کی طرف سے اپنے نبی کریم ﷺ کی عظیم تکریم میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے آپ کو جنت میں نہر کوثر 449 عطا کیا ہے جو صرف آپ کے لئے ہے، اس میں انبیاء ومرسلین میں سے کوئی بھی آپ کے شریک نہیں ہیں، اس احسان عظیم کے بارے میں اللہ تعالی کا قول ہے: (**إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ**) [الکوثر :١]

طبری رحمہ اللہ نے کوثر کے بارے میں کہا ہے: (یہ اس نہر کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ کو جنت میں دیا گیا ہے ،اللہ تعالی نے اس کی عظمتِ قدر کی بنا پر اسے کثرت سے موصوف کیا ہے)450.

یعنی اللہ تعالی نے اپنے رسول کو اس احسان کی یاد دہانی کرائی ہے کہ اس نے انہیں کوثر عطا کیا ہے، (**إِنَّا أَعْطَيْنَا**) کے لفظ کے ذریعہ اس کی تاکید اور آغاز کرتے ہوئے اور (**أَعْطَيْنَاكَ**) کے لفظ سے آپ کی تخصیص اور دیگر انبیاء ورسل سے اس خصوصیت کی نفی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ کوثر خاص ہے، جس کا پانی آپ کے حوض میں بہتا ہے، اس طرح کی خصوصیت دوسرے کسی نبی کے لئے ثابت نہیں ہے اور اس کو اس سورت میں بطور احسان کے بیان کیا گیا ہے)451.

نہر کوثر کے عظیم اوصاف:

نہر کوثر کے اوصاف کے بارے میں نبی ﷺ سے یہ وارد ہوا ہے:

ا۔اس کی خوبصورتی اور خوشبو:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: (**بَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ، إِذَا أَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قِبَابُ الدُّرِ الْمُجَوَّفِ** 452. **قُلْتُ : مَا هَذَا يَا جِبرِيلُ ؟ قال : هَذَا**

449.(**الکوثر**): خیر کثیر، اس نہر کو کوثر اس کے پانی کی اور اس کے برتنوں کی کثرت اور اس کے مقام ومرتبت اور خیرات کی عظمت کی بنا پر کہا گیا ہے، وہ جنت کی بڑی نہروں میں سے ہے، اس کا پانی حوض میں گرتا ہے، اسی لئے حوض پر کوثر کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ وہ اس سے پانی حاصل کرتا ہے، دیکھئے: فتح الباری، (756/9) تفسیر الرازی، (125/16).

450. تفسیر الطبری، (323/30).

451. فتح الباری، (467/11).

452.(**قِبَابُ الدُّرِ الْمُجَوَّفِ**): یعنی: نہر کوثر کے دونوں کنارے خوبصورتی میں ابھری ہوئی جوف والی موتی کے گنبد کی طرح ہوں گے. دیکھئے: عمدۃ القاری، (140/23).

الْكَوْثَرُ الذى أَعْطَاكَ رَبُّكَ ، فَإِذَا طِينُهُ أَوْ طِيْبُهُ مِسْكٌ أَذْفَرُ453)454.

(یعنی: اس درمیان کہ میں جنت کا سیر کر رہا تھا میں نے ایسی نہر دیکھا جس کے دونوں کنارے ابھرے ہوئے جوف والی موتی کے گنبد ہوں، میں نے کہا: یہ کیا ہے اے جبریل؟ انہوں نے کہا: یہ وہ کوثر ہے جس سے اللہ تعالی نے آپ کو سرفراز کیا ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی یا اس کی خوشبو مسک اذفر (بہترین بو کی خوشبو) ہے)۔

۲۔اس کے برتن ستاروں کی تعداد میں ہیں:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالی کے قول: (**إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ**) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا: (یہ نہر ہے جو تمہارے نبی ﷺ کو دی گئی ہے، اس کے دونوں کناروں پر جوف دار موتی ہیں، اس کے برتن ستاروں کی تعداد جتنے ہیں)455.

۳۔اس کے بقیہ اوصاف:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**الْكَوْثَرُ : نَهْرٌ فِي الْجَنَّةِ ، حَافَتَاهُ مِنْ ذَهَبٍ ، وَ مَجْرَاهُ عَلَى الدُّرِّ وَ الْيَاقُوتِ ، تُرْبَتُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ ، وَ مَاءُ هُ أَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ ، وَ أَبْيَضُ مِنَ الثَّلْجِ**)456.

(یعنی: کوثر: جنت میں ایک نہر ہے، اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں، اس کا بہاؤ موتی اور یاقوت کے اوپر سے ہے، اس کی مٹی مسک سے زیادہ معطر ہے، اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سفید ہے)۔

❁ کوثر اور حوض کے اوصاف یکساں ہیں لیکن دونوں جدا جدا ہیں:

حوض اور کوثر کے اوصاف میں غور کرنے والا ان دونوں بالکل یکساں پاتا ہے، بلکہ بعض تو یہ سمجھتے ہیں کہ حوض ہی کوثر ہے، لیکن بات ایسی نہیں ہے کیونکہ حوض دخولِ جنت سے پہلے پایا جائے گا، چنانچہ بعض مسلمانوں کو اس سے روک دیا جائے گا، دین میں تبدیلی کرنے اور اس میں نئی باتوں کا اضافہ کرنے کی بنا پر، اس پر دلالت

453.(**مِسكٌ أذْفرٌ**): یعنی عمدہ قسم کی خوشبو، دیکھئے: عمدۃ القاری، (140/23).

454.البخاری، (2406/5)، (ح6210).

455.البخاری، (1900/4)، (ح4681).

456.الترمذی، (449/5)، (ح3361).اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (377/3)، (ح3361) میں صحیح کہا ہے.

کرنے والی حدیثیں حسب ذیل ہیں:

ا۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**أَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوضِ ، وَلَيُرْفَعَنَّ رِجَالٌ مِنْكُمْ ثُمَّ لَيُخْتَلَجُنَّ دُونِي ، فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي ، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ**)457.

(یعنی: میں تم تمام سے پہلے حوض پر رہوں گا، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو اُٹھایا جائے گا پھر مجھ سے دور کر دیا جائے گا، میں کہوں گا کہ اے رب یہ میرے اصحاب ہیں، اس کے جواب میں کہا جائے گا: آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا بدعتیں ایجاد کر لیا تھا)

نیز آپ ﷺ کا قول ہے: (**أَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ ، أَلَا لَيُذَادَنَّ 458 رِجَالٌ عَنْ حَوْضِي كَمَا يُذَادُ الْبَعِيرُ الضَّالُّ ، أُنَادِيهِمْ : أَلَا هَلُمَّ ! فَيُقَالُ : إِنَّهُمْ قَدْ بَدَّلُوا بَعْدَكَ ، فَأَقُولُ : سُحْقًا سُحْقًا**)459.

(یعنی: میں ان سب سے پہلے حوض پر موجود رہوں گا، آگاہ رہو کہ کچھ لوگ میرے حوض سے اس طرح بھگا دیئے جائیں گے جس طرح بھٹکے ہوئے اونٹ کو بھگایا جاتا ہے، میں انہیں آواز دوں گا کہ میرے پاس آؤ، لیکن کہا جائے گا: ان لوگوں نے آپ کے بعد بدل دیا تھا، پس میں کہوں گا: دور جاؤ دور جاؤ)

ابن حجر رحمہ اللہ نے۔ یہ بیان کرتے ہوئے کہ آب حوض کا مصدر کوثر ہوگا۔ کہا ہے: (اللہ تعالی کے قول: **إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ** میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ کوثر سے مراد وہ نہر ہے جس کا پانی حوض میں جاتا ہے، پس وہی حوض کا مصدر رہوگا)460.

مذکورہ بالا احادیث اس پر دلالت کر رہی ہیں کہ کوثر جنت میں ہوگا، جیسا کہ ان احادیث میں بھی آیا ہے:

ا۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**بَيْنَمَا أَنَا أَسِيرُ فِي الْجَنَّةِ ...**)461 (اس درمیان کہ میں جنت کا سیر کر رہا تھا...)۔

---

457. البخاری، (2404/5)، (ح6205).

459. (**لَيُذَادَنَّ**) :**الذُّود**: طرد وابعاد کے معنی میں ہے.

460. مسلم، (218/1)، (ح249).

461. فتح الباری، (467/11).

۲۔اور آپ کا قول ہے:(**الْكَوْثَرُ : نَهْرٌ فِی الْجَنَّةِ ...**)462(یعنی:کوثر جنت میں ایک نہر ہے....)۔

چھٹی:آپ ہی وسیلہ اور فضیلہ والے ہیں:

اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ پر فضل واحسان کرتے ہوئے انہیں وسیلہ اور فضیلہ سے سرفراز کیا ہے،اور یہ جنت میں اعلی مقام ہے جس میں کوئی مخلوق آپ کا شریک نہیں ہوگی،اس سلسلے کی احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:
(**سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ ؛ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ ، لا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مَنْ عِبَادِ اللَّهِ ، وَأَرْجُوا أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ**)463.

(یعنی:تم لوگ میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو،وہ جنت میں ایک مقام ہے جو اللہ کے بندوں میں سے کسی بندہ کے لئے ہے،اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا)۔

۲۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے:صحابہ نے عرض کیا:اے اللہ کے رسول!وسیلہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:وہ جنت میں ایک اعلی درجہ ہے جس کا مستحق کوئی ایک ہی شخص ہے،اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں)464.

۳۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ : اللَّهُمَّ رَبَّ هذه الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الذى وَعَدْتَهُ ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ**)465.

وسیلہ سے مراد:

وسیلہ:اللہ تعالی کے نزدیک قربت اور منزلت کا نام ہے،کہا جاتا ہے:توَسَّلتُ:یعنی:تقربتُ(میں نے

462.اس کی تخریج گذر چکی ہے.
463. مسلم،(288/1)،(ح384).
464.الترمذی،(586/4)،(ح3612).اور البانی نے اس کو(صحیح سنن الترمذی)،(484/3)،(ح33612) میں صحیح کہا ہے.
465.البخاری،(222/1)،(ح589).

قربت حاصل کی)، اس کا اطلاق بلند منزلت پر بھی ہوتا ہے، اس منزلت کو پانے والا اللہ سے قریب ہوتا ہے لہذا یہ منزلت اس قربت کی طرح ہوتی ہے جس کو وسیلہ بنایا جاتا ہے 466، پس نبی ﷺ وسیلہ کے مقام سے سرفراز کئے جانے کے بعد اللہ سبحانہ وتعالی کے نزدیک سب سے اقرب مخلوق ہوں گے، کیونکہ آپ اس کے نزدیک سب سے محبوب مخلوق، سب سے عظیم منزلت والے اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والے ہیں، واللہ اعلم۔

فضیلہ سے مراد:

ابن رجب رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جہاں تک ''فضیلہ'' کی بات ہے تو اس سے مراد۔ واللہ اعلم۔ قیامت کے روز اور اس کے بعد تمام مخلوقات پر نبی ﷺ کی فضیلت کا اظہار اور موقف میں تمام لوگوں پر آپ کی فضیلت کا بیان ہے جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (قیامت کے روز میں بنی آدم کا سردار ہوں گا) 457.

اور ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (فضیلہ: تمام مخلوقات پر زائد (اضافی) مرتبت ہے، اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ دوسری کوئی منزلت ہو یا وسیلہ کی تفسیر ہو۔

اور ''**مَقَامًا مَحْمُودًا**'' یعنی: جس میں قائم شخص کی تعریف ہو، اور یہ لائق حمد تمام کرامات کو شامل ہے، ظرفیت کی بنا پر نصب دیا گیا ہے جس کا مطلب ہے: اسے قیامت کے روز اُٹھا اور مقام محمود میں اسے کھڑا کر) 468.

---

466. کشف المشکل، (125/4)؛ فتح الباری، (95/2).

467. فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، لابن رجب (468/3).

468 فتح الباری، (95/2).

تیسرا مطلب

آخرت میں آپ کے مقام کی عظمت کے تقاضے

آخرت میں آپ ﷺ کے مقام کی عظمت کے تقاضوں میں سے بعض یہ ہیں 469:

۱۔ وہ خصائص وفضائل جو دیگر انبیاء ومرسلین کے علاوہ نبی ﷺ کے ساتھ خاص ہیں وہ اللہ تعالی کے نزدیک آپ کے بلند مقام ومرتبہ کی دلیلیں ہیں، اسی طرح وہ خصائص بھی جو دیگر امتوں کے علاوہ آپ کی امت کے ساتھ خاص ہیں، یہ بھی خالص اللہ تعالی کا فضل ورحمت ہے، جس سے اللہ تعالی اسے نوازتا ہے جس کو عطا کرنا چاہتا ہے، اللہ تعالی کے اس قول کے مصداق: **(وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا)** [النساء :۱۱۳]
(ترجمہ: اوراللہ تعالی کا آپ پر بڑا بھاری فضل ہے)

۲۔ نبی ﷺ اور دیگر انبیاء کرام کی مختلف ومتنوع شفاعتوں کو اللہ تعالی کی جانب سے قبول کیا جانا بندوں پر اس کی عظیم مہربانی اور رحمت کی دلیل ہے، نیز اللہ تعالی کا شفاعت کے دروازے کو کھولنا اس کی جانب سے انبیاء کرام کی تکریم اوران کے درجات کی بلندی کے مظاہر میں سے ایک مظہر، اوران کے فضل ومقام کا بیان ہے، اسی طرح اس کے ذریعہ مؤمن بندوں پر اس کی رحمت کا اظہار بھی ہوتا ہے، کیونکہ شفاعت مسلمان آدمی کو اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے خیر طلب کرنے، ان کی مدد کرنے اوران سے تکلیف دور کرنے پر آمادہ کرتی ہے، نبی ﷺ کے اس قول کے مصداق: **(اشْفَعُوا تُؤْجَرُوا ، وَ يَقْضِي الله عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ ﷺ مَا شَاءَ)**470، (یعنی: سفارش کرو اجر سے نوازے جاؤ گے، اوراللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کی زبان پر جس چیز کو چاہے گا پورا کرے گا) اور ایک روایت میں ہے: **(اشْفَعُوا فَلْتُؤْجَرُوا، وَلْيَقْضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا أَحَبَّ)**471.(یعنی: سفارش کروضرور

469. دیکھئے: خصائص النبی محمد ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء، (ص142-145).
470. البخاری، (520/2)، (ح1365).
471. مسلم، (2026/4).

اجر سے نوازے جاؤ گے، اور اللہ تعالی اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے گا اس کو ضرور پورا کرے گا)۔

۳۔ چونکہ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو تمام اولین وآخرین پر فضیلت دی ہے، اور منازلِ آخرت میں آپ کو عزت بخشی ہے، نیز آپ کو اولاد آدم کا سردار بنایا ہے لہذا یہ تمام مسلمانوں سے اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ان کی اتباع کریں، ان سے محبت کریں، ان کی توقیر و تعظیم کریں، اور اپنے تمام امور میں ان کی اقتداء کریں، تاکہ وہ اللہ تعالی کی رضا و محبت سے شاد کام ہوسکیں، اللہ تعالی کے اس قول کے مصداق: **(قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ)** [آل عمران:۳۱]

(ترجمہ: کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ تعالی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۴۔ تمام انسانوں پر انبیاء و مرسلین کے حق میں صرف نبی ﷺ اور آپ کی امت کی طرف سے شہادت دیئے جانے میں درج ذیل امور کے لئے زبردست دلیل پائی جاتی ہے:

أ ۔ آپ کے رب تعالی کے نزدیک آپ کے مقام کی عظمت نیز امتوں میں آپ کی امت کی عظمت کا اظہار۔

ب ۔ قیامت کے دن لوگوں پر شہادت دینے کے ساتھ خاص شخص ہی دنیا میں لوگوں کی قیادت کا سچا مستحق ہے، اور اس کا مطلب ہے کہ:

- رسالت محمدیہ کامل و مکمل ہے۔
- صرف یہی رسالت انسانوں کی سعادت کی ضامن ہے۔
- رسالت محمدیہ پر کامل اطمینان ہوتا ہے، اس کے کامل، محفوظ، عالمی اور آسان ہونے کی وجہ سے، اور یہ چیز بلا تردد پیہم عمل کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

ج ۔ ہر پہلو یعنی عقائد و عبادات اور اخلاق وغیرہ کے اعتبار سے ساری قوموں پر امت محمدیہ کا تفوق واضح ہوتا ہے، اللہ تعالی کے اس قول کے مصداق: **(كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ)** [آل عمران:۱۱۰]

(ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے)۔

اور یہ ہر مسلمان مرد وعورت سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ اس دین کی تبلیغ اور اسے تمام لوگوں تک پہنچانے کے تعلق سے اپنی گردنوں پر عائد ذمہ داریوں کو محسوس کریں۔

د۔ قیامت کے روز اللہ تعالی کے عدلِ عام کا اظہار، کیونکہ جب کفار رسولوں کی تبلیغ کا انکار کریں گے اور اپنے انبیاء پر۔ کذب وبہتان کا سہارا لے کر۔ یہ الزام عائد کریں گے کہ ان لوگوں نے اپنے رب کے پیغام کو ان تک نہیں پہنچایا، تو اس وقت نبی ﷺ گواہی دیں گے اور آپ کے بعد آپ کی امت گواہی دے گی کہ تمام رسولوں نے امانت کو ادا کیا اور رسالت کو پہنچایا ہے، یہ بات مسلمانوں کو ہمیشہ عدل پر قائم رہنے اور کسی بھی معاملہ میں اس سے روگردانی نہ کرنے پر آمادہ کرتی رہے گی۔

۵۔ لوگوں کا آدم سے لے کر ان کے بعد کے انبیاء۔ علیہم السلام۔ سے اور آخر میں نبی کریم ﷺ سے یکے بعد دیگرے سفارش کرنے کی درخواست کرنے میں تمام انبیاء ورسل پر نبی کریم ﷺ کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔

۶۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا اور ساری امتوں میں آپ کی امت کا یہ عظیم مقام ومرتبہ یومِ آخرت میں اور اس کی کبھی منقطع نہ ہونے والی عظیم نعمتوں میں غور وفکر کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جو نعمتیں اولاً اللہ تعالی کی رحمت وعنایت سے پھر سید المرسلین ﷺ کے راستے کی پیروی سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔

۷۔ نبی ﷺ نے آخرت میں جو یہ بلند مرتبہ حاصل کیا ہے، اور اللہ تعالی نے آپ کو جس مقام تک پہنچایا ہے، اور پھر اس نے بعض چیزوں میں ان کی امت کو بھی شریک کیا ہے اور اپنے نبی کی تکریم اور رفعت شان کے اظہار کی خاطر تمام امتوں پر آپ کی امت کو سر بلندی عطا کیا ہے، تو یہ چیزیں آپ کی امت سے چند باتوں کا تقاضا کرتی ہیں:

پہلی: ہمارے نبی کریم ﷺ جو خیر اپنے ساتھ لائے اس کی نشر واشاعت کرنا اور دعوت کی ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرنا، تمام تر وسائل وامکانیات کو بروئے کار لاتے ہوئے اور سارے عالم میں خیر محمدی کے دائرہ کو وسعت دینے کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کو استعمال میں لانا۔

دوسری: ہمارے نبی محمد ﷺ کے ساتھ مخصوص عظمت وسر بلندی کے اسباب کو بیان کرنا اور دنیا کے سامنے

آپ کی حقیقی تصویر کو پیش کرنا، تا کہ ان تند و تیز حملوں اور پلید اتہامات کا خاتمہ کیا جا سکے جن کے تیر غلط انسانوں اور ناشائستہ و بے مہار لوگوں کی طرف سے چھوڑے جاتے ہیں، اس کے لئے ہم مسلمانوں کو خود اپنے آپ کو ملزم ماننا چاہئے، کیونکہ اس تعدی اور اس افتراء کا سامنا ہمارے نبی کے حق میں اور ہماری دعوت کے حق میں ہماری تقصیر کی وجہ سے کرنا پڑ رہا ہے۔

تیسری: نبی ﷺ کے شامل و کامل منہج کو زندگی میں اتارنا جو منہج تمام شعبہ ہائے زندگی کو حیرت انگیز طور پر شامل ہے، جس میں آپ نے ایسی کوئی بھی چیز نہیں چھوڑی ہے جس میں انسانیت کی بھلائی ہو اور نہ ایسی کوئی چیز ترک کی ہے جس میں اس کی سعادت ہو، بلکہ سب کچھ آپ نے اپنے منہج میں بیان کر دیا ہے، اس منہج کو ہمیں آج اپنی عملی زندگی میں اتارنے کی ضرورت ہے، مسجد میں، گھر میں، جامعہ میں، راستے میں، کارخانے میں، ہاسپٹل میں اور زندگی کے ہر شعبہ میں، تا کہ ہم اس عجیب و غریب تضاد کا ازالہ کر سکیں جو اس عظیم و جلیل منہج کے درمیان جس کے ہم مالک ہیں اور جس پر ہم ایمان رکھتے ہیں، اور ہمارے موجودہ ناگفتہ بہ حالات کے درمیان پائے جاتے ہیں جن میں ہم تمام قوموں سے پیچھے ہیں، یہ عظیم ذمہ داری ہے جس کی ادائیگی اپنے رب کا تقرب حاصل کرنے، اپنے نبی سے اظہار محبت کرنے اور ان کے فضل و احسان کا بدلہ چکانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

تیسری فصل

سنت نبویہ کی عظمت کے مظاہر

اوراس میں چھ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: آسانی وسہولت

دوسرا مبحث: رفع حرج

تیسرا مبحث: رفق ومہربانی

چوتھا مبحث: کشادگی وفراخی

پانچواں مبحث: عموم وشمول

چھٹا مبحث: وسطیت اوراعتدال

پہلا مبحث
آسانی وسہولت

آسانی وسہولت شریعت اسلامیہ کی اہم نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اس کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے، کیونکہ شریعت غراء کے احکام کے اندر ہر پہلو اور ہر جانب سے غور کرنے والے شخص کو ان کے اندر تیسیر وتسہیل واضح اور جلی طور پر دکھائی دیتا ہے، تمام عبادات اور ان سے متعلق احکام، معاملات اور دیگر جملہ مسائل و اوامر تیسیر پر مبنی ہیں، بلکہ اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ آسانی وسہولت شریعت اسلامیہ کے مقاصد میں سے ہے ،اور شاید اس آسانی ونرمی کا سبب وہ خصائص وامتیازات ہیں جن سے اللہ تعالی نے دیگر امتوں کے بالمقابل اس امت کونوازا ہے،اور ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ یہ آخری امت ہے جس کے ذریعہ امتوں کا خاتمہ ہوا؛ اس بنا پر اس کے احکام پر استدراک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، گویا امت اسلامیہ روئے زمین پر انسانی تاریخ میں رشد وہدایت کا سرچشمہ رہی ہے،اور اس درجہ کو پانے کے ساتھ نعمت کا اتمام ہوگیا۔

۲۔ نبی خاتم ﷺ کا اس امت کی طرف مبعوث کیا جانا، اس کے بعد آپ ﷺ کے انتقال کے ساتھ آسمان و زمین کو جوڑنے والی نبوت مبارکہ کی جو رسّی تھی وہ کٹ گئی۔

۳۔اس امت کا امتِ وسط ہونا؛ بغیر اختلاف وجدال کے رسالت کو حاصل کرنے اور اسے قبول کرنے میں،اپنے سلوک میں اور اپنے رب کے احکام کی تطبیق میں، سمع وطاعت کے اعلان واظہار کے ساتھ ساتھ، پس اس اعتدال اور میانہ روی کا صلہ اس کے رب کی طرف سے احکام میں تیسیر اور تسہیل کی شکل میں رونما ہوا، اسی طرح یہ امت اپنے رب کے نزدیک مقام ومنزلت میں بھی امت وسط قرار پائی۔

نتیجۃً نبی ﷺ کی رسالت اپنے تمام احکام واحوال میں سہولت وآسانی کا پیغام لے کر آئی، اس میں اس طرح کی سختیاں اور شدائد جگہ نہیں بنا سکے جن کو سابقہ امتوں پر ضروری قرار دے دیا گیا تھا، ان میں سے بہت سے

لوگوں کے ظلم اور جحو دوانکار کی وجہ سے اور اپنے انبیاء کی دعوت کو قبول کرنے میں پس وپیش کرنے کی وجہ سے، اس بنا پر اللہ تعالی نے بہت سے احکام وتشریعات میں سختی پیدا کر کے انہیں سزا دیا اور اس کے نتیجے میں وہ احکام بہت سخت اور بوجھل ہو گئے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيراً**) [النساء : ١٦٠]

(بعض یہودیوں کے ظلم کے باعث اور اللہ تعالی کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث جو نفیس چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی تھیں ان کو ہم نے ان پر حرام کردی)

اس کے علاوہ بہت سے احبار اور رھبان نے اپنی طرف سے ایسے امور واحکام ایجاد کر لئے تھے جن میں لوگوں کے لئے شدت ومشقت پائی جاتی تھی، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اِنَّ كَثِيْرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيْلِ اللَّهِ**) [التوبة:٣٤]

(ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے احبار اور رہبان لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں)۔

نیز اس کا قول ہے: (**اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ**) [التوبة:٣١] (ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور عابدوں کو اپنا رب بنالیا ہے)، اس طرح کے تصرفات سے ہمارے نبی ﷺ کی قیامت تک محفوظ اور میسر رسالت مامون ومحفوظ رہی۔

نبی ﷺ نے اپنی امت کو آسان روی کی تعلیم دی:

سنت نبویہ نے اپنے تمام تر احکام وتشریعات میں تیسیر کا اعلان کا جس کے نتیجے میں تیسیر وتسہیل اس کا منہج اور طریقِ دعوت قرار پائی، بار بار نبی ﷺ نے۔ اپنی احادیث شریفہ کے ذریعہ۔ تیسیر کی دعوت دی ہے اور اپنے متبعین کو قیامت تک کے لئے اس کی تعلیم دی ہے، اس قسم کی احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ اللَّهَ لَمْ يَبْعَثْنِى مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا ، وَلَكِنْ بَعَثَنِى مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا**) 472. (یعنی: اللہ تعالی نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا اور لوگوں کو

---

472. مسلم،(1104/2)،(ح1478).

مشکل اعمال میں ڈالنے والا بنا کرنہیں بھیجا ہے بلکہ اس نے مجھے معلم سہل پسند بنا کر بھیجا ہے) گویا تیسیر وتسہیل لوگوں کی طرف نبی ﷺ کے بھیجے جانے کے اہم مقاصد ومعالم میں سے ہے۔

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:(**إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّيْنَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ ، فَسَدِّدُوا وَ قَارِبُوا ، وَ أَبْشِرُوا ، وَاسْتَعِيْنُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ ، وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ**)473.

(یعنی : بے شک دین آسان ہے، اور جو بھی دین میں سختی برتے گا تو وہ اس پر غالب آجائے گا ، پس تم اعتدال سے کام کرو، اگرکوئی عمل مکمل طور پر نہ کرسکوتو قریب قریب ضرور کرو،عبادت کے اجر وثواب پر خوش ہوجاؤ ،اور صبح کے وقت اور شام کے وقت اور رات کے آخری حصہ میں عبادت کر کے اللہ تعالی سے مدد طلب کرو)۔

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جو بھی شخص دینی امور میں بے جا تعمق سے کام لے گا اور نرمی وآسانی کو چھوڑ دے گا تو وہ عاجز ہوجائے گا، وہ ان سے الگ ہوجائے گا پس وہ اس پر غالب آجائے گا.ابن المنذر نے کہا ہے: یہ حدیث اعلام نبوت میں سے ایک ہے، ہم نے اور ہم سے پہلے کے لوگوں نے دیکھا ہے کہ دین میں تشدد سے کام لینے والا ہر شخص اس سے الگ ہوجاتا ہے، اور اس سے مراد عبادت میں اکمل طریقہ تلاش کرنے کی ممانعت نہیں ہے، یہ تو لائق ستائش امر ہے، بلکہ اس سے مراد اس افراط سے منع کرنا ہے جو باعث ملل ہو، یا نفل میں مبالغہ کرنے سے منع کرنا ہے جو ترک افضل کا سبب بنے)474.

۳۔اور نبی ﷺ نے جب معاذ اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا تو ان دونوں سے کہا:(**يَسِّـــــرَا وَلَا تُعَسِّرَا ، وَ بَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا ، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا**)475.

(یعنی:تم دونوں آسانی کرنا سختی نہ کرنا، اور بشارت دینا نفرت نہ دلانا، اور دونوں ایک دوسرے کی اطاعت کرنا اختلاف نہ کرنا)۔

۴۔انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:(**يَسِّــرُوا وَلَا تُـعَسِّـرُوا ، وَ**

473.البخاری،(23/1)،(ح39).

474فتح الباری،(94/1) .

475.البخاری،(1104/3)،(ح2873)؛ومسلم،(1359/3)،(ح1733).

بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا)476.

(یعنی: تم لوگ آسانی کرو، سختی نہ کرو، اور خوشخبری سناؤ نفرت نہ دلاؤ)۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: (**مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بين أَمْرَيْنِ قَطُّ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا ، مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا**) 477.

(رسول اللہ ﷺ کو کبھی دو چیزوں کے درمیان اختیار نہیں دیا گیا مگر آپ نے ان میں سے آسان کو اختیار کیا، بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو)۔

٦۔اور نبی ﷺ کا قول ہے: (**إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ ، إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ ، إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ**)478 .

(یعنی: تمہارا بہترین دین اس کا آسان حصہ ہے، تمہارا بہترین دین اس کا آسان حصہ ہے، تمہارا بہترین دین اس کا آسان حصہ ہے)۔

٧۔اور نبی ﷺ کا قول ہے: (**إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ رَضِيَ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ الْيُسْرَ ، وَكَرِهَ لَهَا الْعُسْرَ**) **قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.** 479

(یعنی: بے شک اللہ تعالی نے اس امت کے لئے آسانی کو پسند کیا ہے اور اس کے لئے سختی کو ناپسند کیا ہے) اس کو تین بار فرمایا۔

آپ ﷺ کی رسالت میں تیسیر کی قسمیں: رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں غور کرنے والا اس میں تین طرح کی تیسیر کا مشاہدہ کرتا ہے:

١۔اصلی تیسیر۔

---

476. البخاری، (38/1)، (ح69).

477. البخاری، (2269/5)، (ح5775)؛ ومسلم، (1813/4)، (ح2327).

478. مسند احمد، (23/5)، (ح20364)؛ والبخاری فی (الادب المفرد)، (ص124). اور البانی نے اس کو (صحیح الأدب المفرد)، (ص138)، (ح260) میں حسن کہا ہے.

479. مسند الحارث، (343/1)، (ح237). اور البانی نے اس کو (الجامع الصغیر)، (265/1)، (ح2650) میں صحیح کہا ہے.

۲۔عارضی وجہ سے تیسیر۔

۳۔تدارک کے لئے تیسیر۔

پہلی قسم:اصلی تیسیر: رسالت محمدیہ میں یہی اصل ہے،ابتداء سے ہی اس کے تمام احکام میں تخفیف اور تیسیر کمیت،نوع اور شرائط کے اعتبار سے موجود رہی ہے۔

اصلی تیسیر کی صورتیں480:

أ۔احکام شریعت کے ادراک میں تیسیر:

اس نوع کی واضح ترین مثالوں میں سے قرآن کا سات حروف پر نازل ہونا ہے:

نبی ﷺ کا قول ہے:(**إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ ؛ فاقرؤوا ما تَيَسَّرَ مِنْهُ**)481.

(یعنی:قرآن کو سات حروف پر نازل کیا گیا ہے،لہذا ان میں سے جو آسان لگے اسے پڑھو)۔

اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ بنوغفار کے اضاۃ482(کنویں) کے پاس تھے،وہ کہتے ہیں:اس درمیان جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اور کہا:اللہ تعالی آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت ایک حرف پر قرآن پڑھے،نبی ﷺ نے فرمایا:(میں اللہ تعالی سے معافی ومغفرت طلب کرتا ہوں،میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی)،پھر وہ آپ کے پاس دوسری بار آئے اور کہا:اللہ تعالی آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت دو حرف پر قرآن پڑھے،نبی ﷺ نے فرمایا:(میں اللہ تعالی سے معافی ومغفرت طلب کرتا ہوں،میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی) پھر وہ آپ کے پاس تیسری بار آئے اور کہا:اللہ تعالی آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت تین حرف پر قرآن پڑھے،نبی ﷺ نے فرمایا:(میں اللہ تعالی سے معافی ومغفرت طلب کرتا ہوں،میری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی) پھر وہ آپ کے پاس چوتھی بار آئے اور کہا:اللہ تعالی آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی امت سات حرف پر قرآن پڑھے،ان میں سے جس حرف پر وہ پڑھیں گے درست پڑھیں گے483.

480.دیکھئے:الوسطیہ فی السنۃ النبویہ ،دعقیلہ حسین(ص169-171).

481.البخاری،(851/2)،ح4754).

482.**اضَاءَةِ بَنِي غِفَار**:أضاءة:کنویں کی طرح کا صاف چشمہ.کشف المشکل،(70/2).

483 مسلم،(562/1)،(ح821).

اور ایک روایت میں ہے: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام سے ملے اور فرمایا: اے جبریل! میں اَن پڑھ امت کی طرف بھیجا گیا ہوں، ان میں بوڑھے ہیں، بڑے عمر رسیدہ ہیں، چھوٹے بچے اور بچیاں ہیں اور ایسا شخص ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی) جبریل نے کہا: اے محمد! بے شک قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے 484.

(محقق ابن الجوزی رحمہ اللہ نے کہا ہے: قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے کا سبب اس امت کے لئے تخفیف ہے، اس کے ساتھ آسانی کرنے کا ارادہ اور اس پر قرآن کو آسان بنانا ہے، اس کے شرف کے اظہار اور وسعت و رحمت کی خاطر اور اس کے فضل کے بیان کی خاطر... اور اس سے قبل کتاب ایک باب اور ایک حرف پر نازل ہوا کرتی تھی، کیونکہ انبیاء۔علیہم الصلاۃ والسلام۔اپنی اپنی مخصوص قوم میں بھیجے جاتے تھے، اس کے بر خلاف نبی ﷺ تمام سرخ و سیاہ اور عربی و عجمی انسانوں کی طرف بھیجے گئے تھے، اور عرب قوم۔جس کی زبان میں قرآن نازل ہوا تھا۔کے لہجات اور زبانیں مختلف تھیں، ان میں سے ہر کسی کے لئے اپنی زبان سے دوسری زبان کی طرف یا ایک حرف سے دوسرے حرف کی طرف منتقل ہونا دشوار تھا... اگر ان کو اپنی زبان سے عدول کر جانے کا مکلّف بنایا جاتا تو یہ تکلیف مالا یطاق کے نوع سے ہوتا) 485.

پس تیسیر کے مظاہر میں سے معنی کا وضوح وظہور، اس کو آسانی سے پالینا اور اشتباہ والتباس کے بغیر اس کو اچھی طرح سمجھ لینا ہے، اور قرآن کا سات حروف پر نازل ہونا اس مقصد کے حصول میں مدد ومعاون ہے۔

جہاں تک سنتِ نبویہ کی بات ہے تو اس کے سستہ و آسان الفاظ کے بارے میں اور پیچیدگی و سختی سے ان کے مامون ہونے کے بارے میں مت پوچھئے، اس کی اس خصوصیت کی بنا پر اس کو پڑھنے یا سننے والا از خود اسے سمجھ لیتا ہے اور اس کے احکام کا ادراک کر لیتا ہے۔

ب۔عملی احکام میں تیسیر:

اللہ تعالی نے اس اَن پڑھ امت پر رحمت و آسانی کرتے ہوئے شرعی تکلیفی احکام کے کچھ ایسے علامات،

484. الترمذی،(194/5)،(ح2944).اور کہا ہے: (حسن صحیح)، البانی نے (صحیح سنن الترمذی)،(176/3)،(ح2944) میں ان کی موافقت کیا ہے.

485. مناہل العرفان فی علوم القرآن،(103/1).

شروط، اسباب اور علل مقرر کردئے ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں، تاکہ تمام لوگوں کے لئے ان کے علمی معیار و مستوی کے اختلاف کے باوجود ان کا ادراک آسان ہو، جیسے کہ نماز کے اوقات ہیں، روزہ اور مناسک حج کو منضبط کرنے کے لئے دخول وخروج کے اعتبار سے مہینوں کی تعداد ہے، عورتوں کی عدت، اور مدت والے قرض اور عقود وغیرہ ہیں۔

شاطبی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (شریعت نے ہم سے منازل میں چاند کے ساتھ سورج کی گردش کا حساب لگانے کا مطالبہ نہیں کیا، کیونکہ اس کا چلن عربوں میں نہ تھا اور نہ ہی یہ ان کے علوم میں سے تھا، نیز یہ نہایت باریک معاملہ تھا جس تک رسائی حاصل کرنا مشکل تھا، اسی طرح شارع نے غلبۂ ظن کو ہمارے لئے احکام میں یقین کا قائم مقام قرار دیا، جاہل کو معذور قرار دیتے ہوئے اس سے گناہ کو ساقط قرار دیا، اس نے خطا کو درگذر کر دیا، نیز ان کے علاوہ بھی جمہور کے لئے بہت سے مشترک امور ہیں)486.

ان عملی احکام کی توضیح سنت نبویہ نے انجام دی ہے، چنانچہ اس نے ہمارے لئے بڑی باریکی کے ساتھ نماز کے اوقات واحکام اور اس کے آداب کو بیان کیا ہے، اس کے علاوہ اس نے روزہ، زکاۃ اور حج جیسی عام عبادتوں کے احکام سے بھی ہمیں روشناس کرایا ہے، اسی طرح اس نے معاملات کو بھی پوری طرح واضح کر دیا ہے، اس کے لئے اس نے بالکل آسان و عام فہم اسلوب اختیار کیا ہے، یہ ہمارے نبی کریم ﷺ ہیں جو حج کے بارے میں فرماتے ہیں: (تم لوگ اپنے مناسک کو سیکھ لو، مجھے پتہ نہیں کہ میں اپنے اس حج کے بعد دوبارہ حج کر سکوں گا یا نہیں)487۔ اور یہی وہ حج ہے جس نے جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث کے ذریعہ ہمارے لئے نبی ﷺ کی صفت حج کو نقل کیا ہے، تاکہ سالہا سال بلکہ صدیوں تک یہاں تک کہ اللہ تعالی دنیا اور اس کی ساری چیزوں کو اپنے قبضہ میں لے لے، وہ نبی ﷺ کے اتباع کے لئے اس امر کی شاہد رہے کہ شرعی احکام کی تشریع وتعلیم میں سنت نبویہ نے تسہیل وتیسیر کو کس قدر اہمیت دیا ہے، اسی طرح شریعت کے تمام فروع میں نبی کریم ﷺ نے جملہ احکام کو اپنے اتباع کے لئے آسان اسلوب میں پیش فرمایا ہے، یہ مقام تفصیل کا نہیں ہے بلکہ اختصار کا ہے، ویسے کتبِ سنت اس تیسیر کے قطعی دلائل سے پُر ہیں۔

486. الموافقات فی اصول الشریعۃ، (90/2).

ج۔احکام شرعیہ کی تشریع میں تدرج:

احکامِ شرعیہ کے تدرج کی واضح ترین مثالوں میں سے ایک لوگوں کی آسانی اور سہولت کے پیش نظر قرآن کا تھوڑا تھوڑا کر کے جستہ جستہ تیئس سالوں میں نازل ہونا ہے، یہ چیز قرآن کے خطاب اور سنتِ نبویہ کے بیان سے واضح ہے، چنانچہ مکی دور کی آیتوں میں توحید کے

مسائل، شرک کی نفی، اثباتِ نبوت وآخرت، اور جزاء وعقاب کو جگہ دی گئی ہے، اور شرک میں غرق اس فترہ کے لوگوں کی حالت کے مناسب بھی یہی تھا، مکی دور میں فروعی احکام کی تشریع عمل میں نہیں آئی سوائے چند احکام کے، اس کے برخلاف مدنی دور کے لوگوں کی مختلف حالت کے پیش نظر تشریعِ احکام کا معاملہ مختلف نظر آتا ہے، اور اس دور میں تمام گوشۂ حیات، سارے احوال اور جملہ اوامر ونواہی پر محیط ومشتمل شریعت وجود میں آتی ہے، ان میں سے بعض احکام تدریجاً نازل ہوئے جیسے کہ سود وشراب کی حرمت ہے، اس بارے میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: (قرآن میں سے سب سے پہلے مفصل سورتوں میں سے کچھ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت وجہنم کا تذکرہ تھا، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام پر جم گئے تو حلال وحرام نازل ہوا، اگر اول امر میں ہی یہ نازل ہو جاتا کہ تم لوگ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے: ہم لوگ شراب ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اور یہ نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے: ہم لوگ زنا کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے، بلکہ مکہ کے اندر۔ جس وقت میں کھیلنے والی بچی تھی۔ محمد ﷺ پر یہ نازل ہوا: **بَلِ السّاعةُ موْعِدُهُمْ والسّاعةُ أَدْهى وَ أمرُّ** [القمر:۴۶]، سورۃ البقرۃ اور سورۃ النساء اس وقت نازل ہوئی جب میں آپ کے پاس تھی) 488.

دوسری قسم: کسی عارضی سبب سے تیسیر: شریعت کے فروع میں اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

تیسیر کو ثابت کرنے والی چیزوں میں سے: سفر، مرض، اکراہ، نسیان، جہل، حیض، نفاس، عسر وتنگی، عموم بلوی اور نیا مسلمان ہونا ہے۔

تیسری قسم: تدارک کی خاطر تیسیر 489: اور اس سے مراد توبہ کی تشریع ہے، اور اس کی واضح صورتوں میں

487. مسلم، (943/2)، (ح1297).

488. البخاری، (1910/4)، (ح4707).

489. دیکھئے: قواعد التیسیر فی الفقہ الاسلامی، د.قطب الریسونی، مجلۃ البیان، (عدد: 233)، (محرم 1428ھ)، (ص25).

سے استغفار، کفارات، حدود اور جرمانے وغیرہ ہیں، یہ تمام صورتیں ایک جامع معنی یعنی گناہوں کی معافی اور آثام کی تطہیر وتلافی کی طرف راجع ہیں، تاکہ مکلّف ایک صاف ستھری زندگی کا از سرنو آغاز کر سکے، اس پر ماضی کی غلطیوں کا سایہ نہ ہو، یا اسے بُرے انجام اور مستقبل کے حساب کا خوف نہ ستائے۔

اور جب توبہ کی جملہ شرائط کا لحاظ کیا جائے تو گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہو جاتا ہے جیسے کہ اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو، توبہ گناہ کو دھو دیتی ہے اور نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اگر چہ وہ آسمان کی اونچائی تک ہوں۔

اور تیسیر بغرض تدارک کی مثالوں میں سے کفارات بھی ہیں، یہ نواقص کو دور کرنے والے، ذنوب پر پردہ ڈالنے والے اور گناہ کے بوجھ سے چھٹکارا دلانے والے ہیں۔

آپ ﷺ کی رسالت میں تیسیر کے مظاہر 490. نبی ﷺ کی رسالت میں تیسیر کے مختلف ومتنوع مظاہر ہیں جو زندگی کے تمام گوشوں کو شامل ہیں، یہاں ہم عقیدہ وعبادت میں تیسیر کے بیان پر اکتفا کر رہے ہیں، اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

ا۔عقیدہ میں تیسیر:

قرآن کریم میں عقائد سے متعلق آیتوں کے اندر غور کرنے والا، اسی طرح عقیدہ سے متعلق احادیث میں غور کرنے والا اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ اسلامی عقیدہ نہایت آسان وسہل ہے، پیچیدگی اور اغراب واضطراب سے دور ہے، وہ بیک وقت قلب اور عقل دونوں کو مخاطب کرتا ہے، فطرت وروح کو تازگی بخشتا ہے، اس کے لئے نفس تڑپتا ہے اور کان اسے سننے کے مشتاق ہوتے ہیں، کیونکہ وہ انسانی فطرت کے موافق ہے، اسے کوئی بھی انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے، جیسے ہی وہ اپنا کان کھولتا ہے وہ اس کے اندر اتر جاتا ہے اس کے لئے اسے کسی توضیح وبیان کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اسے کسی ترجمان کی بھی ضرورت نہیں ہوتی، یہ اللہ سبحانہ کی طرف سے توحید وعقیدہ کے مسائل کو آسان وسہل بنائے جانے کی وجہ سے ہے جو رب سبحانہ وتعالی کے تعلق سے اس کے بندوں پر عائد واجبات میں سے سب سے بڑا فریضہ ہے، اور اس کے دروازے پر حاضری دینے اور اس کے دین میں داخل ہونے کے لئے پہلا قدم بھی ہے، سنت سے اس کی مثال وہ حدیث ہے جو حدیث جبریل سے مشہور ہے جس نے

490. دیکھئے: خصائص النبی محمد ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء (ص69-71).

اسلام وایمان کو بیان کرتے ہوئے دین کے ارکان کی تحدید کی ہے 491،اس حدیث میں آپ آسان کلمہ، پر کشش عبارت، اور معنی کی وضاحت پائیں گے، جس میں اشتباہ وتکلف کا نام ونشان نہیں اور نہ اس میں مسجع عبارت ہے، لہذا سامع اس کو بآسانی طیبِ خاطر اور فہم تام کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

۲۔عبادات میں تیسیر:

عبادتوں کے اندر تیسیر کے مظاہر میں سے:

أ۔عبادتوں کی ادائیگی کی کیفیت میں تیسیر ہے؛ جیسے کہ نماز، روزہ اور حج وغیرہ کی ادائیگی۔

ب۔عبادتوں کی ادائیگی کی جگہوں میں تیسیر؛ خاص کر وضو اور نماز کی ادائیگی ہے، اور یہ وہ فریضہ ہے جو دن میں پانچ بار ادا کیا جاتا ہے، اس سلسلے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: (**أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي**) **وذكر منها: (وَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُورًا ؛ فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاة فَلْيُصَلِّ**)492.

(یعنی: مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نہیں دی گئیں) اور ان میں سے اس کو بیان فرمایا: (اور میرے لئے زمین کو

مسجد اور پاک بنا دیا گیا، پس میری امت کے جس آدمی جہاں بھی نماز پالے اسے چاہئے کہ وہاں اس کو پڑھ لے)۔

سابقہ قومیں اپنے کنائس اور اماکنِ عبادت میں ہی نماز پڑھا کرتی تھیں493؛ اس کے بارے میں نبی ﷺ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے: (**وَ جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسَاجِدَ وَ طَهُورًا ، أَيْنَمَا أَدْرَكَتْنِي الصَّلاةُ تَمَسَّحْتُ 494 وَصَلَّيْتُ ، وَكَانَ مَنْ قَبْلِي يُعَظِّمُونَ ذَلِكَ ، إِنَّمَا كَانُوا يُصَلُّونَ فِي كَنَائِسِهِمْ وَبِيَعِهِمْ**)495.

---

491. مسلم، (37/1)، (ح8).

492. البخاری، (128/1)، (ح328).

493. دیکھئے: شرح السنة، (412/2).

494. (**تمسّحتُ**): یعنی: تیمّم کروں گا، دیکھئے: الفتح الربانی، (188/2).

495. مسند احمد، (222/2)، (ح7068). اور البانی نے اس کو (صحیح الترغیب والترھیب)، (237/3)، (ح3634) میں حسن کہا ہے

(یعنی: میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، مجھے جہاں بھی نماز پالے گی وہاں میں تیمّم کرلوں گا اور نماز پڑھ لوں گا، مجھ سے پہلے جو لوگ تھے وہ اس کو بڑا اہم مسئلہ سمجھتے تھے، وہ اپنے کنائس اور مقاماتِ عبادت میں ہی نماز پڑھا کرتے تھے)۔

ج۔عبادتوں کی ادائیگی کے اوقات میں تیسیر؛ عبادتوں کی ادائیگی کے لئے وقت کو وسیع کئے جانے اور اس کے بعد حالت اضطرار میں قضاء کئے جانے کی بات ہے۔

د۔جنگوں میں غنائم کو حلال کیا جانا؛ نبی ﷺ کا قول ہے: **(وَأُحِلَّتْ لِيَ الْمَغَانِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي)**496۔(یعنی: میرے لئے غنائم کو حلال بنایا گیا جب کہ مجھ سے قبل وہ کسی کے لئے حلال نہیں رہے)۔

سابقہ امتوں میں غنائم کبھی حلال نہیں رہے اس لئے کہ وہ قومیں اللہ تعالی کے لئے نذرانہ پیش کیا کرتی تھیں، اگر اسے قبول کرلیا جاتا تو ایک آگ آتی اور غنائم کو جلا کر راکھ کر دیتی، اور اگر قبول نہ کیا جاتا تو وہ اپنی حالت پر باقی رہتے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان غنائم میں غلول 497 یعنی خیانت کی جاتی تھی لہذا اسے اس وقت تک قبول نہ کیا جاتا تھا جب تک خیانت کرنے والا ظاہر نہ ہوجاتا اور چرائے گئے مال کو وہ واپس نہ کر دیتا498.

ھ۔عذر والوں کے لئے شرعی رخصتیں اور تخفیفات؛ جیسے کہ بیماروں اور عمر رسیدہ لوگوں کو دی جانے والی رخصتیں ہیں، شرعی رخصتوں میں سے کسی مکمل شرعی عبادت کو معاف کر دیا جانا ہے جیسے کہ عدم استطاعت کی صورت میں حج کا ساقط ہونا، اور حائض ونفساء پر سے نماز کی فرضیت کا ساقط ہونا ہے، اسی طرح شرعی عبادت کے ایک حصہ کو معاف کر دینا بھی رخصت ہے، جیسے کہ حالتِ سفر میں نماز قصر کرنا اور جمع کرنا اور وضو کے بدلے تیمّم کرنا، نیز شارع نے عبادت کے اندر تخفیف کو مشروع کیا ہے جیسے کہ بیماری کی حالت میں حسب استطاعت بیٹھ کر اور لیٹ کر اور اشارہ سے نماز پڑھنا، اسی طرح شارع نے مریض، مسافر، حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت کے لئے رمضان میں روزہ چھوڑ دینے کو مشروع قرار دیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: **(إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتَى مَعْصِيَتُهُ)**499.

---

496. البخاری، (128/1)، (ح328).

497. **(الغلول)**: غنائم سے چرانا اور خیانت کرنا، دیکھئے: فتح الباری، (223/6).

498. دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (52/12).

499. مسند احمد، (108/2)، (ح5866). اور البانی نے اس کو (ارواء الغلیل)، (9/3)، میں صحیح قرار دیا ہے.

(یعنی: اللہ تعالی اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جس طرح وہ اس کو نا پسند کرتا ہے کہ اس کی معصیت کے کاموں کو کیا جائے)، نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (**إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى رُخَصُهُ، كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتَى عَزَائِمُهُ**)500، (یعنی: اللہ تعالی اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے، جس طرح وہ اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے عزائم پر عمل کیا جائے)

آپ ﷺ نے صحابۂ کرام پر مہربانی کرتے اور آسانی فرماتے ہوئے انہیں روزہ میں وصال سے منع فرمایا، اسی طرح آپ نے آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے لئے بجلد افطار کرنے اور تاخیر سے سحری کھانے کو مستحب قرار دیا۔

و۔ان فقہی قواعد میں تیسیر جن پر احکام کی بنیاد ڈالی جاتی ہے، اور اس کی نمائندہ مثالوں میں سے یہ ہیں 501.

- **الضرورات تبيح المحظورات** (یعنی: ضرورتیں حرام چیزوں کو حلال بنا دیتی ہیں)۔
- **المشقة تجلب التيسير** (یعنی: مشقت اپنے ساتھ آسانی لاتی ہے)۔
- **إذا ضاق الأمر اتَّسع** (یعنی: جب معاملہ تنگ ہوجائے تو کشادہ ہوجاتا ہے)۔
- **الأصل في الأشياء الإباحة** (یعنی: اشیاء اصلاً مباح ہوتی ہیں)۔
- **درء المفاسد مقدَّم على جلب المصالح** (یعنی: مفاسد کا دفعیہ مصالح کے حصول پر مقدم ہے)

نبی ﷺ کی رسالت میں تیسیر کے تقاضے 502:

نبی ﷺ کی رسالت میں تیسیر کے بعض تقاضے یہ ہیں:

ا۔انسان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ رسالتِ محمدیہ جیسی رسالت پیش کر سکے جو تمام لوگوں کے لئے ہر پہلو سے نہایت آسان ہے، عقائد، عبادت اور سلوک وغیرہ کے لحاظ سے، اور جو قیامت تک ہر زمان ومکان کے لائق ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ رسالت اللہ تعالی کی جانب سے وحی کردہ ہے، ایک کمزور اور ناقص انسان

500. صحیح ابن حبان، (69/2)، (ح354). اور البانی نے اس کو (الجامع الصغیر)، (277/1)، ح2766) میں صحیح کہا ہے.
501. دیکھئے: اعلام الموقعین عن رب العالمین، (50/4) اور اس کے بعد کے صفحات.
502. دیکھئے: خصائص النبی محمد ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء، (ص72-73).

کے لئے اس کا ادنی حصہ لانا بھی ممکن نہیں ہے۔

۲۔نبی ﷺ کی رسالت میں تیسیر امت محمدیہ پر اللہ تعالی کی کمال رحمت کی دلیل ہے، اللہ تعالی کے اس قول کے مصداق: **وَ مَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَٰلَمِيْنَ**[الأنبياء :۱۰۷]۔

۳۔آپ کی رسالت کی آسانی اللہ تعالی کے نزدیک آپ کی عظیم قدرومنزلت کی دلیل ہے۔

۴۔رسالتِ محمدیہ قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کرنے پر قادر ہے، اس لئے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ واضح، سہل، آسان اور لوگوں کی فطرت وعقل کے موافق ہے اور وہ شدت وسختی سے پاک ہے، نیز اس میں اس کی علیت کی دلیل بھی موجود ہے۔

۵۔فطرت وعقل کے موافق اس تیسیر کی وجہ سے دنیا کے بڑے خطے میں اسلام کا انتشار اور اس میں داخل ہونے کے بعد اس سے دستبردار ہونے کا عدم امکان۔

۶۔رسالتِ محمدیہ کی آسانی نے مسلمانوں پر گہرا اثر ڈالا چنانچہ ان کے اخلاق اور معاملات اس کے رنگ سے شرابور ہو گئے، اور وہ جہالت اور شریعت کے عدمِ فہم سے پیدا تشدد سے دور رہے۔

۷۔بلاحرج شرعی رخصتوں کا استعمال کرنا، اس لئے کہ اللہ تعالی اسی طرح رخصتوں کو پسند کرتا ہے جس طرح وہ عزائم والے اعمال کو پسند کرتا ہے، سبھوں کو مقرر کرنے والا وہی ہے(**قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ**)[النساء :۷۸]۔

۸۔شریعتِ محمدیہ میں یہ تیسیر اللہ تعالی کی طرف سے ایک بدلہ ہے، اس کا کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء ورسل پر فضیلت عطا کیا ہے، اور اس کا کہ امتِ محمدیہ نے بلا کسی تردد وہچکچاہٹ کے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو قبول کیا **وَ قَالُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا** [البقرة :۲۸۵]، بنی اسرائیل کے برخلاف جنہوں نے اللہ تعالی کے اوامر کی تنفیذ میں تردد کا اظہار کیا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی **قَالُوا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا** [البقرة :۹۳] ، اور اگر انہوں نے کبھی اللہ کے اوامر کو نافذ کیا تو ایسے جیسے انہیں اس پر مجبور کیا گیا ہو، اور بسا اوقات انہوں نے اپنے اوپر سختی کی لہذا اللہ تعالی نے بھی ان پر سختی کر دی اور انہیں اصر واغلال کے ذریعہ سزا دی۔

دوسرا مبحث

رفعِ حرج

"رفع حرج" کی تعریف:

لغت میں "رفع حرج" کا معنی ازالہ، یا اسقاط، یا حرج میں واقع ہونے والے شخص سے تنگی وگناہ وحرمت کو درگذر کرنا ہے503

اصطلاحاً: وہ (ایک ایسا قاعدہ ہے جس سے عفو، ازالۂ ضیق، یا ازالۂ مشقت، یا ازلۂ گناہ، یا شرعی تکالیف میں مکلّف مسلمان کے ضرر میں واقع ہونے یا اس میں واقع ہونے کے اندیشے کو دور کرنے کے لئے استدلال کیا جاتا ہے، شرعی اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے)504.

رفعِ حرج پر گفتگو دو مطالب پر مشتمل ہوگی:

پہلا مطلب: رفعِ حرج کے دلائل۔

دوسرا مطلب: سنت نبویہ میں رفعِ حرج کے اسباب۔

503. تھذیب اللغۃ، (84/4)؛ المحکم والمحیط الأعظم، (70/3).

504. رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، عاطف احمد محفوظ. اور دیکھئے: الموافقات، (198/4).

پہلا مطلب

رفعِ حرج کے دلائل

رسالتِ محمد یہ میں رفع حرج کے دلائل حسب ذیل ہیں:

ا۔اللہ تعالی کا قول ہے: (**الَّذِيْنَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِى يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ 505 وَالأَغْلٰل 506الَّتِى كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِى أُنْزِلَ مَعَهُ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ**)[الأعراف : ۱۵۷]

(ترجمہ: جولوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں، اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں، اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں، اوران سے ان کے بوجھ اور طوق کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں اوران کی حمایت کرتے ہیں اوران کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کی اتباع کرتے ہیں جوان کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)۔

تورات وانجیل میں وارد نبی ﷺ کی اور آپ کی رسالتِ مبارکہ کی یہی صفات ہیں، ان کا ذکر ان کتابوں میں اس لئے کیا گیا ہے تاکہ وہ بعثت کے بعد نبی ﷺ کے منہج کی پیروی پر اہل کتاب کو آمادہ کریں، آپ کی رسالت نے ان کے بوجھ اوران کی پریشانیوں کا خاتمہ کیا اور اپنے انبیاء کے منہج سے دوری کی وجہ سے ان پر جو مشقت و حرج لکھ دیا گیا تھا ان کا ازالہ کیا507

505.(**الإصر**): وہ ثقل اور شدت جو آدمی کو حرکت کرنے سے روک دے۔ دیکھئے: مفردات القرآن، للأصفھانی (ص385).

506.(**الأغلال**) : بندشیں، دیکھئے: تفسیر ابن کثیر، (255/2).

507. دیکھئے: تفسیر السعدی، (305/1).

۲۔اللہ تعالی کا قول ہے: (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِيْنَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ)[البقرة : ۲۸۶]۔

(ترجمہ:اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا،اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا،اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہم سے درگذر فرما اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر،تو ہی ہمارا مالک ہے،ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما)۔

اللہ تعالی نے امتِ محمدیہ کو ہدایت دی ہے کہ وہ یہ دعا مانگیں تاکہ جو ثقل و مشقت سابقہ امتوں کو لاحق ہوئی ہے وہ ان کو لاحق نہ ہو،اور اللہ نے ان کی دعا کو قبول کرلیا،ان سے مشقت کا ازالہ کردیا اور ان کے دین کو قیامت تک کے لئے سہل و آسان بنادیا508.

سنتِ نبویہ میں رفعِ حرج کے دلائل:

سنت نبویہ کے اندر ایسی بے شمار اور متنوع دلیلیں ہیں جو صراحتاً یا اشارتاً ''رفعِ حرج'' کی طرف اشارہ کرتی ہیں،ان میں سے بعض عام کلی دلائل ہیں اور بعض خاص جزئی دلائل ہیں:

عام کلی دلائل:

۱۔عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(رُفِعَ الْقَلَمُ عن ثَلاثَةٍ : عن النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ ، وَ عَنِ الصَّغِيرِ حَتَّى يَكْبَرَ ، وَ عَنِ الْمَجْنُونِ حتى يَعْقِلَ ، أو يُفِيقَ) قال أبو بكر 509 في حديثه: (وَعَنِ الْمُبْتَلَى حتى يَبْرَأَ)510.

(یعنی: تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں: سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہوجائے، بچہ یہاں تک کہ بڑا ہوجائے،اور پاگل یہاں تک کہ سمجھدار ہوجائے، یا ہوش میں آجائے) ابوبکر نے اپنی حدیث میں کہا ہے:(اور مجنون یہاں تک کہ صحت مند ہوجائے)۔

---

508. دیکھئے: تفسیر ابن کثیر،(350/2).

509. وہ ابن ماجہ کے مشائخ میں سے ایک ابوبکر بن ابی شیبہ ہیں.

510. ابن ماجہ،(658/1)،(ح 2041).اور البانی نے اس کو(صحیح سنن ابن ماجہ)،(178/2)،(ح 1673) میں صحیح کہا ہے.

وجہِ دلالت: ان لوگوں سے حرج کا ازالہ ہے، لہذا وہ شرعی مخالفت پر پکڑے نہیں جائیں گے، اسلئے کہ نیند سونے والے کے ارادہ کو سلب کرلیتی ہے، اور بچہ نقص کی بنا پر مکلّف نہیں ہوتا، اور مجنون عقل کو زائل کردینے والی بیماری کی وجہ سے مکلّف نہیں ہوتا۔

۲۔ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ اللَّـهَ تَـجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَ النِّسْيَانَ ، وَمَااسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ**)511.

(یعنی: اللہ تعالی نے میری امت سے خطا ونسیان اور جبراً کرائے جانے والے فعل کو درگذر کردیا ہے)۔

۳۔ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**إِنَّ اللَّـهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَ النِّسْيَانَ ، وَمَااسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ**)512.

(یعنی: اللہ تعالی نے میری امت سے خطا ونسیان اور جبراً کرائے جانے والے فعل کو معاف کردیا ہے)۔

۴۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**إِنَّ اللَّـهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا ، مَا لَمْ تَعْمَلْ ، أَوْ تَتَكَلَّمْ**) قال قَتَادَةُ : إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيسَ بِشَيْءٍ**513**.

(یعنی: اللہ تعالی نے میری امت سے اس خیال کو معاف کردیا ہے جو ان کے دل میں ظاہر ہو، جب تک کہ اس پر عمل نہ کرلے، یا بول نہ دے) قتادہ نے کہا ہے: اگر کوئی اپنے دل میں طلاق دے تو کچھ واقع نہ ہوگا۔

اور ایک روایت میں ہے: (**إِنَّ اللَّـهَ تَـجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي مَا وَسْوَسَتْ بِهِ صُدُورَهَا، مَالَمْ تَعْمَلْ، أَوْ تَكَلَّمْ**)514.

(یعنی: اللہ تعالی نے میری خاطر میری امت سے اس کو درگذر کردیا ہے جو ان کے دلوں میں پیدا ہو، جب تک کہ اس پر عمل نہ کرلے یا بول نہ دے)۔

وجہِ دلالت: دل میں پیدا ہونے والا خیال ایسی مشقت ہے جس کی آدمی طاقت نہیں رکھتا، لہذا اللہ تعالی

---

511. ابن ماجہ، (659/1)، (ح2043). اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجہ)، (178/2)، (ح1675) میں صحیح کہا ہے.

512. ابن ماجہ، (659/1)، (ح2045). اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجہ)، (179/2)، (1677) میں صحیح کہا ہے.

513. البخاری، اور لفظ انہی کا ہے، (2020/5)، (ح4968)؛ ومسلم، (116/1)، (ح127).

514. البخاری، (894/2)، (ح2391).

نے مکلّف سے حرج کا ازالہ کیا ہے اور اس پر بندے کا مؤاخذہ نہیں کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں ہے: (**رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا**)[البقرة:٢٨٦].

خاص جزئی دلائل:

۵۔عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**لاَ طَلَاقَ وَ لاَ عَتَاقَ فِي إِغْلَاقِ** 515)516.

(یعنی: اغلاق (اکراہ، غضب، جنون) میں دی جانے والی طلاق، اور آزادی نافذ نہیں)۔

۶۔ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا ، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي ؛ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ**) 517.

(یعنی: میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس کو طول دوں، اس اثناء میں میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں، پس میں اپنی نماز میں تیزی لے آتا ہوں، اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ اس کی ماں کو مشقت میں ڈالوں)۔

۷۔ابومسعود الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں کے لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے میں نماز کو پانے کی ہمت نہیں کرتا، پس میں نے نبی ﷺ کو کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غصّہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ نے فرمایا: (**أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّكُمْ مُنَفِّرُون، فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّف؛ فَإِنَّ فِيهِمْ الْمَرِيض، وَالضَّعِيف،وَ ذَالْحَاجَة**) 518.

(اے لوگو! تم لوگ نفرت دلانے والے ہو، تم میں سے جو نماز پڑھائے وہ ہلکی نماز پڑھائے، اس لئے کہ نمازیوں میں مریض، ضعیف، اور ضرورت مند ہوتے ہیں)۔

---

515. (**في اغلاق**): اغلاق کا معنی اکراہ، غضب، جنون اور ہر وہ معاملہ ہے جس کا علم وارادہ آدمی پر مسدود ہو جائے، یہ غلق الباب (دروازہ کا بند ہونا) سے ماخوذ ہے، دیکھئے: شرح صحیح البخاری، لابن بطال (137/6).

516. ابن ماجہ، (600/1)، (2046). اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجہ)، (179/2)، (1678) میں صحیح کہا ہے.

517. البخاری، (250/1)، (ح675).

518. البخاری، (46/1)، (ح90).

۸۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ ، فَإِنَّ مِنْهُمْ الضَّعِيفَ ، وَالسَّقِيْمَ ، وَالْكَبِيرَ ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ**)519.

(یعنی: جب تم میں کا کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی نماز پڑھائے، کیونکہ ان میں ضعیف، بیمار، اور بوڑھے ہوتے ہیں، اور جب وہ اکیلے نماز پڑھے تو جس قدر طویل نماز پڑھنا چاہے پڑھے)۔

وجہِ دلالت: نبی ﷺ نے نماز پڑھانے والے کو ہلکی نماز پڑھانے کا حکم دیا ہے، حرج ومشقت کے ازالہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جو حرج عدمِ قدرت، یا ضعف، یا بوڑھاپا، یا بیماری، یا ضرورت، یا مشغولیت کی وجہ سے پیش آتی ہے۔

۹۔ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا منادی بارش کی رات میں، یا سرد ہواؤں والی سردی کی رات میں یہ اعلان کرتا: (تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو)520.

وجہِ دلالت: رسول اللہ ﷺ نے اپنی اصحابِ کرام سے حرج کی نفی فرمائی ہے، اور انہیں اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے بارش اور سخت ہواؤں سے ضرر لاحق ہونے کے اندیشے کی بنا پر۔

---

519. البخاری، اور لفظ انہی کا ہے، (248/1)، (ح 671)؛ ومسلم، (341/1)، (ح 467).

520. ابن ماجہ، (302/1)، (937). اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجہ)، (281/1)، (774) میں صحیح کہا ہے.

دوسرا مطلب

سنتِ نبویہ میں رفع حرج کے اسباب

رخصتوں، تخفیفات اور تیسیرات کے احکام پر مشتمل سنن نبویہ ۔قولیہ وفعلیہ ۔ کے نصوص میں غور کرنے والا یہ پاتا ہے کہ ان میں سے بہت سی سنتوں نے ان اسباب واعذار کو بیان کیا ہے جو ان احکام کے ذمہ دار ہیں، اسی طرح وہ بہت سارے مقامات پر یہ بھی پاتا ہے کہ ان احکام کا دارو مدار رفعِ حرج کے قاعدہ پر ہے، ان سنتوں میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند بنت عتبہ بن ربیعہ آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بخیل شخص ہیں، تو کیا میرے لئے اس میں کوئی حرج ہے کہ اپنے عیال کو ان کے مال سے (ان کی اجازت کے بغیر) کھلاؤں؟ آپ نے ان سے فرمایا: (اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم معروف کے ساتھ ان کو کھلاؤ) 521.

۲۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ لوگوں کے سوالوں کا جواب دینے کے لئے منیٰ میں کھڑے ہوئے، پس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے جانا نہیں اور ذبح سے پہلے حلق کرالیا! آپ نے فرمایا: (ذبح کرلو، کوئی حرج نہیں ہے)، پھر دوسرا شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے جانا نہیں اور رمی سے پہلے ذبح کرلیا! آپ نے فرمایا: (رمی کرلو، کوئی حرج نہیں ہے)، راوی کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے مقدم اور مؤخر ہونے والے جس بھی فعل کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس کے جواب میں آپ نے یہی فرمایا: (اب کرلو، کوئی حرج نہیں ہے) 522.

اور ''رفعِ حرج'' کے اسباب متعدد ومتنوع ہیں؛ ان میں سے ایک اضطرار اور ضرورت ہے، ایک سبب مرض ہے، نیز سفر، مشقت اور عموم بلوی، نسیان، خطأ، جہل، نقص، ضرر، اکراہ، اور کشادگی وخاطر داری بھی اس کے اسباب میں سے ہیں، ذیل میں ان اسباب کو ان کی نمائندہ مثالوں کے ساتھ پیش کررہے ہیں:

---

521. البخاری، (2617/6)، (ح6742).

522. البخاری، (43/1)، (ح83)؛ ومسلم، (948/2)، (ح1306).

پہلا سبب: اضطرار اور ضرورت:

اضطرار اور ضرورت کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ: ایسی سخت ضرورت ہے جس کی وجہ سے صاحبِ ضرورت مکلّف مجبوراً کسی حرام فعل کو اختیار کرتا ہے، اگر وہ اس کو نہ کرے تو ضرر میں مبتلا ہو جائے اور حرج ثابت ہو جائے 523.اسی وجہ سے علمائے اصول نے اس سبب کو" الضرورات تبیح المحظورات "کے عنوان سے ایک مستقل قاعدہ کلیہ قرار دیا ہے۔

عذر" اضطرار وضرورت" کی بنا پر رفعِ حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں" اضطرار وضرورت" کے سبب پائی جانے والی رفعِ حرج کی مثالوں میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کا یہ فرمان: (اے ابوذر! پاک مٹی طہارت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اگرچہ تم دس سالوں تک پانی نہ پاؤ، جب تم پانی پالو تو اس سے اپنے چمڑے کو تر کرو)524.

وجہ دلالت: ازالۂ حرج کے لئے پانی کی عدم موجودگی یا اس کا استعمال نہ کر سکنے کی صورت میں تیمّم کو مشروع کیا جانا۔

۲۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: (رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد کو ہم مہاجرین وانصار کے ساتھ مل کر بنایا، پس جب بھیڑ شدید ہو تو تم میں کا آدمی اپنے بھائی کی پیٹھ پر سجدہ کرے)525.

وجہِ دلالت: تنگ مکانی کی بنا پر ساتھ میں نماز پڑھ رہے شخص کی پیٹھ پر سجدہ کرنے کا جواز، رفعِ حرج کے قاعدہ پر عمل کرتے ہوئے۔

دوسرا سبب: مرض وبیماری:

بیماری بدن کی وہ حالت ہے جس میں طبیعت کا اعتدال زائل ہو جاتا ہے جس کا انسان کی حرکت وقدرت پر اثر پڑتا ہے، اس کی وجہ سے وہ تکالیف کو انجام دینے کی استطاعت نہیں رکھتا، یا وہ اس کو غیر معمولی مشقت کے ساتھ ادا کرتا ہے جس میں اضافہ بھی ہو سکتا ہے، اسی بنا پر بیماری رفعِ حرج کے معتبر اسباب میں سے ایک سبب ہے 526.

523. مصدر سابق، (ص62).

524. ابوداود، (91/1)، (ح333). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (100/1)، (ح333) میں صحیح کہا ہے.

525. مسند ا(32/1)، (ح217). اور البانی نے اس کو (تمام المنۃ)، (ص341)، (ح138) میں صحیح کہا ہے.

526. دیکھئے: رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص156).

عذر ''مرض'' کی بناپررفع حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں مرض کے سبب رفعِ حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے بواسیر کی بیماری تھی، میں نے نبی ﷺ سے نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: (کھڑے کھڑے نماز پڑھ لو، اگر اس کی استطاعت نہ ہوتو بیٹھ کر پڑھو، اور اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو پہلو پر پڑھو) 527.

وجہِ دلالت: مریض سے بعض ارکان کا ساقط ہونا، وہ رفعِ حرج کی دلیل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی طاقت کے مطابق نماز ادا کرے گا۔

ابن بطال رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ حدیث فرض نماز کے بارے میں ہے، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ حسب قدرت نماز پڑھے گا، حتی کہ وہ اپنی پیٹھ یا پہلو پر لیٹ کر اشارہ سے یا جیسے بھی ممکن ہو پڑھے گا) 528.

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُذْرٍ**) 529.

(یعنی: جس نے اذان کی آواز سنی مگر مسجد نہ آیا تو اس کی نماز نہیں الا یہ کہ عذر ہو)

اور ایک روایت میں ہے: لوگوں نے دریافت کیا: عذر کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: (خوف یا بیماری) 530.

وجہِ دلالت: رفعِ حرج کی بنا پر بیماری کی وجہ سے جماعت کے وجوب اور مسجد کے لئے نکلنے کے وجوب کا ساقط ہونا۔

تیسرا سبب: سفر:

معصیت کے سوا دوسرے غرض سے مسافت طے کرنا، اس کی اقل مدت وہ ہے جو رخصت اپنانے کو یا تکالیف میں ''رفعِ حرج'' کے احکام کو اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے 531.

---

527. البخاری، (376/1)، (ح1066).

528. شرح صحیح البخاری، لابن بطال (104/3).

529. ابن ماجہ، (260/1)، (793). اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجہ)، (244/1)، (652) میں صحیح کہا ہے.

530. ابوداود، (151/1)، (551). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (164/1)، (ح 551) میں صحیح کہا ہے.

531. دیکھئے: رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص179).

عذر "سفر" کی بنا پر رفع حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں سفر کے سبب رفع حرج کی مثالوں میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ یعلیٰ بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: **وَ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا**) [النساء : ۱۰۱] (ترجمہ: جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے) مگر آج تو لوگ مامون ہیں؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے بھی اس سے تعجب ہوا تھا جس سے تمہیں تعجب ہو رہا ہے، چنانچہ میں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: (یہ ایک صدقہ ہے جو اللہ تعالی نے تم لوگوں پر کیا ہے، پس تم لوگ اس کے صدقہ کو قبول کرو) 532:

وجہِ دلالت: رفعِ حرج کی دلیل کی بنا پر مسافر کو تخفیفاً نماز قصر کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

۲۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے، آپ نے بھیڑ دیکھی اور ایک شخص کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا، آپ نے فرمایا: (یہ کون آدمی ہے؟) لوگوں نے کہا: روزہ دار آدمی ہے، آپ نے فرمایا: (سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے) 533.

وجہ دلالت: سفر سب سے ظاہر عذر ہے جس میں مشقت وتعب کا گمان زیادہ ہوتا ہے، اس لئے وہ رفعِ حرج کی دلیل کی بنا پر رخصت اور تخفیفات کا مقام ہے۔

چوتھا سبب: مشقت اور عمومِ بلوی:

مشقت: رِفق ویُسر کی ضد ہے، اور وہ مکلّف کا تکالیف اور اس کے متطلبات کے التزام کے وقت جسمانی آلام یا طاقت سے زیادہ نفسیاتی دباؤ کو برداشت کرنے کا احساس وشعور ہے، چاہے کلی طور پر ہو یا جزئی طور پر۔

اور عموم بلوی: اس مشقت کے نتیجے ہیں کیونکہ اکثر لوگوں کو پیش آنے والے امور میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے احتراز مشکل ہوتا ہے 534. اس کی مثالوں میں سے: معمولی نجاستیں ہیں جن کی تلافی پر مشقت

---

532. مسلم، (478/1)، (ح686).

533. البخاری، اور لفظ انہی کا ہے، (687/2)، (ح1844)؛ ومسلم، (786/2)، (ح1115).

534. دیکھئے: رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص197).

ہوتی ہے، اسی طرح استجمار (پاخانہ پیشاب زائل کرنے کے لئے پتھر وغیرہ استعمال کرنے) کے بعد باقی رہ جانے والی گندگی، اور دھونے کے بعد گوشت میں رہ جانے والا خون وغیرہ ہے۔

عذر ''مشقت اور عموم بلوی'' کی بنا پر رفعِ حرج کی مثالیں:

سنت نبویہ میں ''مشقت اور عموم بلوی'' کے سبب رفع حرج کی مثالوں میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ ہر نماز کے لئے وضو کیا کرتے تھے، جب فتح مکہ کا سال آیا تو آپ نے ساری نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں، اور اپنے موزوں پر مسح کیا، پس عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نے ایسا کام کیا ہے جو پہلے نہیں کرتے تھے! آپ نے فرمایا: (میں نے جان بوجھ کر اسے کیا ہے) 535، اور ایک روایت میں ہے: (عمداً میں نے کیا ہے اے عمر) 536.

وجہ دلالت: ایک سے زائد فرض نماز کا ایک وضو سے جائز ہونا، حرج ومشقت کے ازالہ کی خاطر۔

۲۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا۔ اور وہ اس وقت حائضہ تھیں: (تم اپنے بال کھول لو اور غسل کرلو) 537

اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں ایسی عورت ہوں جو اپنے سر کی چوٹیوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں، تو کیا میں غسلِ جنابت کے لئے انہیں کھولوں؟ آپ نے فرمایا: (نہیں، تمہارے لئے بس یہ کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین چلو پانی ڈال لو، پھر اپنے بدن پر پانی بہالو اس طرح تم پاک ہو جاؤ گی) 538.

وجہِ دلالت: نبی ﷺ نے غسلِ حیض میں بال کو کھولنے کا حکم فرمایا لیکن غسلِ جنابت میں اسے کھولنے کا حکم نہیں فرمایا کیونکہ اس کا وقوع اکثر ہوتا رہتا ہے، اور ایسا رفعِ حرج ومشقت کے لئے فرمایا۔

535. الترمذی، (90/1)، (ح61). اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (176/3)، (ح2944) میں اس کو صحیح کہا ہے.

536. مسلم، (232/1)، (ح277).

537. ابن ماجہ، (210/1)، (865). اور البانی نے (صحیح سنن ابن ماجہ)، (198/1)، (530) میں صحیح کہا ہے.

538 مسلم، (259/1)، (ح330).

پانچواں سبب: نسیان:

نسیان: حفظ اور یاد کی ضد ہے539، اور وہ ضرورت کے وقت مکلّف کا کسی چیز کو یاد نہ رکھنا ہے540.

عذر ''نسیان'' کی بناپر رفعِ حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں ''نسیان'' کے سبب رفعِ حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**مَنْ نَسِيَ صَلاةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا ، لا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ**)541.

(یعنی: جو نماز کو بھول جائے تو جس وقت یاد آئے اسے پڑھ لے، اس کے سوا اس کا اور کوئی کفارہ نہیں ہے)۔

وجہِ دلالت: ترکِ واجبات کے سلسلے میں غفلت ونسیان کا شکار ہو جانے والے شخص سے گناہ کو ساقط کر دیا جانا اور یاد آنے کے وقت اس کی قضا کا واجب ہونا، یہ رفعِ حرج کی بنا پر ہے۔

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ ؛ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ وَسَقَاهُ**)542.

(یعنی: جو حالتِ روزہ میں بھول گیا اور اس حالت میں کھا پی لیا تو وہ اپنا روزہ مکمل کرے، اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے)

وجہِ دلالت: روزہ دار آدمی بھول کر کچھ کھا پی لیتا ہے تو اس کا روزہ صحیح ہے، اور اس کی وجہ بھی رفعِ حرج ہے۔

چھٹا سبب: خطأ:

خطأ: یہ ہے کہ مکلّف سے بغیر ارادہ اور نیت کے کوئی ایسا قول یا فعل صادر ہو جو شریعت کے مطلوب کے خلاف ہو543.

539. دیکھئے: المحکم والمحیط الأعظم، (581/8).

540. دیکھئے: البحر الرائق، (98/2).

541. البخاری، (215/1)، (ح572)؛ ومسلم، (477/1)، (ح684) اور لفظ انہی کا ہے.

542. البخاری، (682/2)، (1838)؛ ومسلم، (809/2)، (ح1155) اور لفظ انہی کا ہے.

543. رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص308).

عذر ''خطأ'' کی بناپر رفع حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں ''خطأ'' کے سبب رفع حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**إِنَّ اللَّـهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ .**)544.

(یعنی: اللہ تعالی نے میری امت سے خطأ ونسیان کو درگذر کر دیا ہے...)۔

۲۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:(**إِنَّ اللَّـهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ...**)545.

(یعنی: اللہ تعالی نے میری امت سے خطأ ونسیان کو معاف کر دیا ہے...)۔

وجہ دلالت: رفعِ حرج کی بناپر خطی کی غلطی کو معاف کر دیا گیا ہے، جیسے کہ کوئی روزہ کی حالت میں کلی کرے تو کچھ پانی اس کے منھ میں داخل ہو جائے، اور کوئی یہ سمجھ کر سحری کھائے کہ وہ فجر سے پہلے کھا رہا ہے لیکن بعد میں ظاہر ہو کہ اس نے فجر ثانی کے طلوع کے بعد کھایا ہے، اسی طرح جماع کا حکم ہے، یہ سب ایسے اخطاء ہیں جن کے مرتکب سے گناہ ساقط کر دیا گیا ہے، اور اس پر بقیہ دن کا روزہ مکمل کرنے اور قضا کرنے کو واجب کیا گیا ہے، البتہ اس سے غیر ارادی طور سے غلطی سرزد ہونے پر رفعِ حرج کے پیش نظر کفارہ ساقط ہے۔

ساتواں سبب: جہل:

جہل: علم کا برعکس لفظ ہے، اور وہ حکم کے اندر کسی چیز کو اس کی حقیقت کے برخلاف سمجھ لینا یا بلا قصد اس سے بالکل لاعلم ہونا ہے، یادرہے کہ رخصت کا سبب ہونے کے اعتبار سے ''جہل'' کو سب سے تنگ عذر مانا گیا ہے، تاکہ مسلمان آدمی اپنی جہالت پر خاموش بیٹھا نہ رہے، اور وہ تفقہ فی الدین کی کوشش کرے، خاص کر ان دینی مسائل کو ضرور جاننے کی کوشش کرے جن کی اہمیت ضرورتاً معلوم ہے، اور وہ امور بھی جن کو زندگی میں انجام دینے کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے 546.

544اس کی تخریج گذر چکی ہے.

545. اس کی تخریج گذر چکی ہے.

546. دیکھئے: رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص322,424).

عذر ''جہل'' کی بناپر رفعِ حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں ''جہل'' کے سبب رفعِ حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کے سوالوں کا جواب دینے کے لئے کھڑے ہوئے، چنانچہ ایک شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے جانا نہیں اور نحر سے پہلے حلق کرلیا، آپ نے فرمایا: (ذبح کرلو، کوئی حرج نہیں ہے)، پھر دوسرا شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے جانا نہیں اور رمی سے پہلے ذبح کرلیا! آپ نے فرمایا: (رمی کرلو، کوئی حرج نہیں ہے)، راوی کہتے ہیں: پہلے اور بعد میں کرلئے جانے والے جس عمل کے بارے میں بھی آپ سے پوچھا

وجہ دلالت: قربانی کے دن کے اعمال میں چار چیزوں کو بالترتیب کرنا سنت ہے: رمی جمار، پھر قربانی، پھر حلق، پھر طواف، جس نے سنت سے لاعلمی کی بناپر اس ترتیب کا خیال نہیں کیا تو اس کی جہالت کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

۲۔یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس دیہاتی سے فرمایا تھا جس نے اپنے جبہ میں عمرہ کا احرام باندھ لیا تھا اور خوشبو میں شرابور تھا: (جہاں تک تمہارے بدن پر پائی جانے والی خوشبو کی بات ہے تو اسے تین بار دھولو، اور جہاں تک جبّے کی بات ہے تو اسے نکال لو، پھر اپنے عمرہ میں اسی طرح کرو جس طرح اپنے حج میں کرتے ہو)548.

وجہِ دلالت: جس نے لاعلمی میں خوشبو استعمال کیا یا سلے ہوئے کپڑے پہنے، یا بےخبری میں احرام کے ممنوعات میں سے کسی ممنوع فعل کا ارتکاب کیا تو رفعِ حرج کی بناپر اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور علماء کے درمیان اختلاف کے باوجود اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔

آٹھواں سبب: نقص:

نقص: یہ۔مکلّف کے اندر۔ پائی جانے والی طبعی یا عارضی اور دائمی یا وقتی خاصیت ہے جو اس سے تکالیف کے کلّی یا جزئی، ابدی یا وقتی طور پر اسقاط کا باعث ہے۔

---

547. البخاری، (43/1)، (ح83)؛ ومسلم، (948/2)، (ح1306).

548. البخاری، (1573/4)، (ح4047)؛ ومسلم، (837/2)، (ح1180).

مکلّف کے اندر نقص اہلیت وصلاحیت کے معدوم ہوجانے کا سبب ہوتا ہے549.

عذرِ ''نقص'' کے سبب رفعِ حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں ''نقص'' کے سبب رفعِ حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔علی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے:(**رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ : عن النَّائِمِ حتی يَسْتَيْقِظَ ، وَ عَنِ الصَّبِيِّ حتی يَحْتَلِمَ ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حتی يَعْقِلَ**)550.

(یعنی: تین طرح کے لوگ مرفوع القلم ہیں: ایک سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہوجائے، دوسرا بچہ یہاں تک کہ بالغ ہوجائے، تیسرا مجنون یہاں تک کہ عقل مند ہوجائے)۔

وجہِ دلالت: حدیث کے اندر مذکور تینوں حالات میں سے ہر ایک حالت نقص کی صورتوں میں سے ایک صورت کو بیان کررہی ہے، اور وہ وقتی نقص کی صورت ہے، کیونکہ سویا ہوا ہمیشہ سویا نہیں رہتا، یہی حال بچے کا ہے، اور مجنون اللہ تعالی مشیئت میں ہوتا ہے۔

۲۔عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فاطمہ بنت ابی حبیش سے فرمایا تھا:(**إذا أَقْبَلَتْ الْحَيْضَةُ فاتْرُكِي الصَّلاةَ**)551۔اور ایک روایت میں ہے(**فَدَعِي الصَّلاةَ**)552۔(یعنی: جب حیض آنا شروع ہو تو نماز چھوڑ دینا)، اور ایک روایت میں ہے:(نماز ترک کردو)۔

حیض عورت کے اندر پائی جانے والے طبعی نقص کے عوامل میں سے ہے جو اس سے بعض تکالیف کی ادائیگی کی اہلیت کو جزئی وموقت طور پر سلب کرلیتا ہے، کیونکہ اس کے اندر طہارت کی شرط نہیں پائی جاتی ہے، اسی طرح اس سے رفعِ حرج کے پیش نظر نماز کی قضا ساقط ہوجاتی ہے۔

نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:(اس لئے کہ حیض اکثر آتا رہتا ہے، پس اگر ہم فوت نمازوں کی قضا کو واجب قرار دیں تو ضیق ومشقت کا سامنا کرنا ہوگا...اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حائضہ سے نماز کی فرضیت

549. رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص340).

550. ابوداود، (141/4)، (ح4403). اور البانی نے اس کو(صحیح سنن ابی داود)، (56/3)، (ح4403) میں صحیح کہا ہے.

551. البخاری، (117/1)، (ح300).

552. البخاری، (91/1)، (ح226).

ساقط ہے لہذا وہ طہارت کے بعد اس کی قضا نہیں کرے گی)553.

نواں سبب: ضرر:

ضرر: تکلیف (حکم شرعی) کے اندر سے یا باہر سے ایک مسلمان کو لاحق یا متوقع ہر طرح کی حسّی اور معنوی اذیت ونقصان ہے بشرطیکہ اس سے معصیت لازم نہ آتی ہو 554.

عذرِ ''ضرر'' کی بناپر رفعِ حرج کی مثالیں:

سنت نبویہ میں ''ضرر'' کے سبب رفع حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

ا۔عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**خَمْسٌ فَوَاسِقُ 555 يُقْتَلْنَ فِي الحَرَمِ : الْفَأْرَةُ ، وَالْعَقْرَبُ ، وَالْحُدَيَّا ، وَالْغُرَابُ ، وَالْكَلْبُ الْعَقُورُ**)556.

(پانچ فواسق (موذی ومُفسد جانور) ہیں جنہیں حرم میں قتل کردیا جائے گا: چوہیا، بچھو، چیل، کوا، اور کاٹنے والا کتا).

وجہِ دلالت: ان فواسق کو ازالہ حرج اور دفعِ ضرر کے مقصد سے حِل وحرم میں قتل کرنا جائز ہے۔

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (**نَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الحَصَاةِ 557، وَ عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ 558**)559۔(یعنی: نبی ﷺ نے بیعِ حصاۃ اور بیعِ غرر سے منع کیا ہے)۔

اور ایک روایت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (نبی ﷺ نے دو بیع سے منع فرمایا ہے... ؛ **بیعِ منابذہ 560 اور ملامسہ 561 سے**)562.

553. المجموع، (355/2).

554. دیکھئے: رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص365).

555. **(فواسق)** : ان کو فواسق کہے جانے کی وجہ ان کا فسق (ایذا رسانی) اور عام جانوروں کی طبیعت سے ان کا خروج ہے، اور ان کی فطرت میں ضرر، ایذا رسانی اور افساد ہے اسی بنا پر ان کو قتل کرنا مباح ہے. دیکھئے: معجم ابن الاعرابی، (149/4).

556. البخاری، (1204/3)، (ح3136)؛ ومسلم، (856/2)، (ح1198).

557. **(بیع الحصاۃ)**: جیسے کہ کہے: میں نے ان کپڑوں کو تم سے بیچا جن پر میری طرف سے پھینکی جانے والی پڑ جائے.

558. **(بیع الغرر)**: جیسے: پانی کی مچھلی کو اور ہوا کی چڑیا کو بیچنا.

559. مسلم، (1153/3)، (ح1513).

560. **(بیع المنابذۃ)**: آدمی کا بیع کے ساتھ اپنے سامان کو مشتری کی طرف پھینکنا قبل اس کے کہ وہ اس کو قبول کرے اور اس کو دیکھے.

561. **(بیع الملامسۃ)**: لمس (چھونے) کو ہی بیع مان لیا جائے، جیسے کہ بائع کہے: جب تم میرے کپڑے کو چھولو گے تو بیع ثابت ہو جائے گی.

562. البخاری، (212/1)، (ح559).

وجہِ دلالت: نبی ﷺ نے جاہلیت کے ان بیوع سے منع فرمایا ہے دفع ضرر کے ذریعہ رفع حرج کی خاطر۔

دسواں سبب: اکراہ:

اکراہ: مکلّف کو ایسے قول یا فعل کی انجام دہی پر مجبور کرنا جس میں شریعت کی مخالفت ہو، اور اس پر جان کے یا کسی عضو کے یا ان کے مماثل کسی چیز کے تلف کر دیئے جانے کی سخت وعید اور دھمکی کے ذریعہ مجبور کیا گیا ہو، اور اس پر عمل نہ کرنے کی صورت میں دھمکی کو عملی جامہ پہنا دیئے جانے کا گمان غالب ہو 563.

عذرِ اکراہ کی بنا پر رفعِ حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں ''اکراہ'' کے سبب رفعِ حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**إِنَّ اللَّـهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وما اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ**) 564.

(یعنی: اللہ تعالی نے میری امت سے خطا اور نسیان کو اور زبردستی کرائے جانے والے فعل کو درگذر کر دیا ہے)۔

وجہ دلالت: مسلمان آدمی کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ بالاکراہ کوئی کام کرے یا کوئی بات کہے بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، وہ عذرِ اکراہ کی وجہ سے رفعِ حرج کی بنا پر گنہ گار نہیں ہوگا۔

۲۔ابوعبیدہ بن محمد بن عمّار بن یاسر بیان کرتے ہیں: مشرکین نے عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور انہیں عذاب سے دوچار کیا اور اپنی منشا کی بعض باتیں کہلوانے لگے، پس انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: (تم اپنے قلب کو کیسا پاتے ہو؟)۔انہوں نے کہا: ایمان پر جما ہوا پاتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تب اگر وہ دوبارہ کہلوائیں تو کہہ دو) 565.

وجہِ دلالت: مسلمان آدمی کے لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کی زبان پر اکراہ کی حالت میں کلمۂ کفر جاری ہو، باوجودیکہ اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو، یہ عمل اسے عذرِ اکراہ کی وجہ سے رفعِ حرج کی بنا پر ایمان

---

563. دیکھئے: رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص 444).

564. اس کی تخریج گذر چکی ہے.

565. مستدرک الحاکم، (389/2)، (ح 3362) اور کہا ہے: (شیخین کی شرط پر صحیح ہے)، اور ذہبی نے ان کی موافقت کیا ہے. اور ابن حجر نے (الدرایہ)، (197/2) میں کہا ہے: (مرسل ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں).

سے خارج نہیں کرے گا، اوراس پر اکراہ کی تمام قسموں اوراس کی مختلف مثالوں کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

گیارہواں سبب: کشادگی اورلوگوں کے مزاج کی رعایت:

اس سے مراد: نبی ﷺ کی طرف سے ماذون وہ افعال ہیں جن کا اصلاً ترک مطلوب ہے لیکن نبی ﷺ نے اظہارِ مباہات اور اجتماعات ومنافسات میں آرائش وزیبائش کے تعلق سے لوگوں کی طبیعت ومزاج کا اعتبار کیا ہے 566.

عذرِ ''کشادگی ورعایت طبائع'' کی بناپر رفعِ حرج کی مثالیں:

سنتِ نبویہ میں کشادگی اوررعایتِ طبائع کے سبب رفعِ حرج کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کوایک انصاری مرد کی زوجیت میں دیا گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: (اے عائشہ! ان کے پاس لہو(سازوآواز) نہیں ہے، انصار کوسازوآواز پسند ہیں) 567.

وجہِ دلالت: طبائع کی رعایت میں ولیمۂ نکاح کی مناسبت سے لہوِ مباح کا جواز، مثلاً دف بجانا اور نظمیں وغیرہ گانا، کیونکہ ولیمۂ نکاح جیسے خوشی کے دنوں میں لوگ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

ابن بطال رحمہ اللہ کا قول ہے: (علماء کا ولیمۂ نکاح میں لہو(گانے بجانے) کے جواز پر اتفاق ہے، مثلاً دف اوراس جیسی چیزیں بجانے پر بشرطیکہ حرام چیزوں پر مشتمل نہ ہو...اصبغ نے کہا ہے: شادی یاکسی دوسرے موقع پر گانا بجانا جائز نہیں ہے مگر اس طرح جیسا کہ انصار کی عورتوں نے کیا تھا، یامعمولی اشعار ہوں جیسا کہ انصار کے جواب میں پایا گیا تھا) 568.

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جب تم میں سے کسی کے رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی اقامت کہہ دی جائے توتم لوگ کھانے سے شروعات کرو، اور کھانے والا جلدی نہ کرے یہاں تک کہ کھانے سے فارغ ہوجائے) 569.

---

566. رفع الحرج فی التشریع الاسلامی، (ص 472).

567. البخاری، (1980/5)، (ح 4867).

568. شرح صحیح البخاری، لابن بطال (280/7).

569. البخاری، (239/1)، (ح 642)؛ ومسلم، (329/1)، (ح 559).

وجہِ دلالت: جب کھانا لگا دیا جائے اور نماز کا وقت ہو جائے تو لوگوں کے طبائع کی رعایت کرتے ہوئے کھانے کو نماز پڑھنے پر مقدم کیے جانے کا حکم ہے، نیز اس لئے بھی تاکہ نماز کے دوران اس کا دل کھانے سے اٹکا ہوا نہ رہے جس کی وجہ سے نماز کی روح یعنی خشوع ناپید ہو جائے۔

نافع کا بیان ہے: (ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لئے کھانا رکھ دیا جاتا اور ادھر اقامت ہو جاتی تو وہ کھانے سے فارغ ہوئے بغیر نماز کے لئے نہ آتے، حالانکہ وہ امام کی قرأت سُن رہے ہوتے تھے)570.

خلاصہ:

سابقہ بیانات سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ رفعِ حرج سنتِ نبویہ کی عظمت کے مظاہر میں سے ایک عظیم مظہر ہے، سنت نے اس کو اجمالاً اور تفصیلاً بیان کیا ہے، اس نے خود اسے اختیار کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کے اصول وضوابط اور اسے منطبق کرنے کے قواعد مقرر کئے ہیں، اور ان امور کے اندر ان تمام احوال و عوارض وظروف کا احاطہ کیا ہے جو مکلّف کے حرج میں واقع ہونے کے مقتضی تھے اور جن پر رفعِ حرج کے احکام کا انطباق کیا جا سکتا تھا، ہم ان عوارض کو درج ذیل نقاط میں پیش کر سکتے ہیں:

۱۔ **عوارض زمانیہ:** جیسے کہ نماز کے اور سفر کے اوقات وغیرہ۔

۲۔ **عوارض مکانیہ:** جیسے کہ زمین کو مسجد بنالینا۔

۳۔ **مکلّف سے مرتبط عوارض:** جیسے کے مرض، خوف، مشقت، خطأ، اور نسیان وغیرہ۔

۴۔ **مکلّف کے دائرہ سے خارج عوارض:** جیسے کہ تہدید وتخویف اور غبن وغش جیسے امور۔

۵۔ **نفسانی عوارض:** جیسے کہ نفس کا کسی چیز سے مرتبط ہونا، مثلاً نماز کے وقت اس کے سامنے کھانا پیش کر دیئے جانے کے بعد اس کا کھانے کی طرف میلان ہو جانا۔

۶۔ **عقلی وذہنی عوارض:** جیسے کہ چھوٹا بچہ ہو جو معاملات کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے، یا جہل، یا نسیان، یا جنون جیسے عوارض ہیں۔

اس طرح سنتِ نبویہ نے ہر اس چیز کا احاطہ کر لیا ہے جو مکلّف کو بشکلِ حرج کسی بھی زمان ومکان میں لاحق

---

570. البخاری، (239/1)، (ح642).

ہوسکتی تھی، پھر اس سے اس کا ازالہ بھی کر دیا ہے، اور یہ سب نبوی بیان کے ذریعہ انجام پایا ہے چاہے آپ کی قولی سنت کے ذریعہ ہو جو کہ قواعدِ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہے جس کے تحت تمام مماثل ومشابہ حالات آجاتے ہیں، بشرطیکہ ان کے اندر وہ شرائط پائے جاتے ہوں جن کو علماء نے مقرر کیا ہے، یا آپ کی فعلی وتقریری سنت کے ذریعہ ہو جس میں مشابہ حالات کا ذکر ہو جن کا سامنا کسی بھی زمان ومکان میں مکلّف کو ہوسکتا ہو، اور ان پر نبی ﷺ کے زمانے میں پیش آنے والے اس طرح کے حالات میں آپ کے اقرار کردہ احکامات صادق آتے ہوں۔

اس طرح موجودہ زمانے میں سنتِ نبویہ شمول واستیعاب کی اپنی زبردست قدرت کے ساتھ جلوہ افروز نظر آتی ہے، جیسے کہ اس نے تمام حالات کا گہرائی وگیرائی کے ساتھ احاطہ کرلیا ہے جس میں خطا وخلل کا کوئی امکان نہیں ہے، اور یہ چیز سنتِ نبویہ کی عظمت اور صاحبِ سنت کی عظمت کی دلیل ہے۔

تیسرا مبحث
رِفق ومہربانی

رِفق کی تعریف:

رفق کا لغوی معنی لطف ونرمی ہے، اس کا برعکس لفظ عُنف وشدت ہے 571.

رِفق کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے: (قول اور فعل میں نرمی کو ترجیح دینا اور آسان تر پہلو کو اختیار کرنا)572۔اس کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے: (رُفقاء کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا، نرم روی اختیار کرنا، اور معاملے کو عمدہ شکل اور آسان انداز میں انجام دینا)573.

سنتِ نبویہ نے رِفق کی رغبت دلائی ہے اور اس پر لوگوں کو آمادہ کیا ہے، اس کے ساتھ اس نے اس کے ضد یعنی شدت ونخوت اور صلابت وقساوت سے منع کیا ہے، نیز اس کے التزام واہتمام میں نبی ﷺ کو مثلِ اعلی کے طور پر پیش کیا ہے تاکہ آپ مساحت پر مبنی انسانی تعامل کے ابواب میں سے اس عظیم باب میں بھی بے مثال نمونہ بن کر ظاہر ہوں، اور ہم اس مبحث کو ان دو مطالب کے اندر پیش کرنے کی کوشش کریں گے:

پہلا مطلب: سنتِ نبویہ کی طرف سے رِفق کی ترغیب۔

دوسرا مطلب: سنتِ نبویہ میں رِفق کے مظاہر۔

---

571. دیکھئے: تھذیب اللغۃ، (102/9).

572. فتح الباری، (449/10).

573. عون المعبود، (112/13).

پہلا مطلب

سنتِ نبویہ کی طرف سے رِفق کی ترغیب

سنتِ نبویہ میں رِفق کی ترغیب، اس پر لوگوں کو آمادہ کرنے، اس کے ضد یعنی شدت ونخوت، سختی وصلابت اور تشدد وقساوت سے منع کرنے کے تعلق سے درج ذیل حدیثیں وارد ہوئی ہیں:

ا۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ**)574۔(یعنی: اللہ تعالی تمام امور میں رِفق کو پسند کرتا ہے)۔

وجہِ دلالت: اس شخص سے اللہ تعالی محبت کرتا ہے جو تمام امور میں، تمام احوال میں، اور تمام لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے، حتی کہ معاندین اور مخالفین کے ساتھ بھی، گویا اس حدیث میں رفق وصبر اور حلم کی اور ان لوگوں کے ساتھ نرم روی سے پیش آنے کی ترغیب پائی جاتی ہے جن سے تلخ کلامی کی کوئی ضرورت نہ ہو575.

۲۔ نبی ﷺ کا قول: (**إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ ، وَ يُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يَعْطِي عَلَى الْعُنْفِ ، وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ**)576.

(یعنی: اللہ تعالی رفیق ہے اور رِفق کو پسند کرتا ہے، اور رِفق پر جو عطا کرتا ہے وہ شدت پر عطا نہیں کرتا، اور جو اس کے سوا پر عطا نہیں کرتا)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی رِفق پر جو اجر دیتا ہے وہ کسی اور پر نہیں دیتا، رفق والے کو وہ دنیا میں ثنائے جمیل، حصولِ مطالب، اور تسہیلِ مقاصد عطا کرتا ہے جب کہ آخرت میں بے انتہا ثواب عطا کرتا ہے 577.

۳۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: (**إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ**)578.

---

574. البخاری، (2242/5)، (ح5678)؛ ومسلم، (1706/4)، (ح2165).

575. کشف المشکل، (269/4)؛ شرح النووی علی صحیح مسلم، (145/14).

576. البخاری، (2539/6)، (ح6528)؛ ومسلم، (2003/4)، (ح2593).

577. شرح النووی علی صحیح مسلم، (145/16).

578. مسلم، (2004/4)، (ح2594).

(یعنی: رفق جس چیز کے اندر ہواس کووہ مزین کردیتا ہے اور جس چیز سے اسے چھین لیا جائے وہ خراب ہوجاتی ہے)

وجہ دلالت: رفق امور کو آراستہ ومزین کردیتا ہے، اور وہ جس چیز میں داخل ہواس کو مکمل کردیتا ہے، جبکہ شدت وصلابت اس کے برخلاف ہے، شدت امور کو بگاڑ دیتی اور عیب دار بنا دیتی ہے، اور اس سے چیزیں قبیح و بدشکل ہوجاتی ہیں579.

۴۔نبی ﷺ کا قول ہے: (**مَنْ يُحْرَمَ الرِّفْقَ؛ يُحْرَمَ الخَيْرَ**)580۔(یعنی: جو رِفق سے محروم رہا وہ بھلائی سے محروم رہا)۔

وجہ دلالت: عام اشیاء رِفق کے بغیر مکمل نہیں ہوتیں، اگر انسان اس سے محروم رہ گیا تو اس کے مقصد کا پورا ہونا مشکل ہے581.

۵۔اور نبی ﷺ کا قول ہے: (**مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ ؛ فَقَدْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَ صِلَةُ الرَّحِمِ ، وَ حُسْنُ الْخُلُقِ ، وَ حُسْنُ الْجَوَارِ يَعْمُرَانِ الدِّيَارَ ، وَيَزِيدَانِ فِي الْأَعْمَارِ**)582.

(یعنی: جس کو رفق سے اس کا حصّہ دے دیا گیا اسے دنیا وآخرت کی بھلائی سے اس کا حصّہ دے دیا گیا، اور صلہ رحمی، حسنِ اخلاق اور حسنِ جوار شہروں کو آباد کرتے ہیں اور عمر میں اضافہ کرتے ہیں)۔

۶۔اور نبی ﷺ کا قول ہے: (**إِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا ؛ أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ**)583.

(یعنی: جب اللہ تعالی کسی گھر والے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان پر رفق داخل کردیتا ہے)

وجہ دلالت: کسی بھی گھر والے سے اللہ تعالی کی محبت اور ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کرنے کے علامات یہ ہیں کہ انہیں وہ رِفق کی توفیق دے اور اسے ان پر داخل فرمائے، رِفق کے ذریعہ ان کا تعامل ہو اور اسی کا وہ ایک دوسرے کو حکم دیں، جو اس صفتِ حسنہ سے محروم رہ گیا وہ بہت سے خیر سے محروم ہوگیا۔

---

579. دیکھئے: الرفق في السنة النبوية، د.حسن محمد (ص39).

580 مسلم، (2003/4)، (ح2592).

581. کشف المشکل، (434/1).

582. مسند احمد، (159/6)، (ح25298). اور البانی نے اس کو صحیح (السلسلة الصحيحة)، (48/2)، (ح48) میں صحیح کہا ہے.

583. مسند احمد، (71/6)، (ح24471). اور البانی نے اس کو (صحيح الجامع)، (31/1)، (ح303) میں صحیح کہا ہے.

۷۔اور آپ ﷺ کا قول ہے:(**إِنَّ هَـذَ االدِّيْنَ مَتِينٌ ؛ فَأَوْغِلُوا فِيهِ بِرِفْقٍ**)584(یعنی: بے شک یہ دین متین و مستحکم ہے، پس اس میں رِفق کے ساتھ داخل ہو)۔

وجہِ دلالت: عبادتوں کی ادائیگی اور علم حاصل کرنے میں رِفق کی ترغیب دی گئی ہے، جب کہ اس سلسلے میں غلو اور تشدد سے روکا گیا ہے۔

احادیث سابقہ کی دلالت:

یہ اور اس معنیٰ کی دیگر بہت سی حدیثیں ان امور پر دلالت کر رہی ہیں:

پہلا: رفق اسلام کا بنیادی اخلاق ہے، نبی ﷺ نے اس پر لوگوں کو ابھارا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔

دوسرا: اللہ تعالی کا رِفق کو پسند کرنا اور زندگی میں اسے اپنا طرزِ عمل بنانے والے کو بہترین بدلہ عطا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس اخلاق کو اور اس نعمتِ عظیمہ کو اللہ تعالی بے حد چاہتا ہے۔

تیسرا: رِفق غیر تک سرایت کرنے والا اخلاق ہے، اس لئے کہ انسان اس وقت تک رفیق نہیں کہلاتا جب تک وہ دوسرے کے ساتھ رفق کا اظہار نہ کرے، چاہے بیٹوں کے ساتھ کرے، یا بیویوں کے ساتھ، یا رشتہ داروں کے ساتھ یا دیگر لوگوں کے ساتھ کرے۔

اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ: رِفق اجتماعی روابط کے عناصر میں سے ایک اہم عنصر ہے، جو سماج کے افراد کے درمیان محبت و الفت کے ماحول کو پیدا کرنے کا باعث ہے، جس سے سماجی ڈھانچہ کو مضبوط بنانے میں مدد ملتی ہے، چاہے اس کا دائرہ خاندان تک محدود ہو یا سارے انسانی سماج تک اس کا دائرہ وسیع ہو۔

اس طرح شریعتِ اسلامیہ ہمارے سماجی بندھن کی محافظت کرتی ہے اور ہر اس چیز کو مدد فراہم کرتی ہے جو اس بندھن کو مظبوط سے مظبوط تر بنا سکے۔

چوتھا: احادیث سابقہ نے رِفق کے مراتب و درجات کو بیان کیا ہے، ایک رِفق بالنفس ہے جو غلو سے خاص کر دین کے اندر غلو سے روکتا ہے، پھر اہل و اقارب کے ساتھ رِفق ہے، پھر سماج کے افراد کے درمیان رِفق ہے، پھر حاکم کی طرف سے رعیت پر رفق ہے، اور آخر میں ان تمام مراتب و درجات کا ایک ہی مقصد رہ جاتا ہے جو دنیا و آخرت کی بھلائی ہے۔

---

584. مسند احمد، (198/3)، (ح13074). اور البانی نے اس کو(صحیح الجامع)، (401/1)، (ح4009) میں حسن کہا ہے.

دوسرا مطلب

سنتِ نبویہ میں رِفق کے مظاہر

اوراس میں چار فروع ہیں:

فرع اول: عبادات میں رِفق۔

فرع ثانی: خاندانی تعلقات میں رِفق۔

فرع ثالث: لوگوں کے ساتھ تعلقات میں رِفق۔

فرع رابع: حیوان کے ساتھ رِفق۔

فرع اول

عبادات میں رِفق

اسلام کے اندر رِفق کے مظاہر میں سے پہلا مظہر عبادات میں رِفق ہے، اور یہ اس خالص اسلامی اخلاق کی تطبیق کے میادین میں سے پہلا میدان ہے، یہ رِفق انسان کا اپنے نفس پر رِفق سے مرتبط ہے، اور اسلام نے اپنی تعلیمات میں اس کی ترغیب دیا ہے اور اس کی دعوت دیا ہے، سنت نبویہ میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں585:

ا۔ نفس پر رِفق کی خاطر عبادت میں سختی سے ممانعت:

اَ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**يـا أَيُّهَا النَّاسُ! خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ ؛ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا ، وَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ مَا دَامَ ، وَإِنْ قَلَّ**)586.

(یعنی: اے لوگو! اپنی طاقت کے مطابق ہی اعمال کو انجام دو، اللہ تعالی اس وقت تک نہیں اُکتاتا جب تک تم نہ اُکتا جاؤ، اور اللہ تعالی کے نزدیک محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ انجام دیا جائے، اگرچہ کم ہی کیوں نہ ہو)۔

نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (حدیث کا حاصل: رسول اللہ ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ رِفق اور ان پر آپ کی شفقت کا بیان ہے، اور انہیں ان کے مصالح کی طرف رہنمائی اور اس عمل کو اختیار کرنے کی ترغیب ہے جس پر وہ مداومت برت سکیں، نیز عبادات میں تعمق اور ایسی زیادتی سے انہیں منع فرمایا ہے جن کی وجہ سے ان پر ملل میں واقع ہونے کا، یا اس کے ترک کا، یا اس میں سے بعض کے ترک کا اندیشہ ہو)587.

ب۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو کھمبوں کے درمیان رسّی کھینچی گئی ہے، آپ نے دریافت فرمایا: (یہ کیسی رسّی ہے؟) آپ کو بتایا گیا: یہ زینب کی رسّی ہے، جب وہ تھک

585. دیکھئے: الرفق فی السنۃ النبویۃ، (ص89).

586. البخاری، (2201/5)، (ح5523) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (540/1)، (ح782).

587. شرح النووی علی صحیح مسلم، (39/8).

جاتی ہیں تو اس کا سہارا لیتی ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: (نہیں، اسے کھول دو، تم میں سے کوئی نشاط تک نماز پڑھے، جب وہ تھک جائے تو بیٹھ جائے)588.

ابن بطال رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (عبادت میں تشدید تھکاوٹ اور مَلَل کے اندیشے کی بنا پر مکروہ ہے)589.

ملتِ اسلامیہ کے لئے یہ نبوی توجیہ اس ماہر نفسیات کی توجیہ ہے جو انسانی نفس و طبائع سے اچھی طرح باخبر ہے، کیونکہ نفسِ انسانی نشاط اور تھکان سے دوچار ہوتا رہتا ہے، اسی طرح وہ آزردگی و پژمردگی سے دوچار ہوتا رہتا ہے، اور یہ چیز صرف دنیوی امور کے ساتھ ہی خاص نہیں ہے، بلکہ عبادات میں بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ نفس آزردہ و پژمردہ ہو ہی جاتا ہے، نبی کریم ﷺ اپنی امت کو یہ ہدایت دے رہے ہیں کہ وہ تھکان اور آزردگی محسوس کرتے ہی عبادت چھوڑ دیں، اس لئے اگر وہ اس کے بعد بھی عبادت میں مشغول رہے تو وہ ایک دن کلیتاً عبادت کو ہی بوجھ سمجھ بیٹھیں گے اور اس کی ادائیگی سے منحرف ہو جائیں گے، آج کے ماہرینِ نفسیات اس نبوی توجیہ سے کس قدر بے خبر ہیں، اور علم کے دعویدار اس نبوی تربیت سے کتنے ناآشنا ہیں؟!

۲۔لوگوں پر رفق کی خاطر مختصر نماز پڑھنے کا حکم:

أ۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ ؛ فَإِنَّ مِنْهُمْ الضَّعِيفَ ، وَالسَّقِيْمَ ، وَالْكَبِيرَ ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ**)590.

(یعنی: جب تم میں کا کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے، اور جب تم میں کا کوئی تنہا نماز پڑھے تو جس قدر لمبا کرنا چاہے کرے)۔

ب۔ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**إِنِّي لَأَقُومُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيْهَا ، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ ، فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي ؛ كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ**)591.

588. البخاری،(386/1)،(ح1099)؛ومسلم،(541/1)،(ح784).
589. شرح النووی علی صحیح مسلم،(144/3).
590. البخاری،(248/1)،(ح671)؛ومسلم،(341/1)،(ح467).
591. البخاری،(250/1)،(ح675).

(یعنی: بے شک میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اس میں طول دوں کہ اچانک میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو پھر اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، اس کو ناپسند کرتے ہوئے کہ میں اس کی ماں کو مشقت میں ڈالوں)۔

وجہِ دلالت: مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کے اندر مقتدیوں پر، اور پیچھے نماز پڑھ رہے تمام بڑے، چھوٹے، مریض، اور کمزوروں پر رِفق کرنے اور ان کی مصلحت کی رعایت کرنے کی دلیل پائی جاتی ہے، نیز اس کا بیان ہے کہ ان کو مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے، اور بلا ضرورت ان کو معمولی حرج میں نہ ڈالا جائے592.

۳۔روزہ میں وصال کی ممانعت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (وصال 593 سے بچو) دو بار فرمایا، آپ سے کہا گیا: آپ تو وصال کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: (میں سوتا ہوں تو میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، تم لوگ اتنا ہی عمل کرو جتنے کی طاقت ہو)594.

بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے: (نبی ﷺ نے لوگوں پر رحمت وشفقت فرماتے ہوئے اور تعمق کو ناپسند کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے)595.

۴۔سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل:

أ۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً**)596۔(یعنی: سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے)۔

نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس میں سحری کھانے کی ترغیب پائی جاتی ہے، اس کے استحباب پر علماء کا اجماع ہے، یہ واجب نہیں ہے، جہاں تک اس میں پائی جانے والی برکت کا سوال ہے تو وہ ظاہر ہے، اس لئے کہ

---

592. دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (187/4).

593. (**إيّاكُم والوِصَال**): یعنی: رات میں افطار کئے بغیر لگاتار روزہ رکھنے سے بچو.

594. البخاری، (694/2)، (ح1865)؛ ومسلم، (774/2)، (ح1103).

595. البخاری، (693/2) .

596. البخاری، (678/2)، (ح1823)؛ ومسلم، (770/2)، (ح1095).

اس کا کھانا روزہ رکھنے پر تقویت عطا کرتا ہے، اس کے لئے نشاط پیدا کرتا ہے، اس کے سبب زیادہ سے زیادہ روزہ رکھنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے، کیونکہ سحری کھانے والے کو حالتِ روزہ میں کم مشقت پیش آتی ہے)597

ب۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (**لا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ ما عَجَّلُوا الْفِطْرَ**)598 (یعنی: لوگ ہمیشہ خیر میں رہیں گے جب تک وہ افطار میں جلدی کریں گے)۔

مہلّب رحمہ اللہ کا قول ہے: (نبی ﷺ نے بجلد افطار کرنے کی ترغیب اس لئے دی ہے کہ رات کی کوئی گھڑی دن میں اضافہ نہ کرے جس سے اللہ کے مقرر کردہ حدود میں اضافہ لازم آئے، نیز یہ روزہ دار کے حق میں زیادہ ارفق اور روزہ رکھنے میں اس کا بڑا مددگار رہے)599.

۵۔ حاجیوں پر رِفق کی خاطر ہی عرفہ کے دن روزہ مشروع نہیں ہے:

امّ فضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: (کچھ لوگ ان کے پاس عرفہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے روزہ کے سلسلے میں بحث کررہے تھے، ان میں سے بعض کا کہنا تھا: آپ روزہ سے ہیں، اور بعض کا کہنا تھا: آپ روزہ سے نہیں ہیں، پس میں نے آپ کے پاس ایک پیالہ دودھ بھیجا، اس وقت آپ عرفہ کے میدان میں اپنے اونٹ پر کھڑے تھے، آپ نے اس کو نوش فرمالیا)600.

نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جمہور نے اس میں نبی ﷺ کے افطار سے استدلال کیا ہے، نیز عرفہ میں افطار آدابِ وقوف اور مہماتِ مناسک میں حجاج کے لئے زیادہ ارفق ہے)601.

جس طرح نبی ﷺ نے انسانی نفس اور اس کو پیش آنے والے مختلف حالات کی جیسے کہ ہمت و بے چارگی، یا نشاط و کسل کی رعایت کیا ہے، اسی طرح آپ نے انسانی طبیعت اور اس کو پیش آنے والی قوت وضعف کی صورتِ حال کی رعایت کیا ہے، انسان کو اس کی زندگی کے سفر میں ایک ہی صورتِ حال کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، بلکہ وہ کبھی

---

597. شرح النووی علی صحیح مسلم، (206/7).

598. البخاری، (692/2)، (ح1856)؛ ومسلم، (771/2)، (ح1098).

599. شرح صحیح البخاری، لابن بطال (104/4).

600. البخاری، (701/2)، (ح1887)؛ ومسلم، (791/2)، (ح1123).

601. شرح النووی علی صحیح مسلم، (2/8).

بیماری کا شکار ہوتا ہے جو اس کے بدن کو کمزور بنا دیتی ہے، وہ کبھی درازئ عمر اور اس کے ساتھ آنے والے ضعف کا سامنا کرتا ہے، نیز وہ روزہ، سفر اور حج کے دوران بھی ضعف ومشقت کا سامنا کرتا ہے، اسی طرح بچے اور عورتیں بھی ہیں جن کا خیال کرنا اور ان کی کمزوری ولاچاری کی رعایت کرنا ضروری ہوتا ہے، یہی سب وجوہات ہیں جن کے سبب نبی ﷺ کی طرف سے تخفیف کی اور ان کاموں سے دوری اختیار کرنے کی ہدایات آئی ہیں جو بوجھ میں اور زیادہ اضافہ کریں اور آپ کے اتباع کو مشقت سے دوچار کردیں۔

اس طرح اسلام اور نبی اسلام ﷺ ہمیشہ اپنے اتباع کے نفسانی وجسمانی پہلو کا خیال کرتے ہیں، جسم وجان کو پیش آنے والے تغیرات کا احترام کرتے ہیں، اور بندے کے واجبات میں سے سب سے بڑے واجب یعنی عبادت میں بھی اس کے ساتھ غایت درجہ کے رفق ونرمی کا معاملہ کرتے ہیں، چنانچہ جب بندہ اللہ تعالی کی طرف اس کی عبادت کے لئے متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالی اپنے بندے سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی طرف ہمت ونشاط اور قوتِ بدن کے ساتھ متوجہ ہو، اسی پر نبی ﷺ نے عبادت میں رِفق کی صورتوں کے ذریعہ لوگوں کو ابھارا ہے، اس کی ترغیب دیا ہے اور اس پر ان کو آمادہ کیا ہے۔

فرع ثانی

خاندانی تعلقات میں رِفق

دوسرا میدان جس میں رِفق کا استعمال ضروری ہے وہ اپنی فیملی ہے،اور فیملی اپنے محدود معنی میں ماں، باپ ، بیوی، اولاد اور بھائی بہن کو شامل ہے، جب کہ وسیع مفہوم میں قرابت داروں اور تمام رشتہ داروں کو شامل ہے، سنتِ نبویہ نے فیملی کے دونوں مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے افراد کے ساتھ تعامل میں اس اخلاق کو اپنانے پر زور دیا ہے، اس لئے کہ فیملی کے افراد کے درمیان شفقت ورحمت کا ماحول بنانے میں اس کی غیر معمولی اہمیت ہے، اور اس طرح یہ مسلم معاشرہ کے استحکام وانسجام کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اور خاندانی تعلقات کے دائرہ میں رِفق کے اہم مظاہر میں سے جن کا ذکر سنتِ نبویہ میں وارد ہوا ہے، یہ ہے 602:

ا۔ والدین کے ساتھ رِفق:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے حسنِ سلوک کا سب زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: (تمہاری ماں)، اس نے کہا: پھر اور کون؟ آپ نے فرمایا: (پھر تمہاری ماں)، اس نے کہا: پھر اور کون؟ آپ نے فرمایا: (پھر تمہاری ماں)، اس نے کہا: پھر اور کون؟ آپ نے فرمایا: (پھر تمہارا باپ)603.

اور ایک رویت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہاری ماں، پھر تمہارا باپ ، پھر تمہارا سب سے قریبی، پھر اس کے بعد کا قریبی)604.

وجہِ دلالت: والدین کے ساتھ رِفق حسنِ صحبت میں سے ہے جس کا ایک مسلمان شرعاً مامور ہے، نیز مذکورہ بالا دونوں احادیث اس پر بھی دلالت کر رہی ہیں کہ ماں کے ساتھ رِفق باپ کے ساتھ رِفق پر مقدم ہے، اور باپ

---

602. دیکھئے: الرفق فی السنۃ النبویۃ، (ص101).

603. البخاری، (2225/5)، (ح5626)؛ ومسلم، (1974/4)، (ح2548).

604. مسلم، (1974/4)، (ح2548).

کے ساتھ رِفق دوسروں کے ساتھ رِفق پر مقدم ہے، پھر اس کے بعد احادیث میں تکرار و ترتیب کے مدنظر سب سے اقرب پھر اس کے بعد کا اقرب اس کا مستحق ہے۔

اولاد کے ساتھ رِفق:

اَ۔ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: (وہ اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ جو کہ ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بیٹھا لیا، اس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی طلب کیا اور اس پر چھڑک لیا اس کو دھویا نہیں)605.

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے: (نبی ﷺ نے ایک بچے کو اپنی گود میں تحنیک کے لئے رکھا تو اس نے آپ کے بدن پر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی طلب کیا اور اس پر بہا لیا)606.

وجہِ دلالت: چھوٹے بچوں کے ساتھ رِفق اور عدمِ تکلیف کی بنا پر ان کے تصرفات پر صبر۔

نووی رحمہ اللہ کا قول ہے: (اس حدیث میں: حسنِ معاشرت، نرمی، تواضع، اور بچوں وغیرہم کے ساتھ رِفق کی ترغیب پائی جاتی ہے)607.

اور ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ہے: (اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ: بچوں کے ساتھ مہربانی کی جائے، ان سے صادر حرکات پر صبر کیا جائے، اور عدمِ تکلیف کی بنا پر ان کا مؤاخذہ نہ کیا جائے)608.

ب۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک اعرابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: کیا آپ لوگ بچوں کا بوسہ لیتے ہیں، ہم لوگ تو نہیں لیتے ہیں؟! پس نبی ﷺ نے فرمایا: (کیا میں تمہارے دل میں رحمت ڈال سکتا ہوں اگر اللہ نے تمہارے دِل سے رحمت کو چھین لیا ہے؟)609.

وجہِ دلالت: نبی ﷺ نے بچوں کے ساتھ رِفق نہ کرنے پر اگرچہ بوسہ کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، اس اعرابی کی نکیر کیا۔

---

605. البخاری، (90/1)، (ح 221) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (238/1)، (ح 287).

606. البخاری، (2236/5)، (ح 5656) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (237/1)، (ح 286).

607. شرح النووی علی صحیح مسلم، (195/3).

608. فتح الباری، (434/10).

609. البخاری،)(2235/5، (ح 5652).

۳۔عورتوں کے ساتھ رِفق:

سنتِ نبویہ میں غور کرنے والا اس چیز کو محسوس کرتا ہے کہ اس نے عورتوں کو عموماً اور بیوی کو خصوصاً بہت سارے حقوق دیئے ہیں جنہیں وہ حقوق نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے حاصل نہیں تھے، ہم ان تمام کے تمام حقوق کو گنانے کی پوزیشن میں نہیں البتہ ان میں سے بعض یہ ہیں:

اَ۔عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی نصیحت: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا ، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلاهُ ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ ، وَ إِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا**)610.

(یعنی: عورتوں کے بارے میں میری نصیحت کو یاد رکھو، وہ ٹیڑھی ہڈی سے پیدا کی گئی ہیں، اور سب سے ٹیڑھی ہڈی اوپر کی (ہنسلی) ہوتی ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے چلو تو اسے توڑ دوگے، اور اگر اسے چھوڑ دوگے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی، پس عورتوں کے بارے میں میری نصیحت کو یاد رکھو)۔

وجہِ دلالت: (عورتوں کے ساتھ رِفق سے پیش آنے اور ان کو برداشت کرنے کی ترغیب پائی جاتی ہے)611.

ب۔عورتوں کی مدارات: سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: (عورت ٹیڑھی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے، اور اگر تم اس ہڈی کو سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دوگے، پس اس کی مدارات کرتے ہوئے اس کے ساتھ زندگی گذارو)612.

وجہِ دلالت: بیوی کے ساتھ رِفق کی ایک صورت مدارات ہے، اور مدارات: نرمی وخوشامدی کو کہتے ہیں 613۔ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (عورتوں پر بہت زیادہ سختی مذموم ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے عورتوں کے سلسلے میں انصار کے طریقے کو اختیار کیا اور اپنی قوم کے طریقے کو ترک کر دیا)614.

---

610. البخاری،(1987/5)،(ح4890) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم،(1091/2)،(ح1468).

611. شرح النووی علی صحیح مسلم،(58/10).

612. مسند احمد،(8/5)،(ح20105).اور البانی نے اس کو(صحیح الجامع)،(195/2)،(ح1926) میں صحیح کہا ہے.

613. فتح الباری،(252/9).

614. فتح الباری،(291/9).

ج۔ خدمت کرنا اور ہاتھ بٹانا: اسود کا بیان ہے کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا: نبی ﷺ اپنے گھر میں کون سا کام کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: (آپ اپنے اہل کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے، اور جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز کے لئے نکل جایا کرتے)615.

وجہِ دلالت: بیوی کے ساتھ رِفق کی ایک صورت اس کی خدمت کرنا اور کام میں اس کا ہاتھ بٹانا ہے۔

۴۔ خونی اور نکاحی رشتہ داروں کے ساتھ رِفق:

اُ۔ خونی رشتہ داروں کے ساتھ رِفق کی دلیل:

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**لَيْسَ الوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ، وَلَكِنْ الْوَاصِلُ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا**)616.

(یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو بدلے میں صلہ رحمی کرتا ہے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جو اس وقت رشتے کو جوڑتا ہے جب اسے کاٹ دیا جاتا ہے)۔

وجہِ دلالت: شرعاً مطلوب صلہ رحمی رشتہ کے ساتھ رِفق ونرمی سے پیش آنا ہے، اور اس کو کاٹنا جفا ہے۔

اور سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِينِ صَدَقَةٌ، وَ هِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ اثْنَتَانِ؛ صَدَقَةٌ وَ صَلَةٌ**).(617 یعنی: مسکین پر صدقہ کرنا صرف صدقہ ہے، اور رشتہ دار پر صدقہ کرنا دو چیزیں ہیں؛ صدقہ اور صلہ رحمی)۔

وجہِ دلالت: نادار رشتہ داروں پر رِفق عظیم اجر کا حامل اور عام مساکین پر رِفق سے افضل ہے۔

ب۔ مصاہرت والے رشتہ داروں کے ساتھ رِفق: سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں ان کا سب سے محبوب نام ابوتراب تھا، اور وہ اس سے پکارے جانے پر بہت خوش ہوتے تھے، اس سے نبی ﷺ نے ان کو موسوم کیا تھا، ایک روز وہ فاطمہ رضی اللہ عنہ کو غصّہ کرکے گھر سے نکل گئے اور مسجد کی ایک دیوار سے لگ کر سو گئے، نبی ﷺ آپ کی تلاش میں آئے تو کسی نے کہا کہ وہ وہاں دیوار سے لگ کر سوئے ہوئے

615. البخاری، (239/1)، (6446).

616. البخاری، (2233/5)، (ح5645).

617. مسند احمد، (18/4)، (ح16277). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، 358)(1/، (ح658) میں صحیح کہا ہے.

ہیں، جب آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کی پیٹھ مٹی سے بھری ہوئی ہے، پس نبی ﷺ ان کی پیٹھ سے مٹی صاف کرنے لگے اور فرما رہے تھے: (اے ابوتراب! بیٹھ جا)618.

وجہِ دلالت: داماد وغیرہ کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور بقائے محبت کے لئے ان کی سرزنش نہ کرنے کا استحباب۔

ابن بطال رحمہ اللہ کا قول ہے: (اس حدیث کے اندر اس بات کا ذکر ہے کہ: اہلِ فضل کے درمیان اور ان کی بیویوں کے درمیان غضب اور حرج جیسے معاملات وقوع پذیر ہوتے رہتے ہیں جن کو اللہ تعالی نے انسانی جبلّت میں داخل کر دیا ہے، یہ ان کی شخصیت کو مجروح کرنے والی بات نہیں ہے۔

اس میں: رسول اللہ ﷺ کے اس عمدہ اخلاق، حسنِ معاشرت، اور شدتِ تواضع کا ذکر بھی ہے جس کو اللہ تعالی نے آپ کی جبلّت میں داخل کر دیا تھا، وہ اس طور پر کہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا، اور ان کی تلاش میں گئے، یہاں تک کہ آپ نے ان کی جگہ معلوم کیا اور ان سے خوش کُن انداز میں ملے اور ان سے فرمایا: (اے ابو تراب! بیٹھ جا) نیز آپ نے ان کی پیٹھ سے مٹی صاف کیا تا کہ انہیں خوش کر سکیں اور ان کے غصّہ کو زائل کر سکیں، اس سے ان کے نفس کو تسکین حاصل ہو، پھر نبی ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی سے جھگڑنے پر ان کی سرزنش بھی نہیں کی۔

اور اس میں فقہ کی یہ بات بھی ہے کہ: داماد کے ساتھ نرمی کیا جانا چاہئے اور ان کی سرزنش نہیں کی جانی چاہئے)619.

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ بنت خویلد نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی، (ان کے اجازت طلب کرنے سے) آپ کو خدیجہ کا اجازت طلب کرنا یاد آ گیا 620، پس ان کی آمد سے آپ کو بڑی خوشی ہوئی 621 اور آپ نے فرمایا: (اللہ، ہالہ بنت خویلد ہو)، اس پر مجھے

---

618. البخاری، (2291/5)، (ح 5851).

619. شرح صحیح البخاری، (353,352/9)؛ فتح الباری، (588/10).

620. **(فعرف استئذان خديجة)**: یعنی: خدیجہ کے اجازت طلب کرنے کی صفت یاد آ گئی، ان کی بہن کی آواز سے ان کی آواز کے مشابہ ہونے کی وجہ سے، اس سے آپ کو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد آ گئی.

621. **(فارتاح لذلك)**: ان کی آمد سے آپ کو بڑی خوشی وراحت حاصل ہوئی، کیونکہ ان کی وجہ سے خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ایام کی یاد آ گئی.

غیرت آ گئی، پس میں نے کہا: یہ کیا آپ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک سرخ مسوڑھے والی622 کھوسٹ بوڑھیا کو یاد کر رہے ہیں جو ایک عرصہ پہلے ہلاک ہو چکی ہے، حالانکہ اللہ تعالی نے آپ کو اس سے بہتر بدل عطا کیا ہے623.

وجہِ دلالت: سسرالی رشتہ داروں کے ساتھ رِفق، نیز اس میں بیوی کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور عورت کی جبلّت میں پائی جانے والی شدید غیرت کی بنا پر اس کی سرزنش کرنے سے باز رہنے کا بھی ذکر ہے۔

نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (ان تمام باتوں میں عہد و وفا کا پاس رکھنے، محبت کو یاد رکھنے، زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی شریکِ حیات کی حرمت کا لحاظ کرنے اور اس شریکِ حیات کے اہل کی تکریم کرنے کی دلیل پائی جاتی ہے)624.

622.(**حمراء الشدقین**): اس سے مراد: وہ عمر رسیدہ بوڑھی عورت جس کے سارے دانت درازی عمر کی وجہ سے گر گئے ہوں، اس کے مسوڑھے میں دانت کی سفیدی باقی نہ ہو بلکہ صرف اس میں سرخی رہ گئی ہو شرح النووی، (202/15).

623.البخاری، (1389/3)، (ح3610)؛ ومسلم، (1889/4)، (ح2437).

624.شرح النووی علی صحیح مسلم، (202/15).

فرع ثالث

عام لوگوں کے ساتھ تعلقات میں رِفق

رِفق کے استعمال کا وسیع تر میدان عام زندگی ہے، اس لئے کہ زندگی کا میدان کشادہ ہوتا ہے، اس میں ہر طرح کے امور ومواقف اور ظروف واحوال کا سامنا ہوتا ہے، اس لئے ایک مسلمان سے زندگی کے ہر موڑ پر رِفق کا مظاہرہ کرنا مطلوب ہے، چاہے انسان کے ساتھ کرے یا غیر انسان کے ساتھ، اس سے رِفق ولطف اور عطف و رحمت بہر حال مطلوب ہے، اور سنتِ نبویہ کے بیان میں مختلف میادین کے لئے رِفق کی مختلف صورتیں ذکر کی گئی ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں625:

ا۔ حاکموں کا رعیت کے ساتھ رفق: عام زندگی میں رِفق کے میادین میں سے ایک اہم میدان حاکموں کا رعیت کے ساتھ رِفق، ان کے عام مصالح کا تحفظ اور ان کے درمیان انصاف پر مبنی فیصلے کرنا ہے، اس سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں:

أ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اس گھر میں یہ کہتے ہوئے سنا:
(اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مَنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيهِمْ ؛ فَاشْقَقْ عَلَيْهِ ، نْ وَلِيَ مَنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ ؛ فَارْفُقْ بِهِ)626.

(یعنی: اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی بھی معاملے کا والی بنے اور وہ ان پر سختی کرے تو تو اس پر سختی کر، اور جو شخص میری امت کے کسی بھی معاملے کا والی بنے اور وہ ان پر نرمی کرے تو تو بھی اس پر نرمی کر)۔

وجہِ دلالت: (اس میں عادل امام کی فضیلت، ظالم کی عقوبت، رعیت کے ساتھ رِفق کی ترغیب، اور ان کو مشقت میں ڈالنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے)627، اور (جو لوگوں کو مشقت میں ڈالے گا تو اللہ تعالی اسے

625. الرفق فی السنۃ النبویۃ، (ص127).
626. مسلم، (1458/3)، (ح1828).
627. صحیح مسلم، (1458/3).

مشقت میں ڈالے گا، یہ عمل کے مطابق سزا ہے)628.

نووی رحمہ اللہ کا قول ہے: (یہ لوگوں کو مشقت میں ڈالنے پر سخت ترین پھٹکار ہے اوران کے ساتھ رفق و نرمی سے پیش آنے کی عظیم ترغیب ہے)629.

ب۔سُلیمان بن بُریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: (**كان رسولُ اللّهِ ﷺ إذا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أو سَرِيَّةٍ ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيرًا ...**)630.

(یعنی: جب رسول اللہ ﷺ لشکر یا سریہ پر کسی امیر مقرر فرماتے تو اسے اس کی ذات اوراس کے ساتھ کے مسلمانوں کے بارے میں اچھی وصیتیں فرماتے ...)۔

وجہِ دلالت: (امام کا اپنے امراء کو اوراپنے لشکر کو اللہ تعالی سے ڈرتے رہنے اوراپنے مصاحبین کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کی وصیت کرنے کا استحباب)631.

ج۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی بھی لونڈی رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک کو پکڑ کر جہاں لے جانا چاہتی انہیں لے جاتی)632.

وجہِ دلالت: معمولی لوگوں کے ساتھ نبی ﷺ کی نرمی ورحمت،ان کی تابعداری اوران کے لئے متواضع ہونا۔

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (ہاتھ پکڑنے سے مراداس کالازم ہے،یعنی نرمی وتابعداری۔اور یہ انتہا درجہ کے تواضع کی کئی قسموں کو شامل ہے، کیونکہ اس میں عورت کا ذکر ہے مرد کا نہیں،لونڈی کا ہے آزاد کا نہیں...اور یہ آپ کے انتہا درجہ کے تواضع کی اور تکبر کی تمام قسموں سے آپ ﷺ کے بری ہونے کی دلیل ہے)633.

628. فتح الباری،(129/13).
629. شرح النووی علی صحیح مسلم،(213/12).
630. مسلم،(1357/3)،(ح1731).
631. شرح النووی علی صحیح مسلم،(37/12).
632. البخاری،(2255/5)،(ح5724).
633. فتح الباری،(490/10).

۲۔رعیت کا حاکموں کے ساتھ رِفق ونرمی: اسلام ایسا دین ہے جو حقوق و واجبات کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے، چنانچہ ہر حق کے بالمقابل ایک واجب ٹھہرایا ہے، اگر اس نے حاکموں کو رعیت کے ساتھ رِفق کرنے پر آمادہ کیا ہے اوران کے مصالح کا خیال کرنے کا حکم دیا ہے تو اس کے بالمقابل رعیت سے حاکموں کے ساتھ رِفق ونرمی سے پیش آنے، ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے، غیر معصیت میں سمع وطاعت کا مظاہرہ کرنے، نصیحت وتذکیر کے وقت ان کے ساتھ نرم اسلوب میں گفتگو کرنے کا مطالبہ کیا ہے، اور اس بارے میں وارد ہدایات یہ ہیں:

تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (دین خیر خواہی کا نام ہے). ہم لوگوں نے دریافت کیا: کس کی خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا: (اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حُکام کی، اور عام لوگوں کی)634.

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جہاں تک مسلمان حُکام کی خیر خواہی کی بات ہے تو اس سے مراد: حق پر ان کا ساتھ دینا، اس میں ان کی اطاعت کرنا، انہیں اس کا حکم دینا، رِفق ولطف کے ساتھ توجیہ وتذکیر کرنا، جس سے وہ غافل ہوں اس سے انہیں آگاہ کرنا، ان تک مسلمانوں کے حقوق کو پہنچانا، ان کے خلاف تلوار اُٹھانے سے بچنا، ان کی اطاعت پر لوگوں کی تالیف قلب کرنا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کے ساتھ جہاد کرنا، اوران کے صلاح و استقامت کے لئے دعا کرنا)635.

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا: (رِفق کیا ہے؟ انہوں نے کہا: آپ تحمّل والے ہوں، حاکموں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں، انہوں نے پوچھا: خرق کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اپنے امام کی مخالفت کرنا اور جو آپ کو نقصان پہنچا سکتا ہو اس سے دشمنی کرنا)636.

تعلیم میں رِفق: سنتِ نبویہ کا دامن ایسے مبارک ارشادات وتوجیہات سے پُر ہے جو معلّمین ومتعلّمین کے درمیان رِفق کے پائے جانے کی اہمیت بیان کرنے والے ہیں، کیونکہ تعلیمی اور تربیتی عمل کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے رِفق حد درجہ مطلوب ہے، اس لئے کہ عقول سے پہلے قلوب کو کھولنے میں اس کا بہت بڑا رول

---

634. مسلم، (74/1)، (ح55).

635. شرح الاربعین النوویہ، (ص13)؛ شرح النووی علی صحیح مسلم، (38/2).

636. احیاء علوم الدین، (186/3).

ہے، آج بہت سے تعلیمی امور میں رِفق کو نظر انداز کر دئے جانے کی وجہ سے تعلیمی عمل مختلف النوع مسائل سے دوچار نظر آتا ہے، اور تعلیم ۔ پڑھنے پڑھانے ۔ کے بارے میں رِفق پر گفتگو مختلف پہلوؤں کا شامل ہے جن میں سے بعض یہ ہیں:

أ۔ تعلیم میں تدرج اور مبتدی کی حالت کا لحاظ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو ایک شخص بھی اس میں داخل ہوا اور نماز ادا کی، اس کے بعد اس نے نبی ﷺ کو سلام کیا تو آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: (جاؤ پھر سے نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی)، پس وہ واپس گیا اور ویسے ہی نماز پڑھی جیسے پہلے پڑھا تھا، پھر وہ آیا اور نبی ﷺ کو سلام کیا، آپ نے فرمایا: (جاؤ پھر سے نماز پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی) تین بار ایسا ہی ہوا، پھر اس آدمی نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اسے اچھی طرح نہیں پڑھ سکتا، آپ مجھے سکھا دیں، آپ نے فرمایا: (جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو، پھر قرآن سے جتنا تمہیں میسر ہو پڑھو، پھر رکوع کرو، یہاں تک کہ اطمینان سے رکوع کرلو، پھر سر کو اُٹھاؤ، یہاں تک کہ بالکل سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو، یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرلو، پھر سر اُٹھاؤ، یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، اور ایسے ہی اپنی پوری نماز میں کرو) 637.

وجہِ دلالت: (متعلم اور جاہل کے ساتھ رِفق و ملاطفت سے پیش آنا، مسئلہ کی وضاحت کرنا، مقاصد کو اختصار سے بیان کرنا، اس کے حق میں صرف اہم شیئ کے بیان پر اقتصار کرنا اور ان مکملات کی تفصیل پیش کرنے سے گریز کرنا جنہیں یاد رکھنے اور جن کی ادائیگی کرنے کا وہ متحمل نہ ہو) 638.

ب۔ متعلّم کی تجریح و تعنیف سے گریز: معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس دوران کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا قوم کے ایک شخص کو چھینک آ گئی، اس کے جواب میں میں نے یرحمک اللہ کہہ دیا، اس پر لوگ مجھے گھور کر دیکھنے لگے، میں نے کہا: ہائے تمہاری ماں تمہیں گم پائے! تم لوگ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟! یہ سُن کر لوگ اپنی رانوں کو اپنے ہاتھوں سے مارنے لگے، جب میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ مجھے خاموش کرا رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب رسول اللہ ﷺ ۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ۔ نماز سے

637. البخاری، (263/1)، (ح724)؛ ومسلم، (298/1)، (ح397).

638. شرح النووی علی صحیح مسلم، (108/4).

فارغ ہوئے تو میں نے نہ تو ان سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد ان سے بہتر کوئی معلّم دیکھا، اللہ کی قسم انہوں نے نہ تو مجھے ڈانٹا639 اور نہ مجھے مارا اور نہ ہی مجھے بُرا بھلا کہا، بلکہ یہ کہا: (اس نماز کے اندر لوگوں کا کچھ بھی بات کرنا درست نہیں ہے، یہ نماز تو تسبیح وتکبیر اور قراءتِ قرآن ہے)640.

وجہِ دلالت: (اس میں رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم اخلاق کا بیان ہے جس کی اللہ تعالی نے آپ کے حق میں شہادت دی ہے، نیز جاہل کے ساتھ آپ کی نرمی، اپنی امت کے ساتھ مہربانی اور ان پر آپ کی شفقت کا ذکر ہے، اس کے علاوہ جاہل کے ساتھ رِفق ونرمی کرنے، اس کو اچھے انداز میں تعلیم دینے، اس کے ساتھ محبت سے پیش آنے اور حق بات کو اس کے فہم سے قریب تر کرنے کے تعلق سے آپ ﷺ کے اخلاق کو اپنانے کا سبق ہے)641.

ج۔ متعلّم اور معلّم کی نرم کلامی: ابو رفاعہ العدوی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ کے پاس پہنچا اس حال میں کہ آپ خطبہ دے رہے تھے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک اجنبی آدمی آپ سے اپنے دین کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے آیا ہے، وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے، وہ کہتے ہیں: (رسول اللہ ﷺ میری طرف بڑھے اور خطبہ چھوڑ دیا یہاں تک میرے پاس پہنچ گئے، آپ کے لئے ایک کرسی لائی گئی جس کے پائے میرے علم کے مطابق لوہے کے تھے، وہ بیان کرتے ہیں: آپ ﷺ اس پر بیٹھ گئے اور مجھے ان باتوں کی تعلیم دینے لگے جنہیں اللہ نے آپ کو سکھایا تھا، پھر آپ اپنے خطبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کے آخری حصّہ کو مکمل فرمایا)642.

وجہِ دلالت: (سائل کا اپنے کلام میں اور عالم سے سوال کرنے میں نرمی اختیار کرنے کا استحباب، اور نبی ﷺ کا تواضع، آپ کا مسلمانوں سے الفت ومحبت، ان پر آپ کی شفقت اور ان کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا)643.

639. (ما کھرنی): الکھر: ڈانٹنا. دیکھئے: کشف المشکل، (233/4).

640. مسلم، (381/1)، (ح537).

641. شرح النووی علی صحیح مسلم، (20/5).

642. مسلم، (597/2)، (ح876).

643. شرح النووی علی صحیح مسلم، (165/6).

د۔ متعلّم کا معلّم کے ساتھ رِفق: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نبی ﷺ سے دریافت کیا: اللہ تعالی کے نزدیک سب سے محبوب عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: (وقت پر نماز پڑھنا)، پھر میں نے پوچھا: اس کے علاوہ اور کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: (پھر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک)، پھر میں نے کہا: اس کے علاوہ اور کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد) وہ کہتے ہیں: ان چیزوں کو آپ نے مجھ سے بیان فرمایا، اور اگر میں آپ سے مزید سوال کرتا تو آپ مجھے مزید نوازتے644.

اور ایک روایت میں ہے: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: (آپ سے نرمی ومحبت کی بنا پر ہی645 میں مزید استفسار کرنے سے باز رہا)646

وجہِ دلالت: (متعلّم کا معلّم کے ساتھ نرمی ومہربانی، اس کے مصالح کی رعایت اور اس پر شفقت وعنایت)647.

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس حدیث میں: ایک ہی وقت میں متعدد مسائل پوچھنے، عالم کے ساتھ رِفق سے پیش آنے، اس کے آزردہ ہونے کے اندیشے کی وجہ سے زیادہ سوالات کرنے سے پرہیز کرنے، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں موجود نبی ﷺ کی تعظیم اور آپ کے لئے جذبۂ شفقت، اور آپ کا مشقت گوارا کر کے بھی رہنمائی حاصل کرنے والوں کی رہنمائی کرنے کا ذکر ہے)648.

۴۔ نصیحت میں رِفق:

تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (دین خیر خواہی کا نام ہے) ہم لوگوں نے کہا: کس کے لئے؟ آپ نے فرمایا: (اللہ کے لئے، اس کی کتاب کے لئے، اور اس کے رسول کے لئے، اور مسلمانوں کے ائمہ کے لئے، اور عام مسلمانوں کے لئے)649.

---

644. البخاری، (197/1)، (ح504)؛ ومسلم، (90/1)، (ح85).
645. حدیث کا لفظ ہے: **(إِرْعاءً عليه)**: یعنی آپ کے ساتھ رفق وآسانی کی خاطر. دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم (76/2).
646. مسلم، (89/1)، (ح85).
647. شرح النووی علی صحیح مسلم، (79/2).
648. فتح الباری، (10/2).
649. مسلم، (74/1)، (ح55).

نووی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (جہاں تک عام مسلمانوں ۔ والیانِ امر کے علاوہ ۔ کی خیر خواہی کی بات ہے تو ان کی خیر خواہی دنیا و آخرت کی بھلائی کی طرف ان کی رہنمائی کرنا، اس پر ان کی اعانت کرنا، ان کی پردہ پوشی کرنا، ان کی کمیوں کو پوری کرنا، ان سے ضرر کو دور کرنا، منافع کو ان کے قریب کرنا، انہیں رِفق و اخلاص کے ساتھ معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا، اور ان کے ساتھ شفقت سے پیش آنا ہے)650.

۵۔ضعفاء کے ساتھ رِفق:

ضعفاء کے ساتھ نرمی و رِفق سے پیش آنے کی ترغیب کے سلسلے میں سنتِ نبویہ کے اندر بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں، چاہے وہ خدام ہوں، یا بیمار ہوں، یا مصیبت زدہ ہوں، یا اس قسم کے کوئی اور ہوں، ان ضعفاء کے ساتھ رِفق کے مظاہر میں سے بعض یہ ہیں:

أ۔ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (مَنْ لَطَمَ مَمْلُوكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ)651۔(یعنی: جس نے اپنے نوکر کو طمانچہ مارا یا اس کی پٹائی کی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردے)۔

وجہِ دلالت: (نوکروں کے ساتھ رِفق، ان کی بہتر دیکھ بھال، اور انہیں تکلیف پہنچانے سے پرہیز)652.

ب۔مَعرُور بن سوید روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے بدن پر ایک حُلّہ ہے اور ان کے غلام کے بدن پر بھی ایک حُلّہ ہے، ہم نے اس کے (آقا و غلام کے یکساں لباس میں ملبوس ہونے) کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا: میں نے ایک شخص کو گالی دی تو اس نے اس کی شکایت نبی ﷺ سے کردی، پس نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: (کیا تم نے اس کی ماں کے ذریعہ اسے عار دلایا ہے؟) پھر آپ نے فرمایا: (تمہارے بھائی (یعنی غلام) تمہارے ہی درمیان کے ہیں، اللہ نے انہیں تمہارا ماتحت بنایا ہے، پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو تو اسے چاہیئے کہ اسے وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے، اور اسے وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہے، اور تم لوگ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ کام کا بوجھ نہ ڈالو، اگر تم نے ان کی طاقت

650. شرح الاربعین النوویہ، (ص13).

651. مسلم، (1278/3)، (ح1657).

652. شرح النووی علی صحیح مسلم، (127/11).

سے زیادہ کام کا بوجھ ڈالا تو اس میں ان کی مدد کرو)653۔

وجہِ دلالت: (غلام کو گالی دینے اوران کے والدین کے ذریعہ ان کو عار دلانے کی ممانعت، نیز ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور رِفق سے پیش آنے کی ترغیب، اور رقیق میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو انہی کی طرح ہوتے ہیں جیسے کہ نوکر، خادم، مزدور وغیرہ)654.

ج۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: نبی ﷺ کا گذر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ نے اس سے فرمایا: (اللہ سے ڈرو اور صبر کرو) اس عورت نے کہا: آپ میرے پاس سے چلے جائیں، آپ کو مجھ جیسی مصیبت لاحق نہیں ہے اور آپ کو اس کا اندازہ نہیں ہے، اس عورت سے کہا گیا: وہ نبی ﷺ تھے، پس وہ نبی ﷺ کے دروازہ پر آئی اور اس نے وہاں کوئی دربان نہیں پایا، اس نے عرض کیا: میں آپ کو پہچان نہیں سکی تھی! آپ نے اس سے کہا: (صبر تو پہلے صدمہ کے وقت ہی ہے)655.

وجہِ دلالت: (نبی ﷺ کی ذات میں پایا جانا والا تواضع، جاہل کے ساتھ رِفق، مصیبت زدہ کو درگذر کرنا اور اس کے اعتذار کو قبول کرنا)656.

د۔اور ''مریضوں کی عیادت'' کے آداب میں سے ان کے پاس نرم گفتاری اختیار کرنا، رِفق ومتانت کے ساتھ اجازت طلب کرنا، سوال کرنے میں ان پر سختی نہ کرنا، زیادہ باتوں سے انہیں آزردہ نہ کرنا، ان کے پاس کم بیٹھنا، مناسب اوقات میں ان کی عیادت کرنا، ان سے ہمدردی کا اظہار کرنا، ان کے حق میں دعا کرنا، انہیں مکمل شفایابی کی امید دلانا، ان کو صبر کی تلقین اور احتسابِ اجر کی تعلیم دینا ہے 657.

سنتِ نبویہ کا خصلتِ رِفق کو معاشرہ کے تمام افراد کے درمیان پھیلانے پر زور، یعنی امت کے سربراہان اور والیانِ امر یعنی امام اور حاکم سے لے کر سماج کے کمزور اور محتاج افراد تک پھیلانے پر زور سنتِ نبویہ کی عظمت کی

---

653. البخاری، (899/2)، (ح2407)؛ ومسلم، (1283/3)، ح(1661).

654. فتح الباری، (175/5).

655. البخاری، (430/1)، (ح1223) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (637/2)، (ح926).

656. فتح الباری، (150/3).

657. شرح صحیح البخاری، لابن بطال (573/6)؛ شرح النووی، (76/11).

دلیل ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ اس نے:

۱۔ان بہت سے سماجی مشکلات ومسائل کوحل کیا ہے جن کے علاج سے جدید معاشرے عاجز آگئے تھے، جن مسائل میں سے عصبیت ونسلی امتیاز، اور طبقہ یانسل یانسب یارنگ یامذہب کی بنیاد پرلوگوں کے درمیان تفریق کا معاملہ ہے۔

۲۔سماجی بندھن کومظبوط بنایااوراس کے افراد کے درمیان روابط کواستحکام عطا کیا، جس سے سماجی وحدت پیداہوتی ہے، اور وطن سے نسبت اوراس سے محبت کے جذبات واحساسات میں یکسانیت ظاہر ہوتی اس طرح یہ ان مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے سماج کومتحد کردیتی ہے جس میں سماج کے افراد کی مشترکہ کوششوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳۔سماج کواسلامی شکل وصورت عطا کرنااوراسلامی عادات واطواراوراس کے اخلاق وکردارکوسر بلند کرنا، تاکہ حقیقت میں مسلم معاشرہ مثالی معاشرہ ثابت ہو، ساری دنیا تک وہ اپنے پیغام کوپہنچاسکے، اپنے مقصد یعنی دین کی اشاعت اورخیر کی طرف لوگوں کی رہنمائی کا کام مثالی اورقابل تقلید نمونہ بن کرانجام دے سکے۔

فرعِ رابع

حیوانوں کے ساتھ رِفق

اسلام کے اندر رِفق بہت بڑا عمل اور بلند مرتبت اخلاق ہے، اس کی وسعت صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ بے زبان جانوروں تک کو محیط ہے، سنتِ نبویہ اپنی عظمت کے عناصر میں سے ایک جدید عنصر کے ساتھ پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، جس میں حیوانات کا اہتمام ورعایت کرنے اور ان کے ساتھ رِفق ونرمی سے پیش آنے کی ترغیب پائی جاتی ہے، سنتِ نبویہ نے ایسے کئی احکام بیان کئے ہیں جو جانوروں کے ساتھ اپنائے جانے والے طرزِ عمل کے حدود بیان کرتے ہیں، اور ان کے ساتھ شفقت ومہربانی ونرمی سے پیش آنے کی تاکید کرتے ہیں، یاد رہے کہ غیر مسلم اقوام جانوروں کے حقوق سے بہت بعد کے زمانوں میں واقف ہو سکے تھے، بلکہ برملا کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اصول جانوروں کے ساتھ اختیار کئے جانے والے ان آداب واحکام سے حاصل کئے تھے جو مسلمانوں کے پاس پہلے سے موجود تھے، اور سچ یہ ہے کہ وہ لوگ جانوروں کو حقوق عطا کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہیں حالانکہ انہوں نے۔ اسی لمحہ میں۔ انسان سے بہت سے حقوق کو سلب کرلیا ہے، اور یہ عجیب وغریب تناقض ہے!

سنت نبویہ میں حیوانوں کے ساتھ رِفق ونرمی سے پیش آنے کے موضوع پر ہماری گفتگو درج ذیل امور کو شامل ہے:

ا۔ استعمال کرتے وقت جانور کے ساتھ مہربانی:

أ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئیں جس کی سواری میں کچھ دقت تھی، پس انہوں نے اسے پریشان کرنا شروع کردیا (یعنی وہ اسے ہانکتیں پھر یکایک لگام کھینچ دیتیں) 658، رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: (رِفق سے کام لو) 659.

---

658. **فَجَعَلَتْ تُرَدِّدُهُ**: یعنی: اس کو دوڑانے پھر سختی کے ساتھ روکنے لگیں، اور ایسا کئی بار کیا.

659. مسلم، (2004/4)، (ح2594).

وجہِ دلالت: نبی ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کو جانور کے استعمال میں رِفق ومہربانی سے کام لینے کا حکم دینا۔

ب۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا (جب تم سرسبز وشاداب زمین میں سفر کرو تو اونٹ کو زمین سے اس کا حصّہ دو، اور جب قحط زدہ زمین میں سفر کرو تو اس کو وہاں سے تیزی کے ساتھ ہنکاؤ)660.

نووی رحمہ اللہ کا قول ہے: (حدیث کا معنی: جانوروں کے ساتھ رِفق ونرمی کرنے پر اور اس کے مصالح کی رعایت کرنے پر آمادہ کرنا، اس طرح کہ جب شاداب زمین میں سفر کریں تو ان کو کم چلائیں اور دن کے بعض حصوں میں اور دورانِ سفر ان کو چرنے کے لئے چھوڑ دیں، تاکہ وہ زمین سے چر کر اس سے اپنا حصّہ وصول کرلیں، اور اگر قحط زدہ زمین میں سفر کریں تو رفتار تیز کردیں تاکہ جانوروں میں طاقت رہتے اپنی منزل تک پہنچ جائیں، اس میں رُک رُک کر نہ چلیں جس سے جانور کو نقصان پہنچے، کیونکہ اس میں انہیں چرنے کو کچھ نہیں ملے گا جس سے وہ کمزور ہو جائیں گے)661.

۲۔ جانور کے چہرے میں داغنے کی ممانعت: جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور اس کو داغنے 662 سے منع فرمایا ہے)663.

اور جابر رضی اللہ عنہ کی ایک دیگر روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کے پاس سے ایک گدھا گذرا جس کے چہرے میں داغا گیا تھا، آپ نے فرمایا: (اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے اسے داغا ہے)664.

وجہِ دلالت: نبی ﷺ نے جانوروں پر شفقت ورحمت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے چہروں کو داغنے سے اور اس پر مارنے سے منع فرمایا ہے، اور نہی تحریم کی متقاضی ہے۔

۳۔ذبح کے وقت جانور کے ساتھ نرمی:

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے دو باتیں نبی ﷺ سے یاد کی ہیں، آپ نے فرمایا ہے: (اللہ

660. مسلم،(1525/3)،(ح1926) .

661. شرح النووی علی صحیح مسلم،(69/13).

662.(**الوَسْم**): داغنا، دیکھئے: النھایۃ فی غریب الحدیث،(185/5).

663. مسلم،(1673/3)،(ح2116).

664. مسلم،(1673/3)،(ح2117).

تعالی نے ہر چیز پر احسان کو فرض کر دیا ہے، پس جب تم لوگ (قصاص وغیرہ میں) قتل کرو تو بہتر طور سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو بہتر طور سے ذبح کرو، اور چاہئے کہ تم میں کا ہر کوئی اپنی چھری تیز کر لے اور اپنے ذبیحے کو راحت پہنچائے)665.

وجہِ دلالت: قتل و ذبح کے وقت احسان کا اور چھری تیز کرنے کا حکم ہے، اس لئے کہ یہ جانور کے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

۴۔ جانور کو عذاب دینے کی ممانعت:

اَ۔ ھشام بن زید بیان کرتے ہیں: میں انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ حکم بن ایوب کے پاس گیا، انہوں نے بچوں کو۔ یا نوجوانوں کو۔ ایک مرغی کو باندھ کر اس پر نشانہ لگاتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا: (**نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ** 666)667. (یعنی: نبی ﷺ نے جانور کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے)۔

ب۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے: ابن عمر رضی اللہ عنہما کا گذر قریش کے کچھ نوجوانوں کے پاس سے ہوا جنہوں نے ایک چڑیا کو باندھ رکھا تھا، اور وہ اس کو نشانہ بنا رہے تھے، انہوں نے صاحبِ چڑیا کے لئے ان سے خطا کر جانے والے تیروں کو مقرر کر رکھا تھا، جب ان لوگوں نے ابن عمر کو دیکھا تو متفرق ہو گئے، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: (ایسا کس نے کیا ہے؟ ایسا کرنے والے پر اللہ کی لعنت ہو، اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر لعنت بھیجی ہے جو کسی ذی روح کو نشانہ بنائے)668.

وجہِ دلالت: زندہ جانوروں کو قتل کرنا حرام فعل ہے؛ اس لئے کہ (لعنت تحریم کے دلائل میں سے ہے) 669، اور یہ اس رِفق کے خلاف ہے جس کا جانور کو ذبح کرتے وقت حکم دیا گیا ہے؛ (اور اس لئے کہ یہ حیوان کو مبتلائے عذاب کرنا، بے وجہ اس کی جان کو ہلاک کرنا، اس کی مالیت کو ضائع کرنا، اور اگر ذبح کیا جانے والا ہے تو

665. مسلم، (1548/3)، (ح1955).
666. (**تُصْبَرَ البَهَائِم**): یعنی نشانہ لگانے کے لئے باندھا جائے۔ دیکھئے: کشف المشکل، (198/3).
667. البخاری، (2100/5)، (ح5194)؛ ومسلم، (1549/3)، (ح1956).
668. مسلم، (1550/3)، (ح1958).
669. فتح الباری، (644/9).

اس کے ذبح کو ترک کرنا، اور اگر نا قابلِ ذبح ہے تو اس کی منفعت کو برباد کرنا ہے)670.

۵۔ جانور کے پاس احساس کا مادہ ہوتا ہے جس کی رعایت کی جانی چاہئے:

نبی ﷺ نے جانور کے پاس احساس کے پائے جانے کا اقرار فرمایا ہے، جس احساس کی وجہ سے وہ انسان کی طرح غم و تکلیف کو محسوس کرتا ہے، اسی وجہ کر آپ نے جانور کو عذاب میں مبتلا کرنے اور اس کو ڈرانے سے منع فرمایا ہے، خصوصاً اس کے بچوں کے بارے میں، اور اللہ کی قسم! یہ رِفق کی اعلی ترین و بلند تر مثال ہے جس کو نبی ﷺ نے قائم فرمایا ہے اور اس پر لوگوں کو ابھارا ہے، اس کی واضح ترین مثال یہ ہے:

أ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ اپنی ضرورت کی تکمیل کے لئے چلے گئے، اس اثنا میں ہم لوگوں نے ایک گوریا کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے، ہم لوگوں نے اس کے دونوں بچوں کو لے لیا، وہ گوریا آئی اور اپنا پر پھڑ پھڑانے لگی، اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: (کس نے اس کے بچے کو لے کر اسے خوف میں مبتلا کر دیا ہے؟ اسے اس کا بچہ لوٹا دو)671.

ب۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو ایک بکری کی گردن پر اپنا پیر رکھے ہوئے اپنی چھری تیز کر رہا تھا، وہ بکری اپنی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: (کیا تم اسے کئی موت مارنا چاہ رہے ہو؟! تم نے اسے لٹانے سے پہلے ہی اپنی چھری تیز کیوں نہیں کر لیا تھا؟)672.

خلاصہ:

سنتِ نبویہ نے رِفق کو اسلامی اخلاق و سلوک قرار دیا ہے، اس پر اس نے لوگوں کو ابھارا ہے، اس کی طرف لوگوں کو بلایا ہے اور اس کی تطبیق و تنفیذ کے مواقع و اماکن کو وسعت بخشا ہے تاکہ اس میں آدمی کا اپنے اوپر نرمی و مہربانی کرنے کی بنا پر ذاتی کوششیں شامل ہوں، پھر خاندانی، پھر معاشرتی جن میں رنگ یا جنس یا مذہب کی کوئی تفریق نہ ہو، بعد ازاں سنتِ نبویہ نے رِفق کو لے کر عنصرِ بشری کے حدود کو تجاوز کر لیا ہے تاکہ اسے بے زبان

670. شرح النووی علی صحیح مسلم، (108/13).

671. ابوداود، (55/3)، (ح2675). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (147/2)، (ح2681) میں صحیح کہا ہے.

672. الطبرانی فی الکبیر، (332/11)، (ح11916). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع)، (80/1)، (ح93) میں صحیح کہا ہے.

مخلوقات اور جانوروں کے حق میں بھی ثابت کیا جاسکے، چنانچہ اس نے ان کے حقوق ثابت کئے ہیں، ان کے ساتھ تعامل کے آداب مقرر فرمائے ہیں، اوران پر رِفق ونرمی کو ان سے تعامل کا اساس و بنیاد قرار دیا ہے، خبردار! ہر سماعت رکھنے والا اسے سُن لے اور ہر وہ شخص اس کو اچھی طرح سمجھ لے جسے اللہ تعالی نے دِل عطا کیا ہے، اے وہ لوگو جو مغرب کی بے وقعت جمعیات وتنظیمات کے فریب خوردہ ہو، جنہوں نے جانوروں کے حقوق کا خوب خوب پرچار کیا اور ان کے ساتھ رِفق ونرمی کرنے کے غرض سے جمعیتیں اور تنظیمیں بنائیں، لیکن دوسری طرف انہوں نے انسانی کرامت کا گلا گھونٹ دیا، اجتماعی طور پر ملک بدر کرنے اور نسلی امتیاز روا رکھنے کو انسانوں کے ساتھ تعامل کے لئے اساس قرار دے دیا گیا، اسلام کی اعلی قدروں اور اس کے بلند وبالا اخلاقی نظام اور سارے جہاں میں انسانی کرامت کی واقعی اور سچی تعبیر پیش کرنے والے اسلامی اصول ومعاییر کو غور سے دیکھو، یہ ہے ہمارا دین، یہ ہیں ہمارے نبی، اور یہ ہے ہمارے نبی کی سنت، کیا تمہارے پاس اس کا کوئی مثیل ہے؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، والحمدللہ ربّ الأرض والسماوات۔

چوتھا مبحث

کشادہ ظرفی اور فراخ دلی

کشادہ ظرفی اور فراخ دلی سنتِ نبویہ کے بلکہ بالعموم شریعت اسلامیہ کے عظیم خصائص میں سے ہے، نبی ﷺ کی رسالت لوگوں کے معتقدات، ان کے رنگ اور نسل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تمام لوگوں کے ساتھ کشادہ ظرفی، چشم پوشی، فراخ دلی اور سبھوں کے ساتھ حسنِ تعامل کی تعلیم لے کر آئی، اس لئے اس نے کسی ادنی امتیاز کے بغیر سب کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا، لیکن مغرب کے نزدیک تسامح کا تعلق دینی مسئلہ سے جڑا رہا ہے جسے ان مشکلات اور اختلافات کے حل کے طور پر دیکھا گیا جو کنیسوں میں پیدا ہو گئے تھے، اس کے علاوہ وہ ان مغربی معاشروں کی خاص اصطلاح کے طور پر جانا گیا جو مسامحت اور معاشرت کے اس بنا پر قائل تھے کہ دوسرے کو گوارا کیا جا سکے، اس کی دینی، سیاسی، فکری اور اس طرح کی دوسری آزادی کا احترام کیا جا سکے، مگر دونوں حالتوں میں یہ تسامح اور کشادگی خارجی اثرات اور قہری عوامل کی نتیجے میں پائے گئے ہیں، جن کے لئے مغربی عیسائی دنیا کو اموال وارواح کے ضیاع کی شکل میں زبردست نقصانات سے دوچار ہونا پڑا، پہلی اور دوسری عالمی جنگیں ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی ہیں، وہ ہمارے دعویٰ کے لئے دلیلِ مجسم ہیں، ان دونوں عالمی جنگوں کے نتیجے میں مغربی عیسائی دنیا کو اموال وارواح کی شکل میں جو بھاری قیمت چکانی پڑی وہ گمان کی حد سے متجاوز ہے۔

شریعتِ اسلامیہ میں حالت یکسر مختلف نظر آتی ہے، اس دین کے اندر سماحت اور تسامح اصلِ اصیل اور رکنِ رکین کی حیثیت رکھتی ہے، یہ ابتدا ہی سے اس کا حصّہ رہا ہے، اسلام نے شروع ہی سے اس کی دعوت دی اور اس پر لوگوں کی تربیت کی، بلکہ عملی طور پر اس کو آزمایا اور معاشرہ میں جاری کیا۔

چونکہ مغرب نے بہتان تراشی کرتے ہوئے ہماری تہذیب وتمدن کو تلوار کی قوت سے پھیلائی جانے والی تہذیب بتایا ہے لہذا ہم ان کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس دین کے وسیع خطّے تک پھیلنے کا حقیقی سبب یہی سماحت اور تسامح رہے ہیں، انہیں دونوں کی برکت سے لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہوئے، اگر دنیا کے اس

رقبہ پر غور وخوض کیا جائے جو اسلامی فتح کے دائرے میں آ گئے تھے تو اس کی وسعت اور مشرق ومغرب تک اس کے پھیلاؤ کے باوجود جو چیز دیکھنے کی ہے اور جو تاریخی طور پر ثابت بھی ہے وہ یہ کہ ان معرکوں میں مقتولین کی تعداد بہت کم رہی ہے، بلکہ جن مذہبی وگروہی جنگوں کا مشاہدہ یورپ نے عہد وسطی میں کیا تھا ان میں سے صرف ایک جنگ میں مقتولین کی جو تعداد رہی ہے اتنی اسلام کی ساری جنگوں میں نہیں رہی، اور ظاہر ہے کہ ایسا سماحت وتسامح کے زریں اسلامی اصولوں کی بنا پر ممکن ہوا۔

اس کے علاوہ رسالتِ محمدیہ میں سماحت وتسامح کو ایک الٰہی عطیہ سمجھا گیا ہے جس کی بنا پر اللہ تعالی نے اس رسالتِ خالدہ کے مقام ومرتبہ کو بلند کیا، نیز یہ اس رسالت کی نمایاں شناخت رہا ہے، بلکہ یہ اسلام کا تمدنی طور طریقہ ہے، جو امتِ محمدیہ کے توازن، اعتدال اور اس کی خیریت کی پاسبانی کرتا ہے، جس کو نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ، مشرکین کے ساتھ، یہود ونصاری کے ساتھ اور تمام اعداء کے ساتھ معاملہ کے دوران اپنے اقوال وافعال میں شامل رکھا، اس لئے جملہ انسانیت کے ساتھ آپ کا تعامل عفو وصفح، عدل واحسان اور سماحت و تسامح کی ایک زندہ مثال تھا، یہی وجہ ہے کہ اس رسالت نے ان لوگوں کی طرف سے قبولیت ومحبت کا درجہ حاصل کر لیا جنہوں نے اس میں اس بلند اخلاق کو محسوس کیا 673.

تسامح کی تعریف:

تسامح (فراخ دلی) کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں جُرجانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد: (جس کو خرچ کرنا واجب نہ ہو اس کو از راہِ فضل خرچ کرنا ہے) اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد: (کرم وسخا اور فیاضی ہے) 674.

سنتِ نبویہ میں تسامح کے مظاہر:

سنتِ نبویہ میں سماحت اور تسامح مختلف امور پر دلالت کرنے کے لئے آیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ سماحت اس دین کی بنیاد ہے:

اس لئے کہ نبی ﷺ نے سماحت کے درمیان اور دینِ اسلامی کے اصل کے درمیان ربط قائم کیا ہے، اس کو

673. التسامح في اللغة العربية، في كارل بوبر وغيرهم، (ص5).

674. التعريفات للجرجاني (ص127)؛ النهاية في غريب الحديث والأثر، (398/2).

آپ نے متعدد احادیث میں لازمی وصف قرار دیا ہے، ان احادیث میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (میں یہودیت کے ساتھ یا نصرانیت کے ساتھ نہیں بھیجا گیا، بلکہ میں حنیفیۃ سمحۃ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں) 675۔پس نبی ﷺ کی رسالت رسالتِ حنیفیہ ہے یعنی: باطل سے حق کی طرف مائل ہے، اور رسالتِ سمحہ ہے یعنی: آسان ومختصر ہے؛ گویا آپ کی ساری زندگی، آپ کے احکامات اور ارشادات یُسر، سماحت اور اپنی امت کے لئے تخفیف پر قائم ہے 676.

۲۔ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا: اللہ تعالی کا سب سے محبوب دین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: (حنیفیۃ سمحۃ) 677.

اور ایک روایت میں ہے: (اللہ تعالی کا محبوب ترین دین حنیفیۃ سمحۃ ہے) 678.

اور ایک روایت میں ہے: (افضل اسلام حنیفیۃ سمحۃ ہے) 679.

۲۔سماحت اس دین کا اخلاق ہے:

نبی ﷺ نے سماحت اور تسامح کی ترغیب دی ہے، اور ان کو اپنانے اور مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں انہیں بطورِ سلوک لازمی طور سے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، بلکہ ان دونوں کے التزام پر دنیا وآخرت میں جو ثواب و جزاء مرتب ہوتے ہیں ان کے پیش نظر ان کی ترغیب دی ہے، اس سلسلے میں وارد احادیث درج ذیل ہیں:

ا۔جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**رَحِمَ اللَّهُ رَجُلًا سَمْحًا** 680 **إِذَا بَاعَ، وإذا اشْتَرَى، وإذا اقْتَضَى**) 681. (یعنی: اللہ تعالی اس شخص پر رحم فرمائے جو نرم وسہل

675. مسند احمد، (266/5)، (ح 22354). اور البانی نے اس کو (السلسلۃ الصحیحۃ)، (1022/6)، (ح 2924) میں صحیح کہا ہے.

676. دیکھئے: فتح الباری، (130/1).

677. مسند احمد، (236/1)، (ح 2107). اور البانی نے اس کو (صحیح الأدب المفرد)، (122)، (ح 220) میں کہا ہے: (حسن لغیرہ) ہے.

678. البخاری معلقاً، (23/1)، اور اس کو (الأدب المفرد)، (ص 108)، (ح 287) میں موصولاً روایت کیا ہے، اور البانی نے (السلسلۃ الصحیحۃ)، (541/2)، (881) میں صحیح کہا ہے.

679. الطبرانی فی الأوسط، ح. اور البانی نے صحیح الجامع، ح میں حسن قرار دیا ہے.

680. (**سَمْحاً**): یعنی: سھلاً، دیکھئے: فتح الباری (307/4).

681. البخاری، (730/2)، (ح 1970).

ہو بیع کے وقت، شراء کے وقت، اور تقاضا کرتے وقت)۔

ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اس میں: سماحت، حسنِ معاملہ، اعلی و برتر اخلاق کے استعمال کی ترغیب ہے، اور اختلاف سے دور رہنے کی تعلیم ہے، نیز بیع کے اندر نرم روی اختیار کرنے کا حکم ہے جو کہ اس میں برکت کے وجود کا سبب ہے)682.

۲۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ایک شخص جنت میں قاضی و متقاضی کی حیثیت سے سماحت سے کام لینے کی بنا پر داخل ہو گیا)683.

مدعو افراد میں سماحت کی تاثیر کے اہم ترین شواہد میں سے مسلمان تجار کا بیع وشراء و دیگر معاملات میں سماحت وتسامح سے کام لینا اور لوگوں کے ساتھ حسنِ اخلاق سے پیش آنا وہ عمل ثابت ہوا جس کا رسالتِ محمدیہ کی نشر واشاعت کے ابتدائی دور میں ہی بہت سے ممالک میں اسلام کے پھیل جانے کا زبردست اثر ہوا، اور تمام برّ اعظموں تک اسلامی دعوت کے پھیلاؤ میں تسامح کا مرکزی کردار رہا۔

۳۔سماحت ہمارے نبی ﷺ کی سنت تھی:

نبی ﷺ نے ہمارے لئے سماحت وتسامح کی بہترین مثالیں اور عظیم تصویریں پیش فرمائی ہیں، چنانچہ آپ کے اقوال اور افعال بالکل یکساں دکھائی دیتے ہیں، آپ کی دعوت اور آپ کے عمل میں ذرہ برابر اختلاف و تناقض نظر نہیں آتا۔

نبی ﷺ کی سماحت کی جھلکیاں:

آپ ﷺ کی سماحت اور تسامح کی بعض اہم صورتیں یہ ہیں:

۱۔**دشمنوں کے ساتھ آپ کی سماحت وتسامح:** جو شخص سیرتِ نبویہ کا مطالعہ کرے گا اور اس کی ورق گردانی کرے گا وہ پائے گا کہ آپ کی پوری سیرت مختلف مواقع اور مواقف میں اپنے دشمنوں کے ساتھ تسامح سے پیش آنے کے واقعات سے بھری پڑی ہے، آپ نے ان میں سے قتلِ خطأ کا شکار ہو جانے والوں کی دیتیں ادا کیں،

682. شرح صحیح البخاری، لابن بطال(210/6).

683. مسند احمد، (210/2)، (ح6963). اور البانی نے (صحیح الترغیب والترھیب)،(154/2)، (ح1750) میں اس کو (حسن لغیرہ) کہا ہے.

ان کے ظالم وگنہ گاروں میں سے توبہ کر کے آنے والے ہر شخص کو آپ نے معاف فرمادیا، آپ ان کے جنازوں کے ساتھ جاتے، ان کے ولائم میں حاضر ہوتے، ان کا بنایا ہوا کھانا کھاتے، ان کے ساتھ تجارتی معاملہ کرتے اور ان سے قرض لیا کرتے تھے، حتی کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی زرہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی، ایسا آپ نے صحابہ کو تعلیم دینے کے لئے کیا تھا ورنہ صحابہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو آپ کو بخوشی قرض دے سکتے تھے بلکہ وہ خود پر آپ کو ترجیح دیتے 684.

۲۔ اہلِ کتاب کے ساتھ سماحت وتسامح سے پیش آنا: نبی ﷺ بیمار اہلِ کتاب کی عیادت فرماتے، ان پر صدقہ کرتے، بلکہ اہلِ کتاب میں سے آپ کے پڑوسی تھے جن کے ساتھ ہمیشہ بھلائی کیا کرتے تھے، ان کو ہدایا سے نوازتے، اور ان کے ہدایا کو قبول فرماتے تھے۔

نبی ﷺ کی سماحت وتسامح کی ایک واضح ترین مثال یہ ہے کہ آپ نے عظیم قبط مقوقس کی طرف سے ہدیہ میں پیش کی جانے والی لونڈی کو قبول فرمالیا، پھر اس سے شادی کر لی جس سے آپ کے لڑکے ابراہیم پیدا ہوئے، اور آپ نے مصری قبطیوں کے اس نسب کی حفاظت فرمائی جس کے ذریعہ آپ ان سے جڑ گئے تھے، ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تم لوگ ایسی سرزمین کو فتح کروگے جس میں قیراط کا ذکر کیا جاتا ہے، تم لوگ اس کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، ان کے لئے ذمّہ اور رشتہ ہے) 685.

اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: (جب تم لوگ مصر فتح کروگے تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ بہتر سلوک کروگے، اس لئے کہ ان کا ذمہ اور رشتہ ہے) زہری نے کہا ہے: رشتہ یہ ہے کہ ام اسماعیل ان ہی میں تھیں 686.

اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (ماریہ قبطیہ اور ان کی بہن سیرین کو اسکندریہ اور مصر کے بادشاہ مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے سیرین کو شاعر اسلام حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہدیہ کردیا تھا جن سے عبداللہ بن حسان پیدا ہوئے تھے) 687.

---

684. دیکھئے: التسامح فی الاسلام، شوقی ابوخلیل (ص 14).

685. مسلم، (1970/4)، (ح 2543).

686. الکبیر للطبرانی، (61/19)، (ح 112). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع)، (70/1)، (ح 700) میں صحیح کہا ہے.

687. الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، (59/1).

اہلِ کتاب کے ساتھ نبی ﷺ کی سماحت اور تسامح کی شہادت بہت سے مستشرقین نے دی ہے، ایک مستشرق جوزف لوبون کہتا ہے: (یہود ونصاری کے تعلق سے محمد [ﷺ] کی مسامحت غایت درجہ تک پہونچی ہوئی تھی، ایسی فرخ دلی اس سے پہلے کے ادیان بالخصوص یہودیت ونصرانیت کے بانیوں میں نہیں دیکھی گئی، اور آپ ہی کی سنت پر آپ کے خلفاء قائم رہے، اس تسامح کا اعتراف بعض ان علمائے یورپ نے کی ہے جو یقین نہ رکھنے والے ہیں، یا تھوڑے سے وہ علماء ہیں جو یقین رکھتے ہیں اور جنہوں نے تاریخ عرب میں غور وخوض کیا ہے)688.

۳۔مشرکین کے ساتھ آپ کا سماحت وتسامح سے پیش آنا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: آپ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! مشرکین کے حق میں بددعا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا: (میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں، بلکہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں)689.

اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ تعالی نے آپ کی قوم کی طرف سے آپ سے کہی جانے والی بات سُن لی ہے اور انہوں نے آپ کو جو جواب دیا ہے اسے بھی سُن لیا ہے، اور اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تا کہ آپ ان کے بارے میں جو حکم دینا چاہیں اسے دیں، اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتہ نے مجھے آواز دیا، پہلے مجھے سلام کیا پھر کہا: اے محمد ! آپ جس کا حکم دینا چاہیں دیں، اگر آپ چاہیں تو میں دو پہاڑوں کے درمیان انہیں پیس دوں، نبی ﷺ نے فرمایا: (نہیں بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالی ان کی نسل سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اس کے ساتھ کسی شریک نہیں ٹھہرائیں گے)690.

اپنے اصحاب کے ساتھ سماحت وتسامح: نبی ﷺ اپنے اصحاب کے دلوں پر حکومت فرماتے تھے، جو دل آپ کی محبت سے لبریز تھے، اور ان کے نزدیک نبی ﷺ کے مقابلے میں دنیا اور اس کی ساری نعمتیں ہیچ تھیں، اور یہ سب اس رقّت ورافت اور لطف وسماحت کی وجہ سے تھا جن سے اللہ تعالی نے آپ کے دل کو آباد کر رکھا تھا، اللہ

688. حضارۃ العرب، (ص128).

689. مسلم، (2006/4)، (ح2599).

690. البخاری، (1180/3)، (ح3059)؛ ومسلم، (1420/3)، (ح1795).

تعالی کا فرمان ہے: (**فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ**)[آل عمران: ۱۵۹]، اور ایسے بہت سے مواقف ہیں جو نبی ﷺ کا اپنے اصحاب کے ساتھ سماحت و تسامح سے پیش آنے پر دلالت کرتے ہیں، اور یہ اس بلند اخلاق کے شاہدِ عدل ہیں جس سے نبی ﷺ متصف تھے، اور ان مواقف میں سے بعض یہ ہیں:

❁ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ کے اوپر ایک شخص کا اونٹ قرض تھا، وہ اس کا تقاضا کرنے آیا تو آپ نے فرمایا: (اسے دے دو)، لوگوں نے اس جیسا اونٹ تلاش کیا مگر ویسا اونٹ نہیں ملا بلکہ اس سے بڑا اونٹ ملا، آپ نے فرمایا: (اسے ہی دے دو)، اس آدمی نے کہا: آپ نے تو میرا پورا پورا حق دے دیا ہے اللہ تعالی آپ کو اس کا پورا بدلہ دے 691، نبی ﷺ نے فرمایا: (تم میں سے بہتر آدمی وہ ہے جو ادائیگی میں بہتر ہو) 692.

اور ایک روایت میں ہے: ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور آپ کی ساتھ سخت کلامی سے پیش آیا، پس آپ کے اصحاب اس کی طرف بڑھے تو نبی ﷺ نے فرمایا: (اسے چھوڑ دو، صاحبِ حق کو بات کہنے کا اختیار ہوتا ہے، اس کے لئے ایک اونٹ خرید دو اور اسے اس کے حوالے کر دو) 693.

۵۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ سماحت وتسامح: جہاں تک آپ کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سماحت وتسامح سے پیش آنے کی بات ہے تو درحقیقت یہ آپ کا مثالی عمل ہے، جو آپا کے بلند اخلاق اور عمدہ تعامل کی دلیل ہے، خاص کر عورت کے ساتھ جس کے دین اسلام میں مقام ومرتبت کو لے کر معاندین ہمیشہ شکوک کا اظہار کرتے رہتے ہیں، نبی ﷺ کا اپنی زوجات اور اہلِ بیت کے ساتھ محبت اور ان کے ساتھ سماحت وتسامح تمام احوال میں انتہا درجہ کو پہنچا ہوا تھا، ، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ خود اس کے قائل ہیں: (**خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي**) 694۔ (یعنی: تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے اہل کے لئے تم

691. (أَوْفَيْتَنِي): یعنی: آپ نے میرا حق مکمل اور پوری شکل میں ادا کر دیا. دیکھئے: عمدۃ القاری، (231/12).

692. البخاری، (908/2)، (ح2182).

693. البخاری، (842/2)، (ح2260).

694. الترمذی، (709/5)، (ح3895). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (579/3)، (ح3895) میں صحیح کہا ہے.

سب سے بہتر ہوں)،اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ اس خُلقِ عظیم کے مالک ہیں جس کی شہادت خود اللہ تعالی نے دی ہے،اس کا قول ہے:(**وَ إِنَّکَ لَعَلَی خُلُقٍ عَظِیْمٍ**) [**القلم**:۴]،اور آپ نے یہ خلق عظیم کسی اعلی دانش گاہ سے حاصل نہیں کیا اور نہ بڑے ماہرین تربیت کی نگہ داشت میں رہ کر حاصل کیا، بلکہ یہ فطرتاً حاصل تھا جس فطرت پر اللہ تعالی نے آپ کو پیدا فرمایا تھا اور جس کے ذریعہ اس نے آپ پر احسان کیا تھا،اور اہلِ بیت کے ساتھ نبی ﷺ کی سماحت وتسامح پر دلالت کرنے والی سنتیں بالکل واضح اور صریح شکل میں وارد ہوئی ہیں، جو سنتِ نبویہ کی عظمت کی بھی واضح دلیل ہیں،ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کے حج (حجۃ الوداع) میں عمرہ کا احرام باندھا تھا، پھر انہوں نے پوری حدیث روایت کی ہے،اس کے بعد کہا ہے: (اور رسول اللہ ﷺ نرم آدمی تھے، جب وہ کسی چیز کی خواہش کرلیتیں تو نبی ﷺ ان کی اس خواہش کو مان لیتے 695، پس نبی ﷺ نے انہیں عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ ارسال کیا اور انہوں نے تنعیم سے عمرہ کا

وجہِ دلالت: بیوی کے ساتھ حسنِ معاشرت اور اس کے ساتھ تعامل میں کشادہ ظرفی کا ثبوت پیش کرنا۔

۲۔ اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: نبی ﷺ اپنی بعض بیویوں کے پاس تھے، اس اثنا میں امہات المؤمنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پلیٹ کھانا بھیجا، پس نبی ﷺ جس بیوی کے پاس تھے انہوں نے خادم کے ہاتھ پر مار دیا جس کی وجہ سے پلیٹ گر کر ٹوٹ گیا، نبی ﷺ نے پلیٹ کے ٹکروں کو جمع کیا، پھر آپ پلیٹ کے کھانوں کو جمع کرنے لگے اور کہنے لگے: (تمہاری ماں غارت ہو)، پھر آپ نے نوکر کو روک لیا یہاں تک کہ اس بیوی کے پاس سے دوسرا پلیٹ لائے جن کے پاس موجود تھے، اور جس کا برتن ٹوٹ گیا تھا اسے صحیح برتن ادا کیا اور ٹوٹے ہوئے برتن کو ان کے پاس رہنے دیا جن کے گھر میں ٹوٹا تھا 697.

وجہِ دلالت: نبی ﷺ کا اپنی بیویوں اور اہلِ بیت کے ساتھ حسنِ اخلاق سے اور انصاف سے پیش آنا، اور ان

---

695. حدیث کا لفظ ہے:(إِذَا هَوِيَتْ الشَّيْءَ تَابَعَهَا عَلَيهِ): جب ایسے کام کا ارادہ کرتیں جن کے کرنے سے دین میں کوئی کمی نہیں ہوتی جیسے کہ ان کا

696. مسلم،(160/8)،(ح1213).

697. البخاری،(2003/5)،(ح4927).

کے ساتھ آپ کی برد باری اور سماحت وتسامح کا سلوک ، نیز اس میں غیرت مند بیویوں سے صادر ہونے والی حرکت پران کا مؤاخذہ نہ کئے جانے کی طرف بھی اشارہ ہے،اس لئے کہ ایسی حالت میں غیرت کے سبب پیدا ہونے والے شدید غضب کے باعث ان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے 698.

اسلام کی سماحت کا اہلِ مغرب کی طرف سے اقرار:

اسلام کی عدالت اور سماحت کی شہادت ان بہت سے مستشرقین نے دی ہے جنہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ اس کے تعامل سے آگاہی حاصل کی ہے اور اپنے اپنے مذاہب سے اس کا موازنہ کیا ہے،ان شہادات میں بعض درج ذیل ہیں:

1 -امریکی مستشرق ''ول ڈیورنٹ'' (W.Durant) صاحبِ کتاب (قصة الحضارة) کی شہادت ؛حالانکہ وہ اسلامی تہذیب وتمدن کے مطالعہ میں غیر جانب دار اور حقیقت پسند نہیں ہے اس کے باوجود وہ دوسرے مذاہب وادیان کے تعلق سے اسلامی معاشرہ میں پائے جانے والے تسامح وکشادہ ظرفی کو چھپانے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے: (...اموی خلافت میں اہلِ ذمہ، مسیحی ، یہودی اور صابئہ حد درجہ کی کشادہ ظرفی اور فراخ دلی سے مستفید ہوا کرتے تھے جس کی آج ہمیں مسیحی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے، وہ سب اپنے دینی شعائر کی انجام دہی میں آزاد تھے، وہ اپنے کنائس ومعابد کے ساتھ بالکل محفوظ تھے،ان پر ایک خاص رنگ کا پوشاک پہننے سے اور ہر ایک پر اس کی آمدنی کے مطابق ایک ٹیکس ادا کرنے سے زیادہ اور کچھ فرض نہیں تھا...اور یہ ٹیکس صرف انہیں غیر مسلموں کو دینا پڑتا تھا جو جنگ لڑنے پر قادر ہوتے تھے،اس سے راہبوں، عورتوں، نابالغ بچوں، غلاموں، بوڑھوں، ناکارہ لوگوں، اندھوں اور فقیروں کو معاف رکھا گیا تھا، اور اس ٹیکس کے بدلے ذمیوں کو فوجی خدمات کی ادائیگی سے معاف کردیا جاتا...ان پر زکاۃ فرض نہیں کی جاتی....اور حکومت ان کی حفاظت کی پابند ہوتی تھی)699.

2- فرانسیسی مستشرق ''کونٹ ہنری'' کی شہادت ؛اس نے اندلس کی اسلامی حکومت کے بارے میں گفتگو

---

698. دیکھئے: فتح الباری، (325/9).

699. قصة الحضارة، (131-130/13)؛ اور دیکھئے: الوسطية فی السنة النبوية، (ص199).

کرتے ہوئے کہا ہے: (اسپینی لوگوں کے ساتھ مسلمانوں کی زبردست فراخ دلی رہی اوران کے ساتھ اتنا بہتر معاملہ کیا کہ ان کے سایہ میں وہ اتنے خوش حال ہوگئے جتنے وہ اپنے قدیم حکام کے ماتحت رہتے ہوئے نہیں تھے 700.

1- مشہور مؤرخ گستاف لیبون (Dr.Gustave Lebon) کی شہادت؛ وہ کہتے ہیں: (یہ تنہا مسلمان ہی ہیں جنہوں نے اپنی دینی غیرت اور دیگرادیان کے پیروکاروں کے تعلق سے تسامح کی روح کو ایک ساتھ جمع رکھا) 701۔ نیز اس نے کہا ہے: (قوموں نے عرب جیسے فراخ دل اور مہربان فاتحین نہیں دیکھے اور نہ ان کے دین سے زیادہ کشادگی والا دین دیکھا) 702.

4- تھومس ارنولڈ (thomos arnold) کا کہنا ہے: (اٹلی میں ایک قوم تھی جو ترکیوں کی طرف شوق وامید بھری نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی، تاکہ وہ بھی اس آزادی اور فراخ دلی سے محظوظ ہوسکیں جن سے ان کی رعیتیں محظوظ ہورہی تھیں، اور جس آزادی وفراخ دلی کا مزہ چکھنے سے وہ اپنی کسی بھی مسیحی حکومت میں محروم چلی آرہی تھی) 703.

اور دوسرے مقام پر وہ اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ ممالک کو فتح کرنے اور وہاں کے لوگوں کے اسلام کے اندر داخل ہونے میں مسلمانوں کے تسامح کا بڑا کردار تھا، کہتا ہے: (حق بات یہ ہے کہ ان فاتحین نے دینِ مسیح کے تعلق سے جس دینی تسامح کی سیاست کو اختیار کیا اس کا ان ملکوں پر قبضہ کرنے کے عمل کو آسان تر بنانے میں بڑا اہم رول رہا) 704.

5- فرانسیسی مستشرق ''ایٹن ڈینیٹ'' (Eten .Dinet) کی شہادت؛ جس نے اسلام کا اعلان کیا تھا اور اسلام ومسیحیت کے درمیان عفو وتسامح کے معاملہ میں مقارنہ پیش کیا تھا، اس کا کہنا ہے: (بہت سے لوگ جیسا سمجھتے ہیں مسلمان اس کے برعکس ہیں، انہوں نے حجاز سے باہر کسی کو بھی اسلام کو اپنانے پر مجبور کرنے کے لئے

---

700. التعصب والتسامح بين المسيحية والاسلام، محمد الغزالي (ص187).

701. حضارة العرب، (ص128).

702. مرجع سابق، (105).

703. الدعوة الى الاسلام، (ص183).

704. مرجع سابق، (ص157).

قوت کا استعمال نہیں کیا، اور اسپین میں مسیحیوں کا پایا جانا اس کی واضح دلیل ہے، یہ ان آٹھ صدیوں تک اپنے دین پر بلا خوف وخطر قائم رہے جن میں مسلمان ان کے شہروں پر حکومت کرتے رہے، ان میں بعض کو قرطبہ کے شاہی محل میں اہم مناصب بھی حاصل رہے، پھر جیسے ہی ان مسیحیوں کو ان شہروں پر حکومت حاصل ہوئی تو ان کی سب سے پہلی کوشش یہ رہی کہ مسلمانوں کا بالکل صفایا کر دیا جائے)705.

خلاصہ:

گذشتہ بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ سماحت اور تسامح دونوں کے دونوں سنتِ نبویہ کی عظمت کے مظاہر میں سے ایک اہم مظہر ہیں کیونکہ اس دینِ حنیف کی نشر واشاعت اور اسے گلے لگانے والوں کی تالیفِ قلب میں ان دونوں کا اہم کردار رہا ہے، چنانچہ جب بھی اسلام کا ذکر کیا جائے گا تو اس کے ساتھ اس کی صفتِ سماحت کا بھی ذکر کیا جائے گا، اور قولی وعملی سنت نے آکر اس خُلق اور اس فضیلت کی تائید وتوثیق کر دی ہے۔

705. محمد رسول اللہ، (ص332).

پانچواں مبحث

شمولیت

شریعتِ اسلامیہ میں بالعموم اور سنتِ نبویہ میں بالخصوص غور کرنے والا اس کو محسوس کرتا ہے کہ اس نے ہر اس چیز کو بیان کر دیا ہے جس کی انسان کو، عبادات، معاملات، عائلی نظام، حدود، جنایات، اور ان سے متعلق جملہ ضروریات وحاجیات وتحسینیات اور کمالیات کے تعلق سے ضرورت پڑ سکتی تھی، اور اس کا یہ بیان بے مثال اور بے نظیر شکل میں آیا ہے جس نے پورے عالم کو حیرانگی میں ڈال دیا، اس لئے کہ اس میں قواعد واصول وکلیات کی بیش بہا وبیش قیمتی دولت وافر مقدار میں موجود ہے، جن سے چھوٹے اور بڑے تمام مسائل میں استفادہ کیا جا سکتا ہے، جن سے علماء طرح طرح کے واقعات وحادثات کے احکام کی معرفت کے لئے کئے جانے والے اجتہاد میں استنباط کرتے ہیں، زمان ومکان کے اختلاف اور احوال وکوائف ونیات کے تغیر کی رعایت کرتے ہوئے706.

جس طرح قرآن کریم زندگی میں انسان کو درپیش تمام حالات وظروف کو شامل ومحیط ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے: (**مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ**) [الأنعام : ۳۸] اسی طرح سنتِ نبویہ بھی سب کو محیط ہے، اس نے زندگی کے مستجدات وتطورات کو بھی اپنے دامنِ وسیع میں جگہ دیا ہے، اور وہ ایسی کسی کمی ومحتاجی کو محسوس نہیں کرتی جس کے بغیر انسان اسلامی منہج اور ربّانی قوانین کے مطابق زندگی نہ گذار سکے، باوجودیکہ نصوص ثابت ہیں اور بدلی نہیں ہیں، اور زبان ایک ہے تبدیل نہیں ہوئی ہے، پس یہ استیعاب اور شمول سنتِ نبویہ کی عظمت کے مظاہر میں سے ہے۔

شمول کا معنی:

شمول: کا معنی عموم اور کسی چیز کا استیعاب واحاطہ ہے، اس معنی کے مطابق سنتِ نبویہ تمام دنیوی واخروی، انفرادی اور اجتماعی مصالح کو شامل ہے، وہ دنیا کو آخرت کے بغیر اور آخرت کو دنیا کے بغیر نہیں جانتی، بلکہ وہ اس

706. دیکھئے: مصادر الدین الاسلامی وأبرز محاسنہ ومزایاہ، د.سلیمان بن عبداللہ أبا الخیل (ص63).

سب کے درمیان توازن کو برقرار رکھتی ہے، کیونکہ وہ بندوں کے مصالح کی خاطر وضع کی گئی ہے اور اس کو وضع کرنے والا ان کا خالق ورب ہے [**أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ**] [الملک :۱۴]، اور وہ ان کے احوال ومصالح کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

اور یہ آخری رسالت اسلامی شمول کے تمام پہلوؤں تک وسیع ہے، یہ طول وعرض اور عمق میں اس طرح پھیلی ہوئی ہے کہ اس میں تمام افراد واقوام سما گئے ہیں، اس نے مبادی وقوانین میں سے پاک وصاف کو ثابت کیا ہے، ہر زمان ومکان کے لئے اعلی درجہ کے احکام جاری کئے ہیں، اس کے علاوہ احکام میں وضوح وبیان، قوتِ احتجاج واستدلال، اور صحتِ دلیل وبُرہان کو خاص اہمیت دیا ہے 707.

سنتِ نبویہ کے شمول کے دلائل:

سنتِ نبویہ کے شمول کے دلائل میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ان سے کہا گیا کہ: (تمہارے نبی نے تم لوگوں کو ہر چیز کی تعلیم دیا ہے حتی کہ آدابِ قضائے حاجت کی بھی، انہوں نے کہا: ہاں بالکل)708.

۲۔ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی گئی جس کو تمہارے لئے بیان نہ کر دیا گیا ہو)709.

۳۔ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو اس حال میں چھوڑا کہ اپنے دونوں پَروں سے اُڑنے والی چڑیا کے بارے میں بھی ہمارے پاس علم تھا)710۔سنت نبویہ کے شمول اور توسع کی سب سے بڑی دلیل وہ عجیب وغریب توافق وتطابق ہے جو۔اور جس کا صدور ایک ایسے نبی ورسول معصوم سے ہی ممکن ہے

---

707. دیکھئے: الشمول الاسلامی ..حقائقه وآفاقه، أ.د.عبدالستار فتح اللہ سعید، مجلة البیان، (عدد265): ،(رمضان 1430ھ)، (ص12)؛ المقاصد العامة للشریعة الاسلامیة، د. یوسف حامد العالم (ص47,46).

708. مسلم، (223/1)، (ح262).

709. الکبیر للطبرانی، (155/2)، (ح1647). اور البانی نے اس کو (السلسلة الصحیحة)، (416/4)، (ح1803) میں صحیح کہا ہے.

710. صحیح ابن حبان، (267/1)، (ح65). اور البانی نے اس کو (صحیح موارد الظمآن)، (119/1)، (رقم62) میں صحیح کہا ہے.

لئے کہ یہ عقل کو بہت اہمیت دیتا ہے اور ملکۂ فکر کو ثابت کرتا ہے، جن دونوں کی وجہ سے اللہ تعالی نے انسان کو حیوان سے ممتاز ومکرّم بنایا ہے۔

جن کی طرف وحی کی جاتی ہو۔ انسانی و بشری ضروریات اور تعمیر و ترقی کے تقاضوں کے درمیان اور قولی و فعلی سنت میں وارد احکام کے درمیان پایا جاتا ہے، اس لئے ایسا ممکن نہیں کہ شریعت و منہج سے متعلق ضروری مسائل میں سے کوئی مسئلہ یا قضایا میں سے کوئی قضیہ پایا جاتا ہو اور اس پر دلالت کرنے والی اور اس کی طرف رہنمائی کرنے والی سنت موجود نہ ہو، بلکہ اس کا فیصلہ کرنے والی کوئی واضح و ظاہر سنت ہوگی، یا اس کے قواعدِ عامہ اور مقاصدِ عظمیٰ کی دلالت ہوگی، جن کو علماء اپنے علم اور ملکۂ استنباط و قیاس سے مستنبط کرتے ہیں۔

سنت کے شمول و استیعاب پر دلالت کرنے والے عناصر میں سے یہ عنصر سب سے قوی ہے، اور یہ بلا شک قابلِ احترام عنصر ہے، اس لئے کہ یہ عقل کو بہت اہمیت دیتا ہے اور ملکۂ فکر کو ثابت کرتا ہے، جن دونوں کی وجہ سے اللہ تعالی نے انسان کو حیوان سے ممتاز و مکرّم بنایا ہے۔

سنت انسانی زندگی میں ایک شامل و کامل منہج ہے:

طول، عرض اور گہرائی کے لحاظ سے سنتِ نبویہ کا منہج پوری انسانی زندگی کو شامل ہے:

اس کے ''طولاً'' وسیع ہونے سے مراد زمنی و اساسی لمبائی ہے جو پیدائش سے لے کر وفات تک کی، بلکہ جنینی مرحلہ سے لے کر وفات تک کی پوری انسانی زندگی کو شامل ہوتی ہے۔

اور ''عرضاً'' وسیع ہونے سے مراد افقی وسعت ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہوتی ہے، اس طرح کہ نبوی ہدایت انسان کے گھر میں، بازار میں، مسجد میں، راستے میں، اس کے کام کرنے کی جگہ میں، اللہ کے ساتھ تعلق میں، نفس کے ساتھ تعلق میں، فیملی کے ساتھ تعلق میں، اور دیگر مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے ساتھ تعلق میں، بلکہ انسان، حیوان اور جمادات کے ساتھ تعلق میں اس کے ساتھ چلتی رہتی ہے۔

اور ''عمقاً'' وسیع ہونے سے مراد انسانی وجود کی گہرائیوں تک وسیع ہونا ہے، اس طرح کہ سنت اس کے جسم، عقل اور روح کو شامل ہوتی ہے، اس کے ظاہر و باطن کو سموئی ہوئی اور اس کے قول و عمل اور نیت پر چھائی ہوئی ہوتی ہے711.

سنتِ نبویہ میں ''شمول'' کے دائرے:

سنتِ نبویہ میں ''شمول'' کے مختلف پہلو ہیں، اس ''آخری رسالت'' میں اس کے دائرے کافی وسیع

711. دیکھئے: کیف نتعامل مع السنۃ النبویۃ، د. یوسف القرضاوی (ص 26).

ہیں، جس رسالت کو اللہ تعالی نے قیامت تک کے لئے اپنا دائمی خطاب بنانے اور خاتم الرسول ﷺ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد اپنی ابدی حُجّت بنانے کا ارادہ فرمایا۔

یہ شمول تین پہلوؤں کا شامل ہے:

ا۔شمول ظرفی: (مکان وزمان)۔

۲۔شمول شخصی: (افراد وجماعات)۔

۳۔شمول تشریعی: (مبادیٔ واحکام)، اور تفصیل کچھ یوں ہے:

ا۔شمول ظرفی: اس کا مطلب ہے کہ: سنتِ نبویہ تمام خطہ ہائے ارض اور تمام زمانوں کے لئے اللہ تعالی کا خطاب ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت کے آنے تک، جو کہ تکلیف کے خاتمہ اور انسانی زندگی سے امتحان کے خاتمہ کا مرحلہ ہوتا ہے۔

۲۔شمول شخصی: اس کا مطلب ہے: سنتِ نبویہ نے اپنے خطاب میں تمام عقلاء و بالغین کو شامل رکھا ہے چاہے وہ افراد ہوں یا جماعتیں ہوں، جیسے کہ خاندان یا قبیلہ ہے، یا وہ دیہاتوں میں مقیم شعوب اور اقوام کی شکل میں ہوں جن پر اعراف وتقالید کی حکمرانی ہو، یا ان پر قاعدہ قانون والے کسی ملک کے حکمرانوں کی حکومت ہو۔

پس جو بھی اللہ کی زمین پر مقیم ہو وہ اس آخری رسالت کے ذریعہ مخاطب ہے، اور وہ جس جگہ پر بھی مقیم اور جس زمانے میں بھی موجود ہو وہ اس کا مکلّف ہے۔

اور آخری رسالت کے شمول ''ظرفی'' اور ''شخصی'' کی شہادت اس سے ملتی ہے:

اَ۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (چھ چیزوں کے ذریعہ مجھے انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے) اور ان میں سے آپ نے اس کو بیان فرمایا: (اور مجھے تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا، اور میرے ذریعہ نبیوں کا تسلسل ختم کیا گیا)712.

ب۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي**) **وذكر منها: (وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً ، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً**)713

712. مسلم، (371/1)، (ح523).

713. البخاری، (168/1)، (ح427).

(یعنی: مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں) اوران میں سے اس کو بیان فرمایا: (ایک نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کئے جاتے تھے جب کہ میں عام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں)۔

۳۔شمول تشریعی: اور یہ ضروریاتِ حیات میں سے لوگوں کی تمام ضرورتوں کو شامل ہے، خواہ ایمان سے متعلق ہوں یا اخلاق سے یا عبادات ومعاملات سے، اور ایسی بہت ساری حدیثیں ہیں جو اس جامع شمول تشریعی کی توثیق وتائید کرتی ہیں، اس شمول تشریعی کی بنیادی دلیل ایمان کے شعبوں کی کثرت ہے جو نبی ﷺ کے اس قول میں پائے جاتے ہیں: (**الإيمَانُ 714 بِضْعٌ وَ سَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّونَ شُعْبَةً ؛ فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ، وَ أَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيمَانِ**)715.

(یعنی: دین اسلام کے ستر سے زائد یا ساٹھ سے زائد شعبے ہیں، ان میں سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے، اور سب سے ادنی راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، اور حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے)۔

سنتِ نبویہ میں موجود اس تشریعی شمول کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (یہ شعبے قلبی اعمال، لسانی اعمال اور بدنی اعمال سے متفرع ہیں...)716.

❁ چار جامع اور کلی شعبے:

بعض معاصر علماء نے ان بہت سارے شعبوں کو چار جامع وکلی شعبوں میں شمار کرایا ہے، تاکہ ان کو یاد کرنا آسان، شمار کرنا سہل، اور ان کے تحت آنے والے مفردات ومسائل واحکام کا استیعاب بہتر طور پر ہو سکے، نیز تشریع وتکلیف میں اسلامی شمول کے تمام پہلوؤں پر اس کی دلالت واضح تر ہو سکے، اور وہ شعبے بالترتیب یہ ہیں: (شعبۂ ایمان، شعبۂ اخلاق، شعبۂ عبادات، اور شعبۂ معاملات)717.

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

جب سنتِ نبویہ اپنے شمول کے ساتھ اس لائق ہے کہ وہ انسان کے لئے دستورِ حیات بن سکے، تو کیا وہ اسی

714. یہاں ایمان سے مراد: پورا دین اسلام ہے۔
715. مسلم، (63/1)، (ح35).
716. فتح الباری، (53,52/1).
717. دیکھئے: الشمول الاسلامی.. حقائقہ وآفاقہ، (ص21).

طرح قوموں اور ملکوں کے لئے بھی طریقۂ عمل اور حکومتوں کے لئے دستور ونظام بن سکتی ہے؟

اس شبہ کو ہمارے زمانے کے مغرب زدہ لوگوں اور موجودہ زمانے کے دعاۃ باطل نے ہَوا دیا ہے، وہ سنت کو بے دست وپا اور بے سود وبے کردار بنانا چاہتے ہیں، اس طرح وہ شریعت کو بعض افراد کی طرف سے انجام دی جانے والی محض چند انفرادی عبادتوں اور شکلی مظاہر تک محدود کردینے کا ارادہ رکھتے ہیں، جس کا سماج کو تشکیل دینے والے عام گروہوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، گویا۔ ان کے گمان کے مطابق۔ معاشرہ کو ایسے قوانین ودساتیر کی ضرورت موجود ہے جس کی ضرورت خود سنت کو ہے اور وہ اس کی تکمیل کرنے سے قاصر ہے۔

اس شبہ کی تردید کے لئے ہمیں محنت ومشقت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ حق بالکل واضح اور جلی ہے، اور اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اول: سنتِ نبویہ اور اس میں حکومت وادارہ کے لئے پائے جانے والے شرعی اصول ومناہج اور منفرد نظام ہر زمان ومکان کے لئے لائق وموزوں ہے؛ اس لئے کہ یہ عقل میں آنے والی بات نہیں ہے کہ سنت بیت الخلاء میں داخل ہونے، اور طہارت و جماع وغیرہ سے متعلق احکام پیش کرے لیکن ان سے زیادہ اہمیت وخطورت والے احکام مثلاً ملکی تعلقات، شرعی سیاست اور رعیتی ادارے وغیرہ سے متعلق احکام کو پیش کرنے سے غافل رہے، ایسے احکام وتشریعات سے تو کتبِ سنت بھری پڑی ہیں۔

دوم: سنتِ نبویہ درحقیقت ایسے احکام پر مشتمل ہے جو اس کے تمام گوشۂ حیات کے احاطہ وشمول کی خاصیت کی تائید وتاکید کرتے ہیں اور جو اسلام کو دین ودولہ قرار دینے والے ہیں، ہم نے اس میں خطرناک جنگوں کو پایا ہے جن کے ذریعہ ہم نے جنگ کے آلات اور اس کی ضرورت کو جانا، اور یہ کہ وہ کب حتمی ہوجاتی ہے اور قوت ومہارت کے ساتھ کیسے لڑی جاسکتی ہے؟ بلکہ اس کی شہادت تو اعداء نے بھی دی ہے اور انہوں نے علمی تقدم اور جدید ٹکنالوجی کے دور میں ان چیزوں کا اپنی تعلیم گاہوں میں جائزہ لیا ہے۔

اس میں ہم نے ملکی تعلقات اور ممالک کے درمیان مراسلات کو پایا ہے، بلکہ سفراء اور ایلچیوں کو اس شکل میں پایا ہے کہ لگتا ہے کہ اس میدان میں مسلمان غیروں پر سبقت لے گئے ہیں۔

اس میں ہم نے سیاست کو پایا اور اس کو کہ وہ کس طرح صلح ومعاہدہ کرنا چاہتی ہے جس سے حکومت ضرورت

کے وقت فائدہ اُٹھا سکے، اور بین الاقوامی تعلقات قائم کرنے اور ان قوتوں کے ساتھ جانے سے پرہیز کرنے کو بھی پایا جن کے ساتھ جنگ میں کودنا مناسب نہ ہو، نیز اس میں ہم نے دوررس نتائج کے حصول کو پیش نظر رکھ کر تنازل اختیار کرنے کو بھی دیکھا جیسا کہ صلح حدیبیہ میں ہوا۔

اس میں ہم نے تحالفات اور گروپ بندیوں کو پایا، اسی طرح ہم نے اس میں معاشرہ کے افراد کے تنوع کو دیکھا اور ہر نوع کو ان کے سارے حقوق و واجبات دئے جانے کے اصول کے تحت بلا کم و کاست مکمل حق دئے جاتے دیکھا، عقیدہ یا نوع یا جنس کی پروا کئے بغیر، یہ سب اور اس قسم کی دیگر باتیں ہمیں ہمارے پاس موجود سنت کی طرف سے بالکل مطمئن کر دیتی ہیں جو کہ تمام گوشہ ہائے حیات کو شامل ہے، اس کے ذریعہ ہم حقیقتاً امت کی تشکیل کر سکتے ہیں، حکومت قائم کر سکتے ہیں، اور ایک ایسی تہذیب کی تخلیق کر سکتے ہیں جس کے ذریعہ دنیا کی قیادت کر پائیں، اس طرح ہم رسالتِ خالدہ کے پیغام کو عام کر سکیں گے، جو کہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ دکھانا، اور اسے ضلالت و تاریکی کے عمیق غار سے نکال کر اس کے رب تبارک و تعالی کے نور تک لے جانا ہے۔

چھٹا مبحث

وسطیت اور اعتدال

اور اس میں چار مطالب ہیں:

پہلا مطلب: سنت کی وسطیت ''اعتقاد'' میں۔

دوسرا مطلب: سنت کی وسطیت ''عبادات'' میں۔

تیسرا مطلب: سنت کی وسطیت ''معاملات'' میں۔

چوتھا مطلب: سنت کی وسطیت کے آثار۔

تمہید

وسطیت یا وسط وہ عظیم وجمیل کلمہ ہے جس سے امتِ محمدیہ کو موصوف کیا گیا ہے، اور یہ ہر چیز میں اعتدال اور عمدگی کو شامل ہے، اللہ تعالی کا قول ہے: **وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا** [البقرة :۱۴۳]۔(اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل امت بنایا ہے)۔

اللہ تعالی نے اس چیز کی خبر دی ہے کہ (اس نے انہیں بہتر و معتدل امت بنایا ہے، چنانچہ وہ اپنے اقوال، اپنے اعمال، اپنے ارادوں اور نیّات میں تمام امتوں میں سب سے بہتر اور سب سے معتدل امت ہیں، اسی وجہ سے وہ قیامت کے دن رسولوں کی امتوں کے خلاف ان کے گواہ بننے کے مستحق قرار پائے ہیں، اللہ تعالی ان کے خلاف ان کی شہادت کو قبول فرمائے گا لہذا وہ ان کے گواہ ہیں، اسی وجہ سے اس نے ان کو اہمیت دیا ہے، ان کے ذکر کو بلند کیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے)718.

طبری رحمہ اللہ کا قول ہے: (اس نے انہیں وسط سے اس لئے متصف کیا ہے کیونکہ وہ دین میں وسط ہیں، وہ نہ تو نصاری کے غلو کی طرح اس میں غلو کرنے والے ہیں جنہوں نے ترہب کو لے کر غلو کیا اور عیسیٰ کے بارے میں جو نہیں کہنا چاہیئے تھا وہ کہا، اور نہ وہ یہود کی تقصیر کی طرح اس میں تقصیر کرنے والے ہیں جنہوں نے اللہ کی کتاب کو بدل ڈالا، اپنے انبیاء کو قتل کیا، اپنے رب کو جھٹلایا اور اس کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوئے، بلکہ وہ اس میں توسط و اعتدال سے کام لینے والے ہیں، اللہ نے اس سے ان کو اس لئے بھی متصف کیا ہے کیونکہ اس کے نزدیک محبوب امور میں سے سب سے محبوب ان میں سے اوسط امر ہے)719.

معلوم یہ ہوا کہ دین میں وسطیت اور توسط سے مراد اعتقادات، اعمال اور اخلاق میں دو باطل چیزوں کے درمیان پایا جانے والا حق ہے، اور سنتِ نبویہ ایسی ہی ہے۔

پس جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی، قرآن میں اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت میں وارد

---

718. أعلام الموقعين، (133/4).

719. تفسير الطبري، (6/2).

عقائد وشرائع پر عمل کیا تو وہ وسطیت ،اعتدال اور خیر والوں میں سے ہے،اور جس نے شریعت کے حدود کو پار کیا، یا ان کی ادائیگی میں تقصیر کیا وہ اپنے عدوان اور تقصیر کے مطابق اس وسطیت کے دائرہ سے خارج ہے 720.

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے: (قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی برحق معبود نہیں! سنت غالی اور جافی کے درمیان ہے، پس اس پر صبر کرو اللہ تم لوگوں پر رحم فرمائے، ماضی میں اہلِ سنت بہت کم لوگ رہے ہیں، آگے لوگوں میں بھی وہ کم رہیں گے، ان لوگوں نے عیش پسندوں کی عیش میں ان کا ساتھ نہیں دیا، اور نہ اہلِ بدعت کے ساتھ ان کی بدعتوں میں شریک ہوئے، انہوں اپنی سنتوں پر صبر کیا یہاں تک اپنے رب سے جا ملے، اسی طرح ان شاء اللہ تم لوگ رہو گے) 721.

اور ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: (ملتوں کے درمیان اسلام معتدل ہے، اور بدعتوں کے درمیان سنت معتدل ہے، اللہ کا دین اس میں غلو کرنے والوں اور اس میں تقصیر کرنے والوں کے درمیان ہے، اسی طرح اجتہاد ہے جو کہ: کسی حکم تک پہنچنے کے لئے کوشش صرف کرنا ہے، اور غلو: اس حکم کو تجاوز کرنا اور پار کر جانا ہے، اور اللہ نے جس کا بھی حکم دیا ہے اس میں شیطان کے دو ڈھونکے ہیں: یا تو غلو وتجاوز ہے، یا تفریط وتقصیر ہے، اور یہ دونوں وہ آفتیں ہیں جن سے اعتقاد، اعتدال اور عمل میں کسی کے لئے گلوخلاصی نہیں ہے سوائے اس آدمی کے جو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چلا، اور ان کے لائے ہوئے حکم کی خاطر لوگوں کے اقوال وآراء کو ترک کیا، وہ نہیں جس نے ان کے اقوال وآراء کے لئے آپ کے لائے ہوئے حکم کو ترک کیا، ان دونوں خطرناک بیماریوں نے اکثر بنی آدم پر قبضہ کر رکھا ہے، اسی لئے سلف نے ان دونوں سے سختی کے ساتھ روکا ہے، اور ان میں سے کسی میں بھی مبتلا شخص کو ہلاکت سے ڈرایا ہے، کبھی یہ دونوں ایک ہی شخص میں جمع ہو جاتے ہیں، جیسا کہ آج لوگوں کی حالت ہے، اکثر لوگ اپنے دین کے بعض احکام میں مقصّر ومفرط ہیں تو بعض میں غالی اور متجاوز ہیں، ہدایت پر وہ ہے جس کو اللہ نے ہدایت دیا ہے) 722.

اور ''سنتِ نبویہ کی وسطیت'' پر گفتگو درج ذیل مطالب پر مشتمل ہے۔

720. دیکھئے: هذه هي الوسطية، د علي بن عبد الله الصياح، مجلة البيان، (عدد: 202)، (جمادى الآخرة 1425ھ)، (ص 8).

721. سنن الدارمی، (83/1)، (رقم 216).

722. الروح، (ص 257).

پہلا مطلب

''اعتقاد'' میں سنت کی وسطیت

اسلامی عقیدہ کی نمائندہ خصوصیات میں سے ایک وسطیت ہے، اس لئے کہ یہ حق کے موافق اور حق سے مؤید ہے، نیز یہ فطرت کے موافق ہے، اس میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط، اسلامی عقیدہ نصاری کے افراط اور یہود کی تفریط ، مسیح کے سلسلے میں نصاری کے غلو اور اپنے انبیاء کی نافرمانی اور سوال وجدال سے ان کو پریشان کرنے کے تعلق سے یہود کی سرکشی کے درمیان ہے، امتِ محمدیہ کی وسطیت اعتقادی مسائل کے مختلف گوشوں میں واضح وجلی دکھائی دیتی ہے، سنت نبویہ کی عظمت اس میں ہے کہ اس نے اعتقادی وسطیت کے تابناک چہرے کو اس کے تمام مظاہر ومسائل سمیت واضح کیا ہے، میں نے اس کے عناصر میں سے صرف دو عنصر پر توجہ مرکوز کیا ہے اور وہ ہیں:

اول: ایمان میں وسطیت: چنانچہ نبی ﷺ اور آپ کے مؤمن اتباع تمام رسولوں اور نازل شدہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، جیسا کہ ان کے بارے میں اللہ تعالی نے اپنی کتابِ عزیز میں خبر دیا ہے **آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَ مَلٰئِكَتِهِ وَ كُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ** [البقرة :۲۸۵] (ترجمہ: رسول ایمان لائے اس چیز پر جو ان کی طرف اللہ تعالی کی جانب سے اتری، اور مؤمنین بھی ایمان لائے ، یہ سب اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ،اس کے رسولوں میں کسی کے درمیان ہم تفریق نہیں کرتے)۔

اور جیسا کہ نبی ﷺ نے امت پر واجب ایمان کی تعریف میں فرمایا ہے: (**أَنْ تُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ ، وَكُتُبِهِ ، وَرُسُلِهِ ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ ، وَ تُؤْمِنْ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَ شَرِّهِ**)723.

(یعنی: تم ایمان لاؤ اللہ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور آخرت کے دن پر، اور ایمان لاؤ خیر وشر تقدیر پر)۔

---

723. یہ جبریل والی لمبی حدیث کا ایک جزء ہے، مسلم، (37/1)، (ح8).

طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: (تمام مؤمنین ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ان میں سے کوئی بھی اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتا کہ بعض پر ایمان لائے اور بعض پر نہیں، بلکہ وہ سبھوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس کا اقرار کہ وہ جو لے کر آئے ہیں وہ اللہ کی جانب سے ملا ہے، ان رسولوں نے اللہ کی طرف اور اس کی اطاعت کی طرف بلایا، وہ اپنے اس فعل کے ذریعہ یہود کی مخالفت کرتے ہیں جنہوں نے موسیٰ کی تصدیق کیا لیکن عیسیٰ کو جھٹلایا، اور نصاریٰ کی مخالفت کرتے ہیں جنہوں نے موسیٰ وعیسیٰ کی تصدیق کیا اور محمد ﷺ کو جھٹلایا اور آپ کی نبوت کا انکار کیا، اور ان کی مشابہ امتوں کی مخالفت کرتے ہیں جنہوں نے اللہ کے بعض رسولوں کی تکذیب کی اور بعض کا اقرار کیا)724.

انبیاء کے بارے میں یہ وسط نظریہ یہود یا نصاریٰ کے موقف کے ردعمل میں نہیں ہے، بلکہ یہ ابتداء ہی سے قائم ایک مستقل نظریہ ہے جو اس خالص حق کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے جس پر مؤمنین کا ایمان ہے اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ کس نے اسے اپنایا ہے اور کس نے نہیں اپنایا ہے۔

دوم: نبوت میں وسطیت: امتِ محمدیہ کی طرف نسبت رکھنے والے سارے مؤمنین اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، ان کی تائید وتعظیم کرتے ہیں، ان سے محبت کرتے اور ان کی نصرت وحمایت کا دم بھرتے ہیں، البتہ اللہ کے مقابلہ میں ان کو معبود نہیں بناتے اور نہ اللہ تعالی کی طرح ان کو رب قرار دیتے ہیں، اس طرح وہ نبوت کے تعلق سے یہود کے افراط اور نصاری کی تفریط کے درمیان ہیں، اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں:

أ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: (**لَا تَطْرُونِي كما أَطْرَتْ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ ؛ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ ، فَقُولُوا : عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ**)725.

(یعنی: مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا نصاری نے عیسی بن مریم کو بڑھایا تھا، میں اللہ کا بندہ ہوں اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو)۔

---

724. تفسیر الطبری، (152/3).

725. البخاری، (1271/3)، (ح 3261).

ابن الجوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اطراء: تعریف میں غلو سے کام لینا ہے، یہاں اس سے مراد: تعریفِ باطل ہے، جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام میں غلو کیا انہوں نے یہ دعوی کیا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، تعالی اللہ عن ذلک، اورانہوں نے انہیں معبود بنالیا، اسی وجہ سے آپ نے فرمایا: ''اللہ کا بندہ اوراس کا رسول کہو''۔

اگر کوئی کہے: ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ کے سلسلے میں کسی نے ویسا ہی دعوی کیا ہے جیسا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا گیا تھا! تو اس کا جواب ہوگا: بعض صحابہ نے آپ کی تعظیم میں غلو کیا تھا، حتی کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا: اے اللہ کے رسول! میں نے یمن میں کچھ لوگوں کو ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو کیا ہم لوگ آپ کو سجدہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا: (اگر میں کسی کو کسی انسان کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو پھر عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے)726، پس آپ نے ان کو اس عمل سے منع فرمادیا جو انہیں عبادت تک پہنچا سکتا تھا)727.

ب۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: اے محمد! اے ہمارے سردار وابنِ سردار! اور ہمارے سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے بیٹے! اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے لوگو! تم اپنے تقوی کو لازم پکڑو، شیطان تمہیں اپنے آغوش میں نہ لے لے، میں محمد بن عبداللہ ہوں، اللہ کا بندہ اوراس کا رسول ہوں، اللہ کی قسم! میں یہ نہیں چاہتا کہ تم لوگ مجھے میرے اس مقام سے اونچا اٹھاؤ جس پر اللہ عزوجل نے مجھے متمکن کیا ہے)728.

اس طرح کی احادیثِ نبویہ اس بات کی تثبیت وتائید کرتی ہیں کہ (اللہ تعالی کا دین اس میں غلو کرنے والے اوراس میں تقصیر کرنے والے کے درمیان ہے، عیسائیوں نے انبیاء کی ایسی تعظیم کی کہ ان کی عبادت اوران کی مورتیوں کی عبادت شروع کردی، اور یہودیوں نے ان کی ایسی بے عزتی کی کہ انہیں قتل کر بیٹھے، مگر امتِ وسط نے ان کے قدر ومقام کو پہچانا، انہوں نے نہ تو ان کو لے کر عیسائیوں جیسا غلو کیا اور نہ یہودیوں کی طرح ان کے ساتھ سختی سے پیش آئے)729.

---

726. مسند احمد، (227/5)، (ح22037). اورالبانی نے اس کو(صحیح الجامع)، (937/1)، (ح5294) میں صحیح کہا ہے.

727. کشف المشکل من حدیث الصحیحین، (65/1).

728. مسند احمد، (153/3)، (ح12573). اورالبانی نے اس کو(السلسلۃ الصحیحۃ)، (88/3)، (ح1097) میں صحیح کہا ہے.

729. اقتضاء الصراط المستقیم، (335/1).

ج۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**يَحْمَلُ هَذَاالعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ، يَنْفُونَ عَنْهُ تَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ، وَ انْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ، وَ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ**)730.

(یعنی: اس علم کو ہر خلف میں سے اس کے عُدول (متقی و پرہیزگار) حاصل کریں گے جو جاہلوں کی تاویل سے، اہلِ باطل کی غلط نسبت وانتساب سے، اور غلو پسندوں کی تحریف سے اس کی حفاظت کریں گے)۔

عدول کا واحد عدل ہے اور لغت میں عدل کے معانی میں سے ایک وسط اور توسط ہے، اور (اعدل شیٔ: اس کے درمیانی اور وسط کو کہتے ہیں) 731، اسی معنی میں نبی ﷺ نے معتدل اہلِ علم کی تعریف کی ہے، جو وسط منہج والے ہیں، جن کے منہج میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط۔

اور سب سے خطرناک غلو اور تاویل ودسیسہ کاری وہ ہے جو عقائد وتصورات میں ہو، اس لئے کہ عقیدہ کا فساد فکر وسوچ کے فساد کا باعث ہوتا ہے اور اس سے عمل کا فساد جڑا ہوا ہے۔

(اللہ تعالی نے اس امت کو دین کے تمام ابواب میں امتِ وسط بنایا ہے، جب اس کے علاوہ کوئی امت دو اطراف میں سے کسی ایک کی جانب منحرف ہوتی ہے تو یہ وسط میں ہوتی ہے، جس طرح یہ اللہ تعالی کے اسماء وصفات کے باب میں جہمیہ ومعطلہ اور مشبہہ ممثلہ کے وسط میں رہی ہے، اور جس طرح رسولوں پر ایمان کے باب میں ان کی عبادت کرنے والے اور اللہ کا شریک قرار دینے والے نصاریٰ کے درمیان اور انہیں قتل کرنے والے اور ان کی تکذیب کرنے والے یہود کے درمیان میں رہی ہے، اس امت نے ان پر ایمان لایا، ان کی تصدیق کی اور ان کو عبودیت کے مقام سے دور رکھا، یہ تقدیر کے مسئلہ میں جبریہ...اور قدریہ...کے وسط میں رہی، اسی طرح یہ مطعومات ومشروبات میں یہود کے درمیان جن پر بطور سزا طیبات کو حرام کردیا گیا تھا، اور نصاریٰ کے درمیان جنہوں نے خبائث کو حلال بنالیا تھا، وسط امت رہی ہے...جس کے لئے اللہ تعالی نے طیبات کو حلال بنایا اور خبائث کو ان پر حرام ٹھہرایا۔

ویسے آپ اہلِ حق کو ہمیشہ دو باطل اطراف کے درمیان وسط میں پائیں گے، اور اہلِ سنت مشارب ومسالک میں وسط ہیں جس طرح مسلمان ادیان ومِلل میں وسط ہیں)732.

---

730. الکبری للبیھقی، (209/10)، (ح21439). اور البانی نے اس کو (مشکاۃ المصابیح)، (53/1)، (ح248) میں صحیح کہا ہے

731. معجم مقاییس اللغۃ، (108/6).

732. مفتاح دار السعادۃ، (242/2).

دوسرا مطلب

''عبادات''میں سنت کی وسطیت

سنتِ نبویہ کی نمائندہ خصوصیات میں سے عبادات وطاعات میں اس کی وسطیت ہے،سنتِ نبویہ کے نصوص ۔قولی وفعلی ۔میں غور کرنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ کئی اعتبار سے منہجِ وسط سے پُر ہے،ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔عبادات کی ادائیگی میں وسطیت واعتدال: انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: تین افراد کی ایک جماعت نے نبی ﷺ کی عبادت کے بارے میں سوال کرنے کے لئے ازواجِ مطہرات کے گھروں کی حاضری دی، جب انہیں بتایا گیا تو وہ سوچ میں پڑ گئے، ان لوگوں نے آپس میں کہا: ہم لوگوں کا نبی ﷺ سے کیا مقابلہ، اللہ تعالی نے تو ان کے تمام اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردئے ہیں، ان میں سے ایک نے کہا: میں تو رات بھر نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا: میں تو ہمیشہ روزے رکھوں گا افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے دور رہوں گا کبھی شادی نہیں کروں گا، اتنے میں نبی ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا: (تم ہی لوگوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں؟ اللہ کی قسم! میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ سے خوف کھانے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں پھر بھی میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں، اور عورتوں سے شادی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے)733.

جس چیز نے ان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو زیادہ سے زیادہ عملِ صالح کرنے پر اکسایا وہ ان کا یہ گمان تھا کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کردئے ہیں، اور اس کے مقابلے میں ان لوگوں کے پاس بہت زیادہ عمل نہیں ہے، اس بنا پر ان لوگوں نے عبادت میں اپنے اوپر سختی کی، اس تاویل کے سہارے کہ وہ سنت کو پالیں گے، لیکن ایسا کر کے وہ سنت سے دور ہورہے تھے اور اپنی زندگی میں وسطیت وتوازن کی حد سے باہر آرہے تھے، اس لئے ان کے حق میں یہ نبوی توجیہ آئی: (اللہ کی قسم! میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ سے خوف

---

733. البخاری، (1949/5)، (ح4776).

کھانے والا اوراس ڈرنے والا ہوں)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس کی موافق حدیثیں بہت ہیں، جن میں اس کا بیان ہے کہ ان کی سنت جو کہ عبادت میں اور ترکِ شہوات میں میانہ روی کا نام ہے، وہ نصاریٰ کی رہبانیت سے بہتر ہے، جو کہ نکاح وغیرہ جیسے عام شہوات کے ترک کا اور صوم وصلاۃ جیسی عبادت میں غلو کا نام ہے، اس کی فقہاء اور عبّاد کی ایک جماعت نے تاویل کے سہارے یا عدمِ علم کی بنا پر مخالفت کیا ہے 734.

۲۔عبادات کی تطبیق میں وسطیت اور دین میں غلو سے بچنا:

اس بارے میں کئی احادیث وارد ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

أ۔ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمرۂ عقبہ کو کنکری مارنے کے دن فرمایا جس وقت آپ اپنی اونٹنی پر تھے: (میرے لئے کنکریاں چنو)، میں نے آپ کے لئے سات کنکریاں چنیں جو انگلی کے پور سے پھینکی جانے والی کنکری کے مثل تھی (تقریباً لوبیے کے دانے کے برابر)، آپ ان کنکریوں کو اپنی ہتھیلی میں لے کر انہیں جھاڑنے لگے اور ساتھ ہی کہنے لگے: (ایسی ہی کنکریوں سے رمی کرو)، پھر آپ نے فرمایا: (اے لوگو! دین میں غلو کرنے سے دور رہو؛ تم میں سے پہلے کے لوگوں کو دین میں غلو نے ہی ہلاک کر دیا تھا)735.

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (نبی ﷺ کا قول: (دین میں غلو کرنے سے دور رہو) عام ہے جو تمام انواعِ غلو کو شامل ہے، یعنی اعتقادات میں غلو ہو یا اعمال میں، اور غلو: حد پار کر جانا ہے، جیسے کہ کسی چیز کی تعریف یا مذمت میں اس قدر اضافہ کرنا جس کا وہ مستحق نہ ہو یہاں اس لفظِ عام سے مراد رمی جمار میں غلو ہے، اور اس میں غلو یہ ہے کہ جیسے بڑے پتھروں سے رمی کی جائے، یہ اس بنا پر غلو ہے کیونکہ اس نے چھوٹی کنکریاں لینے کے بجائے اس میں مبالغہ سے کام لیا ہے، پھر آپ نے اس کی یہ تعلیل بیان کی ہے کہ ہم سے پہلے کے لوگوں کو دین میں غلو نے ہی ہلاک کیا تھا جیسا کہ آپ نصاریٰ کے اندر دیکھتے ہیں، اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ ان کے طریقے سے دور رہنے والا اس میں واقع ہونے سے سے دور رہے گا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے تھے، اور ان کے بعض طریقوں میں ان

734. اقتضاء الصراط المستقیم، (ص105).

735. ابن ماجہ، (1008/2)، (ح3029). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجہ)، (49/3)، (ح2473) میں صحیح کہا ہے.

سے مطابقت رکھنے والے شخص کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ بھی ہلاک ہو جائے)736۔ایسا اس وسطیت سے پَرے رہنے کی بنا پر ہوگا جس کو سنتِ نبویہ نے پیش کیا ہے۔

ب۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ داخل ہوئے تو دیکھا کہ دو کھمبوں کے درمیان ایک رسّی کھینچی گئی ہے، آپ نے دریافت کیا: (یہ کیسی رسّی ہے؟) صحابہ نے عرض کیا: یہ زینب کی رسّی ہے، جب وہ تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹک جاتی ہیں، نبی ﷺ نے فرمایا: (نہیں، اس کو کھول دو، تم میں کا کوئی اپنی نشاط تک نماز پڑھے، جب تھک جائے تو وہ بیٹھ جائے)737.

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس میں عبادت کے اندر اعتدال قائم رکھنے کی ترغیب اور تعمق کی ممانعت ہے، نیز نشاط کے ساتھ عبادت کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے، نیز اس کا بیان ہے کہ جب آدمی تھک جائے تو بیٹھ جائے تا کہ اس کی تھکاوٹ دور ہو جائے)738.

۳۔اماکنِ عبادات میں وسطیت:

سابقہ قومیں اپنے کنائس اور عبادت خانوں میں ہی نماز پڑھا کرتی تھیں 739، جس کی خبر نبی ﷺ نے اپنے اس قول میں دیا ہے: (میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا ہے، جہاں بھی مجھے نماز پا لے گی وہاں میں تیمّم 740 کرلوں گا اور نماز پڑھ لوں گا؛ مجھ سے پہلے جو لوگ تھے وہ اس کو بہت عظیم سمجھتے تھے، وہ اپنے کنائس اور عبادت خانوں میں ہی نماز پڑھتے تھے)741.

اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: (مجھے ایسی پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں)اور ان میں سے اس کو بیان فرمایا ہے: (اور میرے لئے زمین کو مساجد اور

---

736. اقتضاء الصراط المستقیم، (ص106).

737. البخاری، (386/1)، (ح1099)؛ ومسلم، (541/1)، (ح784).

738. شرح النووی علی صحیح مسلم، (73/6).

739. دیکھئے: شرح السنۃ، (412/2).

740. (**تَمَسَّحْتُ**): بمعنی تیمَّمْتُ (تیمّم کرنے کے معنی میں) ہے. دیکھئے: الفتح الربانی، (188/2).

741. مسند احمد، (222/2)، (ح7068). اور البانی نے اس کو (صحیح الترغیب والترھیب)، (237/3)، (ح3634) میں حسن کہا ہے.

پاک چیز بنادیا گیا ہے؛ پس میری امت کے جس شخص کو جہاں کہیں نماز پالے وہاں پڑھ لے)742.

عبادت کے تمام پہلوؤں میں اس وسطیت نے اسلام میں مسلمانوں کی رغبت کو جلا بخشا ہے، کیونکہ ان سے مَلل کو زائل کیا اور فطرت اور سہل ومیسر طبیعت کے موافق ظاہر ہوا، اور نفس سہل ومیسر کی طرف مائل ہوتا ہے جب کہ مشکل اور تکلیف دہ سے متنفر ہوتا ہے، یہ سنت کی عظمت کے وجوہات میں سے ایک وجہ ہے، یعنی اس کا فطرت کے موافق ہونا اور اس کا طبیعت وجبلّت کی رعایت کرنا، اسے یہ سب کہاں سے حاصل ہوا، نبی ﷺ تو امّی تھے پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور نہ علم نفس سے واقف تھے، اس کا بس یہی ایک جواب ہے کہ یہ سب اللہ حکیم وخبیر، ربّ العالمین کی طرف سے ہے۔

742. البخاری، (128/1)، (ح328).

تیسرا مطلب

''معاملات'' میں سنت کی وسطیت

سنتِ نبویہ نے معاملات کے سلسلے میں بھی اعتدال وتوسط کا رویہ اپنایا ہے، خواہ وہ مالی امور کی شکل میں ہوں یا نکاح وشادی کے یا دیگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس کو لوگوں کے درمیان انجام دیا جاتا ہے، ذیل میں ہم نہایت اختصار کے ساتھ صرف خاندانی تعلقات کے سلسلے میں گفتگو کریں گے تاکہ اس کے ذریعہ اس وسطیت کو ثابت کر سکیں، اور اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ حائضہ کے ساتھ سلوک میں وسطیت:

سنتِ نبویہ نے حائضہ کے ساتھ سلوک میں یہود کے افراط کے درمیان جو کہ حائضہ کے ساتھ رہنے اور اس سے تعامل کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں، اور نصاریٰ کی تفریط کے درمیان جو کہ اس حالت میں اس سے جماع کرنے کو حلال قرار دیتے ہیں، وسطیت کو اختیار کیا ہے، انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہودیوں میں کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو وہ اس کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے اور اس کے ساتھ گھر میں نہیں رہتے، اس کے بارے میں نبی ﷺ کے اصحاب نے نبی ﷺ سے دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: [**وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ**]إلى آخر الآية [البقرة : ۲۲۲]. اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ**) (یعنی: جماع کے علاوہ اس کے ساتھ سب کچھ کرو)، اس کی خبر یہود کو ملی تو ان لوگوں نے کہا: یہ آدمی ہمارے ہر ہر معاملہ میں ہماری مخالفت کرنا چاہتا ہے 743.

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (ہمارے علماء نے کہا ہے: یہود اور مجوس حائضہ سے دور رہتے تھے، اور نصاریٰ حیض والیوں سے جماع کیا کرتے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان قصد (توسط) کا حکم فرمایا) 744. اور قصد: افراط وتفریط کے درمیان توسط کا جو کہ حق کے موافق ہو، اور ان کے یا اُن کے موقف سے متاثر

743. مسلم، (246/1)، (ح302).

744. تفسیر القرطبی، (81/3).

ہونے سے بچنے کا نام ہے، کیونکہ تشریع میں ان کے موقف کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ اسلامی حکم کسی معاکس یا مغایر فعل کے ردعمل میں نہیں آتا، بلکہ وہ بعینہ حکمت ہوتا ہے، لہذا اس کا موقف تمام احوال وتشریعات میں ابتدائی ہوتا ہے۔

۲۔شادی میں وسطیت: سنتِ نبویہ نے شادی کے معاملہ میں بھی وسطیت کو پیش کیا ہے، اپنے احکام میں بندوں کے مصالح، انسانی فطرت اور شخصی واجتماعی توازن کا لحاظ کرکے، شادی ایک مضبوط میثاق ہے جس کی شریعت میں بڑی اہمیت ہے، اس پر بہت سے حقوق وواجبات اور شرائط واحکام مترتب ہوتے ہیں، پیغام کے مرحلہ سے لےکر عقد تک پھر ازدواجی تعلقات تک کو شریعت محیط ہے، شادی کے احکام، اس کی شرطوں، اس کے ارکان وواجبات اور آداب میں اعتدال اور وسطیت کے بہت سے اسباق ہیں، اسی وجہ سے نبی ﷺ نے اس کو اپنی سنتِ مبارکہ قرار دیا ہے اور اس شخص کی یہ کہتے ہوئے نکیر فرمائی ہے جس نے عبادت کے غرض سے شادی نہ کرنے کا ارادہ کیا تھا: (اللہ کی قسم! میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ سے خوف کھانے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں اور سوتا ہوں اور عورتوں سے شادی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں ہے) 745۔ اور ہمارے لئے یہ جان لینا ہی کافی ہے کہ شادی سے پرہیز کرنا بعض عیسائی راہبوں اور ان کے بعض غالی گروہوں کا فعل ہے جو تجرد کو شادی پر ترجیح دیتے ہیں اور نکاح کے بعد طلاق کو حرام قرار دیتے ہیں، اس طرح وہ لوگوں کو تنگی میں ڈالتے اور حرج میں مبتلا کرتے ہیں 746.

۳۔طلاق میں وسطیت: سنتِ نبویہ نے طلاق کے قانون میں بھی وسطیت کو پیش کیا ہے جو یکساں طور پر عورت اور مرد کے مشاکل سے مطابقت رکھتا اور ان کا احاطہ کرتا ہے، اور (اگر شریعت بلا حصر کے طلاق کو جائز قرار دیتی تو عورتوں کے حق میں ضرر بہت بڑھ جاتا، اور اگر ایک ہی بار پر اقتصار کرنے کا حکم دیتی تو مردوں کو ضرر لاحق ہوتا، اس لئے کہ بہت سے مواقع پر طلاق دینے والے کو عدت گذرنے کے بعد پچھتاوا ہوتا ہے) 747، اسی طرح ایک یا دو طلاق کے بعد عدت کے دوران یا اس کے بعد رجعت کو مشروع قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس میں

---

745. البخاری، (1949/5)، (ح4776).

746. دیکھئے: الوسطیۃ فی السنۃ النبویۃ، (ص222).

747. قواعد الأحکام فی مصالح الأنام، (210/1).

خاندانی مصلحت کی حفاظت پوشیدہ ہے اور لوگوں کے مصالح کی رعایت کرنے والی اس حقیقی وسطیت کے ذریعہ حرج کا ازالہ کرنا ہے۔

اس کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ تحریف شدہ مسیحیت نے طلاق کے عدم جواز کا فیصلہ دیا ہے، بلکہ جج کو بھی طلاق کا اختیار نہیں دیا ہے، اور اس کا جدید یورپی معاشرہ پر بڑا منفی اثر پڑا ہے، اس کے نتیجے میں زنا کاری کے اڈے بنائے گئے، پورے مغربی معاشرہ میں جنسی جنون پیدا ہوگیا جس نے کیتھولک مذہب کو جو کہ طلاق کو ہمیشہ ہمیش کے لئے حرام قرار دیتا تھا سماجی ترقی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا، اور اس کے بعد طلاق کے اسباب وسیع ہوگئے۔

پھر مغربی ممالک میں اباحتِ طلاق کا پرچار ہوگیا، سیلِ رواں کی طرح پھیل گیا اور اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ معاشرے کس سختی و بدبختی کی چکّی میں پس رہے تھے، اور معاملہ یہاں تک آپہنچا کہ صرف فرانس کے اندر ایک ماہ میں طلاق کے دس لاکھ معاملات پائے گئے 748.

یہ نبوی وسطیت جو ہر طرح کے معاملات سے متعلق آپ کے احکام وتشریعات میں پائی جاتی ہے، جو لوگوں کے لئے ان کے امورِ حیات وامورِ معیشت کو سہل ومیسر بنانے کا اہم سبب رہی ہے، اور جس نے انہیں نفسانی استقرار اور روحانی توازن فراہم کیا ہے، اس کی وجہ سے مسلمان دیگر ادیان کے حاملین کے بالمقابل اپنے دین و عقیدہ کے زیادہ وابستہ رہے ہیں، اور حقیقی صورتِ حال اس کی شہادت دیتی ہے، مغربی معاشروں اور ان میں عیسائیت کے حاملین کے مابین اور اسلامی معاشروں میں رہنے والے مسلمانوں کے مابین ابتدائی موازنہ سے ہی واضح فرق دکھائی دیتا ہے، اور معلوم پڑتا ہے کہ مسلمان اپنے دین یعنی عقیدہ، عبادت اور معاملہ سے زیادہ وابستہ ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جنہوں نے اپنے عقیدہ میں افراط سے کام لیا ہے، اپنی عبادتوں سے دور رہے ہیں، اور اپنے دین کے مطابق زندگی گذارنے سے بے نیاز رہے ہیں، اور اس سب کے پیچھے وہی وسطیت کارفرما رہی ہے جس سے شریعتِ اسلامیہ اور سنتِ نبویہ متصف ہے۔

---

748. دیکھئے: حرکۃ تحریر المرأۃ فی میزان الاسلام، انور الجندی (ص 345).

چوتھا مطلب

وسطیتِ سنت کے آثار

چونکہ سنتِ نبویہ میں پائی جانے والی وسطیت منہج ربانی ہے لہذا اس منہج کے کامل اور معیاری ومعتدل ہونے اور بشمول عقائد وعبادات واخلاقیات تمام گوشۂ حیات کو شامل ہونے میں ادنی شک نہیں ہے، اور اس کے نہایت عمدہ ومفید آثار ہوں گے جو مسلمان کو دنیا وآخرت میں فائدہ پہنچانے والے ہوں گے، اور ان آثار میں سے بعض یہ ہیں 749:

۱۔ اعتقاد کے اندر کجی، انحراف اور تطرف میں واقع ہونے سے محفوظ رہنا، اسی طرح شرک، نفاق، اور تکفیر سے براءت بھی اس کا ایک فائدہ ہے، کیونکہ وسطیت صحیح عقیدہ کے التزام پر آمادہ کرتی ہے جو نصاریٰ کے افراط اور یہود کی تفریط سے دور ہو، جو اسلام کی طرف منسوب بعض فرقوں کے غلو سے بھی دور ہو جس کی وجہ سے وہ جادۂ صواب سے منحرف ہوگئے ہیں، چاہے یہ انحراف تقدیر کے باب میں پایا جاتا ہو یا تعطیل وتمثیل کی صورت میں اسماء وصفات کے باب میں پایا جاتا ہو، یا پھر صحابہ کے بارے میں ہو جن میں بعض کو فضیلت دے دیا اور بعض دوسروں کی تکفیر کردی، یا پھر توکل پر بھروسہ کرکے عمل کو ترک کردینے کے بارے میں ہو۔

۲۔ جس نے اپنے عقیدہ اور عبادت وسلوک میں منہجِ وسطیت کا التزام کیا وہ ایمان کی چاشنی اور شیرینی سے محظوظ ہوا؛ اور اس سلسلے میں یہ نصوص وارد ہیں:

أ۔ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: (**ذَاقَ طَعْمَ الإِيْمَانِ : مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا، وَ بِالإِسْلَامِ دِيْنًا ، وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُولًا**) (یعنی: اس نے ایمان کی چاشنی کو محسوس کیا: جو اللہ کو رب مان کر، اسلام کو دین مان کر، اور محمد ﷺ کو رسول مان کر راضی ہوگیا) 750.

ب۔ انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: (**ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ**

749. دیکھئے: الوسطیۃ فی السنۃ النبویۃ، (ص 241-248).

750. مسلم، (62/1)، (ح 34).

حَلاوَةَ الْإِيْمَانِ : أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا ، وَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهَ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ)۷۵۱۔

(یعنی: تین چیزیں جس کے اندر ہوں اسے ایمان کی چاشنی مل گئی: ایک یہ کہ اللہ اوراس کے رسول اس کے نزدیک ان دونوں کے علاوہ دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، دوسری یہ کہ کوئی کسی سے محبت کرے تو اس کی محبت صرف اللہ کے لئے ہو، اور تیسری یہ کہ وہ کفر میں واپسی کو ایسے ناپسند کرے جیسے وہ جہنم میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے)751.

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ عظیم حدیث اسلام کے اصول میں سے ایک اصل ہے، علماء۔رحمہم اللہ۔نے کہا ہے: ایمان کی چاشنی کا معنی: طاعتوں سے لذت محسوس کرنا، اللہ عزوجل اوراس کے رسول کی رضا میں مشقتوں کو گوارا کرنا، اس کو دنیا کی چیزوں پر ترجیح دینا، اور بندے کا اللہ کی اطاعت کرکے اوراس کی مخالفت ترک کرکے اپنے رب سبحانہ وتعالی سے محبت کا اظہار کرنا ہے)752.

۳۔ وسطیت کے آثار میں سے ناامیدی ومحرومی سے دور رہنا ہے؛ اس لئے کہ اللہ تعالی کا دین افراط اور تفریط کے درمیان ہے، افراط یأس وقنوط کی شکل میں پایا جاتا ہے اور تفریط اللہ تعالی کے مکر سے مامون ہونے اور خود پسندی وکبر کی صورت میں پائی جاتی ہے، اور کسی شئ کے یہ دونوں کنارے مذموم ہیں، خیر امور ان میں سے وسط ہے، نبی ﷺ نے اس غیر معتدل رویہ سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تین لوگوں کے بارے میں مت پوچھو: اس شخص کے بارے میں جس نے اللہ تعالی سے اس کی چادر چھیننے کی کوشش کی، اس کی چادر اس کی کبریائی ہے اوراس کا ازار اس کی عزت ہے، اوراس شخص کے بارے میں جو اللہ کے حکم میں شک کرے، اور اللہ کی رحمت سے ناامید رہنے والے کے بارے میں)753.

۴۔ وسطیت کے فائدوں میں سے ایک کتاب وسنت کو منہج وسلوک کے طور پر اپنانا، اور عقیدہ وعبادت و معاملہ میں ان دونوں کو اختیار کرنا اوران سے خروج نہ کرنا ہے، اس لئے کہ ان سے خروج گمراہی اور بدعتِ محدثہ

751. البخاری، (14/1)، (ح16)؛ ومسلم، (66/1)، (ح43).

752. شرح النووی علی صحیح مسلم (13/2).

753. مسند احمد، (19/6)، (ح23988). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع)، (587/1)، (ح3059) میں صحیح کہا ہے.

ہے،اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:(**مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ**)754.

(یعنی: جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات پیدا کی جس کا اس سے تعلق نہیں ہے تو وہ مردود ہے)

اور اس لئے کہ(دینِ مستقیم دو انتہاؤں کے درمیان ہے اسی طرح سنت دو بدعتوں کے درمیان ہے)755.

اور اس میں شک نہیں کہ منہج وسطیت سے دوری دین کے اندر بہت بڑا احداث ہے،اور اس سے خروج یا تو داہنے جانب ہوگا یا بائیں جانب اور یہ بعینہ وہی چیز ہے جس سے اللہ تعالی نے ہمیں منع فرمایا ہے،کوئی عمل اللہ تعالی کے دربار میں مقبول نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خالص اور درست نہ ہو۔

۵۔جس نے اپنے عقیدہ اور عبادت اور سلوک میں منہج وسطیت کا التزام کیا اس نے تشدد اور تیسیر کے معنی کو اچھی طرح سمجھ لیا،اور اسے ان دونوں کے قواعد سے آگہی ہوگئی،اس لئے کہ بعض دعوی کرتے ہیں کہ دین کے مبادی واصول کو اختیار کرنا اور ظاہراً و باطناً شریعت کا التزام کرنا وہ تشدد ہے جس سے اجتناب ضروری ہے،اس کے بالکل برعکس آپ کچھ لوگوں کو یہ دعوی کرتے ہوئے سنیں گے کہ دین میں تیسیر کو اور اس کی تطبیق میں اعتدال کو اختیار کرنا،شرعی رخصتوں کو اپنانا،اور مباحات سے فائدہ اُٹھانا دین کا حلیہ بگاڑنا اور اس کو ترک کرنا ہے۔

۶۔وسطیت کا فرد پر پڑنے والا ایک اثر طاعتوں اور واجبات پر کلفتی و آزردگی کے بغیر مداومت و استمرار ہے ،اس مشقت وحرج کے منعدم ہونے کی وجہ سے جو مشقت عبادتوں کی ادائیگی میں غفلت برتنے یا انہیں ترک کر دینے پر آمادہ کرتی ہے،اور یہ نبی ﷺ کے منہج کے التزام کی برکت ہے جو وسطیت پر مشتمل اور غلو وافراط وتفریط سے پاک ہے،آپ نے اپنے اصحاب کرام کو فرض نمازوں کو طویل بنانے سے منع فرمایا،صومِ وصال سے منع فرمایا،حج کے مسائل میں انہیں بہت سی رخصتیں عنایت فرمائیں،خاص کر کمزوروں،عورتوں اور بچوں کو کچھ زیادہ ہی رعایتیں عطا کیں،تاکہ دین میں کوئی مشقت یا ملل اور انقطاع از عبادت کی کوئی وجہ باقی نہ رہے،اس سلسلے میں آپ کی وصیتِ مبارکہ بھی آئی ہے،آپ کا فرمان ہے:(اے لوگو! طاقت کے مطابق اعمال کو انجام دو،جان لو کہ اللہ تعالی اس وقت تک نہیں اُکتاتا جب تک تم نہ اُکتا جاؤ،اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جو

---

754. البخاري،(959/2)،(ح2550)؛ومسلم،(1343/3)،(ح1718).

755. روضة المحبين،لابن القيم(ص220).

ہیشگی کے ساتھ ادا کی جائی اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو)756.

ابن بطال رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (آپ ﷺ نے عبادت میں افراط کو ناپسند فرمایا ہے تاکہ آدمی اس سے منقطع نہ ہو...اور یہ طریقہ اللہ تعالی کا محبوب ترین طریقہ اس لئے ہے کیونکہ اس میں نفوس کے لئے نرمی و آسانی پائی جاتی ہے....

اور آپ کے قول (اللہ تعالی اس وقت تک نہیں اُکتا تا جب تک تم نہ اُکتا جاؤ) کا مطلب ہے: اللہ تعالی عبادت پر مجازاۃ کا اس وقت تک فیصلہ نہیں لیتا جب تک تم لوگ عمل سے الگ نہ ہو جاؤ، مجازاۃ کے لفظ کو فعل کے لفظ کی جگہ لایا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی کے حق میں ملل جائز نہیں ہے اور نہ یہ اس کی صفات میں سے ہے...اس کے باوجود اللہ تعالی نے اپنے بارے میں ملل کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ کلام کی دونوں قسموں کے درمیان مساواۃ دکھائی دے، جیسا کہ اللہ تعالی اس قول میں ہے: (**وَ مَكَرُوا وَ مَكَرَ اللَّهُ**)[آل عمران :۵۴] 757 ..

۷۔ فرد پر وسطیت کے بہتر آثار میں سے نفسانی ووجدانی اطمینان وسکون اور اللہ تعالی کے قضا وقدر کے ساتھ تعامل میں توازن کا پایا جانا ہے، مصائب وآلام میں صبر کا ظہور اور نعمتوں کے حصول کے وقت شکر کا اظہار ہے، اس توازن کے بغیر بندہ غلو وافراط کی طرف مائل ہو سکتا ہے جو اپنے ساتھ نفسانی امراض کو لاتا ہے، جیسے کہ حقد، حسد، دوسرے کو تکلیف پہنچانا، اللہ کی نعمت کا انکار کرنا، اور بسا اوقات اللہ تعالی کے فیصلوں پر۔ والعیاذ باللہ۔ ناخوشی کا اظہار کرنا جیسے امراض ہیں، اور یہ سب گناہوں کو دعوت دینے والے اور ان عظیم اجروں کو ضائع کرنے والے ہیں۔

۸۔ وسطیت کے برکات میں سے قلتِ خطا اور کثرتِ ثواب ہے، چاہے یہ قلت وکثرت دنیوی امور میں پائی جائے یا دینی امور میں، یا مجاہدۂ نفس اور اسے بلند مرتبت تک لے جانے میں، یا نفس کا ہمیشہ محاسبہ کرنے اور توبہ کرنے میں، اسی طرح وسطیت انسانی نفس کے اندر سے بہت سے سلبی پہلوؤں کو دور کرتی ہے جو نفس افراط اور تفریط کے درمیان گردش کرتا رہتا ہے، جیسے کہ کبر، غرور اور ریاء ہے جو غلو اور نہایت غلیظ شدت تک لے

756. البخاری، (2201/5)، (ح 5523) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (540/1)، (ح 782).
757. شرح صحیح البخاری، ابن بطال (122/3-123).

جانے والا اور توسط واعتدال سے دور کرنے والا ہے۔

۹۔ وسطیت کے فضائل میں سے ایک کسی رائے یا مذہب کے لئے تعصب سے باز رہنا، ان مخالف آراء کا احترام کرنا جو شرعاً وعقلاً معتبر ہوں، اور با مقصد علمی وادبی مناقشہ کرنا ہے، جس کا علم وحلم سے تعلق ہو اور جو متوازن ووسط منہج سے منضبط ہو۔

چوتھی فصل

سنتِ نبویہ کے مقاصد کی عظمت

اور اس میں چھ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: دین کی حفاظت

دوسرا مبحث: نفس کی حفاظت

تیسرا مبحث: عقل کی حفاظت

چوتھا مبحث: نسل کی حفاظت

پانچواں مبحث: مال کی حفاظت

چھٹا مبحث: امن کی حفاظت

سنتِ نبویہ کے مقاصد کی عظمت

مقاصدِ شریعت کی تعریف:

مقاصدِ شریعت: اس کے بڑے اصول، اس کے عظیم مبادی، اوراس کے ضائع نہ ہونے والے ارکان اور اس کے وہ فروع ہیں جو زمان ومکان کے مطابق انسان کی حالت کی رعایت میں متغیر ہوتے رہتے ہیں758.

شاطبی رحمہ اللہ مقاصدِ شریعت کے بارے میں بیان کرتے ہیں: (یہ شریعت کے اصول ہیں، ان کا اوران کی طرف مستند سارے فروع کا اعتبار کئے جانے پر قطعی برہان قائم ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ وہ اصلی علم، بلند اساس اور ثابت ارکان ہیں)759.

سنتِ نبویہ کے مقاصد:

سنتِ نبویہ کے مقاصد عام طور سے مقاصدِ شریعت کو مکمل کرنے اور ان کے خلا کو پُر کرنے والے اجزاء و اعضاء ہیں، اور ہر وہ مقصد جس کا استنباط واثبات عمل میں آئے اس کا مرجع بنیادی طور سے قرآن وسنت ہے، اس علم کے اثبات، اس کے نشانات اور حدود واہداف کی تحدید، اس کے ضوابط ومعیارات کی تشخیص، اس کے آلیات اوروسائلِ تطبیق کے بیان میں یہی دونوں اصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور ''مقاصدِ سنت نبویہ'' پر گفتگو کے پیچھے ہمارا مقصد ''مقاصدِ سنت'' اور'' مقاصدِ شریعت'' کے درمیان تفریق کرنا، یا ان کے درمیان امتیاز کرنا نہیں ہے، بلکہ ہمارا مقصد سنتِ نبویہ کے اس روشن پہلو کواجاگر کرنا ہے، تاکہ سب کے سامنے اس کا شمول، اس کی وسعت اور

شریعت کے تمام ارکان کا احاطہ کھل کر واضح ہوجائے، بنابریں ''مقاصدِ سنت'' پر گفتگو دراصل ''مقاصدِ شریعت'' پر گفتگو ہے، اس لئے آخر کار دونوں ایک چیز کی تعبیر ہیں، یہ حقیقت ان مباحث پر بحث کے دوران کھل کر سامنے آجائے گی جن کو ہم ''مقاصدِ سنت کی عظمت'' کے عنوان کے تحت بیان کریں گے، جس کا آغاز ہم ذیل

758. دیکھئے: قراءۃ فی علم مقاصد الشریعۃ، (ص5).

759. دیکھئے: الموافقات، (77/1).

میں مقاصدِ سنت کی تعریف اور اس کے اقسام پر مشتمل تمہید سے کر رہے ہیں:

مقاصدِ سنتِ نبویہ کا مفہوم:

''مقاصدِ سنتِ نبویہ'' کی اصطلاح کا اطلاق ان ''عام'' اہداف پر ہوتا ہے جنہیں سنت لوگوں کی زندگی میں نافذ کرنا چاہتی ہے، ان پر ''خاص'' اہداف کا بھی اطلاق ہوتا ہے جن میں سے ہر ایک کے حصول کے لئے خاص حکم مشروع کیا گیا ہے۔

سنتِ نبویہ میں مقاصد کی قسمیں:

سنتِ نبویہ میں مقاصد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ مقاصدِ عامہ: جن میں تمام خلق کے دنیوی واخروی مصالح کو شریعتِ اسلامیہ کے کچھ اجمالی احکام کے ذریعہ ثابت کیا جاتا ہے۔

اور سنتِ نبویہ مبارکہ ایسے عام اصول وکلیات پر قائم ہے جو منجملہ حکمت، سماحت، توازن، اعتدال، انسانی فطرت اور موجودہ حالات کی رعایت، تطبیق کی صلاحیت، تکالیف کی آسانی، مزاج ومیلانات وخواہشات کے اختلاف کا لحاظ، امن وسلامتی کے اقرار، عدل ومساوات کے قیام، آزادی فراہم کرنے کی انتھک کوشش، اور انسانی کرامت کی حفاظت کو ثابت کرنے والے ہیں، اور ان مقاصد کو علماء مقاصدِ عامہ کا نام دیتے ہیں 760.

۲۔ مقاصدِ خاصہ: یہ وہ اہداف ہیں جنہیں سنت گوشہ ہائے حیات میں سے کسی خاص گوشہ میں نافذ کرنے کی کوشش کرتی ہے، جیسے کہ اس کا اقتصادی یا خاندانی یا سیاسی ...نظام ہے، اور یہ کام ان تفصیلی احکام کے ذریعہ انجام دیتی ہے جو ہر گوشۂ حیات کے لئے علیحدہ طور سے مشروع کئے گئے ہیں۔

مقاصدِ سنت کی معرفت کے فوائد:

سنتِ نبویہ کے مقاصد کی معرفت کے بہت سے فائدے ہیں، ان میں سے اہم یہ ہیں 761:

۱۔ وہ مقاصد سنتِ نبویہ میں اصول سازی کے کمال اور شمول پر دلالت کرتے ہیں، کمال پر اس لئے کہ وہ اصول اپنے کلیات وجزئیات میں بلند مقاصد پر مبنی ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ جب کوئی حکم کسی مقصد اور علت

760. دیکھئے: الوسطیۃ فی السنۃ النبویۃ، (ص175).

761. دیکھئے: الفصول المنتقاۃ المجموعۃ فی مقاصد الشریعۃ المرفوعۃ، صالح الأسمری (ص8).

اور فائدہ پر مشتمل ہوتو وہ ہر طرح سے مکمل حکم ہوگا، اس حکم کے برخلاف جو ان سب سے عاری ہو۔

ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اللہ سبحانہ حکیم ہے وہ کوئی کام بے وجہ نہیں کرتا اور نہ اس کا کوئی کام اس معنی و مصلحت اور حکمت سے خالی ہوتا ہے جو اس فعل کا مقصد اصلی ہو، بلکہ اللہ سبحانہ کے افعال اس حکمتِ بالغہ کے تحت صادر ہوتے ہیں جس کے لئے فعل کو انجام دیا جاتا ہے، اسی طرح وہ ان اسباب کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ فعل ہے، اللہ سبحانہ اور اس کے رسول کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے) 762.

سنتِ نبویہ دراصل اسی ارادۂ ربّانیہ اور مشیئتِ الٰہیہ کی تعبیر ہے، کیونکہ سنت وہی ہے جس کو اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ پر نازل کیا ہے، چنانچہ سنت کی تمام تشریعات اور مقاصد اللہ تعالی کے ارادہ و مشیئت کے مطابق ہیں، اسی بنا پر اس کے مقاصد اس کمال سے متصف ہیں جس کا سبب حکمت ربّانیہ ہے اور جس کا مصدر خالق بریہ ہے۔

اور شمول پر اس لئے کیونکہ اس نے ان تمام عام و خاص مقاصد کا احاطہ کر رکھا ہے جن کا ادراک عقل کر سکتی ہے، یا واقع جن کا تقاضا کر سکتا ہے، یا حال جن کو ضروری قرار دے سکتا ہے، اور وہ تمام مقامات اور تمام زمانوں میں پائے جانے والے مقاصد ہیں، مقاصد عامہ یا خاصہ میں سے کوئی ایسا مقصد نہیں ہے، جس کے ذریعہ انسانیت کو قرار و سکون حاصل ہو اور جس کے ذریعہ اسے سعادت نصیب ہو، مگر آپ اس کا ذکر یا اس کی دلیل سنت میں ضرور پائیں گے، اس سے سنت کے شمول اور اس کے ہر اس چیز پر مشتمل ہونے کی بات کو تقویت حاصل ہوتی ہے جو تمام زمان و مکان میں لوگوں کے مصالح و ضروریات کی تکمیل کر سکتی ہو۔

۲۔ ان کی معرفت مصالح و مفاسد کے مراتب کو اور شرع و واقع میں اعمال کے درجات کی معرفت کا فائدہ دیتی ہے، مقارنہ اور تزاحمِ احکام کے وقت اس کی بڑی اہمیت ہو جاتی ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (مؤمن کو کتاب و سنت میں واقع برائیوں اور ان کے مراتب کو جاننا چاہیے، جس طرح وہ کتاب و سنت میں واقع بھلائیوں کو جانتا ہے، کتاب و سنت میں واقع اور موجود امور کے احکام کے درمیان اور واقع کئے جانے والے امور کے احکام کے درمیان فرق کرنا چاہیے تاکہ اس امر کو مقدّم کر سکے جو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ خیر اور کم سے کم شر کا حامل ہو، دو برائیوں میں سے ادنیٰ کو گوارا کر کے بڑی برائی کو دفع کر سکے، اور دو خیر میں سے

---

762. شفاء العلیل، (ص190).

ادنیٰ کو ترک کر کے بڑے خیر کو اختیار کر سکے، جس نے مخلوق کی حالت کو نہیں جانا اور دین میں واجب کو نہیں پہچانا اس نے اللہ کے بندوں کے سلسلے میں اس کے احکام کو نہیں جانا، اور جب اس کو نہیں جان سکا تو اس کا قول وعمل جہالت پر مبنی ہوا، اور جس نے بغیر علم کے اللہ کی عبادت کیا تو اس سے اصلاح سے زیادہ فساد صادر ہوگا)763.

۳۔ ان کا جاننا احکام کی تعدیت میں مفید ثابت ہوگا، جیسے کہ فرع کو اس اصل پر قیاس کرنا جس کی علت معلوم ہو۔

۴۔ سنتِ نبویہ اور اس کے احکام پر اطمینان میں اضافہ ہوتا ہے، نفس اس حکم کو تسلیم کرنے کا عادی ہے جس کی علت معلوم ہو 764، ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے: (قرآن اور سنتِ رسول ﷺ حکمتوں اور مصالح کے ذریعہ احکام کی تعلیل کرنے، اور ان دونوں کے ذریعہ خلق کی تعلیل کرنے اور جن حکمتوں کی بنا پر ان احکام کو مشروع کیا گیا ہے اور جن کی خاطر ان اعیان کو پیدا کیا گیا ہے ان سے پردہ اٹھانے امور سے قرآن وسنت بھرے پڑے ہیں، اگر وہ مصالح وحِکم قرآن وسنت میں سو دو سو مقامات پر ہوتے تو ہم ان سب کو بیان کر دیتے لیکن وہ تو مختلف انداز میں ہزار سے زائد مقامات پر آئے ہیں)765.

اہمیت کے لحاظ سے لوگوں کے مصالح:

اہمیت کے لحاظ سے لوگوں کے مصالح کے تین مراتب ہیں:

پہلی مصلحت: مصلحتِ ضروریہ؛ یہ وہ مصلحت ہے جس سے انسان کسی بھی حال میں مستغنی نہیں ہو سکتا، شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جہاں تک ضروریہ کی بات ہے تو اس کا معنی ہے: جس کا دین ودنیا کے قیام میں پایا جانا ضروری ہو، بایں طور کہ اگر وہ موجود نہ ہو تو دنیا کے مصالح استقامت پر نہ رہیں، بلکہ فساد، جنگ وجدال اور بربادئ حیات پر منتہی ہوں)766.

مصالح ضروریہ میں سب سے پہلے وہ پانچوں کلیات آتے ہیں جو شرعاً معتبر ہیں، اور جن کو ضروریات کے

---

763. قاعدۃ فی المحبۃ، (ص119).

764. دیکھئے: شفاء العلیل، (ص437).

765. مفتاح دار السعادۃ، (22/2).

766. الموافقات، (8/2).

نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور وہ ہیں: دین، نفس، عقل، نسل اور مال، شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جس طرح پانچوں ضروریات کی قرآن میں تاصیل وارد ہے اسی طرح سنت میں ان کی تفصیل آئی ہے) 767، امام شاطبی کے اس قول میں اس بات کی دلیل پائی جاتی ہے جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ شریعت کے عام مقاصد کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں دونوں میں کسی فرق وامتیاز کے بغیر، قرآن نے ان مقاصد کی تاصیل وتاسیس کی ہے تو سنت نے ان کی تفصیل وایضاح پیش کیا ہے، قرآن وسنت کے درمیان یہ تلازم اس بات کو کہنے پر آمادہ کرتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے عام مقاصد شریعت کے اصولوں میں سے دو اصل پر قائم ہیں، انہیں دونوں کے ساتھ لوگوں کے مصالح مرتبط ہیں، اور ان دونوں نے ان تمام ضروریات کا احاطہ کر رکھا ہے جن کی ضرورت لوگوں کی زندگی کی حفاظت اور ان کے امن واستقرار کی حفاظت کے لئے ہوسکتی تھی۔

دوسری مصلحت: مصلحتِ حاجیہ: یہ وہ مصلحت ہے جس کی ضرورت لوگوں کو اپنی زندگی کے اہم مصالح کے حصول میں ہوتی ہے، جس کی عدم موجودگی مشقت اور زندگی کے عام نظام کے مختل ہوجانے کا باعث ہوتی ہے، البتہ سرے اس کا زوال نہیں ہوتا، اور اس کی مثال بیوع، زواج اور دیگر معاملات سے متعلق احکام کی تفصیلات سے عیاں ہے۔

تیسری مصلحت: مصلحتِ تحسینیہ: یہ وہ مصلحت ہے جس سے لوگوں کے احوال وتصرفات کمال وجمال سے متصف ہوتے ہیں، مثلاً عمدہ لباس کا اہتمام کرنا، کھانے کی تیاری، اور روزمرہ کے معمولات میں بہتر عادات کا انتخاب کرنا وغیرہ 768.

شاطبی رحمہ اللہ حاجیات وتحسینیات کے بارے میں جو سنتِ نبویہ کے کمال، اس کی عدالت اور اس کی ابدیت اور وسطیت کو اجاگر کرنے والی ہیں، کہتے ہیں: (جب آپ حاجیات میں غور کریں گے اسی طرح تحسینیات میں بھی تو پائیں گے کہ شریعت کے قواعد قرآن میں اور سنت میں تکمیل پاچکے ہیں، ان میں کوئی نقص نہیں ہے، بحث وتحقیق ان کو اجاگر کرتی ہے اور کتاب وسنت کے عالم کے انہیں جاننا آسان بنادیتی ہے، سلف صالح نے بھی

---

767. الموافقات، (27/4).

768. الموافقات، (27/4)؛ المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، (ص133) اور اس کے بعد کے صفحات.

اس کو بیان کیا ہے اوراس کی وضاحت کی ہے، جو مزید کی خواہش رکھتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ حاجیات کا مدار کشادگی، تیسیر، رفعِ حرج اور رفق پر قائم ہے)769.

جملہ ادیان اور تمام عقلاء کا ''پانچوں ضروریات کی حفاظت'' پر اتفاق:

تمام آسمانی ادیان والوں اور تمام عقلمند انسانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جس چیز سے انسان کی حالت میں درستگی آسکتی ہے وہ پانچ کلّی امور کی حفاظت ہے، جن پر ''کلیات خمسہ'' کے نام کا اطلاق ہوتا ہے: یعنی دین، نفس، عقل، نسل، اور مال۔

ان ضروریات کی حفاظت کی خاطر شریعت نے بطور سزا حدود مقرر کی ہے:

ارتداد کی حد ''دین کی حفاظت'' کی خاطر ہے۔

قصاصاً قتل کئے جانے کی حد ''نفس کی حفاظت'' کی خاطر ہے۔

زنا کی حد ''نسب یا نسل کی حفاظت'' کے لئے ہے۔

شراب نوشی کی حد ''عقل کی حفاظت'' کی خاطر ہے۔

چوری کی حد ''مال کی حفاظت'' کی خاطر ہے۔

اور تہمت کی حد ''عزت کی حفاظت'' کی خاطر ہے۔

پانچوں ضروریات کے دلائل:

پانچوں ضروریات کے دلائل شریعت کے ''متفق علیہ'' دلائل کے مکمل استقراء سے معلوم ہوتے ہیں، نیز اسے عقولِ صحیحہ کی بھی تائید و اتفاق حاصل ہے۔

شاطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (تمام امت کا، بلکہ تمام ادیان کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت کو پانچوں ضروریات یعنی: دین، نفس، نسل، مال، اور عقل کی محافظت کے لئے مقرر کیا گیا ہے، امت کے لئے ان کا جاننا ضروری ہے، اور یہ کسی معین دلیل سے ثابت نہیں ہے اور نہ اس کی شہادت کسی ایسے معین اصل نے دی ہے جس کی طرف رجوع کیا جاسکے، بلکہ مختلف ابواب میں منتشر دلائل کے مجموعہ کی مدد سے یہ جانا گیا ہے کہ وہ ضروریات شریعت کے عین

769. الموافقات، (29/4).

موافق ہیں)770.

سنتِ نبویہ مبارکہ میں ان پانچوں ضروریات کی حفاظت کے سلسلے میں وافر مقدار میں دلائل وارد ہوئے ہیں ،ان کے وجود کی حفاظت کے لئے ایسے احکام جاری کئے ہیں جو معاشرہ میں ان کے وجود کو برقرار رکھ سکیں ،اور فساد وزوال کے اسباب سے حفاظت وصیانت فراہم کر کے ان کے بقا واستمرار کی کوشش کی گئی ہے، ذیل کے مباحث میں ہم اسی سلسلے میں گفتگو کریں گے۔

770.الموافقات،(38/1).

پہلا مبحث

دین کی حفاظت

قوموں اور جماعتوں کی زندگی میں دین ہی سب سے بڑا محرّک ہوتا ہے، اس کے بغیر قوموں سے استمرار و بقا کی قوت مفقود ہوجاتی ہے، اشترا کی تجربہ کے نتائج ہم سے مخفی نہیں ہیں، اشترا کی بچوں نے اپنی زندگی میں کسی مدافع وحمایتی کو محسوس نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مارکسی واشترا کی نظریہ بالکل ناکام ہوگیا۔

دین ہی وہ چیز ہے جو قوموں کو عروج وترقی کے بام تک لے جاتا ہے، افراد کو کامیابی وکامرانی کے حصول پر آمادہ کرتا ہے، البتہ قوموں کے درمیان فرق حق کے موافق ہونے اور خالص وبرحق دین کو اختیار کرنے کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

اور دینِ اسلامی وہ آخری دین ہے جس کو اللہ تعالی نے پہلے کے سارے آسمانی ادیان حتی کہ بت پرستی والے بناوٹی ادیان کے درمیان اپنے بندوں کے لئے منتخب کیا ہے، یہ وہی دین ہے جس کو اپنائے اور جس کی اتباع کئے بغیر اور جس کے مطابق عمل کئے بغیر کسی کی نجات ممکن نہیں ہے، قرآن وسنت سے اس کی دلیلیں بہت ہیں، ان میں سے ایک اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللَّهِ الإِسْلَامُ**) [آل عمران:۱۹] اور اللہ تعالی کا یہ قول: (**وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ**) [آل عمران :۸۵]، اسی طرح نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: (قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اس قوم میں سے جو بھی یہودی یا نصرانی میری رسالت کے بارے میں سنے گا، پھر وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مرجائے گا، تو وہ یقیناً جہنمیوں میں سے ہوگا) 771۔ یہ اور اس طرح کے دیگر دلائل ثبوت و دلالت کے لحاظ سے قطعی ہیں جن میں عقل وفکر کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

اور چونکہ دین کی بڑی اہمیت ہے، وہ ایسا محور ہے جس کے گرد قوموں اور افراد کی زندگیاں گردش کرتی ہیں،

---

771. مسلم، (76/1)، (ح403).

بلکہ ان کی آخرت بھی، اس لئے سنتِ نبویہ نے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اور دین سے ہمارا مقصد یقیناً دینِ اسلام ہے، اس لئے کہ اس کے سوا جو ہے وہ دین میں شمار کئے جانے کے لائق نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت ہے، دین کی حفاظت سنتِ نبویہ کے مقاصد میں سے عظیم مقصد ہے بلکہ وہ اس کا بنیادی مقصد ہے، اسی لئے سنت نے ایسے قواعد وتدابیر وضع کئے ہیں جن کے ذریعہ دین کی حفاظت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے، اس کام کو سنت نے اجتہاد کے لئے یا انسان کے لئے نہیں چھوڑا ہے، بلکہ اس نے اس کی حمایت وصیانت کا ذمہ لیا ہے اور اس کے لئے جو بھی ممکن وسائل واسالیب ہوسکتے تھے اسے اختیار کیا ہے، زمانے کی ترقی، حوال کی تبدیلی اور اس سے منسلک ظروف وملابسات کا انتظار کئے بغیر، اور یہ سنتِ نبویہ کے کمال وعظمت کی روشن دلیل ہے۔

دین کی حفاظت سے کیا مراد ہے اس کی طرف شاطبی رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے: (دین کی حفاظت کا حاصل تین چیزیں ہیں: اسلام، ایمان اور احسان، اور اس سے متعلق بنیادی باتیں کتاب میں ہیں اور اس کا بیان سنت میں ہے، اور اس کی تکمیل کرنے والی تین چیزیں ہیں: اس کی طرف ترغیب وترہیب کے ذریعہ دعوت دینا، اس سے دشمنی کرنے والے اور اسے مٹانے والے سے جہاد کرنا، اور اس کے اصل میں پیدا ہونے والے نقصان کی تلافی کرنا، ان چیزوں سے متعلق بنیادی باتیں کتاب میں ہیں اور ان کا مکمل بیان سنت میں ہے)772.

گویا کتاب اور سنت مصدرِ تشریع ہیں، انہیں دونوں سے بلاتفریق ادلہ کا استمداد، احکام کا استخراج، مسائل کا استنباط اور مقاصد کی شناخت کی جاتی ہے، اور اس میں سنت کی عظمت اور شریعت سازی میں اس کے مقام کی دلیل پائی جارہی ہے۔

ان تمام اسباب کی بنا پر دین انسانی زندگی کے لئے ایک ضرورت ہے، اللہ تعالی کا قول ہے: (**فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ**) [الروم :٣٠] (ترجمہ: پس آپ یکسو ہوکر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کرلیں، اللہ تعالی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے)۔

---

772. الموافقات، (27/4).

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ**) الحدیث 773۔ (یعنی: کوئی بھی بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہ اس کے والدین ہیں جو اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں)۔

ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے: (لوگوں کو شریعت کی ضرورت ان کی ساری ضرورتوں سے بڑھ کر ہے اس سے زیادہ ان کے لئے علمِ طب کی بھی ضرورت نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ دنیا کے اکثر لوگ طبیب کے بغیر زندگی گذارتے ہیں) 774.

سنت میں دین کی حفاظت کے وسائل:

سابقہ وجوہات کی بنا پر سنت نبویہ نے دین کی خوب خوب حفاظت کی ہے، چاہے دلوں میں اس کی آبیاری و پاسداری کر کے ہو، یا اس کے جڑ کو سیراب کر کے اور اس کی مناسب دیکھ بھال کر کے جس سے اس کی نشو ونما ہو سکے اور اس کے دائمی حفظ و بقا کا کام انجام پا سکے، اور اس کے لئے اس نے یہ وسائل مشروع قرار دئے ہیں:

أ۔ وجود کے اعتبار سے حفاظتِ دین کے وسائل:

دلوں میں دین کی ترسیخ کے غرض سے سنتِ نبویہ میں بہتیرے وسائل پائے جاتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ ایمان کے اصول وارکان پر یقین کو راسخ بنانا، اور وہ ارکان اللہ پر، اس کے رسول پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر، یومِ آخرت پر، اور تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لانا ہے؛ ایمان کی تعریف میں وارد جبریل والی مشہور حدیث میں آیا ہے: (**أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ ، وَمَلَائِكَتِهِ ، وَكُتُبِهِ ، وَرُسُلِهِ ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَ تُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ**) 775۔ (یعنی: تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، اور یومِ آخرت پر، اور ایمان لاؤ بُرے اور بھلے تقدیر پر)۔

۲۔ اس ایمان کو عقلی وعلمی دلائل پر قائم کرنا، اور اسی وجہ سے سنتِ نبویہ نے غور وفکر کی دعوت دی ہے، جس پر نبی ﷺ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے: (رات کو میرے اوپر ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ جو اس کو پڑھے اور اس میں

773. البخاری، (456/1)، (ح 1292)؛ ومسلم، (2048/4)، (ح 2685).

774. مفتاح دارا؛ سعادۃ، (2/2).

775. مسلم، (37/1)، (ح 8).

غور وفکر نہ کرے اس کے لئے ہلاکت ہے: **إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ** [الأنعام:١٩٠] اور مکمل آیت 776.

۳۔ بڑی عبادتوں اور اسلام کے ارکان کا اہتمام؛ جیسے کہ شہادتین کو پڑھنے کے بعد نماز، زکاۃ، روزہ اور حج وغیرہ کو قائم کرنا، ان عبادتوں کے اہم اسرار و حِکم میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عبادتیں بندے کو اس کے رب سے جوڑتی ہیں، اس سے اس کے رشتہ کو مضبوط بناتی ہیں اور اس کی وجہ سے اس کے دل میں ایمان کی ترسیخ وتجدید ہوتی ہے، اس پر نبی ﷺ کا وہ قول دلالت کر رہا ہے جس کو آپ نے اپنے رب سے روایت کیا ہے: (میرا بندہ جس چیز کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے اس میں میری طرف سے فرض کردہ عبادتوں کے ذریعہ تقرب حاصل کرنا میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے، اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہے گا یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگوں گا) الحدیث 777۔ اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: (اسلام کو پانچ چیزوں پر قائم کیا گیا ہے: اس بات کی گواہی پر کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں ہے،، اور اس پر کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے، اور حج کرنے اور رمضان کا روزہ رکھنے پر) 778.

۴۔ دعوت الی اللہ کو واجب بنانا، اس کی حمایت کرنا اور دعاۃ کو امن کے اسباب مہیا کرنا؛ دعوت الی اللہ کی ترغیب دینے والی احادیث میں سے ایک نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: (اللہ اس شخص کو تر وتازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد کر لیا یہاں تک کہ اسے پہنچا دیا، فقہ کا ایسا بھی حامل ہوتا ہے جو اپنے سے زیادہ بڑے فقیہ تک اس کو پہنچاتا ہے، اور فقہ کا ایسا بھی حامل ہوتا ہے جو خود فقیہ نہیں ہوتا) 779۔ اور آپ نے اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے: (چاہیئے کہ موجود آدمی غیر موجود تک پہنچائے) 780.

وجود کے پہلو سے دین کی حفاظت کے سلسلے میں نبی ﷺ کے اس منہج میں متعدد دلالتیں پائی جاتی ہیں:

---

776. صحیح ابن حبان، (386/2)، (ح620). اور البانی نے اس کو (السلسلۃ الصحیحۃ)، (147/1)، (ح68) میں صحیح کہا ہے.

777. البخاری، (2384/5)، (ح6137).

778. البخاری، (12/1) (ص8)؛ ومسلم، (45/1)، (ح16).

779. ابوداود، (322/3)، (ح3660). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (411/2)، (ح3660) میں صحیح کہا ہے.

780. البخاری، (619/2)، (ح1652)؛ ومسلم، (1306/3)، (ح1679).

اول: بیان وایضاح: لوگوں کو دینی امور کی تعلیم دے کر اوران کو واضح ومبین بنا کرتا کہ دین میں دوسری کوئی چیز داخل نہ ہوسکے اور نہ کوئی دینی چیز اس سے خارج ہوسکے، اور سنت نے اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی اور بوجہ اکمل واتم ادا کیا، حتی کہ جس وقت نبی ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت تک آپ دین کو مکمل طور سے پہنچا چکے تھے، اسی کا مصداق اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**الْيَومَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا**) [المائدۃ:۳]۔

دوم: عملی تطبیق: اور یہ دینی شعائر اور اسلامی عبادات کی عملاً انجام دہی کے ذریعہ ہوا، نبی ﷺ نے انہیں عملی طور پر انجام دیا اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے انہیں آپ سے نقل کیا، یہ طریقہ دل میں گھر کر جانے والا اور اس کی متابعت اور پیروی پر آمادہ کرنے والا تھا۔

سوم: سیکھنے والے کی عقلیت کا احترام: اسلامی شرائع اور ایمانی عقائد سب کے سب عقل سے میل کھانے والے ہیں، وہ عقل کے بالکل مخالف نہیں ہیں اور نہ ذرہ برابر اس سے علیحدہ ہیں، اس نے عقل وفکر اور تدبر کو استعمال کرنے اور امور واشیاء کا حکم معلوم کرنے کی دعوت دی ہے، اس لئے کہ فطرت اور عقل سلیم کے ساتھ ان کا اتساق اور تناسب وتوافق معلوم ہے۔

ب۔ بقا کے اعتبار سے دین کی محافظت کے وسائل:

اس سے مراد وہ وسائل ہیں جنہیں سنتِ نبویہ نے دین کی حفاظت، اس کی صیانت، اس کے راستے سے رکاوٹوں کے ازالہ اور دلوں میں اس کی ترسیخ کے لئے استعمال کئے ہیں، ان میں سے اہم وسائل یہ ہیں:

۱۔ عقیدہ وتدین کی آزادی کی پاسداری وحمایت کرنا: اسلام کسی کو اسے اپنانے پر مجبور نہیں کرتا، وہ اپنے ملک کے اندر اور اپنی حکومت کے سایہ تلے مختلف ادیان کو پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرتا ہے، وہ مختلف دین کے حاملین کو عقیدے کی اور اپنے دینی شعائر اور سماجی امور کی انجام دہی کی آزادی عطا کرتا ہے، بلکہ اسلامی جہاد کے اہم مقاصد میں سے عقیدہ وتدیّن کی آزادی کو حفاظت فراہم کرنا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**إِنَّكُمْ سَتَفْتَحُونَ أَرْضًا يُذْكَرُ فِيهَا القِيرَاطُ ، فَاسْتَوْصُوا بِأَهْلِهَا خَيرًا ؛ فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَ رَحِمًا**)781۔

781. مسلم، (1970/4)، (ح2543).

(یعنی: تم لوگ عنقریب ایسی سرزمین کو فتح کروگے جس میں قیراط کا ذکر کیا جاتا ہے، تم لوگ اس کے باشندوں کے ساتھ خیر سے پیش آنا، اس لئے کہ ان کا ہم پر ذمہ ہے اور رشتہ داری ہے)۔

دیگر مختلف ادیان والوں کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف سے اختیار کئے جانے والے طرز عمل کی مکمل تصویر کشی، اور اس موضوع کے تحت سنت میں بکھرے ہوئے آپ کے اقوال ووصایا سے ہمیں یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ آزادئ عقیدہ کی ضمانت، اس لئے کسی کو اپنا دین تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ انسانی اقدار کی پاسداری وبلندی، اس لئے آپ ﷺ ایک یہودی کی موت سے متاثر دکھائی دیتے ہیں، ان کے مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، اور ان میں سے مصیبت زدہ کا آنسو پونچھتے ہیں۔

۳۔ حقوق وممتلکات اور خاص لوگوں کی ضمانت، اس لئے کوئی بھی ان کی حق تلفی اور ان پر ظلم نہیں کرسکتا، اور جس نے ایسا کیا تو قیامت کے روز خود نبی ﷺ اس سے لڑنے والے ہوں گے۔

۴۔ سماج میں ان کا انضمام، انہیں وہ حاصل ہوگا جو مسلمانوں کو حاصل ہوگا، اور ان پر وہ عائد ہوگا جو مسلمانوں پر عائد ہوگا، اور یہ تصویر اس قدر وسیع ہے جس میں اور بھی مناظر کو پیش کیا جاسکتا ہے لیکن یہ موقع اس کی اجازت نہیں دیتا۔

آزادئ عقیدہ نے لوگوں کا احترام کرنے، امن وآشتی کے ساتھ زندگی گذارنے، کسی کا انکار کئے بغیر اور اس کے معاملات میں دخل اندازی کئے بغیر اس کو سماج میں برداشت کرنے کے اصول کو راسخ کیا، جس کی وجہ سے ایسے پرامن معاشرے وجود میں آئے جس میں گروہی تصادم یا کسی خاص اقلیت کے خلاف تشدد کے مظاہر نہیں دیکھے گئے، اس بنا پر پورا پورا ملک اسلام کے آغوش میں آتا گیا اور عقیدہ وعبادت کے پہلو سے اس کے رنگ میں رنگتا چلا گیا، نیز اس نے عربی کو اپنی زبان کے طور پر اختیار کرلیا، اور ان ممالک کے فتح ہونے میں چند ہی سال لگے تھے اس کے بعد سے یہ دین پھلتا پھولتا چلا آرہا ہے۔

۲۔ دین کی ترسیخ، ظلم وزیادتی کے ازالہ اور عقیدہ کی حمایت کے لئے جہاد کی مشروعیت؛ اس سلسلے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: (**أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ، إِلَّا بِحَقِّ**

الإِسْلَامِ ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ)782.

(یعنی: مجھے لوگوں سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ اس کی شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور نماز نہ قائم کریں اور زکاۃ نہ ادا کرنے لگیں، جب وہ ایسا کرنے لگیں گے تو ان کے خون اور اموال محفوظ ہو جائیں گے سوائے اس قدر جتنا اسلام کا حق ہو، اور ان کا حساب اللہ پر ہوگا).

اور جب نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کیا ہے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا: (**اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا**)، کہا گیا: اس کے بعد اور کون سا عمل؟ آپ نے فرمایا: (**اللہ کے راستے میں جہاد**) پھر کہا گیا: اور کون؟ آپ نے فرمایا: (**حج مبرور**)783.

اسلام میں جہاد تبلیغ دعوت کے لئے مشروع کیا گیا ہے، اس لئے کہ حق کی آواز کو لوگوں تک پہنچنا ہی چاہئے، پھر انہیں اس کے مابین اختیار ہے کہ بخوشی اس کو قبول کریں اور اس میں داخل ہو جائیں یا قبول نہ کریں اور اللہ کے دین سے اعراض کریں، اصل مقصد تبلیغ اور دعوت ہے، چنانچہ جو دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنے گا اس سے جہاد کرنا ضروری ہو جائے گا۔

۳۔ دین کی تعلیمات کا التزام اور اس کی تطبیق؛ ایسا کرنے سے دلوں میں دین کا عکس نمایاں ہوگا اور اعضاء وجوارح سے اس کا اثر مترشح ہوگا، اسی وجہ سے بہت سی آیتوں کے اندر ایمان اور عملِ صالح کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے، قرآن کی بہت سی آیتوں میں یہ حکم دیکھا گیا ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ**) [یونس:۹] (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے)، اور نبی ﷺ نے کتاب وسنت پر عمل کرنے کی اہمیت کو پُر زور انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: (قیامت کے روز قرآن کو اور اس پر عمل کرنے والے لوگوں کو لایا جائے گا، اس سے پہلے سورۃ البقرۃ اور آل عمران آجائے گی) الحدیث784.

۴۔ عقوبتِ ارتداد کی مشروعیت؛ دین کی حرمت اور اعتقاد کی جدیت کی حمایت کے لئے، اور اس لئے کہ

---

782. البخاری، (17/1)، (ح25)؛ ومسلم، (52/1)، (ح21).

783. البخاری، (18/1)، (ح26)؛ ومسلم، (88/1)، (ح83).

784. مسلم، (554/1)، (ح805).

کوئی اسلام کی طرف مکمل یقین واطمینان کے بعد ہی پیش قدمی کرے، اسلام ویسے تو کسی کو اسے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتا لیکن ارتداد مسلمانوں کے صفوں میں اضطراب وخلل پیدا کرنے کا اوران کے داخلی محاذ کو پارہ پارہ کرنے کا باعث ہوسکتا ہے، جس کی وجہ سے وسیع پیمانے پر شر وفساد پھیل سکتا ہے، کیونکہ قوموں کی زندگی اوران کے وجود کے لئے سب سے خطرناک چیز اعتقادی اختلاف ،فکری اضطراب اوراس نظام پر عدم اطمینان ہے جس کے سایہ میں وہ رہ رہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلم ممالک کے چپے چپے تک پھیل جانے والے الحادی نظریات اسلام کے لئے اس صریح کفر سے زیادہ خطرناک ہیں جو اسلامی ممالک کے اثر سے باہر ہے، نظام میں شک اور داخلی محاذ کی صفوں میں انتشار بسااوقات دشمنوں کو مدد فراہم کرنے کا بہت بڑا سبب بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مرتد کو ارتداد کی آزادی نہیں دی ہے حالانکہ وہ اصلی کافر کے عقیدہ کی آزادی کا غایت درجہ احترام کرتا ہے۔

پھر ایک مرتد کے لئے جو بعد اس کے کہ وہ ادلہ وبراہین سے پوری طرح واقف ہونے کے بعد محض اپنے اختیار سے اسلام پر ایمان لاتا ہے اوراس میں داخل ہوتا ہے کوئی عذر باقی نہیں رہتا، اوراسی وجہ سے نبی ﷺ کی زبانی ارتداد کی یہ سزا مقرر کی گئی ہے: (جس نے اپنا دین بدل دیا اسے قتل کردو) 785.

یہ سنتِ نبویہ کا اپنا انفرادی حکم ہے اس لئے کہ قرآن میں ارتداد کی سزا کا ذکر نہیں آیا ہے، اور یہ سنتِ نبویہ کی عظمت کی اوراس کی طرف سے اللہ تعالی کے دین کی حمایت کئے جانے کی واضح ترین دلیل ہے۔

لیکن وہ اصلی کافر جس کے لئے ان ادلہ سے مطلع ہونا ممکن نہیں رہا وہ معذور ہوگا، اس لئے کہ اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ان دلائل سے آگاہ ہوگا، یا وہ آگاہ تو ہوچکا ہے لیکن وہ ان سے مطمئن نہیں ہوسکا، تو اس سے بھی یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ ایک دن مطمئن ہوجائے گا 786.

ارتداد صریح قول کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے جیسے کہ وہ کہے: اس نے کفر کیا یا شرک کیا یا ملحد ہوگیا، یا پھر کفر کے مقتضی لفظ کے ذریعہ ہوسکتا ہے جیسے کہ اس کا اس چیز کا انکار کرنا جو دین کے تعلق سے معلوم ہو مثال کے طور پر نماز وزکاۃ کے وجوب کا اور زنا وبغیر حق کے کسی کو قتل کرنے کی حرمت کا، یا ایسے فعل سے جو واضح طور پر کفر کو مستلزم ہو، جیسے کہ مصحف کو یا اس کے کسی حصہ کو خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو گندگی میں ڈالنا، اگرچہ وہ مستقذر چیز شرعاً

785. البخاری، (1098/3)، (ح2854).

786. دیکھئے: المقاصد العامۃ للشریعۃ الإسلامیۃ، (ص262).

طاہر کیوں نہ ہو، جیسے کہ تھوک وغیرہ ہے، اور ہر وہ فعل جس کا مقصد اللہ کے کلمات اور اس کی شریعت کا استخفاف ہو 787.

۵۔ دین کے اندر بدعت پیدا کرنے کی مخالفت اور مبتدعین کی سرکوبی، اور بدعت: (دین میں ایسا طریقہ جو ایجاد کردہ ہو اور شریعت کے مدمقابل ہو، اس کو اختیار کرنے کا مقصد اللہ تعالی کی عبادت میں مبالغہ سے کام لینا ہو) 788۔ اور سب سے پہلے خود نبی ﷺ نے دین کے اندر ابتداع کی اپنے اس قول کے ذریعہ مخالفت فرمائی: (**خَيْـرُ الْهُـدَى هُـدَى مُـحَمَّدٍ ،وَ شَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**)789۔ (یعنی: سب سے بہتر راستہ محمد (ﷺ) کا راستہ ہے، اور سب سے برا امر لوگوں کا ایجاد کردہ ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

اور ایک روایت میں ہے: (**أَحْسَـنَ الْهَـدْى هَـدْىُ مُـحَـمَّـدٍ ،وَ شَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ،وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَ كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ**)790۔ (یعنی: عمدہ تر راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے، اور سب سے بد امر لوگوں کا ایجاد کردہ ہے، اور ہر ایجاد کی جانے والی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے)۔

اور ایک روایت میں ہے: (**مَـنْ يَـعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِى فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِى ، وَسُـنَّةِ الْـخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عليها بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ ، وَكُلُّ بِدْعَةٌ ضَلَالَةٌ**)791.

(یعنی: تم میں سے جو شخص میرے جانے کے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف کو دیکھے گا، پس تم میری سنت کو اور رشد و ہدایت پر گامزن میرے خلفاء کی سنت کو مضبوطی سے تھام لینا اور اسے دانتوں سے پکڑ لینا،

---

787. دیکھئے: الشرح الکبیر، للدردیری (301/4).

788. الاعتصام، (37/1).

789. مسلم، (592/2)، (ح 867).

790. النسائی، (188/3)، (ح 1578). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن النسائی)، (512/1)، (ح 1577) میں صحیح کہا ہے.

791. اس کی تخریج اول کتاب میں کی جا چکی ہے.

اور محدَث (ایجاد کردہ) امور سے دور رہنا، اس لئے کہ ہر ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

معلوم یہ ہوا کہ دین میں ابتداع اور اس کے مقاصد سے انحراف اسے منہدم کرنے کا سب سے خطرناک ہتھیار ہے جو ہویٰ وہوس کی اتباع، یا عقل پر بھروسہ کرنے اور اس سے دھوکہ کھانے، اور اس کے ساتھ شریعت کی طرف سے محدّد دائرہ سے نکل جانے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

بدعت ایجاد کرنے والے کی عقوبت میں کوئی معین حد وارد نہیں ہے، اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی کی بدعت میں دین کے لئے خطرہ پایا جاتا ہے تو اس مبتدع کو سزا دیا جائے گا اور اس کی سزا تعزیر ہے، لیکن ان کا اس سزا کی مقدار میں اختلاف ہے کہ آیا اسے مقررہ حدود میں سے کسی ادنی حد سے متجاوز کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور بعض علماء سزا کو بدعت کے متعدی اور غیر متعدی مفاسد کے تابع بناتے ہیں، اسی طرح اسرار اور اعلان کے حساب سے مبتدعین کے مراتب میں موجود فرق کے مطابق سزا میں فرق کرتے ہیں، اور اعلانیہ بدعت کرنے والا اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا ہوگا یا نہیں ہوگا، اور داعی بدعت کی حالت اس درجہ کو پہنچی ہوئی ہوسکتی ہے کہ جو اسے عادل امراء وحکام کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتی ہو، یا اس درجہ کو پہنچی ہوئی نہ ہو، اور ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی بدعت کے پرچار کے لئے حکام کی اعانت لینے کی کوشش کرتا ہو یا نہیں کرتا ہو وغیر ذلک، اور یہ آراء میں سب سے اقرب اور شریعت کے مبادی ومقاصد کے زیادہ موافق ہے، اس لئے کہ عقوبت کو فعل پر مترتب ہونے والے مفاسد اور نقصانات کے تابع ہونا چاہئے، اور جب نقصان زیادہ اور عام وتام ہو تو اس کے مطابق عقوبت بھی اسی قدر سخت اور بڑی ہونی چاہئے 792.

۶۔ معاصی کو حرام قرار دینا اور ان کا ارتکاب کرنے والوں کو حد یا تعزیر کے ذریعہ سزا دینا، اللہ تعالی نے تمام چھوٹے بڑے معاصی سے منع فرمایا ہے، بعض کبائر پر متعین اور غیر متعین سزائیں مقرر کیا ہے، اور اس کے حدود کو عبور کرنے والوں کو دنیوی سزا کے علاوہ آخرت میں دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

امتِ محمدیہ کے عظیم مبادیٔ اور امتیازات میں سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا قیام ہے، اللہ تعالی نے اس مقدس ذمہ داری کو انجام دینے کی صورت میں محمد ﷺ کے اتباع کو لوگوں کے لئے برپا کی جانے والی ''خیر

---

792. دیکھئے: الاعتصام، (216/1)؛ المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، (ص 267).

امت'' کے لقب سے ملقب کیا ہے، اور یہ ذمہ داری امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہے، اسی لئے نبی ﷺ نے استطاعت کے مطابق منکر کا ازالہ کرنے کے وجوب کو اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے: (**مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ،فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ**)793۔(یعنی: تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے ختم کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے، اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اپنے دل سے اسے بُرا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے)۔

اور اس سے مراد معاصی ومنکرات کو مٹانا اور مسلمانوں کے درمیان اس کو برداشت نہیں کرنا ہے، تاکہ دین محفوظ رہے، اور مؤمنین کے قلوب ان معاصی کی آلودگی سے پاک رہیں جو گنہگاروں کے دلوں سے ایمان کی روشنی کو گل کردیتی ہیں۔

سنتِ نبویہ میں وارد احادیث کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قتل بغیر حق کی حرمت، زنا کی حرمت، شراب نوشی، پاک دامن عورتوں کو متہم کرنے اور چوری کرنے کی حرمت کو پیش کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک گناہ پر ایک متعین سزا کا تقرر کیا ہے، اسی طرح اس نے والدین کی نافرمانی، امانت میں خیانت، عہدوں کو توڑنے، وعدوں کی مخالفت کرنے، سودخوری، جوا کھیلنے، جھوٹی گواہی دینے کو اور ان گناہوں کے قریب وبعید کے ان تمام گناہوں کو بیان کیا ہے جو منکر کے معنی کے تحت آتے ہیں۔

ایسی صورت میں امراء وحکام پر شریعت کی نگہبانی وحمایت کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے، اللہ کے حدود واحکام کو لانگنے والوں اور اس کے دین کے قواعد ومبادئ کی مخالفت کرنے والوں کی سرکوبی کے ذریعہ 794.

۷۔ **حاجیات وتحسینیات کا باڑ قائم کرنا:** جیسے کہ باجماعت نماز ادا کرنے کا حکم اور مختلف نفل عبادتوں کی مشروعیت، ان تمام تشریعات سے دین کی بنیاد مستحکم ہوتی ہے، وہ مسلمان مرد وعورت کے دل میں اور معاشرہ میں راسخ ہوتا ہے اور یہ لوگوں کو اطمینان وسکون اور فرد ومعاشرہ کو خیر وبھلائی مہیا کراتا ہے۔

---

793. مسلم، (69/1)، (ح49).

794. دیکھئے: المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، (ص269).

دوسرا مبحث

نفس کی حفاظت

اسلام نے انسانی نفس کی قدر و قیمت کو بہت بلند کیا ہے، اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے چاہے اس کا دین اور عقیدہ جو بھی ہو، چنانچہ نفس اپنے طور پر بہت محترم ہے چہ جائیکہ اس کا عقیدہ اور مذہب اور دین جو کچھ ہو، اس لئے کہ جس نے اسے پیدا کیا ہے اور اس کی تخلیق کی ہے وہ رب العالمین ہے، اللہ تعالی نے نفس کی عظمت اور اس کی حرمت کی عظمت کو تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کی یہ کہتے ہوئے قسم کھائی ہے: (**وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا**) [الشمس :۷] اس پر تعدی کے جرم کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: (**كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا**) [المائدة :۳۲]

سنتِ نبویہ نے حفظِ نفس کو اپنے اہم مقاصد میں شمار کیا ہے، چنانچہ دین کی حفاظت کے بعد نفس کی حفاظت سنتِ نبویہ کا دوسرا مقصد ہے، اس لئے کہ نفس کی حفاظت انسانی زندگی کی ضروریات میں سے ہے اور اس کے بقا سے متعلق ہے۔

حفاظتِ نفس کی تعریف:

حفاظتِ نفس کی تعریف کرنے میں اسلام تمام بین الاقوامی قوانین وتشریعات میں اول ہے، علماء نے مختلف معیارات کو دھیان میں رکھتے ہوئے جو کہ ایک ہی ہدف یعنی نفس کو ہلاکت سے بچانے کے اردگرد گردش کرتے ہیں، اس کی نہایت جامع مانع تعریف کی ہے، اور شاید اس کی سب سے جامع تعریف وہ ہے جس کو امام شاطبی رحمہ اللہ نے اپنے اس قول کے ذریعہ بیان کیا ہے: (حفاظتِ نفس کا حاصل تین معانی میں پنہاں ہے: اور وہ ہے: تناسل کے قانون کے ذریعہ اس کی بنیاد کو استوار کرنا، اور اس کے عدم سے وجود میں آنے کے بعد مأ کل ومشرب کے پہلو سے اس کے بقا کی حفاظت کرنا، اور یہ اس کو اندر سے محفوظ بناتا ہے، تیسری چیز ملبس اور مسکن ہے، اور یہ

اس کو باہر سے محفوظ بناتا ہے، ان تمام امور سے متعلق بنیادی باتیں قرآن میں ہیں اور ان کی تفصیل سنت میں ہے، اس کی تکمیل کرنے والی چیزیں بھی تین ہیں: اس کو حرام میں واقع ہونے سے بچانا جیسے کہ زنا سے، یعنی وہ نکاح صحیح پر قائم ہو، اس کے ساتھ اس کے تمام متعلقات کو ملحق کیا جائے گا جیسے کہ طلاق، خلع اور لعان وغیرہ، اس کے کھانے کی چیزوں کی حفاظت تاکہ وہ نقصان نہ پہنچائے یا ہلاک نہ کرے یا بے کار نہ بنائے، اور ان چیزوں کو مباح قرار دینا جن کے بغیر یہ امور قائم نہ ہوں مثلاً صید و ذبائح کی حلت، حد و قصاص کی مشروعیت اور پیش آنے والے عوارض کی رعایت وغیرہ۔

اور نسل کی حفاظت اسی قسم میں داخل ہے، اس سے متعلق بنیادی باتیں قرآن میں ہیں اور ان کی تفصیل سنت نے بیان کیا ہے) 795.

سنت میں نفس کی حفاظت کے وسائل:

نفس کی حفاظت کے ایسے متعدد وسائل ہیں جن کا سنت نبویہ میں ذکر آیا ہے اور وہ اس طرح ہیں:

اول: وجود کے اعتبار سے نفس کی محافظت کے وسائل:

۱۔ تعمیر عالم کے لئے تکاثر اور تناسل اور ایجادِ نفوس کی ترغیب دینا: انسانی زندگی کا بیج آنے والی نسل میں تبدیل ہوتا ہے، اس لئے نبی ﷺ کے اس قول کے ذریعہ شادی کو مشروع قرار دیا گیا: (**تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ؛ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ**)796۔ (یعنی: زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے دینے والی عورت سے شادی کرو، اس لئے کہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فخر کروں گا)۔

۲۔ اولاد کے تعلق سے آباء کی ذمہ داری کی تحدید: اللہ تعالی نے انسان کے لئے ایسے قوانین وضع کئے ہیں جو اس کے لئے محفوظ زندگی کی ذمہ داری لیتے ہیں، اس تعلق سے اللہ تعالی نے آباء پر اولاد کی ذمہ داریوں کی تحدید کی ہے، اور اس کام کو عقدِ نکاح کی مشروعیت اور زنا کی تحریم کے ذریعہ انجام دیا ہے، اس عقد کے تقاضا کے مطابق آباء اپنی اولاد کی ضروریات کو پورا کرنے کے پابند ہیں، یعنی ان کی بلوغت تک ان کے اخراجات پورا

---

795 الموافقات، (28,27/4).

796. ابوداود، (220/2)، (ح 2050). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (574/1)، (ح 2050) میں (حسن صحیح) کہا ہے.

کرنے، ان کی دیکھ بھال کرنے اوران کے امور کی نگرانی کرنے کی ذمہ داری، باپ کے اوپر اس کے ان چھوٹے بچوں کے اخراجات کے واجب ہونے پر علماء کا اتفاق ہے جن کے پاس مال نہ ہو، ان لوگوں نے ہند بنت عتبہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں انہوں نے اپنے شوہر ابوسفیان کی نبی ﷺ کے پاس شکایت کی تو آپ نے ان سے فرمایا: (**خُذِی مَا یَکْفِیکِ وَوَلَدَکِ بِالْمَعْرُوفِ**)797 (یعنی: تم اس کے مال سے اتنا لے لیا کرو جتنا معروف طریقے پر تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی ہو)۔

اگر نکاح نہ ہوتا اور ہر مرد کے لئے اس کی بیوی خاص نہ ہوتی تو آباء اپنی اولاد کے تعلق سے مطمئن نہ ہوتے، اور یہ شفقتِ پدری کے ضائع ہوجانے اور ذمہ داری سے بھاگنے کا باعث ہوتا798.

۳۔حلال وحرام کا بیان، احکام شرعیہ کے استقراء وجائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام کے تمام انسانی مصلحت کی تکمیل کے لئے مشروع کئے گئے ہیں، یا تو جلبِ منفعت کے طریق سے یا دفعِ مضرت کے طریق سے۔

اورعقول کے پاس مصالح کے ادراک کی اور نفع ونقصان کا اندازہ کرنے کی کوئی مستقل صلاحیت نہیں ہے، لہذا انسان کو اپنے طور پر شریعت کے احکام وقواعد سے مدد لئے بغیر کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار نہیں ہے، اس کے علاوہ حلال وحرام ثواب وعقاب کی صورت میں آخرت کے مصالح ومفاسد سے پوری طرح مرتبط ہیں، اس لئے حرام کے اوپر گناہ مترتب ہوتا ہے اور حلال کے اوپر نیکی مترتب ہوتی ہے، اور آخرت کے مصالح کے تعلق سے سب کا اس پر اتفاق ہے کہ عقل ان مصالح کا اپنے طور پر شرع حکیم کی ہدایت کے بغیر ادراک نہیں کرسکتی ہے۔

تحلیل وتحریم کا حق شارع حکیم کے پاس ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: (جاہلیت کے لوگ بعض چیزیں کھاتے اور بعض چیزوں کو پلید سمجھ کر چھوڑ دیا کرتے تھے، پس اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث کیا، اپنی کتاب نازل کی، اپنے حلال کو حلال اور اپنے حرام کو حرام قرار دیا، پس جس کو حلال بنایا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام بنایا ہے وہ حرام ہے، اور جس سے خاموشی اختیار کیا ہے وہ

---

797. البخاری، (2052/5)، (ح5049).

798. دیکھئے: المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، (ص272).

معاف کردہ ہے)799۔اسی وجہ سے سلف صالح اپنے فتاوی میں تحلیل وتحریم کی نسبت اپنی طرف کرنے سے پرہیز کرتے تھے، بسااوقات ان میں سے بعض کہتے: میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، یا مستحب سمجھتا ہوں، یا یہ مجھے بہتر نہیں لگتا، وغیر ذلک800۔

اور اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبانی خالص حلال کو جس کا فائدہ واضح ہو، اور خالص حرام کو جس کا نقصان واضح ہو بیان کردیا ہے تا کہ لوگ ان سے ضرورتاً واقف رہیں، اور ان دونوں کے درمیان بعض مشتبہات بنائے ہیں جن کا علم بہت سے لوگوں کو نہیں ہوتا، آپ ﷺ کا فرمان ہے: (**إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ ، وَ إِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَ عِرْضِهِ ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ ؛ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوْشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ ، أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى ،أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ**)801.

(یعنی: بے شک حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان دونوں کے بیچ کچھ مشتبہات ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین وعزت کو بچالیا، اور جو شبہات میں واقع ہو گیا وہ حرام میں واقع ہو گیا، اس چرواہے کی طرح جو چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے جس میں سے ہوسکتا ہے اس کا جانور چرلے، خبر دار! ہر بادشاہ کے پاس چراگاہ ہوتی ہے، خبردار! اللہ تعالی کی چراگاہ اس کے محارم ہیں)۔

سوال کرنے والا یہ سوال کرسکتا ہے کہ تحلیل وتحریم کے درمیان اور حفاظتِ نفس کے درمیان کیا تعلق ہے؟

اس کا جواب واضح ہے جس میں کوئی التباس نہیں ہے، ان دونوں کے درمیان تعلق دو اعتبار سے پایا جاتا ہے:

اول: دنیوی اعتبار سے، جب شریعت نے حرکتِ حیات کی تنظیم کی ہے، معیشت کے راستوں کو مہیا کیا ہے اور انسان کے لئے اس کی زندگی کو آسان بنادیا ہے، بایں طور کہ اس نے اس کے لئے حلال وحرام کو واضح کردیا ہے تو جب وہ اس منہج کے مطابق چلتا ہے تو وہ اس کے لئے خوش آئند زندگی کی ضمانت لیتی ہے جو مشکلات وفتن سے دور ہو اور جو اس کی زندگی کو تباہ بھی کرسکتے ہیں۔

---

799. ابوداود، (354/3)، (ح3800). اور البانی نے اس کو(صحیح سنن ابی داود)، (448/2)، (ح3800) میں صحیح قرار دیا ہے.

800. دیکھئے: تفسیر القرطبی، (180/10)؛ المقاصد العامة للشریعة الإسلامیة، (ص279).

801. البخاری، (28/1)، (ح52)؛ ومسلم، (1219/3)، (ح1599) اور لفظ انہی کا ہے.

دوم: اخروی اعتبار سے، اس لئے کہ شریعت نے آخرت میں آدمی کے انجام کوواضح کردیا ہے کہ اس کا انجام یا تو جہنم کی کھائی میں عذاب ورسوائی ہے یا پھر جنت اورنعمت بھری جگہ ہے، اس بیان میں انسانی زندگی کی حفاظت اورنارجہنم سے اس کی صیانت ہے۔

اس طرح حلال وحرام کے احکام کا دنیاوآخرت میں نفس کی حفاظت سے گہرا ربط دکھائی دیتا ہے اوراس سے تحلیل وتحریم اور حفظِ نفس کے درمیان پائے جانے والے مضبوط رشتے اور گہرے تعلق کا ہمیں علم ہوتا ہے۔

دوم: عدم کے اعتبار سے نفس کی حفاظت کے وسائل:

استمرار اور دوام کے لحاظ سے حفاظتِ نفس کے لئے متعدد وسائل مشروع کئے گئے ہیں جن میں سے بعض اہم وسائل یہ ہیں:

۱۔ انسان پر یہ واجب قرار دیا کہ وہ اپنے نفس کو بقائے حیات کے وسائل سے مدد فراہم کرے، جیسے کہ کھانا ، پینا، لباس و پوشاک اور رہائش فراہم کرنا ہے، چنانچہ ایک مسلمان کے لئے حرام ہے کہ وہ ان ضروریات سے اس حدتک دور رہے جس سے اس کی زندگی کے لئے خطرہ پیدا ہوجائے۔

انہیں ضروریات کے حصول کو وہ حد ادنیٰ مانا گیا ہے جو ایک طرف معاشرہ اوراس کے افراد پر لازم ہے، اسی وجہ سے لوگوں کے اموال میں ایک معلوم حق مقرر کیا گیا ہے جس کو ان کے فقراء پر لوٹا دیا جاتا ہے، اور دوسری طرف حکومت اوراس کے ذیلی اداروں اور تنظیموں پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ ان عاجز افراد کو یہ ادنیٰ حد فراہم کریں جو اپنے لئے اس کو حاصل نہیں کرسکتے ، بلکہ انسان پر یہ واجب کیا ہے۔ جب وہ اپنی جان کو خطرہ میں پائے۔ کہ بقدرِ ضرورت غیر کا مال کھا کر اپنی جان کو ہلاکت سے بچائے۔

۲۔ حکومت پر ایسے ادارے قائم کرنے کو ضروری قرار دیا ہے جو لوگوں کو امن عام فراہم کرسکیں، جیسے کہ مختلف محکمے اور پولیس وغیرہ ہیں جن سے معاشرہ کو امن وامان حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ بہتان اور سب وشتم پر روک لگا کر اس نے انسانی کرامت کی حفاظت کو ضروری قرار دیا ہے، اس سلسلے میں نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے: (**مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهِ ، وَ مَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ**) 802۔ (یعنی: جس نے کسی مؤمن کو لعن وطعن کیا تو یہ اس کے قتل کے مترادف ہے، اور جس نے کسی مؤمن کو کفر

---

802. البخاری، (2247/5)، (ح5700).

سے متہم کیا تو یہ اس کے قتل کے مترادف ہے)؛اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:(**إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَائَكُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ وَ أَعْرَاضَكُمْ ؛ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِى شَهْرِكُمْ هَذَا ، فِى بَلَدِكُمْ هَذَا**)803۔(یعنی: اللہ تعالی نے تمہارے اوپر تمہارے خون کو، تمہارے اموال کو اور تمہاری عزتوں کو حرام قرار دیا ہے، تمہارے اس دن کے حرام ہونے، اس ماہ میں اور اس شہر(مکہ مکرمہ) میں حرام ہونے کی طرح)۔اور بلا وجہ انسان کے نشاط و حرکت پر پابندی لگانے سے منع کیا ہے، اس طرح اس نے فکر وعمل اور اقامت وانتقال کی آزادی کی حمایت و تائید کیا ہے۔

۴۔نفس کو لاحق ہونے والی مشقت کے سبب رخصتوں کی تشریع ،جس مشقت سے اسے نقصان پہنچ سکتا تھا جیسے کہ مرض وسفر کی وجہ سے رمضان میں روزہ ترک کردینے کی مشروعیت اور سفر میں نماز قصر کرنے کی مشروعیت ہے۔

۵۔اسلام نے قتلِ نفس کو حرام قرار دیا ہے چاہے آدمی خود اپنے آپ کو قتل کرے یا دوسرے کو، اس سلسلے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں:(**لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّى رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدَى ثَلَاثٍ : النَّفْسُ بِالنَّفْسِ ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِى ، وَ الْمُفَارِقُ لِدِينِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ**)804۔(یعنی: کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ہے جو اس کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، سوائے تین اشخاص کے: جس کی جان کسی کی جان لینے کی وجہ سے لی جائے، اور شادی شدہ زانی کے، اور اپنے دین کو بدلنے والے جماعت کو چھوڑنے والے شخص کے)، اور اخروی وعید خود کو مار ڈالنے کو بھی شامل ہے، جیسے کہ نبی ﷺ کا قول ہے:(**مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ عُذِّبَ بِهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ**)805۔(یعنی: جس نے اپنے آپ کو لوہے سے ہلاک کر لیا تو اس کو جہنم کی آگ میں اس سے عذاب دیا جائے گا)، اور نبی ﷺ نے۔معاہد کو قتل کرنے والے کے بارے میں۔فرمایا ہے:(**مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ، وَ إِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا**)806۔(یعنی: جس نے کسی معاہد کو قتل کیا

803.البخاری،(2247/5)،(ح5696).

804.البخاری،(2521/6)،(ح6484).

805.البخاری،(459/1)،(ح1297).

806.البخاری،(1155/3)،(ح2995)

وہ جنت کی خوشبو کو بھی نہیں سونگھ پائے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جائے گی)۔

اسلام میں قتلِ نفس کا معاملہ ایک نہایت خطرناک مسئلہ سے جڑا ہوا ہے اور وہ خالق سبحانہ وتعالی کی حرمت ہے، اس لئے کہ اس نفس پر ملکیت اس کے خالق کی ہے اور وہ اللہ تعالی ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے اور اسے زندگی بخشی ہے، لہذا اس کو باقی رکھنے اور مارنے کا حق صرف اسی کا ہے، پس یہ نفس اس کے خالق کی حرمت کی بنا پر محترم اور اس کے باری کی عظمت کی بنا پر معظم ہے، یہاں اعتبار پیدا کرنے والے کا ہے پیدا ہونے والے کا نہیں ، اور اگر اعتبار مخلوق کا ہوتا تو غیر اللہ کی عبادت کرنے والا رب کا پیغام پہنچ جانے کے بعد روئے زمین پر ایک سکنڈ زندہ رہنے کا حقدار نہ ہوتا، اور جب اس کو مار ڈالنے اور قتل کر دینے کے متقاضی اسباب پائے جاتے ہیں تو ان اسباب کی تعیین کرنے والا خود اللہ تعالی ہوتا ہے، اس معاملہ میں ہر گز کسی کا عمل دخل نہیں ہوتا۔

٦۔شریعت نے قتل عمد میں قصاص اور قتل خطا میں دیت و کفارہ واجب کیا ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (ایک یہودی نے ایک لڑکی کے سر کو دو پتھروں کے درمیان کچل دیا، اس لڑکی سے پوچھا گیا: ایسا تیرے ساتھ کس نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے، کیا فلاں نے؟ یہاں تک کہ اس یہودی کا نام آیا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، پس اس یہودی کو لایا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا اور اس کے بھی سر کو پتھر سے کچل دیا گیا)807.

اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے: (جس کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے تو وہ دو چیزوں میں سے کسی بہتر کو اختیار کر سکتا ہے، یا تو قاتل سے فدیہ لیا جائے یا اسے قصاصاً قتل کر دیا جائے)808.

وجہ دلالت: قصاص، عفو اور دیت کی مشروعیت۔

ابن العربی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (آدم علیہ السلام کا زمانہ یا اس کے بعد کا زمانہ شریعت سے خالی نہیں رہی، اور شرائع کے اہم قواعد میں سے جانوں کی زیادتی سے حفاظت اور قصاص کے ذریعہ اس کی صیانت ہے تاکہ ظالموں اور جابروں کی سرکوبی کی جاسکے اور اس کو قتل سے باز رکھا جاسکے، یہ ان قواعد میں سے ہے جن سے کوئی شریعت خالی نہیں رہی ہے اور ان اصولوں میں سے ہے جن سے کوئی ملت بے نیاز نہیں ہے)809.

---

807. البخاری، (2524/6)، (ح6490).

808. البخاری، (2522/6)، (ح6486)؛ ومسلم، (988/2). اور لفظ انہی کا ہے.

809. أحکام القرآن، (88/2).

عفوو دیت کی تشریع میں بھی جانوں کی حفاظت ہے، اس لئے کہ جب کسی جان کو ہلاک کردیا گیا تو خالق سبحانہ وتعالی نے قاتل کو ہلاکت سے بچانے کا مخرج پیدا کردیا، بشرطیکہ مقتول کا ولی اس کو قبول کرنے پر آمادہ ہو، اس تشریع میں کشادگی اور وسعت پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ اس میں اہلِ مقتول کی تسلی، خون بہا کی وصولی، جانوں کی حفاظت اور موت وہلاکت سے اس کی صیانت بھی پائی جاتی ہے۔

۷۔ **جہاد کا اعلان؛** جانوں کی حفاظت اور کمزوروں کی اعانت کے لئے، انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف نکلے، دیکھا کہ مہاجرین وانصار نہایت سرد صبح میں کھدائی کررہے ہیں، ان کے پاس غلام نہیں ہیں جو ان کی جگہ پر کام کرسکیں، جب آپ ﷺ نے ان کی پریشانیوں اور بھوک کی شدت کو دیکھا تو فرمایا:

اللهم إنَّ العَيْشَ عَيْشُ الآخِرَة فَاغْفِرْ لِلأَنصَارِ و المهاجرة

اے اللہ! اصل آرام تو آخرت کا آرام ہے، تو انصار ومہاجرین کی مغفرت فرما۔

صحابۂ کرام نے اس کے جواب میں فرمایا:

نَحْنُ الَّذِيــنَ بَايَعُــوا مُحَــمَّدًا على الجِهَادِ مَا بَقِينا أَبَدًا)810.

ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ سے اپنی زندگی بھر جہاد پر قائم رہنے کی بیعت کی ہے۔

۸۔ مسلمان پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ ظلماً قتل کئے جارہے شخص کو اس سے بچائے، یا اگر وہ کسی خطرہ سے دوچار ہے تو اس کو اگر استطاعت ہو تو اس سے بچائے، اسلام کی مدد کرنے یا عام مسلمانوں کے لئے منفعت کو حاصل کی خاطر اپنی جان کی قربانی پیش کرنا جائز ہے، کیونکہ دین کی مصلحت نفس کی مصلحت پر مقدم ہوتی ہے، بلکہ دین کے دفاع اور مسلمانوں کی مصلحت کی خاطر موت کو گلے لگانا اللہ تعالی کے نزدیک اور عام لوگوں کے نزدیک شرف وجاہ کی بات ہے۔

البتہ اگر اس مسلمان کو یہ معلوم ہو کہ اس کے موت کو گلے لگالینے سے بھی مسلمانوں کی مصلحت حاصل نہیں ہوسکتی تو ایسی صورت میں خود کو ہلاکت میں ڈالنا کوئی مستحسن قدم نہیں ہوگا۔

---

810. البخاری، (1043/3)، (ح2679).

عز بن عبد السلام رحمہ اللہ نے کہا ہے: (گھماسان کی جنگ کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنے میں بڑے مفاسد ہیں، لیکن یہ اس وقت واجب ہو جائیگا جب اسے معلوم ہو کہ کافروں کو زک پہنچائے بغیر وہ مارا جائے گا، جانوں کی قربانی دینا اس لئے جائز قرار پایا تھا کیونکہ اس میں مشرکین کو زک پہنچا کر کے دین کو سربلندی عطا کرنے کی مصلحت پائی جاتی تھی، جب کفار پر غلبہ پانا ممکن نہ ہو تو انہزام واجب ہو جاتا ہے، اس لئے کہ ثابت قدم رہنے میں جانوں کے ضیاع کے علاوہ کفار کے دلوں میں جوش پیدا کرنا اور اہلِ اسلام کو صدمے سے دوچار کرنا ہے، ایسی صورت میں ثابت قدم رہنے میں خالص مفسدت ہے جس کے پیچھے کوئی مصلحت نہیں ہے)811.

اس انہزام کا جس میں مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت ہے ایک اور نہایت اہم مقصد ہے، اور وہ ہے از سرنو صف بندی کرنا، قوت اکٹھا کرنا، اس کو بڑھانا اور نئی توانائی کے ساتھ جہاد کی طرف متوجہ ہونا، جب کہ جان کی ہلاکت اور انہزام کے یقین کے باوجود جان کی بازی لگانے میں بہت بڑی مصلحت کی بربادی ہے، اور وہ ہے از سرنو حملہ کرنا، اکٹھا ہونا اور پھر سے جنگ کی تیاری کرنا۔

۹۔ انسان کے لئے مشروع کیا گیا ہے کہ وہ اس وقت اپنی جان کا دفاع کرے جب کوئی اس پر جان لیوا حملہ کرے، اور اگر حملہ آور مر جاتا ہے یا اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس پر اس کی کوئی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی ہے اگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس کا ارادہ جان لینے کا تھا، اس دلیل یہ ہے:

أ۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: یعلی بن مُنیہ یا یعلی بن امیہ کی ایک شخص سے لڑائی ہو گئی، ان میں سے ایک نے دوسرے کو دانت کاٹ لیا، اس شخص نے اس کے منھ سے اپنا ہاتھ کھینچا تو اس کی وجہ سے اس کے اگلے دونوں دانت گر گئے، دونوں اپنا جھگڑا لے کر نبی ﷺ کے دربار میں آئے تو آپ نے فرمایا: (تم میں کا کوئی اس طرح دانت کاٹتا ہے جیسے نر جانور کاٹتا ہے، جاؤ اس کی کوئی دیت نہیں ہے)812.

ب۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (جو اپنے مال کی حاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے)813.

اور ایک روایت میں ہے: (جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے دین کی حفاظت میں

---

811. قواعد الأحكام في مصالح الأنام، (95/1).

812. مسلم، (1300/3)، (ح1673).

813. البخاری، (466/1)، (ح2520)؛ ومسلم، (71/1)، (ح64).

مارا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے خون کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے، اور جو اپنے اہل کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے)814.

ایک روایت میں ہے: (جس نے اپنے مال کی خاطر قتال کیا اور قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے، اور جس نے اپنی جان کی خاطر قتال کیا اور قتل کر دیا گیا تو وہ شہید ہے اور جس نے اپنے اہل کی خاطر قتال کیا تو وہ شہید ہے)815.

خلاصہ: یہ ہے کہ لوگوں کی جان اور جسم کو جَور وزیادتی سے بچانے کے لئے کچھ ایسے حکیمانہ اوامر واحکام ہیں جن کا سنت کے اندر تفصیلی بیان آیا ہے، ان تشریعات نے خود کو جان بوجھ کر قتل کر دینے والے کی یہ سزا مقرر کی ہے کہ اسے آخرت میں سخت سزا سے دوچار کیا جائے گا اور وہ سزا یہ ہوگی کہ قیامت کے روز جہنم میں وہ اسی طریقہ پر اپنے آپ کو قتل کرتا رہے گا، اور اسے گہرے عذاب اور سخت سزا کے طور پر مقرر کیا جائے گا، اسی طرح جو دوسرے کو بغیر حق کے عمداً قتل کر دیتا ہے اس کے لئے بھی اعلی درجہ کی سزا تجویز کیا ہے، اور وہ قصاصاً قتل کیا جانا ہے، نیز ان احکام نے مقتول کے ولی کو بلا معاوضہ کے یا مالی معاوضہ لے کر معاف کر دینے کا اختیار دیا ہے، اس کے علاوہ قتلِ خطا پر ایسی سزائیں مقرر کی ہیں جو انسان کو اس پر آمادہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے تصرفات اور افعال میں حکمت اور بیداری کا خیال کرے، تساہل اور بداحتیاطی سے دور رہے تا کہ اس کی بداحتیاطی لوگوں کے جسم و جان کے لئے خطرے کا باعث نہ بنے۔

اور یہ تشریعات واحکام شریعتِ اسلامیہ میں جان کی حفاظت وصیانت کے ضامن ہیں۔

اسی طرح شریعت نے کچھ ایسے احکام متعین اور مرتب کئے ہیں جن کا مقصد ہی غیر مباشرتی طور پر نفس کی حفاظت کرنا ہے، ان احکام میں سے بعض یہ ہیں: شادی وافزائش نسل کی ترغیب دینا، کھانے پینے، لباس ومکان اور علاج ومعالجہ کے تعلق سے کم از کم اتنی ذمہ داری اُٹھانا جس سے زندگی باقی رہے، پھر ان احکام نے دشمنوں کے خلاف دفاع کے حق کو، اور کمزوروں، مسکینوں اور عورتوں کی حمایت کو شرعی واجب قرار دیا ہے، جانوں کی حفاظت اور انسانوں کی صیانت کی خاطر دین کے دشمنوں اور ظالموں کے خلاف جہاد کو مشروع قرار دیا ہے۔

---

814. الترمذی، (383/1)، (ح1485). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (113/2)، (ح 1421) میں صحیح کہا ہے.
815. النسائی، (675/2)، (ح4111). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن النسائی)، (101/3)، (ح4105) میں صحیح کہا ہے.

تیسرا مبحث
عقل کی حفاظت

عقل کی اہمیت:

اسلام میں عقل کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ کہ وہ ذمہ داری کی بنیاد ہے، اس سے اللہ تعالی نے انسان کو مشرف کیا ہے اور اسی کی وجہ سے ساری مخلوقات پر اسے فضیلت عطا کیا ہے اور زمین کی خلافت سنبھالنے کا اسے اہل قرار دیا ہے، اس کے لئے بحر و بر کی ساری چیزوں کو مسخر کیا ہے، عقل کے وجود پر بھروسہ کرتے ہوئے اسے اپنی عبادت و طاعت کا اور تحمل مانت کا مکلّف بنایا ہے، دنیا و آخرت کے مصالح کا حصول شریعت کا محتاج ہے اور شریعت عقل پر قائم ہوتی ہے کیونکہ وہی اساسِ تکلیف ہے۔

غزالی رحمہ اللہ نے عقل کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ (آلۂ فہم، حاملِ امانت، محلِ خطاب وتکلیف، اور دین ودنیا کے امور کی کنجی ہے، اور وہ انسان کا سب سے اشرف صفت ہے)816.

اسلام میں عقل کی اسی اہمیت کی بنا پر شریعت نے اپنے مقاصد میں سے دین ونفس کی حفاظت کے بعد تیسرا مقصد عقل کی حفاظت کو قرار دیا ہے، اور یہ ترتیب عقل سے شریعت کی گہری وابستگی وتعلق کو بیان کر رہی ہے، دین مقصدِ اول اس لئے ہے کیونکہ وہی وہ غایت ہے جس کے لئے اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، اور دوسرا مقصد نفس ہے کیونکہ وہی جوارح، قلب اور عقل کو اکٹھا رکھنے والا برتن ہے، عقل کو تیسرے نمبر پر رکھا گیا ہے اس لئے کہ وہ سیکھنے سمجھنے کا وسیلہ ہے، وہ انبیاء کے توسط سے اللہ تعالی سے شریعت کو حاصل کرتی ہے اور ان سے مقصد ومراد کو سمجھتی ہے۔

عقل کی تعریف:

عقل انسان کے اندر کی وہ قوت ہے جس کے ذریعہ علوم کا دراک کیا جاتا اور معارف کو حاصل کیا جاتا ہے، علماء، حکماء اور عوام کے یہاں اس کے مختلف اطلاقات ہیں۔

---

816. شفاء العلیل، (ص103)؛ اور دیکھئے: المستصفی، (ص3).

عقل کی حفاظت کے ذرائع ووسائل:

اسی خاص اہمیت کی بنا پر اسلام نے عقل کی حفاظت کی ہے اور درج ذیل وسائل کے ذریعہ ایسے قوانین وضع کئے ہیں جو اس کی سلامتی اور زندگی کی ضامن ہیں:

پہلا وسیلہ: **عقل کی محافظت میں تعلیم کی اہمیت**، اسلام کے نزدیک تمام مرد وعورت سے مطلوب امور میں سے ایک تعلیم ہے، اس نے علماء کو تمام لوگوں سے افضل قرار دیا ہے، طلبِ علم کی ترغیب دیا ہے، اور تعلیم کا فائدہ عقل کو سرعتِ ادرک کے لئے تیار کرنا، اور اسباب کو مسببات کے ساتھ اور علل کو معلولات کے ساتھ ملانے کے لئے اسے صیقل کرنا ہے، جس طرح انسانی عقل اپنے نمو وبقا کے لئے غذا کی ضرورت مند ہوتی ہے اسی طرح وہ علم ومعرفت کی بھی ضرورت مند ہوتی ہے، وہ ایک آئینہ کی طرح ہے جس کی غبار وگندگی سے جس قدر صفائی وستھرائی کا اہتمام کیا جائے اسی قدر وہ اپنے عمل کو بحسن وخوبی انجام دینے کے لائق ہوتا ہے۔

تعلیم کی قیمت اور عقلوں کی اصلاح وتقویم میں اس کے پُر زور اثر کو دیکھتے ہوئے اسلام نے اسے ہر مسلمان مرد وعورت پر عائد ایک فریضہ بنانے کا فیصلہ کیا جس کا ذکر نبی ﷺ کے اس قول میں ہے: (**طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ**)817۔ (یعنی: حصولِ علم ہر مسلمان پر فرض ہے)۔ نبی ﷺ نے عقول کی حفاظت کی خاطر تعلیم کو واجب قرار دیا ہے، کیونکہ جاہل آدمی کی عقل کی کوئی اہمیت نہیں ہے جو ہر دم طرح طرح کے اوہام وخرافات سے دوچار رہتا ہے، اس قسم کی عقل تو دنیوی مصالح کا ادراک نہیں کر پاتی وہ دینی مصالح کا ادراک کیسے کر سکتی ہے، لہذا وہ طرح طرح کے بدعات وخرافات اور فکری انحرافات کا شکار ہوتی رہتی ہے، بسا اوقات اس کی لاعلمی اور اس کے جہل مرکب کے سبب معاملہ شرک باللہ تک پہنچ جاتا ہے818.

دوسرا وسیلہ: **مسکرات اور مخدرات کی حرمت**، اور ہر اس چیز کی حرمت جو کسی طرح سے بھی عقل کو متاثر کر سکتی ہو اور اسے نقصان پہنچا سکتی ہو یا اس کی طاقت کو معطل کر سکتی ہو، جیسے کہ شراب اور حشیش وغیرہ ہیں، نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جہاں تک شراب کی بات ہے تو تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شراب نوشی حرام ہے، اسی طرح شراب پینے والے پر حد قائم کئے جانے پر بھی سب کا اجماع ہے، چاہے تھوڑا پیئے یا کم پیئے)819.

---

817. ابن ماجہ، (81/1)، (ح224). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجہ)، (92/1) (ح184) میں صحیح کہا ہے.

818. دیکھئے: المقاصد العامۃ للشریعۃ الاسلامیۃ، (ص366).

819. شرح النووی علی صحیح مسلم، (217/11).

اس سلسلے میں احادیث زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہیں، جن میں سے ایک نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (**كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ**)820۔(یعنی: ہر وہ شراب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے)، نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ ، وَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ**)821۔(یعنی: ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے)، نیز آپ ﷺ کا قول ہے: (**كُلُّ مَا أَسْكَرَ عَنِ الصَّلَاةِ فَهُوَ حَرَامٌ**)822۔(یعنی: ہر وہ چیز جو نماز سے بے گانہ کردے حرام ہے)۔

یہ تحریم مخدرات اور جدید دور کی نشہ آور ٹکیوں اور گولیوں جیسے کہ بھنگ، ہیروئن، حشیش اور چرس جیسی نشہ آور گولیاں ہیں جو قوت ادراک میں خلل پیدا کرتیں اور عقل کو زائل کرتی ہیں، ان سبھوں کو شامل ہے، کیونکہ حرمتِ شراب کی کتاب وسنت میں منصوص علت عقل کا ضائع کرنا ہے، لہذا جب یہی علت کسی دوسری غیر منصوص چیز کے اندر پائی جائے گی تو وہ علت میں مشارکت کی وجہ سے منصوص کا حکم اختیار کرلیتی ہے۔قا

تیسرا وسیلہ: مسکرات استعمال کرنے پر عبرت ناک سزا کا تعین؛ ان کی خطرناکی اور فرد و سوسائٹی پر پڑنے والے ان کے بُرے اثرات کی وجہ سے، اور اس سلسلے میں دو مسلک اختیار کیا گیا ہے:

پہلا مسلک: دینی بندش ورکاوٹ: مسکرات کے حکم کو، اور انہیں پینے پر مترتب ہونے والے نقصانات اور مفاسد کو اور آخرت کی سزا کو بیان کرکے، اور اس سلسلے کی حدیثیں یہ ہیں:

أ۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ، إِنَّ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ ؛ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ ، قالوا : يا رَسُولُ اللَّهِ ! وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ ؟ قال : عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ**)823.

(یعنی: ہر نشہ آور چیز حرام ہے، بے شک نشہ آور چیز پینے والے کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ عہد ہے کہ وہ اسے طینۃ الخبال پلائے، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! طینۃ الخبال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جہنمیوں کا

820. البخاری، (95/1)، (ح239)؛ ومسلم، (1585/3)، (ح2001).
821. مسلم، (1587/3)، (ح2003).
822. مسلم، (1586/3)، (ح1733).
823. مسلم، (1587/3)، (ح2002).

پسینہ ہے یا جہنمیوں کا پیپ ہے)۔

ب۔اور نبی ﷺ کا قول ہے: **مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا** 824، **لَمْ يَتُبْ ، لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الآخِرَة**)825۔(یعنی: جس نے دنیا میں شراب پیا اور وہ اس حال میں مرگیا کہ وہ اس کا عادی تھا، اس نے توبہ بھی نہیں کیا، تو وہ آخرت میں اس کو نہیں پی سکے گا)۔

ج۔اور آپ ﷺ کا قول ہے: **الخَمْرُ أُمُّ الْخَبَائِثِ ، فَمَنْ شَرِبَهَا لَمْ تُقْبَلْ صَلاتُهُ أَرْبَعِينَ يَوْمًا ، فَإِنْ مَاتَ وَهِيَ فِي بَطْنِهِ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً**)826۔(یعنی: شراب ام الخبائث ہے، جس نے اسے پیا اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں کی جائے گی، اگر وہ اس حال میں مرگیا وہ (شراب) اس کے پیٹ میں تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا)۔

د۔نبی ﷺ کا قول ہے: (**الْخَمْرُ أُمُّ الْفَوَاحِش ، وَ أَكْبَرُ الْكَبَائِرِ ، مَنْ شَرِبَهَا وَقَعَ عَلَى أُمِّهِ ، وَ خَالَتِهِ ، وَ عَمَّتِهِ**)827۔(یعنی: شراب ام الفواحش ہے، سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے، جس نے اسے پی لیا وہ اپنی ماں پر واقع ہوا، اپنی خالہ پر واقع ہوا اور اپنی پھوپھی پر واقع ہوا)۔

ہ۔اور آپ ﷺ کا قول ہے: (**لَعَنَ اللَّهُ الخَمْرَ، وَ شَارِبَهَا، وَ سَاقِيَهَا، وَ بَائِعَهَا، وَ مُبْتَاعَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَ مُعْتَصِرَهَا، وَ حَامِلَهَا، وَ الْمَحْمُولَةَ إِلَيهِ**)828۔(یعنی: اللہ تعالی نے لعنت کیا ہے شراب پر، اور اس کے پینے والے پر، اور اسے پلانے والے پر، اور اسے بیچنے والے پر، اور اسے خریدنے والے پر، اور اسے بنانے والے پر اور جس کے لئے بنائی جائے اس پر، اور اسے اٹھانے والے پر اور جس کے لئے اُٹھا کر لے جائی جائے اس پر)۔

دوسرا مسلک: حکومتی بندش ورکاوٹ: جو کہ دنیا میں دی جانے والی بدنی سزا کو مشتمل ہے، یہ سزا اظہار جرم کو روکتی ہے اور مجرم کو دوبارہ جرم کرنے سے باز رکھتی ہے، یہ مسلک پہلے مسلک کا مکمّل و متمم ہے، شریعت نے

824. **(يُدْمِنُهَا)**: یعنی: اس کو ہمیشہ پیتا رہے اور اس سے توبہ نہ کرے یہاں تک کہ مرجائے۔ دیکھئے: تحفۃ الأحوذی، (486/5).

825. مسلم، (1587/3)، (2003).

826. الأوسط للطبرانی، (81/4)، (ح 3667). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع الصغیر)، (631/1)، (ح 3344) میں حسن کہا ہے.

827. الکبیر للطبرانی، (164/11)، (ح 11372). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع الصغیر)، (631/1)، (ح 3345) میں حسن کہا ہے.

828. ابوداود، (326/3)، (ح 3674). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (417/2)، (ح 3674) میں صحیح قرار دیا ہے.

شراب نوشی کی سزا مقرر کر دیا ہے اور وہ سنتِ نبویہ میں کوڑے لگانا ہے، اس سلسلے کی احادیث یہ ہیں:

اَ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: (نبی ﷺ کے پاس ایک شرابی کو لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی تو آپ نے کھجور کی دو ڈالیوں سے اسے چالیس کے قریب مارے) راوی کہتے ہیں: ایسا ہی ابوبکر نے بھی کیا، جب عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے لوگوں سے مشورہ کیا، عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا: اخف حدود اسی کوڑے ہیں، پس عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم دے دیا829.

ب۔ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ انہوں نے چالیس کوڑے مارے پھر جلاد سے کہا: (رُک جاؤ، پھر کہا: نبی ﷺ نے چالیس کوڑے مارے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ نے اسّی کوڑے مارے ہیں، اور سب سنت ہیں اور یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے830) 831.

ج۔ سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور ابوبکر کے زمانے میں اور عمر کی خلافت کے شروع میں ہمارے پاس شرابی کو لایا جاتا تو ہم لوگ اس کی اپنے ہاتھوں اور اپنے جوتوں اور اپنی چادروں سے خبر لیتے تھے، یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے، حتی کہ جب لوگ بکثرت شراب پینے لگے832 اور حد پار کرنے لگے تو اسّی کوڑے مارے) 833.

نشہ آور چیزیں پینے کے نقصانات:

شریعتِ اسلامیہ میں مسکرات ومخدرات کی تحریم سب سے پہلے عقل کی حفاظت وصیانت کی خاطر وارد ہوئی ہے، نیز یہ عقل کے ناکارہ ہو جانے کے سبب ظاہر ہونے والے ان مفاسد ونقصانات سے بچنے کے لئے بھی وارد ہوئی ہے جن کا عقل کی غیر موجودگی میں ظاہر ہونا یقینی ہوتا ہے، ان نقصانات اور مفاسد کے کئی پہلو ہیں اور وہ دور رس اثرات کے حامل ہیں، بعض نقصانات تو صرف شرابی تک محدود رہتے ہیں، بعض کا دائرہ اس کی سوسائٹی کے

829. مسلم، (1330/3)، (ح1706).

830. (**هـذا أحبُّ إلَي**): چالیس کوڑوں کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے لگوائی اور جلاد سے کہا: (رُک جاؤ)، اس کا مطلب ہے: تو نے جو چالیس کوڑے لگائے ہیں وہ میرے نزدیک اسّی کوڑوں سے بہتر ہے. دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (217/11).

831. مسلم، (1331/3)، (ح1707).

832. حدیث کا لفظ ہے: (**عَتَوا**): معنی ہے: معاصی کو بڑھ چڑھ کر انجام دینا. دیکھئے: کشف المشکل، ابن الجوزی (81/1).

833. البخاری، (2488/6)، (ح6397).

افراد و جماعات تک پھر پوری امت تک وسیع ہوتا ہے، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

محدود مفاسد و اضرار: جو شرابی، اس کی ذات، اس کے دین، اس کی عقل، اس کے بدن، اس کے مال اور لوگوں میں اس کی عزت تک محدود ہوتے ہیں، قرآن کریم نے شراب کے مفاسد و اضرار کو بیان کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہے، اور یہ کہ وہ بغض و عداوت کو جنم دیتی ہے اور اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتی ہے، سنت میں یہ وارد ہوا ہے کہ وہ امّ الفواحش اور اکبر الکبائر ہے، نیز وہ امّ الخبائث ہے، جو اس کو پیتا ہے اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی ہے، وہ اور اس کو پینے والا ملعون ہے، اسے قیامت کے دن جہنمیوں کا پسینہ پلایا جائے گا، اور اس کا بیان آگے آ رہا ہے

اس کے جسمانی نقصانات: ایسے بہت سے سلبی نقصانات ہیں جو نشہ آور چیزوں کے استعمال کے سبب اعصابی نظام کو متاثر کرتے ہیں، اور تحقیق سے ثابت ہے کے پاگل خانوں میں زیر علاج 30 % سے زیادہ مریضوں کے پاگل ہونے کا سبب نشہ آور چیزوں کا استعمال ہے، اسی چیز نے جرمنی کے بعض ڈاکٹروں کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ: (تم لوگ نصف شراب خانوں کو بند کر دو میں تمہیں نصف ہاسپٹلوں، کیمپوں اور قید خانوں سے بے نیاز ہو جانے کی ضمانت دوں گا) 834.

بلکہ نشہ آور چیزوں کا جسمانی نظام پر بھی بڑا خطرناک اثر ہوتا ہے، خاص کر خونی نظام، گردوں اور کلیجوں و پھیپھڑوں کے اوپر، ڈاکٹروں کا کہنا ہے: نشہ والی چیز خون میں تبدیل نہیں ہوتی جس طرح دوسری غذائی چیزیں ہضم ہونے کے بعد تبدیل ہو جاتی ہیں، بلکہ وہ اپنی حالت پر باقی رہتی ہے اور خون کے دوران کو بند کرتی ہے جس سے حرکتِ خون تیز ہو جاتی ہے اور وہ اپنی طبعی حالت سے باہر ہو جاتا ہے، شراب میں پایا جانے والا اصل مادہ الکحل ہوتا ہے، پس شراب نوشی کی بنا پر لمبے عرصے تک جسم میں اس کا بکثرت پایا جانا اعصاب میں اور گردوں میں دائمی سوزش اور ورم کو جنم دیتا ہے، خونی رگوں میں صلابت، کلیجہ میں سختی اور دل میں کمزوری آتی ہے، اور جب خون کے اندر الکحل کی نسبت ہزار میں چھ ہو جاتی ہے تو اس صورت میں شرابی کی موت محقق ہو جاتی ہے 835.

834. دیکھئے: مجلۃ الھدایۃ الإسلامیۃ، (214/4)؛ تفسیر المنار، (326).

835. دیکھئے: روح الدین الإسلامی، عفیف عبدالفتاح طبّارۃ (ص 409)؛ مجلۃ لواء الإسلام، (عدد: 3)، (ذوالقعدۃ 1366ھ).

جہاں تک اضاعتِ مال کی بات ہے تو یہ اتنا واضح نقصان ہے جس کے اوپر دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ کا کہنا ہے: (مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ قیس بن عاصم سے جاہلیت میں پوچھا گیا: کیا تم نے شراب چھوڑ دی ہے؟ اس نے کہا: میں نے اسے مال کو برباد کرنے والا، بری باتیں کہنے پر اکسانے والا، اور لوگوں کے اخلاق ومروءات کو ختم کرنے والا پایا)836.

عادی شرابی شراب نوشی سے باز نہیں آتا، بعض مرتبہ تو شراب نوشی میں مال ضائع وبرباد کردینے کے سبب وہ اپنی ضروریات اور حاجیات کی تکمیل سے بھی عاجز رہتا ہے، اس طرح اس کی عقل، اس کا دین اور اس کی دنیا سب برباد ہوجاتی ہے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے شراب کی خرابی کو اس طرح بیان کیا ہے: (وہ شرمندگی، ندامت اور فضیحت کو جنم دیتی ہے، شراب نوش کو سب سے ناقص انسان یعنی مجانین سے ملا دیتی ہے، اس سے بہتر اسماء اور خصوصیات کو سلب کر کے بدترین اسماء وصفات کا لبادہ پہنا دیتی ہے، وہ قتلِ نفس کو آسان بنا دیتی ہے، ایسے راز کے افشا پر آمادہ کرتی ہے جس کے افشا میں اس کا نقصان یا اس کی ہلاکت پائی جاتی ہے، وہ مال کی بربادی میں شیطان کا بھائی بن جاتا ہے جس مال کو اللہ تعالی نے اس کے قیام وگذران کا ذریعہ بنایا تھا... گناہوں اور برائیوں کے ارتکاب کو آسان بنا دیتی ہے، دل سے محارم کی خطرناکی کو نکال باہر کرتی ہے، اس کا عادی بُت کے پجاری کی طرح ہے، کتنی بار اس نے جنگوں میں فتنہ برپا کرایا، کتنے غنی کو فقیر بنایا، عزیز کو ذلیل کیا، شریف کو وضیع بنایا، نعمتوں کو سلب کیا، شقاوت وبدبختی کو پیش کیا، محبت کو تاراج کیا، عداوت کو استحکام دیا، کتنے میاں بیوی کے درمیان تفریق ڈالا، جس کی وجہ سے بیوی شوہر کے دل سے غائب اور اس کے دماغ سے محو ہوگئی، بارہا اس نے حسرت کو جنم دیا، عبرت کا سامان فراہم کیا، اکثر اس نے شرابی پر خیر کے دروازے کو بند کیا اور شر کے دروازے کو وا کیا، کس قدر اس نے مصیبت میں گرفتار کرایا اور جلد ہی موت کو گلے لگانے پر تیار کیا، اور بارہا وہ شرمندگی کا باعث بنی... پس وہ گناہوں کی جامع، برائیوں کی کنجی، نعمتوں کو سلب کرنے والی اور پریشانیوں کو جنم دینے والی چیز ہے)837.

---

836. ذم المسکر، (ص74).

837. حادی الأرواح، (ص122).

اس کے متعدی اضرار: خاندانی دائرہ میں بھی اس کے بہت سے مفاسد ہیں، شرابی اپنی بیوی اور بچوں کی رعایت وعنایت سے صرف نظر کر کے ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلو تہی اختیار کرتا ہے، وہ ان زہریلی چیزوں میں اپنے مال کو ضائع کر کے بھی ان کے حقوق کو غصب کرتا ہے، اس کے معاشرتی مفاسد تو بے شمار ولا تعداد ہیں، اس لئے کہ شرابی کی عقلی قوت متاثر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ عقلاء جیسے تصرفات سے، شریعت کے حدود اور عادت وطبیعت کے قیود سے بے نیاز ہو جاتا ہے، پھر وہ ہر طرح کی سماجی برائی کو جنم دینے اور ہر طرح کے جرائم مثلاً قتل، زنا اور چوری جیسے جرائم کا ارتکاب کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔

جہاں تک پوری قوم کو لاحق اضرار کی بات ہے تو ہر وہ قوم جس میں مسکرات ومخدرات کی بیماری اتنے بڑے پیمانے پر پھیل جائے تو اس کے آپسی تعلقات و روابط میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اس کے افراد کی مابین بغض و عداوت کے جراثیم پھیل جاتے ہیں، ان جرائم کے باعث جنہیں جان ومال اور عزت وآبرو کے خلاف انجام دیا جاتا ہے، نیز قوتِ عاملہ پر اور حرمات ومقدسات کے دفاع کی قوت پر مسکرات کے مضر اثرات کی وجہ سے انتاجی قوت ماند پڑ جاتی ہے، اور بسا اوقات ملک کے افراد پر شہوات کے غلبہ کی وجہ سے ملکی رازوں کو اعداء پر منکشف کر دئے جانے کے واقعات بھی رونما ہوتے ہیں اور اس طرح وہ نہ دنیا میں کامیاب ہوتا ہے اور نہ آخرت میں 838.

838. دیکھئے: المقاصد العامۃ للشریعۃ الإسلامیۃ، (ص 382,378).

چوتھا مبحث

نسل کی حفاظت

بقا کی چاہت اور دوامِ حیات کا شوق انسانی فطرت ہے جو انسانوں کو آئندہ نسل کا گرویدہ بناتی ہے، اس لئے کہ لوگ اس میں اپنی حیات کا سامان تلاشتے ہیں، اسی لئے شریعتِ اسلامیہ نے نسل کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور حفاظتِ نسل کو اپنے ان مقاصد میں سے ایک مقصد قرار دیا ہے جن کو ہر حال میں حاصل کرنا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ حفاظتِ نسل کو متعدد و متنوع قوانین وتشریعات کے باڑ سے گھیر دیا گیا ہے اور ان تمام قوانین کا واحد ہدف شریعتِ اسلامیہ کے مقاصد میں سے اس اہم مقصد کو حاصل کرنا ہے۔

نسل کی حفاظت کے وسائل:

اس مقصدِ عظیم کے حصول کے لئے اسلام نے درج ذیل مبادی وقوانین کو جاری کیا ہے:

پہلا وسیلہ: ایجاد نسل اور تحقیقِ مصالح: شریعتِ اسلامیہ میں نسل کی حفاظت کا معاملہ ایک جوہری واساسی مسئلہ سے جڑا ہوا ہے، اور وہ اس نسل کے وجود کا مسئلہ ہے، اس کے لئے شریعت اسلامیہ نے ایک واضح اور مخصوص منہج مقرر کیا ہے جو اسلامی نکاح کی شکل میں پایا جاتا ہے، تا کہ صرف شرعی طریقہ پر ہی نسل کی افزائش ہو سکے، اور یہ منہج متعدد امور کو شامل ہے اور وہ ہیں:

اول: نکاح کی مشرعیت:

اسلام نے نکاح کو مشروع قرار دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، اس کو پاک وفطرتی طریقہ مانا ہے جس کے ذریعہ مرد عورت سے محض نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں ملتا ہے، بلکہ اس مقصد کے علاوہ ان کا ایک نہایت اعلی وارفع مقصد ہوتا ہے اور وہ نوع انسانی کی حفاظت وبقا اور ایسی صالح ذریت کی خواہش ہے جو دنیا کو اپنے وجود سے آباد کر سکے، انسانی زندگی کی تشکیل کرے اور خلافتِ ارضی کے بار کو اٹھائے پھر اسے اپنے بعد کی نسل کے حوالے کردے اور اس طرح انسانی نسل کی آبیاری ہوتی رہے، انسانی تمدن پاک اصولوں اور اعلی

قدروں کے سایہ میں پروان چڑھتا رہے۔

شادی کے اصلی اور ثانوی مقاصد:

شادی کا ایک اصلی مقصد ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ دیگر تبعی مقاصد ہوتے ہیں جو مقصد اصلی کی تکمیل کرنے والے ہوتے ہیں، اوران کی تفصیل یہ ہے:

شادی کا اصلی مقصد: نسل کی حفاظت اور انقطاع سے اس کو محفوظ رکھنا ہے:

اللہ تعالی نے مرد وعورت کے اندر شہوت پیدا فرمائی ہے جو دونوں اطراف میں قوتِ دافعہ وقاہرہ کے طور پر پائی جاتی ہے، تا کہ اس کے سبب دونوں ایک دوسرے سے ملنے کی خواہش رکھیں اور وہ ان کے آپس میں ملنے کے لئے ایک قدرتی وقہری سبب بن جائے جو کھانے اور پینے کے طبعی تقاضا سے صرف سمجھنے میں مختلف نظر آئے، اور شادی کی مشروعیت کے پیچھے اصلی مقصد ایجاد وابقا کے ذریعہ نسل انسانی کی محافظت ہے، اسی لئے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نسل کی حفاظت پانچ ضروری مقاصد میں سے ایک ہے، اس بنا پر تحدید نسل اور تعدد ازدواج کی جو سوچ لوگوں میں پائی جاتی ہے وہ شارع حکیم کے قصد کے معارض ہے، اگر اسے امتِ اسلامیہ کی زندگی کے لئے عام اصول بنالیا جائے، البتہ مخصوص ضروری حالات میں اس کے اندر ''ضرورت'' کے مطابق غور کیا جائے گا اور اس کے احکام کی پابندی کی جائے گی۔

شادی کے ذریعہ بچے کا حصول چار طرح سے قربت وطاعت ہے:

ا۔جنس انسانی کی بقا کی خاطر بچے کے حصول کی کوشش کر کے اللہ تعالی کی چاہت کے موافق کام کرنا۔

۲۔امتوں کے درمیان نبی ﷺ کی امت میں اضافہ کر کے آپ کی محبت حاصل کرنا، جیسا کہ نبی ﷺ کا قول ہے: (**تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ ؛ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمْ الْأُمَمَ**)839۔(یعنی: زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ بچے دینے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری قوموں پر فخر کروں گا)۔

۳۔مرنے کے بعد صالح بچے کی دعا سے مستفید ہونا؛ اس لئے کہ نبی ﷺ کا قول ہے: (**إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : إِلَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ ، أو وَلَدٍ صَالِحٍ**

839. ابوداود، (220/2)، (ح 2050). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (574/1)، (2050) میں کہا ہے: (حسن صحیح).

يَدْعُو لَهُ)840۔(یعنی: جب انسان مرجاتا ہےتو اس سے اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین عمل کے: سوائے صدقہ جاریہ کے، یا اس علم کے جس سے فائدہ اٹھایا جائے، یا صالح اولاد کے جو اس کے لئے دعا کرے)۔

۴۔اس چھوٹے بچے کے مرجانے سے شفاعت حاصل ہوتی ہے جو اس سے پہلے مرگیا ہو،عورتوں کے لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**مَا مِنْكُنَّ مِنْ امْرَأَةٍ تُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْهَا مِنْ وَلَدِهَا ثَلَاثَةً إِلَّا كَانُوا لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ**) ، **فَقَالَتْ امْرَأَةٌ : وَاثْنَيْنِ ، وَاثْنَيْنِ، وَاثْنَيْنِ ،فقال رسول الله ﷺ : (وَاثْنَيْنِ ، وَاثْنَيْنِ، وَاثْنَيْنِ**)841۔(یعنی:تم میں سے جو بھی عورت اپنے پہلے اپنے تین بچوں کو بھیج دیتی ہےتو وہ اس کے لئے جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گے)ایک عورت نے کہا:اور دو بچے،دو بچے،دو بچے،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(دو بچے بھی،دو بچے بھی،دو بچے بھی)۔

شادی کے ثانوی مقاصد چار ہیں842:

اول: شیطان سے تحفظ حاصل ہونا،شہوت کی ہلاکت کو دفع کرنا،نگاہ پست رکھنا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنا؛ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: (**يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ ! مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ؛ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ ؛ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ**)843۔(یعنی:اے نوجوانوں کی جماعت!تم میں سے جس کے پاس جماع ونان ونفقہ ادا کرنے کی قدرت ہو وہ شادی کرے،اس لئے کہ وہ نگاہ کو پست رکھنے،اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے،اور تم میں سے جس کو اس کی استطاعت نہ ہو وہ روزہ رکھے،وہ اس کے لئے ڈھال ہے)843.

شہوت کی طغیانی کے ازالہ کے لئے نکاح کرنا دین میں بہت بڑا مقام رکھتا ہے،اس لئے کہ جب شہوت غالب ہو اور تقوی کی قوت سے اس کا ازالہ نہ کیا جاسکے تو وہ فواحش کے ارتکاب کا باعث بن سکتی ہے۔

---

840. مسلم،(1255/3)،(ح1631).

841. مسلم،(2028/4)،(ح2633).

842. دیکھئے: إحياء علوم الدين،(2/27-31).

843. البخاری،(1950/5)،(ح4778)؛ ومسلم،(1018/2)،(ح1400).

دوم: نفس کو سکون وراحت پہنچانے اور ہم نشینی اور نظر وملاعبت کے ذریعہ اسے انسیت بخشنے کے مقصد سے نکاح کرنا، اس سے دل کو راحت حاصل ہوتی ہے اور عبادت میں مدد ملتی ہے، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک ثیبہ عورت سے شادی کیا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: (اے جابر! تو نے شادی کی ہے؟) وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا: (باکرہ سے یا ثیبہ سے؟) میں نے کہا: ثیّبہ سے اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: (باکرہ سے کیوں نہیں، تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی) یا آپ نے فرمایا: (تم اس سے ہنسی مذاق کرتے اور وہ تم سے کرتی) 844.

سوم: خانگی امور کی انجام دہی سے دل کو فارغ کرنے کے لئے نکاح کرنا، جیسے کہ کھانا بنانے، گھر کی اور برتنوں کی صفائی کرنے اور اس جیسے دوسرے خانگی اعمال کو انجام دینے سے فارغ ہونا ہے، شوہر کے حق میں نیک بیوی اور اپنے گھر کی دیکھ بھال کرنے والی خاتون دین میں مددگار اور دنیا کے لئے متاع گرانمایہ ہوتی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (دنیا سامان ہے اور دنیا کا سب سے بہتر سامان نیک بیوی ہے) 845.

چہارم: حقوق زوجیت کی ادئیگی کے لئے نفس کو آمادہ وتیار کرنے کے لئے نکاح کرنا، عورتوں کے اخلاق پر صبر کرنا، ان کی طرف سے لاحق تکلیف کو برداشت کرنا، ان کے اصلاح وارشاد کی کوشش کرنا، اوران کے لئے حلال روزی حاصل کرنے کی بھرپور سعی کرنا۔

دوم: نسل کشی اور قتل اولاد کو حرام ٹھہرانا:

شریعتِ اسلامیہ نے قطع نسل کو، شادی سے روگردانی کرنے کو، خصیہ کرانے اور نسل کشی کے دوسرے تمام طریقوں کو حرام قرار دیا ہے، اس کی ایک دلیل سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: (رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کے تبتل 846 کی درخواست کو رد کر دیا تھا، اگر آپ انہیں اس کی اجازت دے دیتے تو ہم لوگ خصیہ 847 کرا لیتے) 848.

844. مسلم، (1087/2)، (ح715).
845. مسلم، (1090/2)، (ح1467).
846. (**التَّبَتُّلَ**): اللہ تعالی کی عبادت کی خاطر عورتوں سے دور رہنا اور شادی سے پرہیز کرنا.
847. (**لَاخْتَصَيْنَا**): اختصاء نر جانور کا خصیہ کرنا یعنی اس کے دونوں خصیوں کو نکال لینا. دیکھئے: شرح النووی، (176/9).
848. البخاری، (1064/3)، (ح5129)؛ مسلم، (569/1)، (ح3470).

اسی طرح شریعتِ اسلامیہ نے کسی بھی مرحلہ میں نسل پر زیادتی کو حرام ٹھہرایا ہے جنین کے مرحلہ سے لے کر اس وقت تک جب وہ اپنے نفس کا دفاع کرنے اور اپنے سود وزیاں کو جاننے کا اہل ہوتا ہے، اور اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ إِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا**) [**الإسراء :٣١**]۔(ترجمہ: اور تم اپنی اولاد کو محتاجی کے ڈر سے قتل نہ کرو، انہیں اور تمہیں ہم روزی دیتے ہیں، بے شک انہیں قتل کرنا بڑا گناہ ہے)۔

سوم: اس نسل کے مصالح کی تکمیل:

چونکہ حفاظتِ نسل کے ساتھ دنیا کی تعمیر، تمدن کا قیام اور ترقی کا مسئلہ جڑا ہوا ہے اس لئے اس نسل کی حفاظت، اس کی رعایت اور اس کی مصلحت کی تکمیل کے ذریعہ اس کی صیانت ضروری ہے، یعنی اس کی بنیادی ضرورتوں جیسے روٹی، کپڑا اور مکان کی فراہمی اور اس کی صحت کی دیکھ بھال کے لازمی اسباب کی فراہمی ضروری ہے، اور اس کی ایک دلیل نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں کی خوراک کو ضائع کردے جن کی روزی کا ذمہ اس پر عائد ہے)849.

دوسرا وسیلہ: دفعِ مفاسد کے ذریعہ نسل کی حفاظت:

جب شارع حکیم جلبِ مصلحت کے دروازہ کو کھولتے ہیں تو ان کے لئے اس کے مخالف دروازوں کو بند کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور پہلے وسیلہ میں یہ گذر چکا ہے یعنی: (نکاح کی مشروعیت) میں جس کو اللہ تعالی نے افزائش نسل کا وسیلہ قرار دیا ہے اور اس کی صحیح رعایت کرنے اور عمدہ تربیت سے آراستہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، چنانچہ یہ ضروری تھا کہ اس کی معارض ومناقض تمام راہوں کو بند کر دیا جائے، اسی وجہ سے اللہ تعالی نے زنا کو سب سے بری راہ بتاتے ہوئے ہمیشہ کے لئے حرام ٹھہرا دیا، کیونکہ وہ صحیح راستے کا مخالف راستہ ہے، اور اس کے مرتکبین کو زنا جیسے جرم کا ارتکاب ایک مؤمن اسی حالت میں کرتا ہے جس میں اس کا ایمان نہایت کمزور ہوتا ہے 850، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**لا يَزْنِي الزَانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَ لا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ...**)851۔(یعنی: زانی زنا کرتے وقت مؤمن نہیں ہوتا، اور شراب پیتے وقت شرابی

---

849. ابوداود، (290/1)، (ح1694). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (469/1)، (ح1692) میں حسن قرار دیا ہے.

850. دیکھئے: المقاصد العامۃ للشریعۃ الإسلامیۃ، (ص445).

851. البخاری، (875/2)، (ح2343)؛ ومسلم، (76/1)، (ح57).

مؤمن نہیں ہوتا...) یعنی: (ان معاصی کے ارتکاب کے وقت وہ کامل ایمان والا نہیں ہوتا ہے، یہ ان الفاظ میں سے ہے جو کسی چیز کی نفی کے لئے بولے جاتے ہیں لیکن ان سے مراد کمال کی نفی ہوتا ہے) 852.

زنا کی حرمت کا اصل مقصد نسل کی حفاظت ہے:

تحریم زنا کا بنیادی مقصد نسلِ انسانی کی حفاظت ہے جس کا ان ضروری مصالح میں شمار کیا جاتا ہے جن میں کسی بھی شریعت نے تفریط سے کام نہیں لیا ہے، جہاں تک قذف کی حرمت اور اس کے ارتکاب پر حد قائم کئے جانے کی بات ہے تو یہ حمایتِ اعراض کے باب سے ہے، اور شارع حکیم کی یہ کوشش ہے کہ لوگوں کی زبان سے برائی کی اشاعت نہ ہو۔

اور علماء کے مابین زنا کی حرمت میں اور اس کے کبیرہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس کی حرمت کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

دنیا وآخرت میں زنا کی سزا:

دنیا میں زنا کی سزا حدِ زنا کی شکل میں پائی جاتی ہے، اور حدود کی حکمت نفوس کی سرزنش، اور لوگوں کی جانوں، مالوں، عزتوں اور ان کی عقلوں کی حفاظت ہے 853.

اور دنیا میں زنا کی سزا یا تو پتھر مار کر رجم کرنا ہے یا زانی پر کوڑے برسانا ہے، اس لئے کہ زانی یا تو شادی شدہ مُحصَن 854 ہوگا، یا کنوارا غیر شادی شدہ ہوگا۔

دلائل:

ا۔ اللہ تعالی کا قول ہے: **الزَّانِيَةُ وَ الزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ** [النور:۲]

---

852. شرح النووی علی صحیح مسلم، (412).

853. دیکھئے: الصارم المسلول علی شاتم الرسول، (822/3).

854. (**المُحصَن**): وہ آزاد ومکلّف آدمی جس نے نکاح صحیح کے بعد اپنی منکوحہ سے وطی کیا ہو چاہے ایک ہی بار سہی. مجموع الفتاوی، (334/28).

۲۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**خُذُوا عَنِّی ، خُذُوا عَنِّی ، قد جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا : الْبِكْرُ بِالْبِكْرِ ، جَلْدُ مِائَةٍ ، وَ نَفْيُ سَنَةٍ ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ ، جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ**)855.

(یعنی: مجھ سے حاصل کرو، مجھ سے حاصل کرو، اللہ تعالی نے اُن (زنا کرنے والی عورتوں) کے لئے راستہ (سزا) متعین کر دیا ہے، کنوارا کنواری سے زنا کرے تو ایک سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے، اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرے تو ایک سو کوڑے ہیں اور رجم ہے)۔

۳۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ ! على امْرَأَةِ هذا ، فَإِنْ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا ، فَغَدَا عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا**)856.

(یعنی: اے اُنیس! صبح اس شخص کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ اعتراف کرلے تو اس کو رجم کردو، چنانچہ وہ صبح اس کے پاس گئے، اس نے زنا کا اعتراف کرلیا پس انہوں نے اسے رجم کردیا)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے زانیوں پر سزا کو واجب قرار دیا ہے، اور اس کو نافذ کرتے وقت حاکموں کو اللہ کے دین کے معاملہ میں نرمی سے کام نہیں لینا چاہئے، اور اللہ کا دین زنا کی حد ہے جس کے مطابق شادی شدہ زانی کو اس وقت تک پتھر سے مارا جانا چاہئے جب تک کہ وہ مر نہ جائے، جب کہ کنوارا کو سو کوڑے مارے جائیں اور جمہور علماء کے نزدیک ایک سال کے لئے جلاوطن کردیا جائے 857.

آخرت میں زنا کی سزا:

آخرت میں زنا کی سزا کے بارے میں سمرہ بن جُندب رضی اللہ عنہ کی حدیث آئی ہے جس میں اس طویل خواب کا ذکر ہے جو نبی ﷺ نے دیکھا تھا، اس میں شاہد زنا کرنے والے مردوں اور عورتوں کی سزا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (ہم لوگ آگے بڑھے اور تنور کی طرح کی ایک چیز کے پاس آئے، اس میں سے چیخ و پکار کی آوازیں آرہی تھیں، آپ فرماتے ہیں: ہم لوگوں نے اس میں نظر ڈالا تو دیکھا کہ اس میں ننگے مرد اور عورتیں ہیں، اور ان کے نیچے سے ان کے پاس ایک شعلہ آرہا ہے، اور جب بھی وہ شعلہ ان کے پاس آتا ہے تو وہ چیخنے چلانے

---

855. مسلم، (1316/3)، (ح1690).

856. البخاری، (2502/6)، (ح6440) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (1325/3)، (ح1697).

857. مجموع الفتاوی، (333/28).

858 لگتے ہیں...

...اور وہ ننگے مرد اور عورتیں جو تنور کی شکل کی ایک چیز میں ہوتے ہیں وہ زانی مرد اور زانیہ عورتیں تھیں)859.

تیسرا وسیلہ: حرمتِ زنا کی تکمیل کرنے والے اخلاقی اصول: مرد و عورت کے درمیان کے تعلق کو بعض اخلاقی اصول و آداب سے مقید کرنا ضروری ہے جو اصول اس تعلق کے بلند مقاصد کی تکمیل کرتے ہوں دو جنسوں کے تعلقات میں غلط طریقوں کو بروئے کار لانے کی مخالفت کرتے ہوں، تاکہ زنا کے اسباب کا ازالہ کیا جا سکے، عزتوں کی پامالی کو روکا سکے، اور شرم گاہوں کی حفاظت کی جا سکے، اور یہ اصول حرمتِ زنا کی تکمیل کرنے والے، اور اس کی راہوں کو بند کرنے والے اصول بتائے جاتے ہیں، اور زنا کے سدّ باب کے لئے شریعتِ اسلامیہ نے جن امور کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ لوگوں کے گھروں میں ان سے اجازت لئے بغیر داخل ہونے کی حرمت: اسلام میں گھروں کی حد درجہ حرمت ہے، ان میں گھر والوں سے اجازت لئے بغیر اور انہیں سلام کئے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا وَ تُسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ**[النور: ۲۷]

ترجمہ: (اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو، یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)۔

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**الاسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ ، فَإِنْ أُذِنَ لَكَ ، وَ إِلَّا فَارْجِعْ**)860۔(یعنی: اجازت تین بار طلب کرنا ہے، اگر اتنے میں تمہیں اجازت دے دی جائے تو ٹھیک ہے ورنہ واپس ہو جاؤ)۔

۲۔ اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنے کی حرمت: اگرچہ وہ عورت سر سے پیر تک پردہ میں کیوں نہ ہو، الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو، نبی ﷺ کا قول ہے: (**لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ ، إِلَّا وَمَعَهَا ذُو**

858.(**ضَوضَواً**): اس طرح شور و ہنگامہ کرنے لگتے ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا سوائے اس کے وہ اپنی مصیبت میں مدد مانگ رہے ہیں. دیکھئے: کشف المشکل، (36/2).

859. البخاری، (2585/6)، (ح6640).

860. مسلم، (1694/3)، (ح2153).

مَحْرَمٍ)861۔(یعنی: کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہ رہے الا یہ کہ اس کے ساتھ اس کا کوئی محرم ہو)،اور نبی ﷺ کا قول ہے:(**لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ ؛ إِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ**)862۔(یعنی: کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں ہوتا ،مگران میں تیسرا شیطان ہوتا ہے)۔یعنی نہایت ناگزیر حالت کے سوا مرد کے لئے کسی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا حرام ہے۔

۳۔نگاہیں پست رکھنے کا وجوب: عورت سے مرد کی نگاہ کو پست کرا کر اور مرد سے عورت کی نگاہ کو پست کرا کر اسلام اس راستے کو کاٹ دینا چاہتا ہے جو انسانی نفس میں ہیجان پیدا کرتا ہے،اور اس سلسلے میں متعدد احادیث وارد ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

أ۔جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں (میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک پڑنے والی نظر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنی نظر پھیرلوں)863.

ب۔نبی ﷺ کا قول ہے:(اے علی !ایک بار نگاہ پڑ جانے کے بعد دوبارہ نگاہ نہ ڈالو،تمہارے لئے پہلی ہی نگاہ ہے،تمہارے لئے دوسری نہیں ہے)864۔اس کا معنی ہے:(تم اجنبیہ پر اچانک پڑ جانے والی پہلی نگاہ کے بعد دوبارہ نگاہ نہ ڈالو،تمہارے لئے دوسری نگاہ نہیں ہے،اس لئے کہ وہ نگاہ قصد واختیار والی نگاہ ہوگی ،جس پر تمہیں گناہ ہوگا یا سزا ملے گی)865.

۴۔قول یا فعل کے ذریعہ زینت کے اظہار کی حرمت: اللہ تعالی نے اس سے منع کیا ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر یا اپنے محارم کے علاوہ کے لئے زینت کا اظہار کرے، نیز اس نے بے پردگی وسنگار کو حرام قرار دیا ہے چاہے اس کا اظہار قول کے ذریعہ ہو یا فعل کے ذریعہ، کیونکہ اس میں مردوں کو بھڑکانے اور اکسانے اور ان کی نظروں کو منعطف کرنے کی خواہش پائی جاتی ہے۔

---

861. مسلم،(978/2)،(ح1341).

862. الترمذی،(465/4)،(ح2165).اورالبانی نے(صحیح سنن الترمذی)،(457/2)،(ح2165) میں صحیح کہا ہے.

863. مسلم،(1699/3)،(ح2159).

864. ابوداود،(246/2)،(ح2149).اورالبانی نے(صحیح سنن ابی داود)،(598/1)،(ح2149) میں حسن قرار دیا ہے.

865. عمدۃ القاری،(119/20).

اورسب سے زیادہ خطرناک بات عورتوں کا اظہارِ زینت کے ساتھ بے پردگی اورنرم کلامی ہے، یہ چیزیں دلوں میں معصیت کے اسباب کوجنم دیتی ہیں،اوراس میں دعوتِ برائی پائی جاتی ہےجس برائی سے صرف وہی بچ سکتا ہےجس پراللہ تعالی کی رحمت وعنایت ہواورشاید(**وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا**) [**الإسراء :۳۲**] کی عبارت کے ذریعہ زنا کی ممانعت کا راز یہی ہے،اس لئے کہ قریب ہوکر کے صبر کرنا بعید ہونے کے ساتھ صبر کرنے سے الگ ہوتا ہے، اور مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ واحادیثِ شریفہ کا مقصد اعراض، انساب اورنفوس کی حمایت اورنسل کی حفاظت ہے866.

866. دیکھئے: المقاصد العامة للشريعة الإسلامية، (ص463).

پانچواں مبحث

مال کی حفاظت

سنتِ نبویہ نے مال اور اس طرح کی چیزوں کا غایت درجہ اہتمام کیا ہے، حتی کہ اس نے اس کی حمایت و حفاظت اور صیانت کو اپنے بلند مقاصد اور بنیادی اہداف میں شمار کیا ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ فرد اور معاشرہ کی زندگی میں مال کی بہت زیادہ اہمیت ہے، وہ زندگی کا لازمہ، اس کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد، اور وسائل حیات میں سے ایک وسیلہ ہے، فقہی ابواب کے تتبع کرنے والے اور عقود وبیوع، اور رہن واجارہ جیسے فقہی مسائل واحکام میں، نیز مال سے متعلق دیگر احکام جیسے زکاۃ ومیراث وغیرہ میں غور کرنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ نبویہ نے انسانی زندگی کے اس ضروری مقصد کا کس قدر اہتمام کیا ہے تاکہ لوگ امن واستقرار کے ساتھ سعادت کی زندگی بسر کرسکیں، سنتِ نبویہ نے اس پہلو سے خوب خوب بحث کیا ہے، اموال سے متعلق خصوصی احکام پیش کئے ہیں اور تمام تفاصیل وجزئیات کے ساتھ انہیں شامل وکامل صورت میں بیان کیا ہے، اور یہ بات سنتِ نبویہ کی عظمت پر دلالت کررہی ہے جو بنیادی مسائل اور انسانی زندگی میں پیش آنے والے معاملات کو بیان کرنے اور انہیں حل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی۔

اسلام کے اندر مال دو چیزوں کے ساتھ مرتبط ہے، یا تو وہ سودمند مصالح کے حصول اور خیر کی تکمیل سے متعلق ہوگا، یا وہ شر کی طرف لے جانے والے مفاسد ومضرات کے حصول سے متعلق ہوگا، اور اس کی تفصیل یہ ہے:

۞ اول: مال سے مرتبط مصالح:

مال سے مرتبط مصالح کئی طرح کے ہیں جو زمان ومکان کے اختلاف اور لوگوں کی ضروریات ومطالبات کے حساب سے مختلف ہوتے ہیں لیکن ہر شکل میں ان کا شرع حکیم کے موافق ہونا ضروری ہے، اور مال سے منسلک ایک بڑی مصلحت رہ جاتی ہے جو صاحبِ مال کو آخرت کی سعادت سے بہرہ ور کرنے والی ہے، اسی

مصلحت پر ہمارا زور ہے اور اسی کو ہم بیان کرنا چاہتے ہیں، دنیوی مصالح تو ایک نسبی چیز ہیں، جس کو بعض لوگ مصلحت سمجھتے ہیں جب کہ بعض دوسرے مفسدت تصور کرتے ہیں، لیکن جہاں تک اخروی مصالح کا تعلق ہے تو وہ ثابت اور واضح ہیں، اور مال کے اخروی مصالح تین قسموں میں منحصر ہیں 867.

۱۔ مال کو اپنے اوپر عبادت کے سلسلے میں خرچ کیا جائے، یا عبادت میں مدد حاصل کرنے کے لئے، جیسے کہ حج وعمرہ اور جہاد وغیرہ ہے۔

۲۔ وہ مال جس کو آدمی لوگوں پر خرچ کرتا ہے، اور اس کی چار قسمیں ہیں: صدقہ، مروءۃ 868 عزت ووقار کی حفاظت 869 اور نوکر چاکر کی مزدوری میں۔

۳۔ جسے بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا جائے، وہ خرچ کسی خاص انسان پر نہ ہو، جیسے کہ مساجد کی تعمیر، پلوں کی تعمیر، مسافر خانوں اور ہاسپٹلوں کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کرے۔

مال کے مفاسد اور نقصانات:

جس طرح مال سے مرتبط مصالح کئی طرح کے ہیں اسی طرح اس سے مرتبط مفاسد ومضرات بھی نوع بنوع کے ہیں، یہ دودھاری تلوار ہے، اس کا ایک پہلو نفع کا ہے تو دوسر نقصان کا، اور اس وقت مال بہت زیادہ باعث ضرر ونقصان ہوجاتا ہے جب وہ ان مفاسد سے جُڑ جائے جو انسان کو آخرت میں نقصان پہنچانے والے ہیں، مال کی ہلاکتیں اور اس کے نقصانات بھی تین امور میں منحصر ہیں 870:

۱۔ وہ معاصی کی طرف لے جاتا ہو، کیونکہ شہوات وخواہشات ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں، اور کبھی انسان اور معصیت کے درمیان عاجزی حائل ہوجاتی ہے، اور مال ایک ایسی قوت ہے جو معاصی کے اسباب، شہوت رانی اور ارتکابِ فجور کے جذبے کو متحرک کرتی ہے، اور سب جانتے ہیں کہ خوشحالی ومالداری کا فتنہ محتاجی و بدحالی کے فتنہ سے بڑا ہوتا ہے۔

---

867. دیکھئے: احیاء علوم الدین، (236/3).

868. **(مروءۃ)** سے مراد: وہ مال جو انسان ضیافت، ھدایا اور امداد میں خرچ کرتا ہے.

869. لفظ ہے: **(وقایة العرض)**: احمقوں اور بے وقوفوں پر مال خرچ کر کے ان کے شر سے بچنا اور ان کی زبان بند کرنا.

870. احیاء علوم الدین، (237/3).

۲۔مباح چیزوں سے لطف اندوز ہونے کی طرف لے جاتا ہو، اور اس کی وجہ سے عیش کوشی و آرام طلبی اس کا مرغوب ومحبوب عمل بن جائے جس سے وہ باز نہیں آسکتا ہو، اور یہ اسے ارتکاب شبہات تک لے جاتا ہو۔

۳۔افزائش مال اسے اللہ تعالی کے ذکر سے غافل کردے، اور ہر وہ چیز جو بندے کو اللہ تعالی سے غافل کردے وہ گھاٹے کی چیز ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ**) [التکاثر :۱] (زیادتی کی چاہت نے تمہیں غافل کردیا)۔

اموال میں سنتِ نبویہ کے مقاصد:

اموال کے تعلق سے سنتِ نبویہ کے بہت سے مقاصد ہیں، اور ان مقاصد میں اہم ترین مقصد تقسیمِ مال اور باہمی لین دین کی ہمت افزائی کرنا، مالی معاملات میں شفافیت برتنا اور مجرمانہ عمل سے مال کی حفاظت کرنا ہے۔

پہلا مقصد: آپس میں مال کی تقسیم اور لین دین کرنے کی ہمت افزائی کرنا:

تداولِ مال کے مقصد کی تکمیل کرنے والے شرعی وسائل: وہ شرعی وسائل جو اس اہم مقصد کی تکمیل کے لئے مشروع قرار دئے گئے ہیں وہ اس سلسلے میں کاروباری تنظیموں اور تجارتی واقتصادی ماہرین کی طرف سے پیش کئے جانے والے نظریات سے کہیں زیادہ اعلی وارفع ہیں، اور شریعت کے اہم وسائل میں سے: اموال کو روک کر رکھنے کی ممانعت، سودی کاروبار کرنے کی ممانعت اور قمار بازی کی ممانعت ہے، اور ان کی تفصیل یہ ہے 871:

پہلا وسیلہ: اموال کو کنز بنانے اور انہیں روک کر رکھنے کی ممانعت:

اسلام نے اموال کو کنز بنانے اور اسے روک کر رکھنے سے منع کیا ہے، اس لئے کہ یہ عموماً مالی، تجارتی اور اقتصادی توازن کو بگاڑتا ہے جس کے ساتھ سماجی توزن بھی بگڑتا ہے، اور یہ محرمات اور محظورات کا باعث بنتا ہے، کتاب وسنت میں مال کو روک کر رکھنے کی حرمت وارد ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيْلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ • يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ**) [التوبة: ۳۴،۳۵]۔

---

871. المقاصد العامة للشريعة الإسلامية، (ص498).

ترجمہ: (اور جولوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں، تو آپ انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ٠ جس دن اسے جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھراس کے ذریعہ ان کی پیشانیوں کو، اوران کے پہلوؤں اور پیٹھوں کوداغا جائے گا (اوران سے کہا جائے گا کہ) یہی ہے وہ مال جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، تو اب چکھواس کا مزہ جوتم جمع کرتے تھے) اوراس میں شک نہیں کہ یہ آیت کنز والوں کے حق میں نہایت سخت وعیداورانہیں خوف زدہ کرنے والی ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: جوبھی ایسا صاحبِ کنز ہے جواس کی زکاۃ ادانہیں کرتا ہے، تو اللہ تعالی اسے جہنم کی آگ میں تپائے گا، پھراس کے پلیٹ بنالئے جائیں گے جن سے اس کے پہلوؤں کواوراس کی پیشانی کوداغا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ سنادے گا، اس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، پھروہ اپناراستہ دیکھ لے گا یا تو جنت کی طرف یا جہنم کی طرف) 872۔اور مال پر زکاۃ کوفرض کئے جانے میں صاحبِ صدقہ کے لئے اس کی آپس میں لین دین کرنے اور سرمایہ کاری کرنے کی ترغیب پائی جاتی ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو مال میں کمی آتی جائے گی اور کمی ونقصان ادخار کی حکمت کے منافی ہے۔

دوسراوسیلہ: سودی کاروبار کرنے کی ممانعت:

تداولِ اموال کے مقصد کی تکمیل کیلئے شریعتِ اسلامیہ کے وسائل میں سے ایک سودی کاروبار کرنے کی ممانعت ہے، اس لئے کہ سود لینے والے کے دل سے شفقت ورحمت کے جذبات کو مارڈالتا ہے کیونکہ اس کا نصب العین اتھاہ مال جمع کرنا ہوتا ہے، اگر چہ اس کا یہ عمل شریعت کو مطلوب باہمی محبت ورحمت اور بھائی چارگی و ایثار کاقتل عام کیوں نہ کرتا ہو، اور سود کی حرمت صریح الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں ہے: (**وَ أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا**) [البقرة :٢٧٥] (ترجمہ: اور اللہ تعالی نے خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے)۔

اور جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: (**لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا، وَ مُوكِلَهُ، وَ كَاتِبَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَ قَالَ : هُمْ سَوَاءٌ**) 873۔

---

872. مسلم، (682/2)، (ح987).

873. مسلم، (1219/3)، (ح1598).

(یعنی: رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجا ہے سود کھانے والے پر، اسے کھلانے الے پر، اس کے لکھنے والے پر اور اس کے دونوں گواہوں پر، اور فرمایا: یہ سب برابر ہیں)۔

سود کی حرمت تمام علماء کے نزدیک مجمع علیہ مسئلہ ہے، اگر چہ ان کے درمیان اس کی حقیقت کے بارے میں یا اس کی علت کے بارے میں یا اس کے جزئیات کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور یہ اختلاف اس اختلاف کی طرف راجع ہے جو اس سلسلے میں پیدا ہوا ہے کہ سود کو حرام قرار دینے والی کتاب وسنت کی نص کن چیزوں پر صادق آتی ہے 874.

تحریم سود کی بعض حکمتیں: سود کے بہت سے اخلاقی، معاشرتی، اور اقتصادی نقصانات ہیں جنہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، البتہ اس کے بعض اہم نقصانات یہ ہیں کہ وہ قوم کے افراد کے درمیان سے رحمت واحسان اور تعاون کے جذبے کا خاتمہ کردیتا ہے، سودی کاروبار زراعت وصناعت کے پیشے کو ترک کردینے پر آمادہ کرتا ہے جو آمدنی کی بنیادیں اور پیداوار بڑھانے اور سرمایہ میں اضافہ کرنے کے میدان ہیں۔

تیسرا وسیلہ: احتکار (ذخیرہ اندوزی) کی ممانعت:

کبھی لوگ سودی کاروبار نہیں کرتے اور زراعت وصناعت اور تجارت کی شکل میں پیداوار کے مختلف میدانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض لوگ ان پیداواروں، یا سامانوں، یا مصنوعات کو روک لینے اور انہیں بازار تک نہ جانے دینے کی کوشش کرتے ہیں اس غرض سے کہ ان کی قیمتیں بڑھ جائیں، یہی شرعاً ممنوع احتکار (ذخیرہ اندازی) اور تداولِ مال کے مقصد کی راہ کا روڑا، اور لوگوں کے حاجات اور معاشی ضروریات پر پابندی لگا کر اموال کے فائدہ کو لوگوں تک پہنچنے سے روکنا ہے، بلکہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اس گھناؤنے عمل کے بارے میں کہا ہے: (یہ دنیا کی بہت بڑی زیادتی اور فساد وظلم ہے جس کے سبب آسمان کی بارش روک لی جاتی ہے)875.

اسی وجہ سے اسلام نے سامان کی ذخیرہ اندوزی کو حرام قرار دیا ہے جس طرح اس نے اموال کو روک کر خزانہ بنانے کو حرام قرار دیا ہے، لوگوں کی خوراک اور ان کی ضروریاتِ حیات سے متعلق چیزوں کے بارے میں تو

874. دیکھئے: إعلام الموقعين، (135/2).

875. الطرق الحكمية في السياسة الشرعية، (ص 357).

اس کا موقف اور زیادہ سخت ہے، احتکار کی حرمت کے بارے میں جو وارد ہوا ہے وہ یہ ہے:

ا۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (جس نے ذخیرہ اندوزی کیا وہ خاطی 876 ہے)877۔اور ایک روایت میں ہے: (خاطی (گنہگار) ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے)878.

۲۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (جو کسی چیز کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے اس ارادہ کے ساتھ کہ وہ مسلمانوں پر اس کو مہنگا کر دے تو وہ خاطی ہے)879.

(**احتکار کے حرام ہونے کی حکمت:** عام لوگوں سے ضرر کو دور کرنا ہے، جیسا کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس کھانے کی چیز ہو اور لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہو، اور انہیں اس کے علاوہ کھانا دستیاب نہ ہو، تو اس کو اسے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا، لوگوں سے ضرر کے دفعیہ کے لئے)880.

چوتھا وسیلہ: قمار بازی کی ممانعت:

اللہ تعالی نے جُوا کو حرام قرار دیا ہے 881، اور قرآن میں اس کی حرمت کے بارے میں یہ وارد ہوا ہے:

ا۔ اللہ تعالی کا قول: (**يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ إِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا**) [البقرة:۲۱۹]

(ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں، اور اُن کے گناہ اُن کے نفع سے زیادہ بڑے ہیں)

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے جوے کی حرمت کو شراب کی حرمت کے ساتھ جوڑا ہے اور ان دونوں کے مفاسد

876.(**خَاطِئٌ**): خاطی: بمعنی گنہگار اور نافرمان کے ہے. دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (43/11).

877. مسلم، (1227/3)، (ص1605).

878. مسلم، (1228/3)، (ح1605).

879. مسند احمد، (351/2)، (ح8602). اور البانی نے اس کے شواہد کی بنا پر (السلسلۃ الصحیحۃ)، (1087/7)، (ح3362) میں حسن قرار دیا ہے.

880. شرح النووی علی صحیح مسلم، (43/11).

881.(**المَيسِر**): جوا کو کہتے ہیں.

ونقصانات کو بیان کیا ہے، اور آیت کے اندر میسر سے مراد قمار 882 ہے، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: (میسِر: قمار ہے) 883.

اور جوے کے بارے میں سنت میں آیا ہے:

۱۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: (اللہ کے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے شراب سے اور جوے سے...) 884.

۲۔بُریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (جس نے نردشیر 885 کھیلا گویا اس نے اپنے ہاتھ کو خنزیر کے گوشت اور خون میں رنگا) 886

۳۔ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جس نے نرد 887 کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی 888.

خلاصۃ:

میسِر ایک باطل کمائی ہے، اس لئے کہ وہ بغیر حق کے لوگوں کے مال کو ہتھیا لینا ہے، اور قمار بازی جہالت کی اتباع اور شدید قسم کی لالچ پر قائم ہے، وہ ایک باطل خواہش اور دھوکے کا کھیل ہے، اس میں تمدّن اور ترقی کا کوئی شائبہ نہیں ہے چہ جائیکہ باہمی تعاون وتحالف کا شائبہ ہو 889.

882. دیکھئے: تفسیر البغوی، (193/1)؛ تفسیر القرطبی، (52/3).

883. الأدب المفرد، للبخاری، (ص431)، (رقم1260). اور البانی نے (صحیح الأدب المفرد)، (ص486)، (رقم953) میں کہا ہے: (صحیح الاسناد موقوف) ہے.

884. ابوداود، (328/3)، (ح3685). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (420/2)، (ح3685) میں صحیح قرار دیا ہے.

885. **(النَّرْدَشِیر)**: اور نرد: عجمی معرب لفظ ہے، اور شیر: بمعنی شیریں ہے، اور حدیث جمہور کی دلیل ہے جو نرد کے کھیل کی حرمت کے قائل ہیں. دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (15/15).

886. مسلم، (1770/4)، (ح2260).

887. **(النَّرْد)**: صندوق، پتھر اور دو نگینوں والا کھیل جو نصیب پر منحصر ہوتا ہے، نگینہ جدھر لے جاتا ہے پتھر ادھر ہی چلا جاتا ہے، عام لوگ اسے طاولۃ کہتے ہیں. المعجم الوسیط، (912/2).

888. ابوداود، (285/4)، (ح4938). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (211/3)، (ح4938) میں اس کو حسن کہا ہے.

889. حجۃ اللہ البالغۃ، (ص646).

جوئے کی ممانعت کے ذریعہ اس دروازے کو بند کردیا گیا ہے جس میں قوتوں کا ضیاع ہے اور اموال و اعمال کی بربادی ہے، جس میں رنجشوں اور عداوتوں کو دعوت دی جاتی ہے، اور جو اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کردینے والی چیز ہے، جوئے پر پابندی کے ذریعہ اسلام نے قوتوں اور اموال کو بہتر طریقے اور نظام کی طرف موڑ دیا ہے جس میں افراد کی مصلحت اور قوم کی منفعت پائی جاتی ہے 890.

دوسرا مقصد: مالی معاملات میں شفافیت:

مالی معاملات میں شفافیت سے مراد یہ ہے کہ: اموال اختلافات اور خصومات کے اماکن سے دور ہوں اور لوگوں کو کسی طرح ضرر نہ پہنچے، نیز اس میں اموال کی جو دوانکار سے پھر ان کے ضیاع سے حفاظت ہے، اور مالی معاملات میں شفافیت برتنے کی مثال: تحریری شکل دے کر، کسی کو گواہ بنا کر، یا رہن وضمان وغیرہ کے ذریعہ اسے موثق بنانا ہے۔

بہت سے لوگوں کے دلوں میں اگر ان کو موقع ملے تو دوسروں کے مال کو ہضم کرلینے کی خواہش انگڑائیاں لیتی رہتی ہے، اور اسی ذریعہ کے سدّ باب کے لئے اللہ تعالی نے صاحبِ مال کو لکھنے، گواہ بنانے، اور رہن کا مطالبہ کرنے کا حق دیا ہے، ان کاروائیوں میں لوگوں کے اموال کی ضیاع سے ان کے اخلاق کی فساد سے اور ان کے دین کی نقصان وخسران سے حفاظت وصیانت کرنا ہے۔

نیز اس کے ساتھ اسلام نے ایسے طریقوں سے بھی لوگوں کو روشناس کرایا ہے جن کے ذریعہ حقوق کی حفاظت وصیانت کی جاسکتی ہے، اور یہ طریقے وقت کے تغیر اور حالات کی تبدیلی کے اعتبار سے مقرر کئے گئے ہیں ، اور اس کی مثال رجسٹرڈ کرانے اور اعلان کرانے کے دفاتر اور کورٹ کچہری جیسے دوسرے سرکاری محکمے ہیں جن کے قیام کا مقصد لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے، پس اسلام نے مقصد کی تحدید کردی ہے اور وہ ہے حق کی حفاظت، نیز اس نے طرح طرح کے وسائل مقرر کئے ہیں اور دیگر نئے وسائل کے لئے بھی دروازہ کھول کر رکھا ہے بشرطیکہ وہ شریعت کے اصول واحکام کے دائرہ میں ہوں، اور یہ شریعت کی نرمی، اس کی آسانی اور اس کی طرف سے مصالح کا لحاظ وخیال کئے جانے کی دلیل ہے۔

890. دیکھئے: المقاصد العامۃ للشریعۃ الإسلامیۃ، (ص 517).

تیسرا مقصد: لوگوں کی دست درازی سے مال کی حفاظت کرنا:

لوگوں کی دست درازیوں سے مال کی حفاظت کے کئی وسائل ہیں ان میں سے اہم دو ہیں:

۱۔ مال کی حفاظت ''ایجاد اور تحصیل'' کے ذریعہ۔

۲۔ مال کی حفاظت ''بقاواستمرار'' کے ذریعہ۔

اول: ایجاد اور تحصیل کے ذریعہ مال کی حفاظت کے وسائل:

ایجادوتحصیل کے ذریعہ مال کی حفاظت کی خاطر اسلام نے درج ذیل وسائل مشروع کئے ہیں:

۱۔ روزی کمانے اور حصولِ معاش کے لئے جدوجہد کرنے کی ترغیب، اور اس کی دلیلیں یہ ہیں:

أ۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (تم میں کا کوئی اپنی پیٹھ پر لکڑی کی گٹھری لاد کر لائے، یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے جو اسے دے یا منع کردے) 891.

ب۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (ایک آدمی کی طرف سے خرچ کیا جانے والا سب سے افضل دینار وہ دینار ہے جسے وہ اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے، اور ایک دینار وہ ہے جس کو وہ اللہ کے راستے میں اپنی سواری پر خرچ کرتا ہے، اور ایک دینار وہ ہے جس کو وہ اللہ کے راستے میں اپنے اصحاب پر خرچ کرتا ہے) 892.

۲۔ کام کرنے کے مقام اور کام کرنے والوں کی قدرومنزلت کی بلندی کا بیان، اور اس کی دلیلیں یہ ہیں:

أ۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل کھانے سے بہتر کھانا نہیں کھایا ہوگا، اور اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے) 893.

ب۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (کسی آدمی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کمائی نہیں کی ہوگی، اور آدمی اپنے نفس پر، اپنے اہل واولاد پر، اور اپنے خادم پر جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے) 894.

۳۔ عمل کے میدان میں اجتہاد، ابتکار اور ابداع سے کام لینے کی ترغیب، اور اس کی دلیل:

أ۔ عُروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: (میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیا ہے کہ: زمین اللہ

---

891. البخاری، (730/2)، (ح1968).

892. مسلم، (691/2)، (ح994).

893. البخاری، (730/2)، (ح1966).

894. ابن ماجۃ، (723/2)، (ح2138). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجہ)، (206/2)، (ح1752) میں صحیح کہا ہے.

کی ہے، بندے اللہ کے ہیں، اور جو کسی غیر آباد زمین کو آباد کرے گا وہ اس کا حقدار ہوگا، ان باتوں کو نبی ﷺ سے ہم لوگوں تک وہ لوگ لائے ہیں جنہوں نے ان سے ہم تک نمازوں کو لایا ہے) 895.

ب۔ اور ان احادیث میں سے جو احسان، اجتہاد، اور اتقان کی ترغیب دیتی ہیں نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (جب تم میں کا کوئی کسی کام کو انجام دیتا ہے تو اللہ تعالی اس کو پسند کرتا ہے کہ وہ اس کو اتقان کے ساتھ انجام دے) 896۔ یہ حدیث بہتر سے بہتر عمل کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس سے روزی حاصل ہوگی اور مال میں اضافہ ہوگا، اور اس کا فائدہ فرد، معاشرہ اور پوری قوم کو ہوگا۔

۴۔ ایسے مبنی بر عدل معاملات کو مباح قرار دینا جن میں ظلم کا شائبہ نہ ہو اور نہ دوسروں کے حقوق پر زیادتی ہو، اس کے لئے اسلام نے مختلف عقود کے اندر پہلے سے پائے جانے والے شوائبِ ظلم سے ان کی تطہیر کے بعد ان کو ثابت کیا ہے، جیسے کہ بیع، اجارہ، رہن، شرکت، اور مضاربت وغیرہ ہیں، بلکہ سماجی تجربات سے منکشف ہونے والے عقود کے لئے بھی دروازہ کھول کر رکھا ہے، بشرطیکہ وہ ظلم پر، یا اطراف میں سے کسی طرف کے حقوق کی پامالی، یا باطل طریقے سے لوگوں کے اموال کھانے جیسے امور پر مشتمل نہ ہوں، اسی معنی میں نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کی صلح جائز ہے، سوائے اس صلح کے جو حلال کو حرام بنادے، یا حرام کو حلال بنادے، اور مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، سوائے اس شرط کے جو حلال کو حرام، یا حرام کو حلال بنانے والی ہو) 897.

دوم: مال کے "بقاواستمرار" کے لحاظ سے اس کی حفاظت کے وسائل:

بقاواستمرار کے لحاظ سے مال کی محافظت کے لئے اسلام نے درج ذیل وسائل مشروع کئے ہیں:

ا۔ مال میں تصرف کو مصلحتِ عامہ کے حدود سے مقید کیا ہے، چنانچہ اس نے غیر مشروع اور دوسروں کو نقصان پہنچانے والے اور سماجی تانے بانے کو تاراج کرنے والے وسائل کے ذریعہ مال کمانے کو اور ہر اس طریقے سے مال جمع کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے جو لوگوں کے دینی و دنیوی مصالح سے متصادم ہوں، لہذا اس نے

895. ابوداود، (535/2)، (ح 3078). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (267/2)، (ح 3076) میں اس کو صحیح کہا ہے.
896. البیھقی فی شعب الایمان، (233/7)، (ح 4930). اور البانی نے اس کو (صحیح الجامع)، (383/1)، (ح 1880) میں حسن کہا ہے.
897. الترمذی، (634/3)، (ح 1352). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (77/2)، (ح 1352) میں صحیح کہا ہے.

سودی لین دین کو اس کی تمام قسموں کے ساتھ، اور جوئے اور اس کے تمام انواع کو، رشوت خوری اور اس کی تمام شکلوں کو ممنوع وحرام قرار دیا ہے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں (**لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِي وَ الْمُرْتَشِي**) 898: (یعنی: رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے دونوں پر لعنت بھیجا ہے)۔

۲۔ چوری، یا زبردستی، یا مکر وحیلہ کے ذریعہ غیر کے مال پر دست درازی کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**كُلُّ الْمُسْلِمِ على الْمُسْلِمِ حَرَامٌ ؛ دَمُهُ ، وَ مَالُهُ ، وَ عِرْضُهُ**) 899۔ (یعنی: ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، اس کا مال، اور اس کی عزت حرام ہے)۔

۳۔ غیر مشروع مصارف میں مال خرچ کرنے سے روکنا اور خیر کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دینا، اور یہ اسلام کے اقتصادی نظام کے قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ مال اللہ کا ہے، اور آدمی کو اس کا نگراں اور وکیل بنایا گیا ہے، اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو غیر ضروری مصارف میں برباد کرے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**إِنَّ اللّٰهَ كَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا ؛ قِيلَ وَ قَالَ ، وَ إِضَاعَةَ الْمَالِ ، وَ كَثْرَةَ السُّؤَالِ**) 900۔ (یعنی: اللہ تعالی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے، قیل وقال کو، اضاعتِ مال کو، اور کثرتِ سوال کو)۔ اور اضاعتِ مال کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ مال کو حرام کام میں خرچ کرنا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ خرچ کرنے میں اسراف سے کام لینا ہے اگر چہ حلال کام میں ہی کیوں نہ ہو 901

۴۔ اس نے مال کی افزائش کرنے اور اس سے سرمایہ کاری کرنے کی دعوت دی ہے، تاکہ وہ اپنی سماجی ذمہ داری کو ادا کر سکے، اور اسی بنا پر اسلام نے اموال کو گردش کرنے سے روکنے کو حرام قرار دیا ہے، چاہے ایسا احتکار (ذخیرہ اندوزی) کے ذریعہ کرے، یا اکتناز (مال کا خزانہ بنانے) کے ذریعہ، یا فقیروں کے بجائے صرف اغنیاء کے درمیان گردش کرانے کے ذریعہ۔

---

898. ابوداود، (300/3)، (ح3580). اور البانی نے (صحیح سنن ابی داود)، (392/2)، (ح3580) میں اس کو صحیح کہا ہے.

899. مسلم، (1986/4)، (ح2564).

900. البخاری، (537/2)، (ح1407) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (1340/3)، (ح1715).

901. دیکھئے: شرح صحیح البخاری، لابن بطال (528/6).

ان تمام تشریعات کے ذریعہ اسلام نے فساد وضیاع سے مال کی حفاظت وصیانت کی ہے، تاکہ وہ انسانی زندگی کے نظام کی حفاظت اوراس کے تمدنی وانسانی اغراض کی تکمیل میں ایک لازمی شئی بن کر اپنا کردار ادا کرسکے، یہاں اس کی حالت گذشتہ تمام مصالح کی طرح ہے جوانسانی وجود کی بنیاد، حیاتِ انسانی کے قوام، اور بشری تمدن و ثقافت کے محور کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی رعایت اور جن کے نظام کی حفاظت کے بغیر دنیا برباد ہوجائے، انسانی زندگی ناپید ہوجائے اوراس وجود میں اس کے فوائد ومنافع موقوف ہوجائیں902.

902. مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، (ص32)

چھٹا مبحث

امن کی حفاظت

اللہ تعالی کی عظیم نعمتوں میں سے ایک امن کی نعمت ہے، اس کے پائے جانے سے انسان اپنے دین، اپنے نفس، اپنی عزت، اور اپنے مال کے تعلق سے مطمئن رہتا ہے، اور ان جملہ ضروریات کی حفاظت ان پر زیادتی کے تمام اشکال سے بچے ہوئے بغیر اور ان کی حفاظت کے کفیل امن کو فراہم کئے بغیر ممکن نہیں ہے، اسی وجہ سے امن شریعتِ مبارکہ یعنی کتاب وسنت کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد قرار پا چکا ہے کیونکہ امن کے ذریعہ ہی امت کے نظامِ عام کی حفاظت کی جا سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی احادیث کی کثرت پائی جاتی ہے جو امن کے ماحول کو پھیلانے اور لوگوں کے ساتھ تعامل میں اس کے وسیع معنی کا پاس ولحاظ رکھنے کی تائید وتوثیق کرتی ہیں، اور ان مذموم صفات سے منع کرتی ہیں جو بغض وعداوت کو ہوا دینے والی اور امن کو پامال کرنے والی ہیں، امن پسند لوگوں کو ہراساں وپریشاں کرنے کی حرمت تمام شریعتوں میں وارد ہوئی ہے، ہماری آخری شریعت کا تو پوچھنا ہی نہیں ہے، سنتِ نبویہ نے امن کے مفہوم کی تحدید اور مسلمانوں وغیر مسلمانوں کے درمیان ہونے والی صلح وجنگ میں اس کی اہمیت کے موضوع کو غیر معمولی اہمیت دیا ہے903.

❁ انسانی زندگی میں امن کی اہمیت:

لوگوں کی زندگی میں امن کی بہت زیادہ اہمیت ہے، کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کو ضرر وحرج، تنگی وتکلیف، اور خوف واضطراب کا سامنا ہوسکتا ہے اور عام زندگی میں توازن برقرار نہیں رہ سکتا ہے، اسی کو نبی ﷺ نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے: (تم میں سے جس کسی کو قلبی امن حاصل ہوگیا، اسے جسمانی طور پر صحت حاصل ہوگئی ،اور اسے آج کے دن کی خوراک مِل گئی، تو گویا اس کے لئے دنیا جمع ہوگئی)904.

---

903. دیکھئے: الوسطیۃ فی السنۃ النبویۃ، (ص183).

904. ابن ماجہ، (1387/2)، (ح4141). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجہ)، (354/3)، (ح3343) میں صحیح قرار دیا ہے.

وجہِ دلالت: یہ حدیث امن کی تمام قسموں کے ساتھ اس کی اہمیت پر دلالت کر رہی ہے، اس میں مادی امن، نفسانی امن، جسمانی امن، اور غذائی امن سب شامل ہیں، امن کو دوسرے پر اس معنی میں مقدم کیا ہے کہ زیادتی کا خوف نہ ہو، اور امن ہی دوسری چیزوں کے پائے جانے کی بنیاد ہے، اس کے علاوہ جو ہے وہ اسی پر قائم ہونے والا ہے۔

اور اس کا معنی یہ ہے: (جس کے لئے اللہ تعالی نے جسمانی عافیت کو، اور قلبی امن کو جمع کر دیا، اور اس دن کی خوراک فراہم کر کے اسے کھلانے کا اور بچوں کی سلامتی کا ذمہ لے لیا، تو اللہ تعالی نے اس کے لئے ان تمام نعمتوں کو جمع کر دیا جن کے علاوہ اور کوئی چیز اس شخص کو بھی حاصل نہیں ہوتی جو دنیا کا مالک بن جائے، پس چاہیئے کہ وہ اس دن کا استقبال ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے ساتھ کرے بایں طور کہ

انہیں نعمت عطا کرنے والے کی اطاعت میں صرف کرے، معصیت میں نہیں، اور نہ وہ اس کے ذکر سے باز رہے)905.

سنتِ نبویہ میں امن کی محافظت کے وسائل:

سنتِ نبویہ میں امن کی محافظت کے اہم وسائل یہ ہیں:

ا۔ پڑوسیوں کے حقوق کا لحاظ کرنا اور انہیں امن فراہم کرنا، نبی ﷺ کا قول ہے: **(وَ اللَّهِ لایُؤْمِنُ ، وَ اللَّهِ لَا يُؤْمِنُ ، وَ اللَّهِ لا يُؤْمِنُ)** قيلَ: وَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قال: **(الَّذِى لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ**906) 907۔ (اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں ہے، اللہ کی قسم! وہ مؤمن نہیں ہے) کہا گیا: کون اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: جس کے شر و تکلیف سے اس کا پڑوسی مامون نہ ہو)۔ اس کا معنی ہے: (جس کی یہ صفت ہو وہ شخص کامل ایمان والا مؤمن نہیں ہے، اور وہ اس میں اعلی درجہ کو پہنچا ہوا نہیں ہے)908.

نبی ﷺ نے پڑوسیوں کے درمیان امن و امان کی نعمت کے پائے جانے کی تاکید فرمائی ہے، اور معاملہ اس وقت بہت سنگین ہو جاتا ہے جب ایک پڑوسی اپنی جان، اپنی عزت، اپنے دین، اور اپنے مال کو لے کر دوسرے

905. فیض القدیر، (68/6).

906. **(بوائقه)**: بوائق: بائقہ کی جمع ہے، اور یہ ہر اس تکلیف وایذاء کو شامل ہے جو دوسرے کو لاحق ہو اور اس پر اثر ڈالے.

907. البخاری، (2240/5)، (ح5670).

908. شرح صحیح البخاری، ابن بطال (222/9).

پڑوسی سے مامون نہ ہو۔

۲۔لوگوں کے حقوق کا لحاظ کرنا اوران پراوران کے اموال پر دست درازی سے بچنا، اس سلسلے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: (**الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَ يَدِهِ**)909۔(یعنی: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو)۔

اس کا معنی یہ ہے کہ: (یہی شخص کامل مسلمان ہے ... معلوم یہ ہوا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے اس نے اسلام کے حقوق کو ادا کردیا، اس لئے کہ اس نے نبی ﷺ کے قول کے مطابق عمل کیا)9.

اور نبی ﷺ کا قول ہے: (**الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ**)911۔(یعنی: مؤمن وہ ہے جسے لوگ اپنے اموال اور اپنی جانوں کو لے کر مامون سمجھیں)

اور ایک روایت میں ہے: (**الْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلَى دِمَائِهِمْ وَ أَمْوَالِهِم**)912۔(یعنی: مؤمن وہ ہے جسے لوگ اپنی جانوں اور اپنے اموال کو لے کر مامون سمجھیں)۔

اسی طرح باہمی تعامل کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے، پڑوسی سے منتقل ہوکر دوسرے تمام افراد معاشرہ کو محیط ہوجاتا ہے، گویا یہ حدیث ایک مسلمان کو یہ سبق سکھلاتی ہے کہ وہ سماج کے تمام افراد کے خون، مال، جان، اور عزت کی حُرمت کا خیال رکھے، "لوگ" سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ تمام لوگ شامل ہوجائیں، ایک ملک میں ساتھ ساتھ رہ رہے مسلمان بھی اور غیر مسلم بھی۔

۳۔لوگوں کو بالقصد یا بلا قصد خوف زدہ کرنے سے باز رہنا، اس سلسلے میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلی روایت کرتے ہیں: محمد ﷺ کے اصحاب نے ہمیں بتایا کہ وہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ جایا کرتے تھے، ایک دِن ان میں سے ایک شخص سوگیا، ان میں سے ایک آدمی اپنی رسّی کے ساتھ اس کے پاس گیا اور اس کو پکڑا تو وہ ڈر گیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو خوف زدہ کرے)913.

909. البخاری، (13/1)، (ح10)؛ ومسلم، (65/1)، (ح41).

910. کشف المشکل، (117/4).

911. ابن ماجہ، (1298/2)، (ح3934). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجہ)، (288/3)، (ح3193) میں صحیح کہا ہے.

912. الترمذی، (17/5)، (ح2627). اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (47/3)، (ح2627) میں کہا ہے: حسن صحیح.

913. ابوداود، (301/4)، (ح5004). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (229/3) میں صحیح کہا ہے.

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (تم میں کا کوئی اپنے بھائی کی لاٹھی کو ہنسی مزاق میں یا سنجیدہ ہو کر نہ لے، اور جس نے اپنے بھائی کی لاٹھی لے لی اسے اس کو واپس کردے) 914.

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس میں مسلمان آدمی کی حرمت کی تاکید پائی جاتی ہے، نیز اسے ڈرانے اور خوف زدہ کرنے اور اس کے ساتھ ایسی چھیڑ چھاڑ کرنے کی شدید ممانعت بھی پائی جا رہی ہے جو اسے تکلیف پہنچائے) 915.

یہ نبوی مناہی اور شدت سے بھرپور یہ تحذیر اس بات کی دلیل ہے کہ سنتِ نبویہ نے مقصدِ امن کی توثیق و تحقیق کا کس قدر خیال رکھا ہے، کیونکہ سنتِ نبویہ نے صرف عقاب کے بیان وتحدید پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس نے پہلے تو اس کی طرف لے جانے والے تمام راستوں اور ذریعوں کا خاتمہ کیا ہے، تاکہ شر کا مادہ باقی نہ رہے اور اس سے وابستہ مضرات کا ازالہ ہو سکے جو فقدانِ امن کا اور سماج میں خوف وڈر اور بے چینی وبدامنی کا باعث ہو سکتے ہیں، اور آج ہم ٹی وی چینلوں کی طرف سے ہنسانے بہلانے کے دعوی کے ساتھ پیش کئے جانے والے جن سلبی مظاہر کا مشاہدہ کرتے ہیں جو شہریوں کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے والے ہوتے ہیں، وہ سب آدابِ اسلام کے منافی اور نبوی ہدایت کے مخالف ہیں، جنہوں نے ہر طرح کے تخویف اور ترویع کو حرام قرار دیا ہے چاہے اس کا تعلق ہنسی مزاح کے طور پر ہی کیوں نہ ہو۔

نیز اس میں ان لوگوں کی سخت تردید بھی ہے جو اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک دین دہشت گردی وخوں ریزی کو ہوا دے جب کہ اس کے اصول میں یہ شامل ہو کہ کسی کو ڈرانا اور خوف زدہ کرنا جائز نہیں ہے، اگرچہ ہنسی مزاق کے طور پر کیوں نہ ہو؟ ان دونوں باتوں میں تو بڑا فرق اور بڑی دوری پائی جاتی ہے، اور ہم اس کی تردید اس لئے نہیں کر رہے کہ اس تہمت کو اپنے دامن سے مٹائیں، بلکہ اس لئے کر رہے ہیں تاکہ ان لوگوں کے فکری دیوالیہ پن، ان کی بدنیتی، اور ان کے باطل استدلال سے لوگوں کو آگاہ کر سکیں۔

---

914. الترمذی، (462/4)، (ح 2160). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن الترمذی)، (455/2)، (ح 2160) میں صحیح کہا ہے.

915. شرح النووی علی صحیح مسلم، (170/16).

۴۔گالی ،تحقیر،اور جھگڑا تکرار کے ذریعہ لوگوں کے جذبات کو مجروح کرنے سے باز رکھنا ،اس سلسلے کی احادیث میں سے ایک نبی ﷺ کا یہ قول ہے:(**سِبابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ ، و قِتالُهُ كُفرٌ**)916۔(یعنی: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے)۔

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:(مسلمان کو بلاحق کے گالی دینا امت کے اجماع کے مطابق حرام ہے،ایسا کرنے والا فاسق ہے،جیسا کہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے،البتہ اس سے بلاحق کے قتال کرنے والا اہلِ حق کے نزدیک ایسے کفر کا مرتکب نہیں ہوتا جو اسے ملت سے خارج کردے،جیسا کہ اس سے پہلے کئی مقامات پر اس کی وضاحت کی جا چکی ہے،الا یہ کہ وہ اسے حلال قرار دے۔

جب یہ واضح ہو گیا تو مذکورہ حدیث کی تاویل میں کئی اقوال وارد ہوئے ہیں: پہلا: یہ مستحل کے بارے میں ہے،دوسرا: کفر سے مراد احسان ونعمت اور اسلامی اخوت کا انکار ہے،اس سے کفر جحود مراد نہیں ہے،تیسرا: وہ اپنی نحوست کی بنا پر کفر کی طرف راجع ہے،چوتھا: وہ کفار کے فعل کی طرح ہے)917.

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:(ایک دوسرے سے حسد نہ کرو،ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو،ایک دوسرے کے خلاف سازش نہ کرو،اور تم میں سے بعض بعض کی بیع پر بیع نہ کرے،اور تم لوگ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بن کر رہو،ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے جو اس پر نہ ظلم کرتا ہے،نہ اسے ذلیل کرتا ہے،اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے،تقوی یہاں ہے،اور آپ اپنے سینے کی طرف اشارہ کر رہے تھے،اور اس کو تین بار فرمایا،آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے)918.

ان کے علاوہ بھی بہت ایسی حدیثیں ہیں جو لوگوں کے ساتھ تعامل کے درمیان امن کے چلن کو اور اس کے معانی کی تطبیق کو پھیلانے والی ہیں، چنانچہ وہ احادیث سلام کو پھیلانے ،کھانا کھلانے ،لوگوں سے ملتے وقت ہونٹوں پر تبسم بکھیرنے اور ان سے مصافحہ کرنے کی دعوت دیتی ہیں، نیز مصیبت دور کرنے ،تنگ دست کے ساتھ نرمی سے پیش آنے محتاجوں کی مدد کرنے ،اور خیر میں تعاون کرنے کی ترغیب دیتی ہیں،آپسی محبت وشفقت ،

916. البخاری،(27/1)،(ح48)؛ومسلم،(81/1)،(ح46).

917. شرح النووی علی صحیح مسلم،(54/2).

918. مسلم،(1986/4)،(ح2564).

کمزوروں کے ساتھ مہربانی، بڑوں کی تعظیم، صلہ رحمی اور اعلی اخلاق سے آراستہ ہونے کا درس دیتی ہیں۔

نیز وہ ان صفات کے اضداد سے منع کرتی ہیں، جیسے کہ آپس میں قطع کلامی، حسد، سختی، دشمنی، بدگمانی، غیبت، چغل خوری، اوران کے علاوہ تمام گندے اعمال سے روکتی ہیں919.

۵۔اسلام میں جان وعزت اور مال کی حرمت میں نہایت شدت پائی جاتی ہے، نبی ﷺ کا قول ہے:
(كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ ، وَمَالُهُ ، وَ عِرْضُهُ)920۔(یعنی ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اوراس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے)

اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:(**لَا يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِينِهِ ؛ مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا**) 921۔(یعنی: ایک مؤمن اس وقت تک اپنے دین کی طرف سے آرام میں ہے، جب تک کہ وہ حرام خون سے اپنا ہاتھ نہ رنگ لے)اور(اس کا مطلب ہے: وہ جس گناہ میں بھی ملوث ہو،اس کے لئے دین وشریعت میں نکلنے کی راہ ہے سوائے قتل کے، کہ اس کا معاملہ خطرناک ہے)922. اسی وجہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: (ان پیچیدہ923امور میں سے جن میں کسی کا اپنے آپ کو ڈال لینے کے بعد اس کے لئے نکلنے کی صورت نہیں رہتی حرام خون کو بغیر حلت کے بہانا ہے)924.

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:(**إِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ الَّذِيْنَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا**)925۔(یعنی: اللہ تعالی ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں).

اور یہ(بغیر حق کے عذاب دینے پر محمول ہے، پس اس میں حق کے ساتھ عذاب دینا داخل نہیں ہے، جیسے کہ قصاص، حدود، اور تعزیر وغیرہ داخل نہیں ہیں)926.

---

919. دیکھئے: الأمن الفكري في الإسلام، د.جميل بن عبيد القرارعة، مشمولات كتاب:(الأمن رسالة الإسلام)(ص29).
920. مسلم،(1986/4)،(ح2564).
921. البخاری،(2517/6)،(ح6469).
922. كشف المشكل،(590/2).
923. (**الوَرَطَات**): ورطة کی جمع ہے، اس سے مراد ہر وہ بلاء ہے جس سے آدمی کو چھٹکارا نہ ملے. کشف المشکل،(590/2).
924. البخاری،(2517/6)،(ح6470).
925. مسلم،(2018/4)،(ح2613).
926. شرح النووي على صحيح مسلم،(167/16).

۶۔ضرروظلم کواس کے تمام اشکال واقسام کے ساتھ روکنا؛نفوس واموال واعراض کی حفاظت اورلوگوں کے جملہ مصالح کی صیانت کی خاطر،اس سلسلے میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:(**لَا ضَـرَرَ ، وَ لَا ضِـرَارَ**)(یعنی:نہ تو ضرر پہنچانا ہےاورنہ ضرراُٹھانا ہے)927۔اہلِ علم نے اس حدیث کودین کےان عام قواعد میں شمار کیا ہے،جن پر بہت سےکلیات وجزئیات گردش کرتے ہیں)928.

۷۔لوگوں کے امن،ان کے ابدان،ان کے اموال اوران کے اعراض پردست درازی کرنے والوں کی مرمت کرنا،پس جس نے بھی لوگوں کے اموال،ابدان،اوران کی عزتوں پرحملہ کیا اورامن کوتاراج کرنے کا باعث بنااسے سبق آموزسزادی جائے گی،اس تعلق سے نبی ﷺ کاقول ہے:(جس کا کوئی آدمی قتل کردیا گیا تو وہ دومیں سےکسی ایک بہترشئی کواختیارکرسکتاہے،یاتواس کافدیہ لےلے،یااسےقتل کردیاجائے929.

وجہِ دلالت:(مقتول کا ولی دومیں سےکسی ایک بہترکواختیارکرسکتاہے،اگروہ چاہےتو قاتل کوقتل کردے، اوراگرچاہےتواس کافدیہ لےاوروہ فدیہ دیت ہے)930.

خلاصہ:

شریعت اسلامیہ نے چندایسے مقاصدکی تکمیل وتحقیق کی ہےجن سے زندگی کی حرکت درست ہوسکتی ہے، سماج میں اعتدال اورتوازن برقراررہ سکتاہے،اورامن واستقرارکا قیام عمل میں آسکتاہے،جس کےسبب اللہ تعالی کے مرادومقصودکےمطابق سماج کی ترقی اورروئےزمین کی اصلاح وتعمیرممکن ہوسکتی ہے۔

اوران مقاصدکومکمل شکل میں پیش کیا گیاہے کیونکہ ان سےزندگی کےسب سے بڑےمقصدکی تکمیل ہوتی ہے،اوروہ ہےاللہ تعالی کی عبادت اورزمین کی اصلاح وتعمیر،پس نفس،عقل،نسل،اورمال کی حفاظت کےمقاصد کےذریعہ اسی عظیم مقصدکی تکمیل وتحقیق مقصودرہاہے،اوران پانچوں مقاصدکوایک جامع وشامل عنوان(امن) کےاندرسمویاجاسکتاہے،کیونکہ ان سارےمقاصدکاحتمی نتیجہ اوران سب کومشروع کئےجانےکابنیادی مقصدامن

927.ابن ماجہ،(784/2)،(ح2340).اورالبانی نےاس کو(صحیح سنن ابن ماجہ)،(257/2)،(ح1909)میں صحیح کہاہے.

928.دیکھئے:نیل الأوطار،(387/5).

929.البخاری،(2522/6)،(ح6486)؛ومسلم،(988/2)،اورلفظ انہی کاہے.

930.شرح النووی علی صحیح مسلم،(129/9).

ہی ہے۔

ان مقاصد میں اور ان سے منسلک احکام میں غور کرنے والا اس ربطِ باہمی اور تعلقِ منطقی کو محسوس کرتا ہے جو سبھوں کو یکجا کر دیتا ہے، اسی طرح وہ ان مقاصد کے عموم وشمول کو بھی محسوس کرتا ہے کہ وہ کس طرح انسانی مصلحت کی انفرادی واجتماعی طور پر تکمیل کرتے ہیں، اسی طرح انسانی معاشرہ کی مصلحت کی بھی، جس انسان کو اللہ تعالی نے پیدا کیا اور عزت بخشا، اور اس کے لئے منہج ومقصد اور راستے کو واضح کیا، اب اس پر ہے کہ وہ اپنے رب کی آواز اور اپنے نبی کی دعوت کو قبول کرنے پر اپنی عقل کو آمادہ کرے اور اپنے دِل کو کھولے، تاکہ ضلالت میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو اس ضلالت سے اور اس کی ہلاکت سے بچایا جا سکے۔

پانچویں فصل

سنتِ نبویہ کی عظمت کے دلائل

اور اس میں چار مباحث ہیں:

پہلا مبحث: سنتِ نبویہ خاتمۂ رسالات ہے۔

دوسرا مبحث: سنتِ نبویہ کی عالمیت۔

تیسرا مبحث: تمام ادیان پر سنت کا غلبہ۔

چوتھا مبحث: حقوقِ انسانی کی حفاظت۔

پہلا مبحث

سنتِ نبویہ خاتمۂ رسالات ہے

دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی عظمت کے عظیم دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کی رساتِ مبارکہ کے ذریعہ سلسلۂ نبوات کا خاتمہ فرمایا، لہذا آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں ہوگا، اس سلسلے میں اللہ تعالی کا قول ہے: (**مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنَّ رَسُولَ اللَّهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ**) [**الأحزاب**: ٤٠] (ترجمہ: محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن آپ اللہ تعالی کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں)۔ کیونکہ آپ کے بعد انسانیت کو کسی جدید رسالت کی ضرورت نہیں ہوگی، اس لئے کہ آپ ﷺ کی رسالت کامل صفات اور دوام ویُسر کی صفت سے متصف ہے 931.

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ آیت اس بارے میں نص ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، اور جب نبی نہ ہوگا تو بدرجۂ اولی واحری رسول بھی نہ ہوگا، اس لئے کہ مقامِ رسالت مقامِ نبوت سے زیادہ خاص ہے، ہر رسول رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے)932.

اور جب نبی ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں تو یہ لازم آتا ہے کہ اسلام تمام آسمانی ادیان کا خاتم ہو، اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ آپ ﷺ کی سنت جس کے اندر آپ نے اپنی شریعت کو بیان فرمایا ہے، جس کے اندر اپنے دین کو واضح کیا ہے، اور جس کے ذریعہ آپ نے اپنی رسالت کو پوری دنیا تک پہنچایا ہے، وہ سنت خاتمۂ رسالات ہو، کیونکہ ہم اس سے پہلے بارہا بیان کر چکے ہیں کہ درحقیقت وہ قرآن کی طرح اللہ تعالی کی طرف سے کی جانے والی وحی ہے، اور وہ سنت یا تو قرآن کو بیان کرنے اور اس کی شرح کرنے والی ہوگی، یا اس کے مجمل کی تفصیل کرنے والی یا اس کے مطلق کی تخصیص کرنے والی، یا اس کے بعض احکام کو منسوخ کرنے والی، یا قرآن

---

931. دیکھئے: منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول ﷺ وتکریمہ، (ص328).

932. تفسیر ابن کثیر، (494/3).

سے الگ اپنے طور پر بعض احکام کی تشریع کرنے والی ہوگی، جو قرآن کے اصول وقواعد سے خارج اور اس کے معارض یا مناقض نہیں ہوں گے۔

نیز سنتِ نبویہ نے خاتمۂ رسالات کی صفت صاحبِ سنت ﷺ کی تبعیت سے حاصل کیا ہے جو کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔

نبی ﷺ نے اپنے خاتم الانبیاء والمرسلین ہونے کی تاکید مختلف اسالیب میں اور متعدد مقامات پہ کیا ہے جن میں سے بعض مقامات یہ ہیں:

۱۔آپ ﷺ کا قول ہے: (میری مثال اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک نہایت حسین وجمیل گھر تعمیر کیا، مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس کا چکر لگانے لگے اور اس پر حیرت کا اظہار کرنے لگے اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے: کاش یہ اینٹ بھی رکھ دی جاتی، آپ نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں، اور میں ہی خاتم الانبیاء ہوں)933.

۲۔نبی ﷺ کا قول ہے: ((مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے) اور ان میں ایک یہ بیان فرمایا: (اور میرے ذریعہ نبیوں کا خاتمہ کیا گیا)934۔یعنی نبی ﷺ کی رسالت کے ذریعہ عمارت مکمل ہوگئی، وحی کا دروازہ بند ہوگیا، لوگوں کے لئے نبی ﷺ کی رسالت کافی ہوگئی، دین مکمل اور تمام لوگوں کے لئے نعمت کا اتمام ہوگیا۔

۳۔نبی ﷺ کا قول ہے: (**كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمْ** 935 **الْأَنْبِيَاءُ ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ ، وَ مِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ . .**)936۔(یعنی: بنو اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے، جیسے ہی کسی نبی کا انتقال ہوتا تو دوسرے نبی آجاتے، لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، ہاں خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے...)

933. البخاری، (1300/3)، (ح3342)؛ ومسلم، (1791/4)، (ح2286).

934. مسلم، (371/1)، (ح523).

935. (**السياسة**): کسی چیز کی اصلاح وسدھار کا کام۔ دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (231/12).

936 البخاری، (1273/3)، (ح3268)؛ ومسلم، (1471/3)، (ح1842)

۴۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (میں محمد ہوں، اور میں احمد ہوں، اور میں ماحی ہوں، میرے ہی ذریعہ کفر کو مٹایا جائے گا، میں حاشر ہوں اور میرے ہی پیچھے لوگوں کو (قیامت کے روز) اکٹھا کیا جائے گا، اور میں عاقب ہوں، اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو 937۔ اس حدیث سے یہ اجاگر ہوتا ہے کہ "ختم" نبی ﷺ کے اسماء کے معانی میں سے ہے اور وہ آپ کی لازمی صفت ہے جو سابقہ امتوں میں معروف ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، آپ کے بعد نہ تو کوئی نبی آنے والا ہے اور نہ رسول، ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (محمد ﷺ کو لوگوں کی طرف بھیجا جانا بندوں پر اللہ تعالی کی بڑی رحمت ہے، اور ان کے ذریعہ انبیاء ورسل کے سلسلے کا خاتمہ کیا جانا نیز ان کے لئے دین حنیف کو مکمل کیا جانا اللہ تعالی کی طرف سے بندوں کی تکریم ہے، اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت متواترہ میں بیان فرمادیا ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے، تاکہ لوگ جان لیں کہ جس نے بھی آپ کے بعد اس مقام کا دعوی کیا وہ کذّاب، افّاک اور خود گمراہ اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا دجّال ہے)938.

آپ ﷺ کی رسالت کے ذریعہ رسالتوں کو ختم کئے جانے کے تقاضے:

تمام رسالتوں کو نبی ﷺ کی رسالت کے ذریعہ ختم کئے جانے کے بعض تقاضے یہ ہیں939:

۱۔ آپ کے رب کے نزدیک آپ کے مقام کی بلندی:

اس لئے کہ اللہ تعالی نے آپ کو منتخب کیا، سارے انبیاء ومرسلین پر فضیلت عطا کی، آپ کے ذریعہ رسالتوں اور نبوتوں کا خاتمہ کیا، تاکہ آپ کی رسالت وہ وسیع نہر بنے جس میں سے سارے آسمانی رسالات جاری ہوں، پھر آپ کی سنت سابقہ تمام سنتوں پر غالب وقابض ہو، ان میں سے جس کو چاہے باقی رکھے اور رب سبحانہ وتعالی کے حکم کے مطابق جن احکام کو چاہے حذف کرے اور منسوخ کرے، اس طرح ساری آسمانی رسالتیں ایک ہی نہر میں جاری ہوں، ایک ہی نبی ان سب کو سنائے، سب کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ ان پر ایمان لائیں، ان کی اتباع کریں، ان کی سنت اور طریقہ کو لازم پکڑیں، اور اس ضمن میں انبیاء سابقین بھی آتے ہیں، اس کی سب سے واضح

937. البخاری، (1299/3)، (ح3339)؛ ومسلم، (1828/4)، (ح2354).

938. تفسیر ابن کثیر، (495/3).

939. دیکھئے: خصائص النبی محمد ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء، (ص43-45).

دلیل اسراء کی رات میں تمام انبیاء کا آپ کے پیچھے مقتدی کی حیثیت سے اکٹھا ہونا ہے اور آپ کا آگے بڑھ کر ان سب کو مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھانا ہے، پس جو آگے چل کر آپ کی سنت وطریقہ سے اعراض کرے گا۔ اگر چہ وہ تمام انبیاء سابقین پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کا دین میں کچھ بھی حصہ نہ ہوگا، اس سے کچھ بھی قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ دائمی جہنمیوں کے ساتھ اس میں رہے گا۔

پس نجات کا راستہ ایک ہے، سعادت کی راہ ایک ہے اور وہ ہے نبی ﷺ کی متابعت اور ان کی سنت کا التزام، اور یہ آپ ﷺ کی عظمت، نیز آپ کی سنت مبارکہ کی عظمت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

۲۔ آپ کی رسالت کا کمال:

نبی ﷺ کی رسالت کے ذریعہ دیگر رسالتوں کا خاتمہ کیا جانا رسالتِ محمدیہ کے کمال کو اور اس بات کو مستلزم ہے کہ وقوعِ قیامت تک لوگوں کو دوسری رسالت کی ضرورت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے۔ عرفہ کے دِن۔ اس کمال کو اپنے اس قول کے ذریعہ واضح فرمایا دیا: (**الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا**) [المائدة :۳] (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور اسلام کو بحیثیتِ دین تمہارے لئے پسند کرلیا)۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ اس نے ان کے لئے ان کے دین کو مکمل کر دیا ہے لہذا وہ کسی اور دین کے محتاج نہیں ہیں، اور نہ وہ اپنے نبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے علاوہ دوسرے نبی کے محتاج ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خاتم الانبیاء بنایا اور ان کو جن وانس دونوں کی طرف مبعوث فرمایا)940.

۳۔ آپ کی رسالت عام اور ہر زمان کے لئے ہے:

چونکہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں لہذا یہ ضروری تھا کہ آپ کی رسالت عام اور تمام لوگوں کو شامل ہو، قیامت تک کے تمام زمان ومکان کے لائق ہو، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام لوگوں سے یہ کہنے کو کہا تھا :(**قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا**)[الأعراف :۱۵۸] (ترجمہ: آپ کہئے کہ اے لوگو!

940. تفسیر ابن کثیر، (13/2).

میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں)، اور آپ ﷺ کی رسالت کا عموم آپ کی سنت کے عموم کا متقاضی ہے۔

۴۔آپ ﷺ کی رسالت تحریف وتبدیلی سے محفوظ ہے:

آپ ﷺ کی نبوت کے ذریعہ رسالتوں کے خاتمہ کا تقاضہ ہے کہ وہ رسالت قیامت تک محفوظ رہے، اور اللہ تعالی نے اس رسالت ۔کتاب وسنت۔ کی حفاظت کا اپنے اس قول کے ذریعہ ذمہ لیا ہے:(**إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ**)[الحجر:۹]۔

اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ حفاظت کا یہ وعدہ کتاب اور سنت دونوں کو شامل ہے، اس کی شہادت واقع دے رہا ہے اور اس کی تصدیق حال کر رہا ہے، آپ ﷺ کی سنت آج تک محفوظ چلی آ رہی ہے، بلکہ آپ کی سنت میں آپ کی زندگی سے متعلق ایسی تفاصیل پائی جاتی ہیں جس نے سارے لوگوں کو حیران وششدر کر رکھا ہے۔

۵۔آپ کی امت کا تحفظ:

ہمارے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ نبوتوں کا خاتمہ کئے جانے سے آپ کی امت جھوٹے مدعیان نبوت سے محفوظ ہوگئی، جن کے بارے میں نبی ﷺ نے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا، آپ کا ارشاد ہے:(قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تیس کے قریب جھوٹے دجّال نہ ظاہر کر دئے جائیں، ان میں سے ہر ایک دعوی کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے)941.

اور ایک روایت میں ہے:(میری امت میں تیس کذّاب ظاہر ہوں گے، ان میں سے ہر ایک نبی ہونے کا دعوی کرے گا، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)942.

٦۔آپ کی امت کا انبیاء کے کاموں کا وارث ہونا:

نبی ﷺ نے اس دین کے قیامت تک باقی رہنے کی بشارت دی ہے، چنانچہ یہ آخری زمانے تک ظاہر و غالب رہے گا، اس میں کوئی دین اس کا ہمسر نہ ہوگا، اس سے نبی ﷺ کی رسالت کے ذریعہ نبوتوں کا خاتمہ لازم آتا ہے، اس بارے میں نبی ﷺ کا فرمان ہے:(**لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللَّهِ ، لَا يَضُرُّهُمْ**

---

941. البخاری،(1320/3)،(3413)؛ ومسلم،(2239/4)،(ح 2923).

942. ابوداود،(97/4)،(ح 4252). اور البانی نے اس کو(صحیح سنن ابی داود)،(10/3)،(ح 4252) میں صحیح کہا ہے.

مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ ؛ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَ هُمْ ظَاهِرُون. عَلَى النَّاسِ)943۔(یعنی: میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم کے ساتھ موجود رہے گی، اس کو ذلیل کرنے اور اس کی مخالفت کرنے والے اسے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالی کا امر آجائے (یعنی قیامت آجائے) اور اسی طرح وہ لوگوں پر غالب رہیں گے)۔

اور وہ مجاہد علماء ہوں گے جو اپنی ثابت قدمی، اپنے جہاد اور علم شرعی کی نشر واشاعت کے ذریعہ میراثِ نبوت کے حقدار ہوں گے۔

943. مسلم،(1524/3)،(ح1037).

دوسرا مبحث

سنتِ نبویہ کی ہمہ گیریت

انبیاءِ سابقین کی رسالت قومی رسالت ہوا کرتی تھی، یعنی وہ ان کی قوموں کے لئے خاص ہوتی تھی جن میں وہ بھیجے جاتے تھے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہر رسول صرف اپنی قوم کو ہی خطاب کرتے ہیں، اس کی مثال اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُ**) [**الأعراف :٥٩**] (ترجمہ: ہم نے نوح کوان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے)۔

اور اللہ تعالی کا قول ہے: (**فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَ ارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ**) [**العنكبوت :٣٦**]944۔ (اور (شعیب) نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کے دن کی توقع رکھو)۔

لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت عالمی ہے جو بشمول انس وجن آخری زمانے تک کے تمام عالم والوں کے لئے آئی ہے، وہ ہر زمان ومکان کے لائق ہے، وہ جنس ولون اور وقت وماحول اور دوسرے تمام فوارق وحواجز سے بالاتر ہے945.

قرآنی دلائل:

١۔ اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَ نَذِيرًا**) [سبأ : ٢٨] (ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے)۔ اور کلمہ ''**كَافَّةً لِّلنَّاسِ**'' تمام لوگوں کو شامل ہے جن میں احمر واسود، اور عربی وعجمی سب داخل ہیں، وہ اس میں سے ان کے نکلنے کو

944. منہج القرآن الکریم فی تثبیت الرسول ﷺ وتکریمہ (ص 352,351).

945. دیکھئے: عالمیۃ الإسلام واعداد المواطن الصالح، أحمد علی الملا (ص 10).

روکتا ہے اوراس میں شامل رہنے پر مجبور کرتا ہے946.

۲۔اللہ تعالی کا قول ہے:(**قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا**) [**الأعراف:۱۵۸**] (ترجمہ: آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں) یعنی بعض کو چھوڑ کر بعض کے لئے نہیں ہوں۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہ نبی ﷺ کے شرف وعظمت کی بات ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں، اور تمام لوگوں کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں ... یہ دین اسلام کے ضروری مسائل میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں)947.

۳۔اللہ تعالی کا قول ہے:(**وَ مَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ**) [**الأنبياء:۱۰۷**] (ترجمہ: اور ہم نے آپ کو تمام جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)۔

رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (لفظ ''عالمین'' تمام مخلوقات کو شامل ہے، لہذا یہ آیت اس بات پر دلالت کرہی ہے کہ آپ قیامت تک تمام مخلوق کے لئے رسول ہیں)948.

سنت سے دلائل:

۴۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مجھے چھ چیزوں کے ذریعہ انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے)اوران میں سے ایک یہ بیان فرمایا: (اور میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہوں)949.

۵۔جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں)اوران میں سے ایک یہ بیان کیا ہے: (نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے، لیکن میں عام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں)950.

---

946. دیکھئے: تفسیر القرطبی، (303/12)؛ الکشاف، (295/3).

947. تفسیر ابن کثیر، (256,255/2).

948. التفسیر الکبیر، (40/24).

949. مسلم، (371/1)، (ح523).

950. البخاری، (168/1)، (ح427).

اورایک روایت میں ہے: (**كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً ، وَبُعِثْتُ إِلَى كُلِّ أَحْمَرَ وَ أَسْوَدَ**)951۔(یعنی: ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے،لیکن میں ہر سرخ وسیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں)۔

نبی ﷺ کا قول: (**كَانَ كُلُّ نَبِيٍّ**)اس پر دلالت کرر ہا ہے کہ بلا استثناء تمام انبیاء سابقین کی رسالت ان کی قوموں کے لئے خاص تھی،صرف نبی ﷺ کی رسالت عالمی طور پر تمام لوگوں کے لئے ہے،اوراس خصوصیت میں نبی ﷺ دیگر تمام انبیاء سے ممتاز ہیں۔

دلیلِ اجماع:

امت کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ قیامت تک کے لئے تمام جن وانس کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں 952.

نبی ﷺ کی رسالت کے عالمی ہونے کے تقاضے:

نبی ﷺ کی رسالت کے عالمی ہونے کے تقاضوں میں سے بعض یہ ہیں953:

ا۔آپ کے رب کے نزدیک آپ ﷺ کے مقام کی بلندی:

اس لئے کہ اللہ تعالی نے آپ کو چنا اور منتخب کیا پھر تمام انبیاء ومرسلین پر فضیلت عطا کی، نیز آپ کو قیامت تک کہ تمام لوگوں کے لئے مبعوث کیا۔

۲۔آپ ﷺ کی سنت کی عالمیت:

نبی ﷺ کی رسالت کے عالمی ہونے کا تقاضا ہے کہ آپ کی سنت بھی عالمی ہو،ہر زمان ومکان کے تمام لوگ اس کا التزام کریں، کیونکہ آپ ﷺ کی سنت آپ کی راہ،آپ کا طریقہ اور آپ کا وہ منہج ہے جسے اللہ تعالی نے آپ کے لئے مقرر فرمایا ہے،لہذا جو شخص اپنے خالق تعالی کو راضی کرنا چاہے وہ لازماً آپ کے منہج کا التزام اور آپ کی سنت کی اتباع کرے،اللہ تعالی کا قول ہے: (**قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ**) [آل عمران:۳۱]

951. مسلم،(370/1)،(ح521).
952. الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح،(126/1).
953. خصائص النبی محمد ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء،(ص62,61).

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا)، اور آپ کی اتباع آپ کی سنتوں کے التزام سے ہوسکتی ہے، کسی بھی شخص کا عمل چاہے وہ جو بھی ہو اس وقت تک قبول نہیں ہوسکتا ہے جب تک اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں جن کا ذکر اللہ تعالی نے اپنے اس قول میں کیا ہے: (**فَمَنْ كَانَ يَرْجُو الِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا**) [الکھف:۱۱۰]، (ترجمہ: جو اپنے رب سے ملاقات کی امید کرتا ہو وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے)۔ یہ دو شرطیں اخلاص اور متابعت ہے، یہ دونوں قبولیتِ عمل کے ارکان ہیں، عمل کا اللہ کے لئے خالص ہونا اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق صحیح ہونا ضروری ہے۔

اس سے ہمارے لئے انسانی زندگی میں سنت کی اہمیت واضح ہوتی ہے جس میں اللہ تعالی کی عبودیت کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے لئے نبی ﷺ کی سنت کی اتباع اور اس کا التزام ضروری ہے، کیونکہ وہ دینِ خاتم ہے اور وہی رسالتِ خاتمہ ہے جسے دنیا والوں تک پہنچانے کا مکلّف بنایا گیا ہے۔

۳۔ یہ دین اللہ تعالی کی طرف سے آیا ہے:

اس لئے کہ انسان اس طرح کے عالمی اور عموم وشمول والا دین لانے سے قاصر ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کی سنت اللہ تعالی کی طرف سے کی جانے والی وحی ہے، اس میں کسی انسانی اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۴۔ شمول:

نبی ﷺ کی رسالت کا تمام لوگوں کے لئے عام ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ زندگی کے تمام گوشوں اور قیامت تک کے ہر زمان ومکان میں انسان کے تمام پہلوؤں کو شامل ہو، تاکہ وہ ان کی ضروریات وحاجات کی تکمیل کرسکے۔

۵۔ انسانی اخوت ویگانگت:

نبی ﷺ کی رسالت کا تمام اجناس والوان کے لوگوں کے لئے عام ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تمام بنی نوع انساں کے درمیان اخوت ووحدت پائی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**إِنَّ هَـٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً**

وَاحِـدَةً وَ أَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ) [الأنبياء :٩٢] (یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو)۔

٦۔قلبی اطمینان وسکون کا حاصل ہونا:

رسالتِ محمدیہ کا کمال اور اس کا تمام گوشۂ حیات کو اور تمام انسانی پہلوؤں کو شامل ہونا اس عالمی، کامل اور شامل رسالت کی تعلیمات کے سایہ میں انسانی مسائل کا حل تلاش کرنے پر نفسانی اعتماد اور قلبی اطمینان فراہم کرتا ہے، جس سے ہر طرح کی بے چینی اور شک وتر دد کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور اس غلطی اور بدبختی سے آدمی محفوظ ہو جاتا ہے جو غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے، اسی طرح آدمی انسانی راستوں میں بھٹکنے سے بھی بچ جاتا ہے۔

٧۔اللہ کے راستے میں دعوت وجہاد کی ترغیب:

چونکہ یہ عالمی، شامل اور ہر فرد بشر کے لائق رسالت ہے اس لئے یہ اس بات کو لازم قرار دیتی ہے کہ جملہ انسانیت تک خیر کی تبلیغ کے لئے دعوت الی اللہ کے فریضہ کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا جائے، اور اسی چیز نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ تمام امصار تک دعوت کی تبلیغ کریں، اسی کے زیر اثر اسلامی فتوحات کا سلسلہ بھی دراز ہوا تھا جن کا لوگوں کو بت پرستی اور بدبختی سے نکال کر وحدانیت اور سعادت کی طرف لانے میں بڑا اہم کردار رہا تھا۔

٨۔سابقہ شرائع کی منسوخی:

اس رسات کے عالمی ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ سابقہ ساری شریعتیں منسوخ قرار پائیں، اور رسالتِ محمدیہ شامل وکامل شکل میں قیامت تک ظاہر وغالب رہے۔

٩۔انصاف پسند لوگوں کی شہادتیں:

اب گفتگو کو انصاف پسند مستشرقین اور نبی ﷺ کی عظیم شخصیت کے بارے میں ان کی مبنی بر انصاف شہادتوں کی طرف پھیرا جا رہا ہے، لیکن یاد رہے کہ نبی ﷺ کی عظمت میں واردان اقوال اور شہادات کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ وہ آپ ﷺ کی شخصیت کے بارے میں موجود حقائق اور ثابت اصول کی تاکید وتوثیق کرتے

ہیں، نہیں تو نبی ﷺ کی عظمت کے اظہار و بیان کے لئے کسی کی شہادت کی

کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ شہادتیں ان میں سے بعض متعصب اور منکر لوگوں کی نگاہوں کو کھولنے کے لئے ہیں تا کہ وہ دیکھیں کہ ان ہی کے بعض انصاف پسند مفکرین کے قلموں سے کیا کچھ لکھا گیا ہے، نیز بعض کمزور ایمان کے مسلمان بھی کسی نظریہ سے اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے ہیں جب تک وہ مغربی ہَوا کے دوش پر ان تک نہ پہنچے، ہمارے سامنے مغرب کے دس انصاف پسند مستشرقین کی شہادتیں ہیں اور سب کے اندر جو چیز مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے وہ ہے نبی ﷺ کی عظمت کا اظہار، اور وہ یہ ہیں:

اَ۔ جرمنی کے عالمی ادیب (جوہان وولفگنگ جویتھ)(Johann Wolfgang Goethe) کا کہنا ہے: (میں نے تاریخ کے اندر اعلی ترین انسان کی مثال تلاش کیا تو میں نے اس کو نبی عربی محمد [ﷺ] کی شخصیت میں پایا)954.

ب۔ امریکی مورخ (ول ڈیورانٹ)(Will.durant) نے اپنی کتاب میں نبی ﷺ کے بارے میں لکھا ہے: (محمد [ﷺ] اسلامی تہذیب وثقافت کے موجد ہیں، اور اگر ہم لوگوں میں اثر انداز ہونے والے کسی عظیم شخص کی عظمت کا جائزہ لیں تو ہم کہیں گے کہ محمد [ﷺ] تاریخ کے عظماء میں سے ایک عظیم ہیں، انہوں نے اس قوم کے روحانی واخلاقی معیار کو بلند کرنے کا بیڑہ اُٹھایا تھا جس کو فضا کی گرمی اور صحراء کی خشکی نے وحشیت کی تاریکی میں گرادیا تھا، اور وہ اس مقصد کو حاصل کرنے میں اس قدر کامیاب ہوئے کہ پوری تاریخ میں کسی بھی مصلح کو اتنی کامیابی نہیں ملی، تم ان کے علاوہ شاید ہی کسی انسان کو دیکھو گے جس نے وہ کر دکھایا ہو جس کا اس نے خواب دیکھا تھا)955.

ج۔ روس کے عالمی ادیب (لیوٹولسٹوی)(L.Tolstoi) نے اپنی کتاب (نبی محمد کی حکمرانی) میں لکھا ہے: (اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی محمد ان عظیم لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے انسانی معاشرہ کی زبردست خدمت کی ہے، ان کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ انہوں نے ایک پوری قوم کو نورِ حق کی ہدایت دی، حتی کہ وہ امن وآشتی

---

954. آفاق جدیدۃ للدعوۃ، انور الجندی (ص55).

955. الرسول العظیم بأقلام اعلام المستشر قین، محمد ابراھیم (ص240).

کی علمبردار بن گئی، اور سادگی کی زندگی بسر کرنے لگی، نیز انہوں نے اس قوم کوخوں ریزی سے اور انسانوں کو بھینٹ چڑھانے سے منع کیا اوران کے لئے تعمیر وترقی کے راستوں کو کھولا، یہ ایسا عمل ہے جس کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جسے قوت دی گئی ہو...اوراس قسم کا آدمی احترام وتقدیر کا مستحق ہے)956.

د۔عالمی ڈرامہ نگاروں میں سے ایک مشہور ڈرامہ نگار (جارج برنارڈ شا) (George Bernard show) کہتے ہیں: (میں سمجھتا ہوں کہ اگر نبی محمد [ﷺ] کی طرح کا آدمی اپنے اوپر دنیا کی موجودہ اقوام کی قیادت کا بار اُٹھالے تو وہ دنیا کی اچھی قیادت کرسکتا ہے، وہ عالم کو سعادت کی راہ پر گامزن کرسکتا ہے اور اسے عدل وسلامتی سے ہمکنار کرسکتا ہے)957.

ھ۔فرانسیسی ادیب وشاعر (لامارتین)(Lamartin) کہتا ہے:(وہ فلسفی،خطیب،رسول،ماہر قانون، قائد،فکری بلندیوں کو فتح کرنے والے،انسان کوعقل کی طرف لے جانے والے،معقول اور موافق ذہن ودماغ عقیدہ کی اشاعت کرنے والے،وثنیت سے،تصویروں سے اور باطل جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں سے پاک دین کی تاسیس کرنے والے،دنیا میں بیس سے زائد ممالک کو وجود بخشنے والے،روحانی اور قلبی اعتبار سے آسمان میں حکومت قائم کرنے والے...وہی محمد [ﷺ] ہیں،انسانی عظمت کو ناپنے کے یہ سب جو پیمانے مقرر کئے گئے ہیں ان سے ناپے جانے پر کون انسان محمد [ﷺ] سے عظیم ہوسکتا ہے؟اورکون سا انسان محمد [ﷺ] سوا عظمت کے ان تمام زینوں پر چڑھا ہے کہ وہ ان سب میں محمد [ﷺ] سے عظیم ہو؟ محمد [ﷺ] الہ سے کمتر اور کسی بھی انسان سے برتر ہیں،یعنی وہ نبی ہیں)958.

و۔جامعہ فینا کے کلیہ حقوق کے پرنسپل (اُشیرل) نے ۱۹۲۷ء میں منعقد ایک کانفرنس میں کہا تھا:(بشریت کو محمد [ﷺ] جیسے انسان کی نسبت پر فخر ہونا چاہئے،اس لئے کہ وہ اپنی امیت کے باوجود کئی صدیاں پہلے ایسے قوانین پیش کرنے میں کامیاب ہوئے جن کی بلندی تک ہم یورپین لوگوں کے لئے دوسو سال کے بعد پہنچنا بھی

956.الرسول العظیم بأ قلام أعلام المستشر قین،محمد ابراھیم (ص19).

957.الرسول العظیم بأ قلام أعلام المستشر قین،محمد ابراھیم (ص25).

958.الرسول العظیم بأ قلام أعلام المستشر قین،محمد ابراھیم (ص31).

سعادت کی بات ہوگی)959.

ز۔ایک برطانوی مستشرق (w.montgomerywatt) اپنی کتاب (محمد [ﷺ] مدینہ میں) لکھتا ہے: (محمد [ﷺ] کو تین خصوصیات سے نوازا گیا تھا، اول: مستقبل کو پرکھنے کا ملکہ، دوم: وہ ہوشیار حکومتی انسان تھے ،سوم: وہ نہایت قابل اداری آدمی تھے، اور جب بھی ہم محمد [ﷺ] کی اور اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی حصول یابیوں کے سامنے ہم ہکے بکے رہ جاتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ حالات ساز گار تھے لیکن وہ حالات کے معیار پر پورا اترتے تھے، پس اگر آپ نبی اور حکومتی وادارتی انسان نہ ہوتے، اور اگر آپ کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ نہ ہوتا، اور اس پر مکمل اطمینان نہ ہوتا کہ اللہ نے آپ کو بھیجا ہے..تو انسانیت کی تاریخ میں ایک مکمل فصل لکھنے پر قادر نہ ہوتے.. پس حق یہ ہے کہ آپ ابنائے آدم میں سب سے بڑے نبی ہیں)960.

ح۔ایک اور برطانوی (الفرید گلیوم)(Alfred Guillaume) اپنی کتاب: (اسلام کے بارے میں) کے اندر لکھتا ہے: (ہم پر سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اس کو ثابت کریں کہ محمد [ﷺ] مشہور عظمائے تاریخ میں سے ایک عظیم شخص تھے، اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں ہے، وہ ایک ملت کی طرف دعوت دیتے تھے، ان کی تدبیر کی قدرت حیرت ناک تھی، ان کے لئے اپنی قوم کی شیرازہ بندی کرنا آسان بنا دیا گیا تھا، باوجودیکہ ان کے وقت میں بلادِ عرب کے اندر انتشار وشقاق کے پوشیدہ عوامل پائے جاتے تھے۔محمد [ﷺ]۔ابتدائے دعوت میں۔ان کی تکذیب کرنے والی قوم کے سامنے تنہا کھڑے ہوئے تھے، اس شخص کی تصویر سے زیادہ تعجب خیز تصویر کس کی ہوسکتی ہے جس نے تنہا یہ سارے معجزانہ کام انجام دئے ہوں..وہ سچ مچ عظیم، اور عظیم اور عظیم تھے)961.

959.نبذۃ من السیرۃ النبویۃ، أبو النصر مبشر الطرازی الحسینی (ص65).

960.الرسول العظیم بأقلام أعلام المستشرقین، محمد ابراهیم (ص 241).

961.الرسول العظیم بأقلام أعلام المستشرقین، محمد ابراهیم (ص 241).

تیسرا مبحث

تمام ادیان پر سنت کا اظہار وغلبہ

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو یہ شرف بخشا کہ ان کے دین کو قیامت تک تمام ادیان پر غلبہ عطا کیا، اس لئے کہ آپ اولادِ آدم کے سردار، نبیوں کے امام اور ان کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں، آپ کی رسالت عالمی ہے اور روز قیامت تک محفوظ رہنے والی ہے، جب کہ سابقہ رسالتوں کا ظہور جزئی اور موقت ہوا کرتا تھا، کیونکہ وہ عالمی نہیں تھیں بلکہ وہ قومی اور متعین وقت کے لئے ہوا کرتی تھیں، اسی لئے ان کا خاتمہ ہوگیا اور ان کی اصلی تعلیمات حذف واضافہ اور تحریف وتبدیلی کی وجہ سے مٹ گئیں، اللہ سبحانہ وتعالی کا قول ہے: **فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّ ذُكِّرُوا بِهِ** [**المائدة** :۱۳] (ترجمہ: پھر ان کی بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت بھیج دی اور ان کے دلوں کو سخت بنا دیا، چنانچہ وہ (اللہ کے) کلام میں لفظی (اور معنوی) تحریف پیدا کرنے لگے، اور جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان کا ایک بڑا حصہ فراموش کر دیا)

تمام ادیان پر اسلام کے اظہار سے آپ ﷺ کی سنت اور طریقوں کا قیامت تک تمام ادیان پر اور پہلے کے تمام انبیاء ورسل کے طریقوں پر اظہار وغلبہ پایا جاتا ہے، واقع اور تاریخ اس کی تائید وتصدیق کرتی ہے، بایں طور کہ انبیاء سابقین کی وہی سنتیں اور سیرتیں اور تاریخیں محفوظ ہیں جو ان کے قصوں کی شکل میں قرآن کے اندر محفوظ ہیں، یا سنتِ صحیحہ میں ان کے اخبار وارد ہیں، ان کے علاوہ جو کچھ ہے اس میں تحریف اور تبدیلی اور کذب ودروغ داخل ہو چکی ہے۔

جہاں تک نبی ﷺ کی سنتوں اور سیرتوں کا سوال ہے تو وہ مکمل طور پر محفوظ ہیں، دنیا والوں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں وبیاں ہیں جو صاحبِ سنت کی صداقت اور ان کے قائل کی عظمت کو بانگ دہل بیان کرتی ہیں، نیز وہ سنت کی قوتِ سطوت، اس کے الفاظ کی بلاغت، اور واضح طور پر اس کے حق کی موافقت کو اجاگر کرتی

ہیں، پس اس کی بقا واستمرار اور انتشار دوسری چیزوں پر حتی کہ انبیاء و مرسلین کی سنتوں پر اس کے اظہار و غلبہ کے دلائل میں سے ہے۔

چونکہ سنت دین کا لازمی جزء اور رب العالمین کی شریعت سے کبھی منفصل نہ ہونے والا رکن ہے اس لئے دین کے اظہار میں سنت کا اظہار پنہاں ہے، اور اس کے دلائل بے شمار اور متنوع ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

قرآن کے دلائل:

نبی ﷺ کے دین کا تمام ادیان پر اظہار کے دلائل میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔اللہ تعالی کا قول ہے: (**يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ٭ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ**)[التوبة :۳۲،۳۳] (ترجمہ: وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو بہر حال پورا کرنا چاہتا ہے، اگر چہ کفار ایسا نہیں چاہتے ہیں، وہ اللہ کی ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے، تا کہ اسے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے، اگر چہ مشرکین ایسا نہیں چاہتے ہیں)۔

۲۔اور اللہ تعالی کا قول ہے: (**يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ٭ هُوَالَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ**)[الصف:۸،۹]

(ترجمہ: وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانا چاہتا ہے، اگر چہ کفار ایسا نہیں چاہتے ہیں، وہ اللہ کی ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے، تا کہ اسے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے، اگر چہ مشرکین ایسا نہیں چاہتے ہیں)۔

آیتِ کریمہ صیغۂ قصر کے ساتھ شروع ہے جس کا مطلب ہے کہ صرف اللہ تعالی نے، کسی دوسرے نے نہیں، اپنے رسول محمد ﷺ کو اس نور کے ساتھ اور اس دین کے ساتھ بھیجا ہے، لہذا وہ کیسے اس کے دشمنوں کو اسے بجھانے کی آزادی دے سکتا ہے؟

اور معنی ہے: (تا کہ اسے سارے ادیان پر حجت و برہان کے ذریعہ اور سیف وسنان کے ذریعہ غالب کرے، اگر چہ کفار کو یہ چیز ناپسند ہو، وہ اس کی بربادی کے درپے ہوں اور اس کے خلاف اپنے مکر کا ستعمال کریں ، کیونکہ غلط مکر صاحب مکر ہی کو نقصان پہنچا تا ہے، پس اللہ کے وعدہ کو ہر حال میں پورا ہونا ہے، اور جس کا اس نے ذمہ لیا ہے اسے اس کی طرف سے پورا کیا جانا ضروری ہے)962.

(اور اللہ تعالی نے اپنا وعدہ پورا بھی کر دیا، اس اعتبار سے کہ اس نے ادیان میں سے ہر دین کو دینِ اسلام کے سامنے مقہور ومغلوب بنا کر رکھ دیا)963.

چنانچہ ساری دنیا میں مختلف ملت کے لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوتے رہے ہیں باوجود یکہ ان کی قومیں اوران کی ملت کے عظماء واکابرین اس کی مخالفت کرتے رہے اور ہر حیلہ ووسیلہ کے ذریعہ ان کو اس سے باز رکھنے کی کوششیں کرتے رہے، اس کے باوجود اسلام ظاہر و غالب رہا، اس کی فضیلت اس کے مجاور ادیان پر اجاگر ہوا، وہ ان خرافات واوہام سے محفوظ رہا جن سے دوسرے ادیان آلودہ ہوئے ، ان کے بعض معاملات انہیں چیزوں میں درست دکھائی دیتے ہیں جن میں انہوں نے مسلمانوں کے احوال اوران کے اسباب ترقی کی تقلید کی ہے 964.

سنت کے دلائل:

۳۔ نبی ﷺ کا قول ہے **إِنَّ اللَّهَ زَوَى 965 لِي الْأَرْضَ ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا ، وَ إِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا**)966(یعنی: اللہ تعالی نے میرے لئے دنیا کو سمیٹ دیا تھا، پس میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا، اور عنقریب میری امت کا دائرۂ حکومت اس تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو

962. تفسیر السعدی، (335/10).

963. تفسیر ابی السعود، (245/8).

964. التحریر والتنویر، (174/10).

965. (**زَوَى لِي الْأَرْضَ**) : یعنی: اس طرح جمع کر دیا اور سمیٹ دیا یہاں تک کہ میرے لئے سمیٹی گئی زمین کو دیکھ لینا ممکن ہوگیا. دیکھئے: شرح السنۃ، (216/14)؛ کشف المشکل، ابن الجوزی (218/4).

966. مسلم، (2215/4)، (ح 2889).

سمیٹا گیا تھا)۔

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس امت کی حکومت کا دائرہ مشرق و مغرب تک پھیلے ہوئے بیشتر حصوں پر محیط ہوگا، اور ایسا ہی ہوا بھی ہے، مشرق و مغرب کی بہ نسبت جنوب وشمال کی جانب کم پھیلا ہوا ہے، اور اللہ تعالی کے صلوات وسلام ہوں اس رسولِ صادق پر جو اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے)967.

۴۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**لَنْ يَزَالَ أَمْرُ هَذِهِ الْأُمَّةِ مُسْتَقِيمًا حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ ، أَوْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ**)968.

(یعنی: اس امت کا معاملہ ہمیشہ درست رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے، یا اللہ تعالی کا فیصلہ آجائے)۔

۵۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ 969 عَلَى الْحَقِّ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَ هُمْ كَذَلِكَ**)970۔(یعنی: میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گی، اسے رسوا کرنے والے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالی کا فیصلہ آجائے گا اور وہ اسی طرح غالب رہیں گے)۔

(اور الحمد للہ نبی ﷺ نے جیسا خبر دیا ویسا ہی ہوا، یہ امت اپنے ابتدائی دور سے اب تک قائم ودائم ہے، اور اللہ تعالی کے فیصلہ کے آنے تک قائم ودائم رہے گی)971.

۶۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ، ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ**

---

967. شرح النووی علی صحیح مسلم، (13/18).

968. البخاری، (2667/6)، (ح6882).

969. **(ظاهرين)**: یعنی: تمام لوگوں پر بُرہان کے ذریعہ یا اس کے اور سنان (تلوار) کے ذریعہ غالب رہیں گے. عمدة القاری، (141/25).

970. البخاری، (2667/6)، (ح6882)؛ ومسلم، (1523/3)، (ح1920).

971. عمدة القاری، (52/2).

الْقِيَامَةِ ، قال: فَيَنْزِلُ عِيْسَي ابْنُ مَرْيَمَ عليه السلام فيقول أَمِيرُهُمْ : تَعَالَ صَلِّ لَنَا ، فيقول: لَا، إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ ؛ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هذة الْأُمَّةَ)972.

(یعنی: میری امت سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قتال کرتی رہے گی، قیامت تک وہ غالب رہے گی، آپ فرماتے ہیں: پھر عیسی بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو اس جماعت کے امیر کہیں گے: آئیے ہمیں نماز پڑھائیے، وہ کہیں گے: نہیں، اس امت کی اللہ طرف سے عزت افزائی کئے جانے کی بنا پر تم میں سے بعض بعض کے اوپر امیر ہیں)۔

خلاصہ: نبی ﷺ نے - جو کہ صادق ومصدوق ہیں - یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ دین مشرق ومغرب کے بیشتر علاقوں پر غالب ہوگا، اور موجودہ زمانے میں ایسا ہی ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کئے جانے کے تقاضے:

نبی ﷺ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کئے جانے کے تقاضوں میں سے بعض یہ ہیں973:

۱۔ اللہ تعالی کی عظیم قدرت کا اظہار جس نے اپنے نبی ﷺ کے دین کو تمام ادیان پر غالب بنانے کا اور اس کے استمرار وبقا کا ذمہ لیا ہے، جب کہ اس کے خلاف بڑے بڑے کفار کی سازشیں ہوتی رہی ہیں، اللہ تعالی کا قول ہے: **وَ قَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَ إِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ** [ابراهیم: ۴۶] (ترجمہ: اوران لوگوں نے اپنی چال چلی تھی، اور اللہ کو ان کی چالوں کا پتہ تھا، اگر چہ ان کی سازشیں ایسی تھیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں)۔

۲۔ رب تعالی کے نزدیک نبی ﷺ کے مقام ومرتبہ کی عظمت جس نے انہیں اس دین سے مشرف کیا، اسے تمام ادیان پر ظاہر وغالب بنایا، اور آپ کے بعد آپ کی امت کو مشرف کیا۔

۳۔ رسالتِ محمدیہ کا کمال اور قیامت تک انسانیت کو سعادت سے بہرہ ور کرنے کی اس کی صلاحیت کا اظہار، اس کے ہر طرح سے محفوظ ہونے اور تمام ادیان پر اس کے غالب ہونے کی بنا پر۔

---

972. مسلم، (137/1)، (ح156).

973. دیکھئے: خصائص النبی محمد ﷺ التی انفرد بھا عن سائر الأنبیاء، (ص 122,121).

۴۔اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ محمد ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، اور تمام عالم کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کیا ہے۔

۵۔رسالتِ محمدیہ سابقہ تمام رسالتوں کے لئے ناسخ ہے اوران پر حاوی وغالب ہے۔

۶۔محمد ﷺ کے دین کا تمام ادیان پر اظہار اللہ تعالی کی طرف سے کتاب وسنت کی شکل میں موجود اپنی وحی کی حفاظت کے ساتھ بالکل منسجم و متفق ہے، اور یہ اس دینِ قویم پر کامل اطمینان ویقین کا باعث ہے۔

۷۔تمام لوگوں پر اللہ تعالی کی بے پایاں رحمت وشفقت کہ اس نے ان کے لئے دینِ قویم کو محفوظ بنایا اور حجت وبیان کے ذریعہ قیامت تک اس کو ظاہر وغالب بنایا۔

۸۔مسلمانوں کو دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی روشنی پھیلانے پر آمادہ کرنا، کیونکہ یہی دین غالب، باقی رہنے والا اور اتباع کا زیادہ حقدار ہے، جیسا کہ اس امت کے اوائل یعنی صحابہ وتابعین نے اس کو پھیلانے کے لئے جدوجہد کیا۔

۹۔جس طرح امتِ اسلامیہ نے علمی ومعنوی ظہور کے اسباب وذرائع کو حاصل کیا اس طرح وہ ماڈی ظہور کے اسباب وذرائع کے حصول پر قادر ہوسکتی ہے، بشرطیکہ وہ اپنے عمل کو اللہ کے لئے خالص کرلیں، ہر پیمانے پر اس کے لئے آمادہ وتیار ہوں، اور دین کی خدمت اور اس کی نشر واشاعت کے لئے اپنے تمام ممکنہ وسائل کو بروئے کار لائیں۔

۱۰۔کفار کے ظہور، ان کے ماڈی غلبہ اور تمام مادی اسباب پر ان کے قبضہ کے باوجود دینِ اسلام حجت و بیان کے ذریعہ ظاہر رہے گا، نیز ان صفات کی بنا پر ظاہر رہے گا جو لوگوں کی فطرت اور ان کی ماڈی ومعنوی ضروریات کی موافق ہیں، جن کا اہلِ یورپ کی ایک بڑی تعداد کے حلقہ بگوش اسلام ہونے میں بڑا کردار رہا ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۞ یورپ میں اسلام کی نشر واشاعت سے متعلق اعداد وشمار:

ذیل میں نئے اعداد وشمار پیش کئے جارہے ہیں 974 جو یورپ میں بڑے پیمانے پر اسلام کی اشاعت کی

974. دیکھئے: ویب سائٹ ھدی الاسلام، بتاریخ 2010/4/15ء۔

طرف انگشت نمائی کرتے ہیں، اللہ تعالی کے اس قول کے مصداق: (**يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ٭ هُوَالَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ**) [الصف :۸،۹]

(ترجمہ: وہ اللہ کے نور کو اپنے منھ سے بجھانا چاہتے ہیں، اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچانا چاہتا ہے، اگر چہ کفار ایسا نہیں چاہتے ہیں، وہ اللہ کی ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا ہے، تا کہ اسے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے، اگر چہ مشرکین ایسا نہیں چاہتے ہیں)۔

ا۔ جرمنی کے سرکاری اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ سال 2006ء، 2007ء اور 2008ء کے درمیان ہر دو گھنٹہ کے اندر ایک آدمی اسلام میں داخل ہوتا رہا ہے، اور یہ حکومت کے اپنے اعداد وشمار ہیں، اسلامی مراکز کے اعداد وشمار کے مطابق مسلمان ہونے والوں کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔

۲۔ اکسفورڈ یونیورسٹی میں جغرافیا کے استاد ''سیری تی بیٹش'' نے سال 2015 تک مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کی امید ظاہر کی ہے، جب کہ ان کے بقول غیر مسلموں کی تعداد میں 3 سے 5% تک کی کمی واقع ہوگی، اور اسی چیز نے ''ویٹور یوفورمیڈا'' کو مارچ 2008 میں یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ: (مسلمانوں کی تعداد کیتھولیک لوگوں کی تعداد سے بڑھ گئی، اور اسلام کے ماننے والے دنیا میں زیادہ ہوگئی...اور تاریخ میں پہلی بار ہم لوگ سب سے آگے نہیں رہے)۔

۳۔ فرانس کی وزارتِ داخلہ کے ایک جائزہ میں کہا گیا ہے: ہر سال 3600 فرانسیسی اسلام میں داخل ہوتے ہیں، اور جائزہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فرانسیسی مسلمان اسلامی احکام کی زیادہ پابندی کرنے والے ہیں، نیز ان میں جرائم کا گراف بھی بہت کم ہے، اور وہاں کے اعدد وشمار بتاتے ہیں کہ فرانس میں 2300 مساجد اور ۷ ملین مسلمان ہیں، اور فرانس میں اسلام میسیحیت کے بعد دوسرا دین بننے والا ہے...اور امید کی جاتی ہے کہ مسلمان فرانس کی ایک چوتھائی آبادی بن جائیں گے۔

۴۔ بلجیم کے اخبار ''لا لیبر بلجیک'' کے ایک جائزہ کے مطابق بروکسل کی ایک تہائی آبادی فی الحال مسلمان ہے۔

۵۔ڈینمارک کی اخبار ''پولیٹیشین'' کی تحقیق کے مطابق ڈنمارک میں اسلام کو گلے لگانے والوں کی تعداد میں ہر روز اضافہ ہورہا ہے، اور کم از کم ایک ڈینمارکی ہر روز ضرور مسلمان ہوتا ہے، نیز نبی ﷺ کی قابل اعتراض تصویروں کی اشاعت کے بعد سے لے کر اب تک 5000 ڈینمارکی اسلام کو اختیار کر چکے ہیں۔

۶۔امستردام کے کتب خانے شہادت دیتے ہیں کہ نبی ﷺ کے کارٹونوں کی اشاعت کے بعد ہالینڈیوں نے اتنی بڑی تعداد میں مترجم الکٹرانک مصاحف کی خریداری شروع کردی کہ بازار سے سارے مصاحف ختم ہوگئے۔

۷۔برطانیہ نے اسلامی دہشت گردی کی اصطلاح پر اور اس کی طرف دہشت گردی کو منسوب کئے جانے پر روک لگادیا ہے، نیز تعدد زوجات کا اعتراف کرتے ہوئے میراث کے قوانین میں تبدیلی کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ میں شریعتِ اسلامیہ نے بہت سارے لوگوں کو اپنی طرف منعطف کیا ہے، اور اس سے کانٹر بری کلیسا کے سب سے بڑے پوپ ''روان ولیمز'' کی اس اپیل کی تائید ہوتی ہے کہ برطانیہ کے اندر اسلامی شریعت کے بعض احکام کو نافذ کیا جائے، کیونکہ اس کے سوا اور کوئی گنجائش نہیں ہے، انہوں نے 2008 میں بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا تھا: برطانوی معاشرہ کی شیرازہ بندی کے لئے شریعتِ اسلامیہ کی تطبیق کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔اور برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد ڈھائی ملین ہے.. جب کہ امریکہ میں ان کی تعداد 7 ملین سے متجاوز ہے۔

۸۔سویڈن کے مسلم نوجوانوں کے ایک وفد نے یہ اعلان کیا ہے کہ نبی ﷺ کی قابل اعتراض تصویروں کی اشاعت کے بعد وہاں کے ۱۵۰۰۰ لوگوں نے اسلام کو اختیار کیا جن کی عمریں ۲۰ سے لے کر ۴۰ سال کے درمیان ہیں۔اسی طرح سویڈن کی راجدھانی میں واقع اسلامی مرکز کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سویڈن میں مسیحیت کے بعد اسلام کو دوسرا درجہ حاصل ہو چکا ہے اور اس نے وہاں کی حکومت کو اس کا اعتراف کرنے اور اس کو مدارس میں پڑھانے پر مجبور کردیا ہے، سویڈن میں مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار سے زائد ہے، اور اہم بات یہ ہے کہ اسلام تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے باوجودیکہ اس کے لئے اعلان وتشہیر کا مناسب انتظام نہیں ہے، خاص کر اسلام کالجوں اور یونیورسٹیوں سے منسلک عورتوں میں پھیل رہا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام عورتوں کا

احترام کرتا ہے اور اسے قابل قدر حیثیت عطا کرتا ہے۔

۹۔ روس میں مسلمانوں کی تعداد ۲۳ ملین ہے، یعنی مجموعی آبادی کا ۲۰٪، اور برطانوی اخبار ''اکنومسٹ'' کی امید کے مطابق چھ سالوں کے بعد روس کی مسلح افواج میں مسلمانوں کی اکثریت ہوجائے گی، اور جولائی ۲۰۰۸ء میں روس کے اخبار برافدا نے ایک مضمون شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا: ''۲۰۵۰ء تک اسلام روس کا پہلا دین ہوجائے گا''۔

اس طرح ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دین جس کے خلاف اس کے دشمن ہمیشہ سازشیں کرتے رہے ہیں، اس کو مٹانے کے لئے تمام ہتھکنڈے استعمال کرتے رہے، فوجوں کی تیاری کی، کڑوروں نہیں بلکہ اربوں روپے خرچ کئے، وہی دین بغیر کسی دعوت اور بغیر جہد فراواں کے ان کے گھر تک پہنچ گیا محض اپنے وضوح اور قوت کی بنا پر اور اس حق کے موافق ہونے کی بنا پر جس کو اللہ تعالی نے فطرتِ سلیمہ میں ودیعت کر رکھی ہے۔

یہ تمام اعداد وشمار جو سرکاری اداروں اور محکموں کی طرف سے صادر ہوئے ہیں، تمام ادیان پر اللہ کے دین کے اظہار وغلبہ کی دلیل ہیں جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے، اور اللہ تعالی کو اپنا وعدہ بہر حال پورا کرنا ہے۔

چوتھا مبحث

انسانی حقوق کی حفاظت

انسان اللہ تعالی کی آیتِ باہرہ ہے، اس میں اس نے ایسے ایسے معجزات اور دلائل وآیات ودیعت کررکھے ہیں جن کے اندر غور کرنے پر عقل حیران رہ جاتی ہے، بلکہ انہیں دیکھ کر خود انسان کو حیرانی ہونی ہوتی ہے، اپنے مظہر کے اعتبار سے یہ ضعیف وجود اللہ تعالی کے نزدیک نہایت کریم ہے، اس نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا، فرشتوں سے اسے سجدہ کروایا، کائنات اور اس کی ساری چیزوں کو اس کے لئے مسخر کیا، اس کے لئے اس کے منہج حیات کو واضح کردیا جو دنیا وآخرت میں اس کی سعادت کا ضامن ہے، اسی کی وجہ سے اللہ تعالی نے جنت وجہنم کو پیدا کیا، اور قیامت کے روز جزاء وسزا کو متعین فرمائے گا۔

اللہ تعالی کے نزدیک معزز اس انسان کے لئے اس نے کچھ حقوق مقرر کئے ہیں، جن کی طرف اس نے اپنی کتاب میں اور اپنے نبی کی سنت میں اشارہ کیا ہے، ان کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، اور ان حقوق کی تقرری اس دین کی طرف نسبت رکھنے والے ہر شخص کے لئے باعث افتخار واعتزاز ہے، سنتِ نبویہ نے انسانی حقوق کے اصول و مبادی کو مستحکم کیا ہے اور مختلف نصوص کے ذریعہ جو کہ نبی ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات اور آپ کی سیرتِ عطرہ کی شکل میں ہیں ان حقوق کی حفاظت کی ہے۔

حقوق انسانی کا احترام کئے جانے کو شریعت کے کلیات اور اس کے مقاصد عامہ وخاصہ نے بہت زیادہ اہمیت دیا ہے، اور اس کے لئے اللہ تعالی کا یہ قول ہی بس کرتا ہے: (**وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَ حَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَ فَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا** [الإسراء : ۷۰] (ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور ان کو بحر و بر میں سفر کے لئے سواری دی ہے، اور پاکیزہ چیزیں بطور روزی عطا کی ہے، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اُن کو فضیلت دی ہے)۔

آیتِ کریمہ نے پانچ احسانات کا ذکر کیا ہے: تکریم، خشکی میں سواری کی تسخیر، سمندر میں سواری کی تسخیر،

پاک روزی، اور بہت سی مخلوقات پر فضیلت۔

نبی ﷺ حقوق انسانی کے بانی ہیں:

اللہ تعالی نے انسانوں کو پیدا کیا اور انہیں اصل کے اعتبار سے کنگھی کے دانتوں کی طرح برابر بنایا، نسب کے لحاظ سے ان کے حقوق وحریات میں کسی طرح کا فرق نہیں کیا، جہاں تک انہیں مختلف رنگوں اور زبانوں کا حامل بنانے اور مختلف شعوب وقبائل میں انہیں بانٹنے کی بات ہے تو یہ باہمی تعارف کو آسان بنانے، زندگی کے معاملات کی تنظیم کرنے اور مصالح حیات کی رعایت کرنے کے غرض سے ہے، اس سلسلے میں اللہ تعالی کا قول ہے:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ) [الحجرات:١٣] (ترجمہ:)

اس معنی کی تائید نبی ﷺ بھی فرماتے ہیں جنہوں نے کامل ومحکم طریقہ پر انسانی حقوق وآزادی کی ایسی بنیاد قائم کی جس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، وہ بھی ایسے وقت میں جب کہ انسانیت ظالم بادشاہوں اور مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے جابر حکمرانوں کے ظلم وجبر کے نیچے کراہ رہی تھی، نیز آپ نے ایام تشریق کے وسط میں ایک بہت بڑے مجمع کے اندر لوگوں کے درمیان عام مساوات کے اصول کا اعلان فرمایا، چنانچہ آپ نے فرمایا:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ ، وَ إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى)975.

(یعنی: اے لوگو! یقیناً تمہارا رب ایک ہے، اور تمہارا باپ ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت حاصل ہے، اور نہ کسی سرخ کو سیاہ کے اوپر، اور نہ کسی سیاہ کو کسی سرخ کے اوپر، مگر تقوی کی بنیاد پر)۔

نبی ﷺ کی بعثت سے قبل حقوق انسانی کی پامالی:

عیسی علیہ السلام کے زمانے کے بعد چھ صدیوں تک انسانی دنیا اپنے بنیادی حقوق اور آزادی کی پامالی کی مصیبت کو جھیل رہی تھی، اس وقت لوگوں کے درمیان جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی، ظلم آخری حد کو پار کر چکا تھا

975. مسند احمد، (411/5)، (ح 23536). اور البانی نے اس کو (السلسلة الصحيحة)، (203/6)، (ح 2700) میں صحیح کہا ہے.

،اسی تاریکی میں ایک نئی صبح نمودار ہوئی،انسانیت کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا،اور ساتویں صدی کے آغاز میں انسانی زندگی کا ایک جدید اور روشن صفحہ شروع ہوا،سنتِ نبویہ۔علی صاحبھا افضل الصلاۃ والسلام۔کی روشنی سے روئے زمین جگمگا اٹھی،تاریکی وظلم،سرکشی وعناد،اور یاس وحرمان کے طویل دور کے بعد انسانیت کو اس کے مسلوبہ حقوق اور اس کی گمشدہ آزادی ملنی شروع ہوئی،اس کا آغاز نبی ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی ہوگیا،اور یہ چیز ظالموں اور جابروں کے سروں پر خاکستر کردینے والی بجلی بن گری،جب کہ وہ انسانیت کی خشک زمین کے لئے بدلی وبارش اور نسیم صبح بن کر نازل ہوئی،جس سے اس کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں،اس کے پھول کھل اٹھے،انسانی دنیا معطر ہواؤں سے عطر بیز ہوگئی،خوشحالی اور امن وامان کا دور دورہ ہوگیا،اور لوگ سنتِ نبویہ کے باغہائے وسیع و عریض کے سایوں سے محظوظ ہونے لگے976.

اسی چیز نے(Will.Durant) جیسے بعض منصف باحثین کو یہ کہنے پر مجبور کردیا کہ:(اگر ہم لوگوں میں اثر انداز ہونے والے کسی عظیم شخص کی عظمت کا جائزہ لیں تو ہم کہیں گے کہ محمد[ﷺ] تاریخ کے عظماء میں سے ایک عظیم ہیں977،انہوں نے اس قوم کے روحانی واخلاقی معیار کو بلند کرنے کا بیڑہ اُٹھایا تھا جس کو فضا کی گرمی اور صحراء کی خشکی نے وحشیت کی تاریکی میں گرادیا تھا،اور وہ اس مقصد کو حاصل کرنے میں اس قدر کامیاب ہوئے کہ پوری تاریخ میں کسی بھی مصلح کو اتنی کامیابی نہیں ملی)978.

سنتِ نبویہ میں ''حقوق انسانی'' کی حفاظت کے مظاہر:

سنتِ نبویہ میں انصاف کی نظر سے دیکھنے والے کو محسوس ہوگا کہ انسانی حقوق کے اثبات اور ان کی حفاظت و حمایت اور ان کی اہمیت کے اعتراف میں وہ ایک منفرد اور کامل مثال ہے،بلکہ خود نبی ﷺ اس سلسلے میں منفرد مثال اور لائق اتباع ہیں،اس لئے کہ آپ کی شخصیت کے اندر آپ کی حیاتِ مبارکہ کے تمام گوشوں میں جملہ اعلی انسانی اقدار سمٹ آئے تھے،آپ کے اقوال وافعال میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا تھا،آپ نے کبھی لوگوں کے حقوق کو ہضم نہیں کیا،اور نہ مسلمانوں،ذمیوں اور معاہدین وغیرہم میں سے کسی کی آزادی کو سلب کیا،ایسا کر بھی کیسے تھے

976. دیکھئے: عنایۃ السنۃ النبویۃ بحقوق الانسان،سید نور بن سید علی النکھوری(ص16).

977. بلکہ نبی ﷺ۔میرے ماں باپ آپ پر قربان۔عظماء تاریخ میں سب سے عظیم ہیں.

978. قصۃ الحضارۃ،(47/13).

جب کہ آپ صاحبِ خلقِ عظیم اور صاحبِ دینِ قویم تھے۔

بلکہ انسانی تاریخ نے۔اپنی طویل ترین تاریخ میں۔حقوقِ انسانی کی تطبیق وتثبیت میں نہ تو کسی رسول کو، نہ کسی نبی کو، نہ کسی مصلح کو اور نہ کسی بادشاہ کو ہمارے نبی وسردار محمد ﷺ سے زیادہ کامل پایا، اسی طرح تاریخ کو ابھی سے لے کر قیامت تک کسی ایسی قوم کا علم نہیں ہوگا جس نے انسانی حقوق کا اہتمام ولحاظ اس طرح کیا ہوگا جس طرح نبی ﷺ کی امت نے کیا ہے، یہاں گفتگو سنتِ نبویہ میں ''انسانی حقوق کی حفاظت'' کے اہم مظاہر سے متعلق ہے:

اول: انسان کو غلامی کی زنجیر سے آزاد کرنا:

نبی ﷺ کی بعثت کے بعد اسلام افقِ عالم پر نمودار ہوا تو اس وقت غلامی کا نظام پوری قوت کے ساتھ قائم تھا، غلاموں کی جماعتیں کالے، رومی اور فرس جیسی مختلف ومتعدد نسل اور قوم کے لوگوں پر مشتمل تھی، قبائلی جنگوں کے وقت بطور غنیمت انہیں غلام بنا لئے جانے کا کھلم کھلا رواج تھا، فقر وفاقہ نے بھی غلاموں کی خرید وفروخت کے رواج میں کردار ادا کیا تھا، یہی سماجی منظر نبی ﷺ کی بعثت کے وقت پورے عالم پر چھایا ہوا تھا۔

اسلام نے غلامی کا آغاز نہیں کیا۔جیسا کہ بعض مستشرقین کا دعوی ہے۔بلکہ جب اسلام آیا تو اس وقت غلامی کا نظام قائم تھا، اس نے اپنے احکام وآداب کے ذریعہ اس نظام کی بیخ کنی شروع کردی، اس کے سوتوں کو خشک کرنے لگا، نئے غلاموں کی تعداد میں کمی لانے کا عمل شروع کردیا،، پھر اس نے اپنے متعدد احکام کے ذریعہ غلامی کی چکی میں پس رہے غلاموں کی آزادی کے لئے کام کرنا شروع کیا، پھر اس نے ان غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آنے کی ترغیب دی، ایسا کر کے اس نے حقیقت سے ٹکرانے سے گریز کیا اور ان مشاکل کو ہوا دینے سے اجتناب کیا جو یکایک اسے کالعدم قرار دینے کی صورت میں پیدا ہو سکتے تھے، بلکہ اس نے اسے حل کرنے کے حقیقی طریقوں کو اپنایا، جن کی تطبیق کے بعد غلامی کا رواج کمزور ہوا بلکہ مکمل طور پر ختم ہونے کے قریب ہوگیا، اور اس نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی اس وقت سنجیدہ کوشش کی جب اس نے انسانوں کو غلامی سے آزاد کرنے اور کم از کم ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی دعوت دی، ان پر ظلم کرنے اور ان کے حقوق کو سلب کرنے سے روکا، اور اس کے لئے متعدد وسائل اختیار کیے، جن میں سے بعض یہ ہیں:

پہلا وسیلہ: غلاموں کوآزاد کرنے کی ترغیب:

سنتِ نبویہ نے گردنوں کوآزاد کرنے کی ترغیب دی ہے اوراسے جہنم کی آگ سے بچانے والاعمل قرار دیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ**)979 ۔(ترجمہ: جس بھی آدمی نے کسی مسلمان آدمی کوآزاد کیا تو اللہ تعالی اس کے ہر ہر عضو کے بدلے اس کے ایک ایک عضو کو جہنم سے آزاد کرے گا)۔سعید بن مرجانہ کہتے ہیں: میں علی بن حسین کے پاس پہنچا تو علی بن حسین رضی اللہ عنہما اپنے اس غلام کی طرف مڑے جس کا عبداللہ بن جعفر نے دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دیا تھااوراس کوآزاد کر دیا تھا۔مہلب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس حدیث کے اندرآزاد کرنے کی فضیلت پائی جارہی ہے اوراس کا بیان کہ غلام کوآزاد کرنا بڑےاور جہنم سے نجات دلانے والے اعمال میں سے ہے،اس میں یہ بھی ہے کہ بدلہ عمل کے جنس سے ہوتا ہے اسی لئے غلام کوآزاد کرنے کا بدلہ جہنم سے آزادی ہے)980.

اس حدیث کے اندرایک دلچسپ لطیفہ بھی پایا جاتا ہےاوروہ یہ کہ جب اس نے اپنے بھائی کوغلامی سے آزاد کیا تو گویااس نے اسے زندگی عطا کیا،لہذا بدلہ عمل کے جنس سے قرار پایا، گویا نبی ﷺ نے اس کے لئے جنت میں بقاوخلوداور جہنم سے محفوظ ہونے کی ضمانت لی ہے۔

اور غلاموں کوبخشی جانے والی آزادی کا زندگی کے برابر ہونے کی ایک دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کوئی لڑکا اپنے والد کا حق ادانہیں کرسکتا الا یہ کہ وہ اپنے والد کوغلام پائے توان کوخرید لےاور پھرآزاد کردے)981۔اس حدیث کے مطابق ایک ہی شئ ہے جس کے ذریعہ اولاد اپنے والدین کا بدلہ چکاسکتی ہےاوروہ یہ کہ وہ دونوں غلام ہوں تو وہ انہیں آزاد کرائے ،اگران دونوں نے پہلے اسے زندگی عطا کی تو اس نے انہیں غلامی سے آزاد کرکےان کی زندگی واپس کردی،اس سے دونوں برابر ہوگئے، اس حدیث سے سنتِ نبویہ کی آزادی سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اس کوزندگی کا معادل قرار دیا ہے کہ جس نے اپنی آزادی کھودی اس نے اپنی زندگی کھودی۔

979. البخاری،(892/2)،(ح2381)؛ومسلم،(1148/2)،(ح1509).

980. شرح صحیح البخاری،ابن بطال(34/7).

981. مسلم،(643/2)،(ح3872).

دوسرا وسیلہ: غلام کو طمانچہ گھونسا مارنے کا کفارہ اس کی آزادی کو بنایا گیا ہے:

زاذان سے مروی ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کو بلایا، پس انہوں نے اس کی پیٹھ پر ضرب کے آثار دیکھے، انہوں نے اس سے کہا: میں نے مارا ہے؟ اس نے کہا: نہیں، انہوں نے کہا: جاؤ تم آزاد ہو۔ راوی کہتے ہیں: پھر انہوں نے زمین سے کوئی چیز اٹھائی اور کہا: اس میں اس حقیر شی کے برابر بھی اجر نہیں ہے 982، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: (جس نے اپنے غلام کو ایسے فعل کے پاداش میں مارا جس کو اس نے کیا نہیں تھا 983، یا اس کو طمانچہ مارا، تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے) 984.

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس حدیث کے اندر غلاموں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے، ان کے ساتھ بہتر سلوک کرنے، اور ان کو ایذا نہ پہنچانے کا حکم ہے، اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اس کی وجہ سے غلام کو آزاد کرنا واجب نہیں ہے بلکہ مندوب ہے اس امید کے ساتھ کہ آزادی اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی اور اس کے ظلم کا ازالہ ہو جائے گا) 985.

تیسرا وسیلہ: آزاد لوگوں کو ظلم و جبر کے ساتھ غلام بنانے کی ممانعت:

جس نے آزاد کو غلام بنایا اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالی اس کا مقابل وحریف ہو، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (اللہ تعالی نے کہا ہے: تین لوگ ہیں جن کا میں قیامت کے روز مقابل وحریف ہوں گا: ایک اس شخص کا جس نے مجھ سے عہد و پیمان کیا پھر اسے توڑ دیا، نیز اس کا جس نے کسی آزاد کو فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی، نیز اس کا جس نے کسی مزدور کو رکھا تو اس سے پورا پورا کام لیا لیکن اس کو اس کی مزدوری نہیں دی) 986.

---

982. ابن عمر کے کلام کا مطلب ہے: اس کی آزادی میں تبرعاً آزاد کرنے والے کے اجر کی طرح اجر نہیں ہے، بلکہ اس کی آزادی اس کو مارے جانے کا کفارہ ہے۔

983. (**حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ**) : یعنی: اس جرم کے بدلہ اور سزا میں جس کو اس نے کیا ہی نہیں ہے. دیکھئے: شرح النووی، (128/11).

984. مسلم، (1279/3)، (ح1657).

985. شرح النووی علی صحیح مسلم، (127/11).

986. البخاری، (776/2)، (ح2114).

ابن بطال رحمہ اللہ نے کہا ہے: (آزاد کو فروخت کرنے کا گناہ بڑا اس لئے ہے کیونکہ مسلمان حرمت اور ذمہ میں برابر ہیں، اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی مدد کرے، اس پر ظلم نہ کرے، وہ اس کی خیر خواہی کرے اسے دشمن کے حوالے نہ کرے، اور اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہوسکتا کہ وہ اسے غلام بنائے یا اس کو غلامی کی طرف دھکیلے، اور جس نے آزاد آدمی کو فروخت کیا اس نے اس چیز میں تصرف کرنے سے اس کو روکا جس کو اللہ تعالی نے اس کے لئے حلال کیا تھا، اس کو ذلت و رسوائی کی حالت میں رہنے پر مجبور کیا، پس یہ بہت بڑا گناہ ہے، اس کی وجہ سے اللہ تعالی اپنے بندوں کے لئے لڑے گا)987.

یہ غلامی کے چشموں کو بند کرنے اور ابتداءً غلامی میں داخل ہونے والوں کی تعداد کو کم کرنے کے باب سے ہے۔

چوتھا وسیلہ: بہت سارے حقوق میں غلاموں اور غیر غلاموں کے درمیان مساوات قائم کرنا:

نبی ﷺ نے کئی مقامات میں غلام کے ساتھ بہتر معاملہ کرنے کی نصیحت کی ہے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کو واجب قرار دیا ہے، اور اس پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے جس کے دلائل یہ ہیں:

أ۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (تم میں کا کوئی (اپنے غلام سے) یہ نہ کہے: اپنے رب (یعنی سید) کو کھلاؤ، اپنے رب کو وضو کراؤ، اپنے رب کو پانی پلاؤ، بلکہ اسے میرے سردار، میرے آقا کہنا چاہئے، اور تم میں سے کوئی: میرا غلام، میری لونڈی نہ کہے، بلکہ وہ کہے: میرا خادم، میری خادمہ اور میرا غلام)988.

ب۔ اور نبی ﷺ کا قول ہے: تم میں کا کوئی یہ نہ کہے: میرا غلام، تم سب لوگ اللہ کے غلام ہو، تم کہو: میرا خادم، اور غلام یہ نہ کہے: میرا رب، بلکہ وہ کہے: میرے سردار)989.

اس میں اس کمزور جماعت کے احساسات کی رعایت اور ان خاطر داری پائی جاتی ہے ان کے ساتھ کلام میں لطف و احسان اختیار کرکے اور پکارتے وقت ان سے نرمی کا اظہار کرکے، اس کے علاوہ اس میں یہ بھی ہے کہ کمزور طبقہ کے ساتھ تعامل میں ان کے احساسات و جذبات کا پاس و لحاظ رکھنا اسلامی آداب میں سے ایک

987. شرح صحیح البخاری، ابن بطال (349/6).

988. البخاری، (901/2)، (ح2414)؛ ومسلم، (1765/4)، (ح2249).

989. مسلم، (1764/4)، (ح2249).

نہایت عظیم ادب ہے۔

دوم: معتقدات کی آزادی کی ضمانت:

انسانیت نے اپنی طویل تاریخ میں سب سے زیادہ جس گھناؤنی چیز کا تجربہ کیا ہے وہ مذہبی ظلم وزیادتی اور لوگوں کو اپنے معتقدات کو چھوڑنے پر مجبور کرنا ہے، چنانچہ اعتقاد سے دست بردار ہونے کے لئے لوگوں پر ہر طرح کے وحشیانہ طریقے اپنائے گئے، جب مکہ میں اسلام کا ظہور ہوا تو مشرکین نے کمزور مسلمانوں کو ان کے دین وعقیدہ کی وجہ سے ستانا اور عذاب میں مبتلا کرنا شروع کر دیا، اور جب مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم وزیادتی حد کو پار کرنے لگتی تو وہ نبی ﷺ سے اس کی شکایت کرتے اور اللہ سے ان کے لئے مدد طلب کرنے کی درخواست کرتے ، اور آپ ان پر سابقہ قوموں کے قصے بیان کر کے قریش کی طرف سے ڈھائے جانے والے ظلم کو ہلکا کرنے کی کوشش فرماتے ، اور مؤمنین کو اس دردناک عذب پر صبر کرنے کی تلقین کرتے 990.

اسلام باوجودیکہ اس کے ماننے والوں کو ہر طرح کے جبر وقہر، تعذیب وایذاء، اور اجبار واکراہ کا سامنا کرنا پڑا، انہیں قتل وبرباد کیا گیا اور ترک وطن پر مجبور کیا گیا لیکن اس سب کے باوجود اس نے اعتقاد کی آزادی کو سب کا حق قرار دیا، کسی کو اسے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، اپنے دشمنوں کے ساتھ ویسا سلوک نہیں کیا جیسا انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا، بلکہ اعتقاد کی آزادی کو قیامت تک تلاوت کئے جانے والے قرآن کے ذریعہ سارے لوگوں کا بنیادی حق قرار دیا، اللہ تعالی نے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ دین قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں ہے: (لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّين قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الغَيِّ) [البقرة : ٢٥٦] (ترجمہ: دین میں داخل ہونے کے لئے کسی کو مجبور نہ کیا جائے، ہدایت گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو چکی ہے)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اللہ تعالی فرماتا ہے: [لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّين] یعنی: کسی کو بھی دین اسلام میں داخل ہونے پر مجبور نہ کرو، اس لئے کہ وہ بالکل واضح اور اس کے دلائل و براہین روز روشن کی طرح عیاں ہو چکے ہیں، کسی کو اس میں داخل ہونے کے لئے مجبور کرنے کی ضرورت نہیں ہے

990. دیکھئے: حقوق الإنسان في ضوء الحديث النبوي، د. يسرى محمد ارشد ص(349/6).

، بلکہ جس کو اللہ ہدایت دے گا، اس کے سینے کو کھول دے گا اور اس کی نگاہ کو منور کر دے گا اور وہ اس میں بصیرت کے ساتھ داخل ہوگا، لیکن جس کے دل کو اللہ تعالی نے اندھا بنا دیا، اور اس کی آنکھ و کان پر مہر لگا دیا، تو اس کا جبراً و قہراً دین میں داخل ہونا اس کے لئے کچھ مفید نہ ہوگا)991.

نبی ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا جس میں اعتقاد کی آزادی کی ضمانت دی گئی تھی ، اور آپ نے اس میں رواداری کے ساتھ زندگی گذارنے اور مل جل کر رہنے کی بات کہی تھی)992.

ذمیوں کے ساتھ نبی ﷺ اور آپ کے خلفاء کے معاہدے اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ انہیں ہر طرح کی آزادی خاص کر مذہبی آزادی فراہم تھی، اور اس کی واضح ترین مثال نجران کے نصاریٰ کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ ہے 993.

اس کی ایک مثال وہ روایت ہے جس کو ہشام نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: ہشام بن حکیم بن حزام کا گذر شام میں بعض نبطیوں کے پاس سے ہوا جن کو دھوپ میں کھڑا کرایا گیا تھا، انہوں نے پوچھا: ان کا کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا: انہیں جزیہ کو لے کر قید کیا گیا ہے، ہشام نے کہا: میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: (**إِنَّ اللَّهَ يُعَذِّبُ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا**)994۔ (اللہ تعالی ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں)

اکراہ کسی عقیدہ کو استوار نہیں کرتا، اس لئے کہ اکراہ کے ذریعہ کسی عقیدے کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہے، اور اس لئے کہ عقیدہ ایک روحانی عنصر ہوتا ہے جس تک اکراہ کے پہنچنے کا کوئی سوال نہیں ہے، اسی وجہ سے اسلام نے اکراہ کو قطعی طور پر حرام ٹھہرایا ہے 995.

---

991. تفسیر ابن کثیر، (311/1).

992. دیکھئے: السیرۃ النبویۃ، لابن ھشام (33/3).

993. دیکھئے: السیرۃ النبویۃ، لابن ھشام (112/3).

994. مسلم، (2018/4)، (ح2613).

995. دیکھئے: حقوق الإنسان فی الحدیث النبوی، (ص63).

سوم: لوگوں کے درمیان عدل قائم کرنا:

سنتِ نبویہ میں عدل کی صورتیں:

سنتِ نبویہ میں عدل کی صورتیں مختلف اور متداخل ومتکامل ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ پوری شریعت بشمول کتاب وسنت عدل پر مبنی ہے، اس لئے کہ جس نے اس کی تشکیل کی ہے اپنے بندوں کے لئے اسے مقرر کیا ہے وہ سب سے بڑا عادل ہے، اور اللہ سبحانہ عبث وظلم سے منزہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے: (**يَا عِبَادِي ! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي ، وَ جَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا ، فَلَا تَظَالَمُوا**) 996۔اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور تمہارے درمیان اس کو حرام ٹھہرایا ہے لہذا تم لوگ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

اور سنتِ نبویہ کے اندر عدل کی صورتوں میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔جس نے نیک عمل کیا تو اپنے لئے اور بُرا کیا تو ذمہ داری اسی پر ہوگی، یہ غایت درجہ کا عدل ہے، اس کی شہادت نبی ﷺ کا یہ قول دے رہا ہے: (...اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے رحیم لوگوں پر رحم فرماتا ہے)997، نیز نبی ﷺ کا قول ہے: (اللہ تعالی ان لوگوں کو عذاب دے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب دیتے ہیں)998 یہ اللہ تعالی کا غایت درجہ کا عدل ہے کہ اس نے انسان کو خیر وشر کے درمیان اختیار کی آزادی دی ہے، لہذا وہ خود اللہ تعالی کے سامنے جوابدہ ہوگا اور اگر اس نے شر کا راستہ اختیار کیا تو اسے اپنے آپ پر ملامت کرنا چاہئے، اس کی تاکید نبی ﷺ نے اپنے اس قول میں کی ہے: (...اور عنقریب تم لوگ اپنے رب سے ملو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا...)999.

۲۔کسی بھی آدمی کے اوپر زیادتی سے باز رہنا چاہے وہ غیر مسلم کیوں نہ ہو، جیسے کہ معاہد اور ذمی ہو، بلکہ نبی ﷺ نے اس بارے میں فرمایا ہے: (**أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، أَوْ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ**

---

996. مسلم، (1994/4)، (ح2577).

997. البخاری، (431/1)، (ح1224)؛ ومسلم، (635/2)، (ح923).

998. مسلم، (2018/4)، (ح2613).

999. البخاری، (1599/4)، (ح4144)؛ ومسلم، (1305/3)، (ح1679).

أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)1000۔(یعنی: خبردار! جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا، یا اس کا حق دبایا، یا اس کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف بنایا، یا اس سے اس کی رضامندی کے بغیر کچھ لیا، تو میں قیامت کے روز اس کی طرف سے لڑنے والا ہوں گا)۔ اس لئے کہ لوگ حقوق میں برابر ہیں، چنانچہ ان کا مسلمان نہ ہونا کچھ مسلمانوں کے لئے ان پر ظلم وزیادتی کرنے کو ان کے حق میں کمی کرنے کو یا ان کی طاقت سے زیادہ کام لینے کو درست قرار نہیں دیتا، بلکہ ان کے بنیادی، تحسینی اور کمالی حقوق میں سے بہت سے حقوق محفوظ و مامون ہیں۔

۳۔ لوگوں کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک ظلم کرنا، لوگوں کے درمیان عدل سے کام نہ لینا، اور مالدار و غنی طبقہ کی طرف سے غریب لوگوں پر ظلم کئے جانے کے باوجود اجتماعی طور پر جانبداری سے کام لینا اور اس سلسلے میں انصاف کو بالائے طاق رکھنا ہے، اس بارے میں نبی ﷺ کا قول ہے: (**إِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيْهِمْ الشَّرِيفُ ؛ تَرَكُوهُ ، وَ إِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الضَّعِيفُ ؛ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ ، وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ . لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ ؛ لَقَطَعْتُ يَدَهَا**)1001.

(یعنی: تم سے پہلے کے لوگوں کو اس چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے، اور جب ان میں سے کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا)۔

چہارم: اخلاقی اقدار کی حمایت:

انسانی حقوق کے وہ مظاہر جو صرف اسلام میں پائے جاتے ہیں اور جن کے اثبات میں وہ سب سے آگے ہے وہ ان اخلاقی قدروں کی حفاظت ہے جو انسان کو حیوانیت سے نکال کر انسانیت کے بلند و بالا مقام تک پہنچاتے ہیں، انسانی معاشرہ جب اخلاقی قدروں سے آزاد ہوجاتا ہے تو وہ حیوانی معاشرہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جس میں لوگ ہر طرح کے اقدار اور اخلاقی ضوابط سے بے نیاز ہو کر آپس میں برسرِ پیکار ہوتے ہیں، اور وہ معاشرہ جنگلی معاشرہ میں تبدیل ہوجاتا ہے، جس میں قوی ضعیف کو نگل جاتا ہے، اور یہ انسانیت کی الٰہی تکریم کے

1000. ابوداود، (170/3)، (ح3052). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (261/2)، (ح3052) میں صحیح کہا ہے.

1001. البخاری، (1566/4)، (ح4053) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (1315/3)، (ح1688).

بالکل منافی ہے، اسی وجہ سے سنت نبویہ نے اخلاق کی تائید وتوثیق اور اخلاقی قدروں کی حمایت کی ہے، اس بارے میں نبی ﷺ فرماتے ہیں: (**إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ**)1002۔(یعنی: میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں)۔اور ایک روایت میں ہے: (صالح اخلاق کی)1003۔ بلکہ جس بھی عمدہ اخلاق کا نام لیا جائے اس میں سے نبی ﷺ کو بھرپور حصہ ملا تھا، اور آپ کی سنت میں اس کا بہت بڑا حصہ پایا جاتا ہے 1004.

سنت کی طرف سے اخلاقی قدروں کی حمایت کے نمونے:

۱۔سعادت کے مفہوم کی تصحیح، اور لوگوں کو ان کے درمیان کی نعمتوں کی طرف توجہ دلانا جن سے وہ غافل ہیں، اس بارے میں نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ ، مُعَافًى فِي جَسَدِهِ ، عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ ، فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا**)۔ (یعنی: تم میں سے جو کوئی اپنے دِل کو لے کر مامون ہو گیا، اسے جسمانی طور پر صحت حاصل ہوگئی، اسے آج کے دن کی خوراک مِل گئی، تو گویا اس کے لئے دنیا جمع ہوگئی)1005.

یہاں نبی ﷺ نے لوگوں کو نعمتِ امن اور نعمتِ صحت کے پائے جانے، اور خوراک کی ضرورت پوری ہونے کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ سعادت کے حصول کا بنیادی عنصر ہے، یعنی نبی ﷺ لوگوں کے اندر عمدہ اخلاقی قدروں کی آبیاری کرنا چاہتے ہیں اور اس کے ذریعہ یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ سعادت مال کی کثرت، یا دنیوی زندگی کی چمک دمک اور اس کے لئے بھاگ دوڑ کا نام نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کی جانے والی روزی پر قناعت کرنا دراصل حقیقی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

۲۔اپنے نفس پر اعتماد کرنا، اپنے ہاتھوں سے کمانا، اور ہاتھ پھیلانے کی ذلت سے دور رہنا، جیسا کہ نبی ﷺ کے اس قول میں ہے: (تم میں کا کوئی اپنی پیٹھ پر لکڑی کی گٹھری لاد کر لائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور وہ اس کو کچھ دے یا نہ دے)1006۔ اس لئے کہ جس کے سامنے ہاتھ پھیلایا گیا

1002. البیھقی فی الکبری،(191/10)،(ح20571).اورالبانی نے اس کو(السلسلۃ الصحیحۃ)،(112/1)،(ح45) میں صحیح کہا ہے.
1003. مسند احمد،(381/2)،(ح8939).اورالبانی نے اس کو(صحیح الأدب المفرد)،(ص118)،(ح207) میں صحیح کہا ہے.
1004. دیکھئے:تفسیر القرطبی،(227/18).
1005. ابن ماجۃ،(1387/2)،(ح4141).اورالبانی نے اس کو(صحیح سنن ابن ماجۃ)،(354/3)،(ح3348) میں صحیح کہا ہے.
,1006

ہے وہ یا تو دے گا اور اس میں احسان اور ہاتھ پھیلانے کی ذلت ہے، یا وہ نہ دے گا اور اس میں ذلت، نامرادی اور محرومی ہے، اسی لئے سلف میں سے کسی کے ہاتھ سے اگر ان کا کوڑا گر جاتا تو وہ دوسرے سے اسے اٹھا کر دینے کی درخواست نہیں کرتے تھے، اور حدیث کے اندر: اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے اور مباح کاموں سے روزی حاصل کرنے کی ترغیب پائی جاتی ہے)1007.

۳۔سماج کے ہر فرد کو اپنے کندھے پر عائد ذمہ داری کا احساس ہو، اور اسے اس کا بھی احساس ہو کہ اللہ سے ملنا ہے اور اس امانت کا اسے حساب دینا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے باری میں پوچھا جائے گا، امام نگراں ہے اور اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دینا ہے، اور مرد اپنے اہل وعیال کا نگراں ہے اور اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دینا ہے، اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس کو اپنی رعیت کے بارے میں جواب دینا ہے، اور خادم اپنے سید کے مال کا نگراں ہے اور اسے اپنی رعیت کے بارے میں جواب دینا ہے)1008.

یہ سب امانتیں ہیں جن میں صاحبِ امانت کے لئے امانت اٹھانے والے کے اوپر اللہ کی خاطر خیر خواہی کرنا لازم ہے چنانچہ جس کسی کو اللہ تعالی نے کسی چیز پر امین بنایا ہے تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں خیر خواہ ہو، اور اس کی حفاظت ورعایت میں اپنی پوری توانائی صرف کرے، اس لئے کہ اپنی رعیت کے بارے میں اسی شخص سے پوچھا جائے گا جس پر اس کی نگرانی اور اس کی اصلاحِ حال لازم ہو، کیونکہ وہی اس میں عدل کرنے اور اس کے دینی ودنیوی مصالح کا خیال رکھنے کا ذمہ دار ہے 1009.

۴۔شدائد ومشکلات میں مسلمانوں کو صبر کرنے اور اللہ تعالی کے قضا وقدر سے راضی ہونے کی طرف رہنمائی کرنا، صبر جمیل کے ساتھ دنیا کی تمام پریشانیوں کو گوارا کرنا، گناہوں کی معافی، درجات کی بلندی اور ثواب میں اضافہ کی امید میں، اور اس بارے میں کئی احادیث ہیں جن میں سے ایک نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (مسلمان آدمی کو جو بھی بلا، بیماری، غم، حزن، تکلیف اور ملال لاحق ہوتا ہے، حتی کہ اسے کوئی کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالی اس کی

1007. عمدۃ القاری، (49/9).

1008. البخاری، (304/1)، (ح1829)؛ ومسلم، (1459/3)، (ح1829).

1009. دیکھئے: شرح صحیح البخاری، ابن بطال (322,71).

وجہ سے اس کے گناہوں کو مٹا دیا تا ہے)1010

خلاصہ:

سنت نبویہ میں حقوق انسانی کے مسئلہ کے اس مختصر جائزہ سے ہم درج ذیل امور تک پہنچتے ہیں:

۱۔ان مقاصد وکلیات کے درمیان گہرا تعلق پایا جاتا ہے جن کو شریعت نے پیش کیا ہے اور جن کی حمایت کا ذمہ لیا ہے، اور وہ مقاصد دین، نفس، عقل، مال اور امن ہیں، یہ اس انسان کو باعزت زندگی کی طرف لے جانے والے اور اس کے لئے راستہ ہموار کرنے والے ہیں جس کو یہ چیزیں بندوں کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ شریعت کے بل پر نصیب ہوئے ہوں۔

۲۔حقوق انسانی کے تعلق سے اسلام اور نبی اسلام کو جو سبقت حاصل ہے وہ انسانی حقوق کے دعویدار تمام عالمی معاہدات ومواثیق پر سبقت رکھتی ہے۔

۳۔اسلام میں حقوق انسانی کی دعوت کا آغاز جہاں سے ہوا ہے وہ شریعت کے قواعد واحکام کی طرف راجع ہے، اسلام کے مخالف حقوق کا کوئی اعتبار نہیں ہے، پس جب کوئی حقِ آزادی کا دعوی کرتا ہے تو ہم اس کی موافقت کرتے ہیں لیکن شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے، چنانچہ اگر وہ کسی حرام فعل کا ارتکاب کر کے یا گناہ میں ملوث ہوکر یہ کہے کہ اسے اس کی آزادی ہے تو یہ قابل قبول نہ ہوگا، اس لئے کہ شریعت نے آزادی کو بعض حدود وقیود سے مقید کیا ہے، جو ان سے خارج ہوگا اور ان سے چھٹکارا پانا چاہے گا وہ گناہ میں واقع ہوگا جس کا محاسبہ شریعت دنیا وآخرت میں کرے گی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ: اسلام نے شراب کو حرام ٹھہرایا ہے، اب اگر کوئی آزادی کا دعوی کرتے ہوئے اسے پینے کا ارادہ کرے اور برسر عام شراب نوشی کرے تو ایسی صورت میں شریعت دخل انداز ہوگی اور اس کو اس فعل سے روکے گی، بلکہ اس پر اس کے خاص حکم کو نافذ کرے گی، پس معلوم یہ ہوا کہ حقوق شریعت کے ساتھ مقید ہیں۔

۴۔عموم وشمول، قابلِ ذکر بات یہ کہ سنتِ نبویہ نے تمام عمومی اور عالمی حقوق کا استقصا کر لیا ہے، لوگوں کے درمیان تفریق وتمیز کے کسی بھی سبب کو خاطر میں لائے بغیر، جیسے کہ نسل، رنگ، جنس اور دین جیسے اسباب ہیں

1010۔ البخاری، (2137/5)، (ح5318).

،اسی طرح اس نے انسانی شخصیت کے دونوں پہلوؤں یعنی مادی اور روحانی پہلو کا احاطہ بھی کیا ہے اس طرح سے کہ ان دونوں میں سے کوئی دوسرے پر قابض نہ ہو، حالانکہ دوسری شریعتیں دونوں پہلو سے اس توازن کو قائم رکھنے میں حتی کہ دونوں کو جوڑنے میں ناکام رہی ہیں اور یہ سنتِ نبویہ کی عظمت کے دلائل میں سے ایک ہے۔

چھٹی فصل

اہل سنت و جماعت کے منہج کی عظمت

اوراس میں پانچ مباحث ہیں:

پہلا مبحث: اہل سنت و جماعت کی تعریف

دوسرا مبحث: اہل سنت و جماعت کے منہج کی عظمت (تلقی واستدلال) میں

تیسرا مبحث: اہل سنت و جماعت کے منہج کی عظمت (عمل وتطبیق) میں

چوتھا مبحث: اہل سنت و جماعت کے منہج کی عظمت (اخلاق وسلوک) میں

پانچواں مبحث: اہل سنت والجماعت کے منہج کو تھامنے کے ثمرات

پہلا مبحث

اہل سنت وجماعت کی تعریف

اہلِ سنت والجماعت کی اصطلاح فرقوں اور بدعات کے ظہور کے بعد پیدا ہوئی، اور اس کے لئے ان احادیث وآثار سے استدلال کیا گیا ہے جو جماعت سے منسلک رہنے اور سنت کو مضبوطی سے تھامنے کی دعوت دیتے ہیں، دین میں تفرقہ بازی اور اختلاف سے نیز اس میں بدعت پیدا کرنے سے روکتے ہیں، اور ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (... **فإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً**) 1011۔ (یعنی: جو ایک بالشت بھی جماعت سے دور ہوا اور مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی)۔

۲۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (... **عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا، وَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَ إِيَّاكُمْ وَ مُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ؛ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**) 1012. (یعنی: ...تم لوگ میری سنت کو اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لو، اسے مضبوطی سے تھام لو، اور اسے دانتوں سے پکڑ لو، اور نئے پیدا کردہ امور سے دور رہو، اس لئے کہ ہر نئی پیدا کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

۳۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے: (**تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا : كِتَابَ اللَّهِ وَ سُنَّتِي ، وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الحَوْضَ**) 1013۔ (یعنی: میں نے تم لوگوں کے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں جن کے بعد تم لوگ گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے، اور وہ دونوں ہرگز جدا

1011. البخاری، (2588/6)، (ح6645) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (1473/3)، (ح1849).

1012. ابوداود، (200/4)، (ح17182). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابی داود)، (119/3)، (ح4607) میں صحیح کہا ہے.

1013. سنن الدارمی، (245/4)، (ح149)؛ والحاکم فی المستدرک، (172/1)، (ح319). اور البانی نے (صحیح الجامع) میں اس کو صحیح کہا ہے.

نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ میرے پاس حوض کے نزدیک آئیں گے)

اہلِ سنت کی تعریف:

سنت سے مراد نبی ﷺ کی سنت اور آپ کے جملہ احوال مبارکہ کی ہدایتیں ہیں، جن میں تعبدی اور غیر تعبدی سب شامل ہیں، اسی طرح سنت سے مراد خلفائے راشدین اور ان کے طریقوں کی پیروی کرنے والے ہیں، اور اس سے اس کی مخالف اور مغایر ہر طرح کی سنت اور ہر طریقہ خارج ہو جاتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اہل سنت سے مراد صرف سنتِ نبویہ والے اور ان کے وہ اصحاب ہیں جنہوں نے سنت کو تھاما، اس کو عملی زندگی میں جاری کیا اور اس کا خوب خیال رکھا۔

اس بات کو بھی بتا دینا مناسب ہے کہ ہر وہ شرف جو اہلِ سنت کی پیشانی پر سجے گا اس کا سبب سنتِ نبویہ کی طرف ان کا انتساب ہوگا، اور ہر وہ وصف جو اہلِ سنت کے لئے مدح وثنا کا باعث ہو وہ بنیادی طور سے سنت کی طرف ان کے انتساب سے مستمد ہوگا۔

جماعت کی تعریف:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (انہیں اہلِ جماعت سے موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ جماعت اجتماع کو کہتے ہیں، اور اس کی ضد فُرقت ہے، پس لفظ ''جماعت'' اسی مجتمع قوم کا نام ہے)1014.

اہلِ سنت و جماعت کی اصطلاح میں وارد (جماعت) کا معنی:

(جماعت) سے مراد صحابۂ کرام اور علماء ومجتہدین میں سے کتاب وسنت کے منہج پر گامزن ان کے سچے متبعین، اور اس منہج میں قیامت تک ان کی اتباع کرنے والے لوگ ہیں، اگر ان کا کوئی مسلمان امام ہے تو ان پر اس کی اطاعت کرنا اور اس کے گرد اکٹھا رہنا واجب ہے، ورنہ ایک مسلمان آدمی جہاں بھی ہو اور جس جگہ رہے وہاں حق کے ساتھ رہے۔

اس سلسلے میں اہل علم کے اقوال:

۱۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: (بیشتر لوگوں نے جماعت کو ترک کر دیا ہے، اور جماعت وہ

1014. العقیدۃ الواسطیۃ، (ص46).

ہے جوحق کے موافق ہو اگر چہ تم تنہا کیوں نہ ہو)1015.

۲۔اور نعیم بن حماد کا قول ہے: (جب جماعت بگڑ جائے تو تم اس پر قائم رہو جس پر جماعت بگڑنے سے پہلے تھی، اگر چہ تم تنہا کیوں نہ ہو، اس وقت تم ہی جماعت ہو گے)1016.

۳۔ابو شامہ مقدسی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جہاں کہیں جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم آیا ہے وہاں جماعت سے مراد حق کو پکڑنا اور اس کی اتباع کرنا ہے، اگر چہ حق کو تھامنے والے کم ہوں اور مخالفت کرنے والے زیادہ ہوں، اس لئے کہ حق وہ ہے جس پر نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی پہلی جماعت تھی، اب ان کے بعد اہلِ باطل کی کثرت کو نہیں دیکھا جائے گا)1017.

اہلِ سنت و جماعت کی تعریف:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہل سنت کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ: (اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے تھامنے والے اور اس چیز کو جس پر مہاجرین و انصار اور ان کے سچے پیروکاروں کا اتفاق رہا ہے)1018.

اہل سنت کے مشہور القاب:

اہلِ سنت و جماعت کے مشہور ناموں اور القاب میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔اہل الجماعۃ:

اس نام کا ثبوت نبی ﷺ کی اس حدیث میں آیا ہے جس میں آپ نے فرقہ ناجیہ کے اوصاف بیان فرمائے ہیں: (**إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقَتْ عَلَى إِحْدَى وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً ، وَ إِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ ، إِلَّا وَاحِدَةً وَهِي : الْجَمَاعَةُ**)1019.

(یعنی: بنو اسرائیل اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی،

1015. شرح اصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، لالكائی،(109/1)؛الباعث علی انکار البدع،(ص22).

1016. تاریخ مدینۃ دمشق،(409/46)؛الباعث علی انکار البدع،(ص22).

1017. الباع علی انکار البدع،(ص22).

1018. مجموع الفتاوی،(375/3).

1019. ابن ماجۃ،(1322/2)،(ح3993).اور البانی نے اس کو(صحیح سنن ابن ماجۃ)،(308/3)،(ح3242) میں صحیح کہا ہے

سارے فرقے جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ جماعت ہے)۔اور نبی ﷺ کا قول ہے:(**... فإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً**) 1020۔(یعنی: جو ایک بالشت بھی جماعت سے دور ہوا اور مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے:(اہل جماعت سے موسوم کئے گئے ہیں، اس لئے کہ جماعت اجتماع کو کہتے ہیں، اور اس کی ضد فرقت ہے)1021۔اور حدیث کے اندر جماعت کی صفت محذوف ہے، یعنی:(موافقِ حق جماعت)اس لئے کہ جماعت سے حق پر اکٹھی جماعت مراد ہے۔

۲۔سلف صالح:

سلف: سالف کی جمع ہے، اور یہ لفظ سبقت وتقدم پر دلالت کرتا ہے1022.

ابن الاثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے:(انسان کا سلف: اس کے آباء اور قرابت داروں میں سے پہلے مر چکے لوگ ہیں، اسی لئے صدر اول کے تابعین کو سلف صالح کہا جاتا ہے)1023.

اور اصطلاح میں (سلف): صحابہ، تابعین اور ان کے اتباع ہیں، یہی جمہور علماء کا قول ہے 1024.

اور اس پر نبی ﷺ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے:(**خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ يَجِيءُ أَقْوَامٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ ، وَ يَمِينُهُ شَهَادَتَهُ**)1025.

(یعنی: سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر ان کے بعد آنے والے لوگ، پھر ان کے بعد آنے والے لوگ، پھر بعض قومیں آئیں گی جن میں سے کسی شہادت اس کی قسم سے پہلے ہوگی، اور کبھی اس کی قسم اس کی شہادت سے پہلے)۔

1020. البخاری،(2588/6)،(ح6645) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم،(1477/3)،(ح1849).

1021. العقیدۃ الواسطیۃ،(ص46).

1022. دیکھئے: الزاهر،(ص148)؛ لسان العرب،(158/9).

1023. النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر،(390/2).

1024. دیکھئے: شرح اصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، لالکائی،(109/1)؛ الباعث علی انکار البدع،(9/1).

1025. البخاری،(938/2)،(ح2509) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم،(1963/4)،(ح2533).

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (صحیح یہ ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ سے مراد صحابہ ہیں، دوسرے قرن سے تابعین مراد ہیں اور تیسرے سے ان کے اتباع مراد ہیں)1026۔اس طرح ہم پاتے ہیں کہ اہلِ سنت کے القاب میں سے ہر لقب کے لئے نبی ﷺ کی سنت میں ثبوت پایا جاتا ہے، چنانچہ وہ القاب کے معاملہ میں بھی اپنے نبی ﷺ کی سنت کے متبع ہیں۔

قرون مفضلہ میں سلفِ صالح سے مراد:

قابل ذکر بات یہ ہے کہ قرون مفضلہ میں سلفِ صالح سے مراد وہ تھے جن کی دین کے معاملہ میں اقتدا کی جاتی تھی اور وہ کتاب وسنت کے منہج کا التزام کرتے تھے، لیکن جس نے منہجِ کتاب وسنت کی مخالفت کی وہ ان کی صف میں داخل نہیں ہے، اگر چہ اس نے ان کے درمیان زندگی گذاری ہو 1027.

۳۔اہل الحدیث:

اہلِ سنت کے لئے استعمال کئے جانے والے القاب میں سے ایک اہل حدیث کا لقب ہے، اور حدیث لغت میں قدیم کی ضد ہے، اور حدیث بمعنی جدید ہے 1028.

اصطلاح میں (حدیث): نبی ﷺ کی طرف منسوب قول یا فعل یا تقریر، یا اخلاق وجبلی صفات کو کہتے ہیں 1029.

اور اصطلاح میں اہل حدیث: رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرنے والے اور ظاہراً و باطناً اور علمًا وعملاً رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والے ہیں۔

۴۔اہل الاثر:

لغت میں اثر کسی چیز کے بقیہ حصہ اور اس کی علامت کو کہتے ہیں، اور اس کی جمع آثار ہے 1030.

اصطلاح میں: (وہ خبر کے مترادف ہے اور اس کا اطلاق مرفوع وموقوف دونوں پر ہوتا ہے، مگر فقہائے

1026. شرح النووی علی صحیح مسلم، (85/16).

1027. دیکھئے: الإمام ابن تیمیۃ وموقفہ من قضیۃ الأویل، الجلیند (ص52).

1028. النهاية في غريب الحديث والأثر، (350/1)؛ لسان العرب، (133/2).

1029. دیکھئے: المنهل الروي في مختصر علوم الحديث النبوي، ابن جماعة (ص40).

1030. المحكم والمحيط الأعظم، (173/100).

خراسان موقوف کو اثر سے اور مرفوع کو خبر سے موسوم کرتے ہیں)1031.

(اہلِ اثر) کی تعریف:

''اہلِ اثر'' کا لقب ''اہل حدیث'' کے لقب کے مرادف ہے، سفارینی رحمہ اللہ اہلِ اثر کی صفت کے بارے میں کہتے ہیں: (یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ ۔جل شانہ۔ کی کتاب میں اس سے ماثور، یا سنتِ نبی ﷺ میں ان سے منقول کو اپنا عقیدہ بناتے ہیں، یا اس کو جو صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام سے ثابت ومنقول ہے)1032.

۵۔فرقہ ناجیہ:

یہ لقب دراصل افتراق والی حدیث سے ماخوذ ہے، جیسا کہ نبیا کا قول ہے: (**وَ الَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ ! لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ و سَبْعِیْنَ فِرْقَةً ، وَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَ ثِنْتَانِ وَ سَبْعُونَ فِي النَّارِ) . قِیلَ یَا رَسُولَ اللَّهِ ! مَنْ هُمْ ؟ قال : (الجَمَاعَةُ**)1033.

(قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! ضرور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوجائے گی، ان میں سے ایک جنت میں جائے گی اور بہتر جہنم میں) کہا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہیں؟ فرمایا: (جماعت)۔

امام احمد رحمہ اللہ سے حدیثِ افتراق کے اندر فرقہ ناجیہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: (اگر وہ اصحابِ حدیث نہیں ہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ دوسرا کون ہے؟!)1034

اور یہ لقب ۔اہلِ علم کے نزدیک۔اہلِ سنت والجماعت کے مذہب کے لئے استدلال کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''الواسطیہ'' کے مقدمہ میں کہا ہے: اما بعد: یہ فرقہ ناجیہ، قیامت تک غالب رہنے والی جماعت، یعنی اہلِ سنت والجماعت کے عقائد ہیں...)1035.

1031. توجیہ النظر إلی أصول الأثر، طاہر الجزائری، (40/1).

1032. لوامع الأنوار البھیۃ، (64/1).

1033. ابن ماجۃ، (1322/2)، 3993)2(. اور البانی نے اس کو(صحیح سنن ابن ماجۃ)، (307/3)، (ح 3241) میں صحیح کہا ہے.

1034. شرف اصحاب الحدیث، (ص25).

1035. العقیدۃ الواسطیۃ، (ص6).

٦۔طائفہ منصورہ:

یہ لقب نبی ﷺ کے اس قول سے ماخوذ ہے: (**لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِيْنَ ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ ، حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ**) 1036۔(یعنی: ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت غالب رہے گی، ان کو رسوا کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، حتی کہ قیامت آ جائے)۔

علی بن مدینی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (وہ اہلِ حدیث ہیں اور وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کے طریقوں کی پابندی کرتے ہیں، اور علم کا دفاع کرتے ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو معتزلہ، رافضہ، جہمیہ، مرجئہ اور اہل رائے کے پاس سنن میں سے کچھ بھی نہ ملتا)1037.

❁ طائفہ منصورہ کی صفات نبی ﷺ کے اس قول میں بھی وارد ہوئی ہیں: (**لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ ، حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ**)1038۔(یعنی: ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت حق پر غالب رہے گی، ان کو رسوا کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، حتی کہ قیامت آ جائے گی اور وہ اسی طرح رہیں گے)۔

یزید بن ہارون رحمہ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے: (اگر وہ اصحاب الحدیث نہیں ہیں تو مجھے معلوم نہیں وہ کون ہیں؟)1039.

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے: (انہوں نے اہلِ سنت والجماعت مراد لیا ہے اور وہ جو اہلِ حدیث کے مذہب پر یقین رکھتا ہو)1040.

اور نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہ طائفہ مؤمنین کی مختلف قسموں میں منقسم ہے، ان میں جہاد کرنے والے بہادر لوگ، فقہاء، محدثین، زاہد لوگ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے شامل ہیں، ان

1036. الترمذی، (485/4)، (ح2192). اور البانی نے (صحیح سنن الترمذی)، (471/2)، (ح2192) میں اس کو صحیح کہا ہے

1037. شرف اصحاب الحدیث، (ص10).

1038. البخاری، (2667/6)، (ح6882)؛ ومسلم، (1523/3)، (ح1920) اور لفظ انہی کا ہے.

1039. المحدث الفاصل بین الراوی والواعی، (177/1).

1040. شرح النووی علی صحیح مسلم، (67/13).

کے علاوہ ان میں دوسرے کار ہائے خیر انجام دینے والے بھی شامل ہیں، ان سب کا یکجا ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ دنیا کے مختلف اماکن میں منتشر ہو سکتے ہیں، اور اس حدیث کے اندر یہ کھلا معجزہ پایا جاتا ہے کہ یہ وصف ۔ بحمد اللہ تعالی ۔ نبی ﷺ کے زمانہ سے لے کر تا ہنوز موجود ہے اور اس وقت تک موجود رہے گا جب تک حدیث میں مذکور اللہ تعالی کا امر (یعنی قیامت) نہ آجائے) 1041.

اہل سنت والجماعت کے القاب کے درمیان جمع وتوفیق:

ان متنوع القاب کے درمیان جو کہ صرف مختلف ہیں متضاد نہیں ہیں تطبیق دینا اس طرح ممکن ہے کہ اہلِ سنت گمراہ فرقوں سے ان القاب کے ذریعہ ممتاز نظر آتے ہیں، اور ان سب کا نقطۂ اتفاق اتباعِ حق اور اہلِ باطل و مبتدعہ سے دوری وعلیحدگی ہے، اور ہر وہ شخص جو ان القاب کے اندر غور کرے گا وہ پائے گا کہ یہ وہ القاب ہیں جو بدعات ومحدثات، اور مناکیر واباطیل کی آمیزش سے پاک خالص وصحیح اسلام پر دلالت کرنے والے ہیں، ان میں سے بعض القاب رسول اللہ ﷺ کے صریح کلام سے ثابت ہیں، اور بعض القاب سے صحیح اسلام کی ظاہراً و باطناً تطبیق کرنے کے سبب انہیں ملقب کیا گیا ہے، اور اہلِ سنت والجماعت کے ان مبارک القاب کے درمیان جو مشترکہ عنصر پایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ وہ اہلِ باطل، مبتدعین، منحرفین اور اہلِ ضلال کے القاب سے ممتاز ہوتے ہیں۔

ان تمام القاب کا اطلاق سلفِ صالح پر ہوتا ہے، اور سلفِ صالح اہلِ سنت والجماعت ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع کی، اور وہی جماعت ہیں کیونکہ وہ حق پر مجتمع ہوئے، اور وہی اہلِ حدیث اور اہلِ اثر ہیں کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی پیروی کی اور اسے ظاہراً و باطناً زندگی میں نافذ کیا، اور وہی فرقہ ناجیہ اور طائفہ منصورہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ہلاک ہونے والے جہنمی فرقوں سے مستثنیٰ قرار دیا، نصوص میں وارد یہ وصف صرف انہیں لوگوں پر اور ان کے منہج کی پیروی کرنے والوں اور ان کے نقش راہ کی اتباع کرنے والوں پر منطبق ہوتا ہے، ہم اللہ تعالی سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفاتِ علیا کے ذریعہ یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں انہیں کے زمرہ میں داخل فرمائے 1042.

1041. شرح النووی علی صحیح مسلم، (67/13).

1042. دیکھئے: اھل السنۃ والجماعۃ، (ص 97).

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سنت والجماعت کا مقام صرف انہیں اہل الحدیث واہل الاثر کو حاصل نہیں ہے جو درایت وروایت کے اعتبار سے حدیث سے وابستہ ہیں، نیز یہ بھی شرط نہیں ہے کہ وہ علماء اور طالبانِ علومِ شرعیہ ہوں، اس لئے کہ بہت سے عوام بھی اہلِ سنت ہیں جو اس مبارک زمرہ میں داخل ہیں، ان کا عالم نہ ہونا انہیں اس سے خارج نہیں کرتا، ان کا اپنا شرف وفضل اور مقام ہے، وہ موحد اور محبِّ سلف اور اپنے ائمہ کے متبع ہیں، اس سے بڑھ کر وہ اپنے نبی کریم ﷺ کے طریقہ کی پیروی کرنے والے ہیں، ان کی نمازیں اور ساری عبادتیں سنت کے طریقہ اور نبی ﷺ کے اسوہ کے مطابق انجام پاتی ہیں، لہذا وہ اہلِ سنت والجماعت کا ایک جزء لاینفک ہیں، اور ہر وہ وصف جو اہلِ سنت کے لئے سزاوار ہے وہ ان شاء اللہ ان کے لئے بھی سزاوار ہے۔

دوسرا مبحث

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کی عظمت (تلقی اور استدلال میں)

اور اس میں چھ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: اہلِ سنت کے نزدیک تلقی کے مصادر۔

دوسرا مطلب: کتاب وسنت سے ان کا تمسک۔

تیسرا مطلب: اصولِ اعتقاد پر (کتاب وسنت) سے ان کا استدلال۔

چوتھا مطلب: اصولِ اعتقاد پر (متواتر وآحاد) سے ان کا استدلال۔

پانچواں مطلب: اصولِ اعتقاد پر (اجماع اور عقل وفطرت) سے ان کا استدلال۔

چھٹا مطلب: محکم پر عمل اور متشابہ پر ایمان۔

پہلا مطلب

اہلِ سنت کے نزدیک تلقی کے مصادر

تلقی واستدلال میں اہلِ سنت والجماعت کے مصادر دوطرح کے ہیں:

پہلی قسم: اصلی مصادر: اور وہ کتاب وسنت اوران دونوں پر قائم اجماع ہے، فصلِ اول میں ان اصلی مصادر پر گفتگو ہوچکی ہے جس کے یہاں اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کی تائید توثیق کے لئے یہاں میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا قول نقل کررہا ہوں وہ کہتے ہیں: (کتاب وسنت وہ دواصل ہیں جن سے شرعی احکام میں استدلال دیگر دلائل سے استدلال پر مقدم ہے، ان دونوں کے بعد اجماع کا مرتبہ ہے، لیکن اس کو وہی جان سکتا ہے جو اختلاف سے واقف ہو)1043.

اوراجماع: (نبی ﷺ کی امت کے مجتہدین کا آپ کی وفات کے بعد کسی بھی زمانہ میں کسی بھی واقعہ کے کسی پہلو پر متفق ہوجانا ہے)1044.

دوسری قسم: فرعی مصادر: اوروہ عقلِ صحیح اورفطرتِ سلیمہ ہیں۔

أ۔ اہلِ سنت کے نزدیک عقل کا مفہوم ومقام:

عقل کا نام عقل (باندھنے کی رسی) اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ وہ صاحبِ عقل کو جہل سے روکتی ہے، اسی طرح وہ اس کو مہالک میں واقع ہونے سے باندھ دیتی ہے اور حُمق میں مبتلا ہونے سے محبوس کردیتی ہے 1045.

اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک عقل کی بڑی اہمیت ہے، اس لئے کہ اسلام نے اس کے مقام کو بلند کیا ہے اوراس کو غیر معمولی اہمیت دیا ہے، جیسا کہ اس سے پہلے سنتِ نبویہ میں عقل کی حفاظت کے تحت اس کو بیان کیا جا

1043. الفقیہ والمتفقہ، (40/2).

1044. البحر المحیط فی اصول الفقہ، للزرکشی (487/3).

1045. الإشتقاق، ابن درید (ص238)؛ تھذیب الأسماء، (216/3).

چکا ہے، بلکہ نصوصِ شرعیہ کے مطابق انتفاء عقل قابلِ مذمت شئ ہے، اور قرآنِ کریم میں مذکور عقل کے معانی میں سے تفکر، اعتبار، تذکر، تدبر، اور اللہ تعالی کی مخلوقات میں غور کرنا ہے، اور عقل کے یہ معانی صاحبِ عقل کی تعریف و مدح پر دلالت کرتے ہیں، جب کہ ان معانی کا اس سے فقدان اس کی عقل میں خرابی کو اجاگر کرتا ہے۔

اسی وجہ سے اہلِ سنت نے کبھی عقل کو معطل قرار نہیں دیا بلکہ اس کو اس کے شایانِ شان مقام عطا کیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسے اس کے قد سے بڑا بھی نہیں سمجھا، لہذا اسے کبھی بھی نص پر مقدم نہیں کیا گیا، اور نہ ہی اسے شرعی امور میں حکم مانا گیا، ان لوگوں نے عقل کو نصوصِ شرعیہ پر حاکم نہیں بنایا، اور نہ عقل ونقل کے درمیان تعارض کو تسلیم کیا، بلکہ عقلِ سلیم کبھی بھی نقلِ صحیح کی معارض نہیں ہوسکتی،، پھر بھی ان لوگوں نے عقل کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ اس کی بے قدری کی، بلکہ اس کا وہاں پر استعمال کیا جہاں شریعت نے اس کی موافقت اور تائید کی 1046.

عقل کے تعلق سے اہلِ سنت اور اہلِ بدعت کے موقف کے درمیان مقارنہ کرتے ہوئے سمعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ سمجھ لو کہ ہمارے اور مبتدعہ کے درمیان فاصل عقل کا مسئلہ ہے، ان لوگوں نے اپنے دین کی بنا عقل پر رکھی اور اتباع ومنقول کو معقول کے تابع قرار دیا، جب کہ اہلِ سنت نے کہا: اصل اتباع ہے عقول تابع ہیں، اور اگر دین کی بنیاد معقول پر ہوتی تو لوگ وحی سے اور انبیاء علیہم السلام سے مستغنی ہوتے، امر ونہی کا معنی باطل ہوجاتا اور جو جیسا چاہتا کہتا) 1047.

پس اہلِ سنت کے نزدیک عقل مصادرِ سنت میں سے ایک مصدر ہے، اس کے ذریعہ نصوص کو سمجھا جاتا ہے، احکام کا استنباط کیا جاتا ہے، اصول سے فروع نکالے جاتے ہیں، اور نصوص کو وقائع کے اوپر منطبق کیا جاتا ہے، نیز اسلامی فقہ وقانون میں اس کے علاوہ بھی عقل کے استعمالات اور مجالات ہیں، عقل کو معطل کردینے کا مطلب انسان سے فقہ وفتوی اور علم کی اہلیت کی نفی کرنا ہے، چنانچہ تمام فقہی فروع

میں اور تکالیف شرعیہ میں عقل شرط اساسی ہے، کیونکہ غیر عاقل انسان سے تکالیف شرعیہ ساقط ہوجاتے ہیں۔

مگر اہلِ سنت نے عقل کے سلسلے میں غیروں کی طرح غلو سے کام نہیں لیا ہے، انہوں نے اس کے حدود کو سمجھا اور ان کا التزام کیا، انہیں تجاوز نہیں کیا، نیز ان لوگوں نے اسے نصوصِ وحی کے تابع قرار دیا، غیروں کی طرح

1046. دیکھئے: درء تعارض العقل والنقل، ابن تیمیۃ (138/1).

1047. الانتصار لأصحاب الحدیث، (ص 82,81).

اس کے برعکس نہیں کیا، کیونکہ نص عقل پر مقدم ہے، اسی لئے ان کا کہنا ہے: ''نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد نہیں ہے''۔

ب۔ فطرتِ سلیمہ: دلیلِ فطرت اصلاً نبی ﷺ کے اس قول سے ماخوذ ہے: (**مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ** 1048، **فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ** 1049، **هَلْ تُحِسُّونَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ ؟) ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رضى الله عنه : [فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ**][الروم:۳۰] 1050۔(یعنی: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، مگر اس کے والدین اسے یہودی، یا نصرانی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جس طرح چوپایہ کامل چوپائے کو جنتا ہے، کیا تم (ولادت کے وقت) اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو؟) پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ تلاوت کی[ترجمہ: یہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کے بنائے میں تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے]

حاصل یہ کہ اللہ تعالی نے لوگوں کو دینِ اسلام پر پیدا فرمایا ہے۔

اہلِ سنت کے نزدیک فطرت کے مصادرِ تلقی میں سے ایک مصدر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اعتقاد یا عبادات کے مسائل میں بطور دلیل اس پر اعتماد کرتے ہیں، فطرت بالکل اس کے لائق نہیں ہے، اور ایسا پہلے کسی نے نہیں کہا ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر موجود فطرت جس پر اللہ تعالی نے انسان کی تخلیق کی ہے حق کو اپنانے اور اس پر ایمان لانے کے لائق ہے، اس لئے کہ حق طبیعتِ فطرت اور اس کی جبلت کے موافق ہوتا ہے۔

1048.(**الفِطْرَة**): جس صفت پر ان کے آباء کے اصلاب میں ان کی تخلیق ہوئی، اسی صفت پر ولادت ہوتی ہے اس کے بعد تبدیلی ماں باپ کے ذریعہ ہوتی ہے. دیکھئے: شرح النووی علی صحیح مسلم، (208/16).

1049.(**كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ**): یعنی: جس طرح چوپایا صحیح سالم اور نقص سے خالی چوپایہ کو جنتا ہے، اور ولادت کے بعد اس میں نقص وخلل پیدا ہوتا ہے

1050. البخاری، (456/1)، (ح1292)؛ ومسلم، (2047/4)، (ح2658).

دوسرا مطلب

کتاب وسنت سے ان کا تمسک

اہلِ سنت والجماعت جملہ امور میں کتاب وسنت کو لازم پکڑتے ہیں، اس لئے کہ وہ حق کو جانتے اوراس پر عمل کرتے ہیں، اس بارے میں ان کے لئے نمونہ نبی ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے، اسی طرح وہ کتاب وسنت کے نصوص کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں، محکم کی اتباع کرتے ہیں، متشابہ پر ایمان رکھتے ہیں، اور بعد میں پیدا ہونے والے اہلِ تصوف واہلِ کلام کی طرح وہ نصوص کو انسانی عقول سے رد نہیں کرتے۔

ان نصوص کا تذکرہ تمہیدی کلام کے تحت اول کتاب میں (دوسرے مبحث: سنت نبویہ کی حجیت کے دلائل کے ضمن میں) گذر چکا ہے جو کتاب وسنت کی اتباع کرنے اوران کو مضبوطی سے تھامنے کی ترغیب دیتی ہیں، یہاں پھر سے ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اللہ تعالی نے قرآن کریم کے اندر تیس سے زائد مقامات پر اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے جوڑا ہے، ان کی اور اپنی مخالفت کو ایک ساتھ بیان کیا ہے اسی طرح ان کے اور اپنے نام کو بھی ایک ساتھ ذکر کیا ہے، پس جب بھی اللہ کا ذکر آئے گا ان کا بھی ذکر کیا جائے گا)1051.

قرآن کریم اور سنتِ نبویہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک ہمیشہ سے مصدرِ تلقی واستدلال رہے ہیں، کیونکہ وہ دونوں معرفت کی بنیاد ہیں، انہیں کی نصوص کے ذریعہ اللہ تعالی کو جانا گیا، اس کی شریعت کو اور عبادت کی کیفیت کو پہچانا گیا، انہیں کے توسط سے سابقہ امتوں اور گذرے ہوئے زمانے کے اخبار وواقعات کی جانکاری ہوئی، نیز انسان کے انجام واختتام اور بشریت کے خاتمہ کے بارے میں انہیں سے روشنی ملی، ان امور کی معرفت میں عقل کا کوئی کردار نہیں ہے، یہ امورِ توقیفیہ ہیں جو نصوصِ قدسیہ کے محتاج ہیں، اور یہ نصوص وحی کے علاوہ اور کسی

1051. مجموع الفتاوی، (103/19).

ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتیں تھیں، اوروحی کی اتباع صرف اسی کے لئے ممکن ہے جس نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لایا، پس معلوم ہوا کہ اسلام میں معرفت اور تلقی واستدلال کا مسئلہ اعتقادی مسائل میں سے ہے جو اپنی صداقت اور اپنے خبر دینے والے کی صداقت پر کامل ایمان اور قطعی یقین کا متقاضی ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تلقی واستدلال میں اہلِ سنت والجماعت کے منہج کو اپنے اس قول کے ذریعہ بیان کیا ہے: (اللہ تعالی کی طرف سے انہیں جو سب سے بڑا انعام ملا تھا وہ ان کا کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنا ہے، اسی لئے صحابہ وتابعین کے درمیان یہ متفق علیہ اصول تھا کہ کسی سے بھی یہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ قرآن کی مخالفت کرے، نہ اپنی رائے سے، نہ اپنے ذوق سے، نہ اپنے معقول سے، نہ اپنے قیاس سے اور نہ اپنے وجد سے ۔اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ بات قطعی براہین اور روشن دلائل سے ثابت تھی کہ رسول اللہ ﷺ سامانِ ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، اور قرآن سیدھے راستے کی رہنمائی کرتا ہے) 1052.

اہلِ سنت والجماعت کے منہج میں کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھامنا اور ان دونوں کا تلقی واستدلال کا سب سے بڑا اور بنیادی مصدر ہونا اس بات کی طرف راجع ہے کہ:

۱۔قرآن وسنت اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ وحی ہیں لہذا ان پر ایمان لانا واجب ہے۔

۲۔قرآن وسنت صریح عقل کی معارضت نہیں کرتے، بلکہ قرآن وسنت میں وارد چیزوں کو عقلِ سلیم پر پیش کرنے سے وہ اس کے ساتھ متفق نظر آتی ہیں اس الگ نہیں، اسی لئے قرآن نے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا عقل کو مناہجِ استدلال میں سے ایک نہایت اہم منہج قرار دیا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ملکہ تفکر وتدبر، اور قوتِ تأمل وتعقل کو، جس کے ساتھ اللہ تعالی نے انسان کو پیدا کیا ہے اپنے کلام کا مخاطب بنایا ہے، نیز تدبر وتفکر کو وسعت دینے اور نتائج تک پہنچنے کے لئے مقدمات کا تتبع کرنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔

۳۔عقل کا کچھ مخصوص قسم کے معارف تک رسائی حاصل کرنے سے مکمل طور پر عاجز ہونا، اور ان میں سے خالق سبحانہ وتعالی کی معرفت، اس کی شریعت اور اس کے منہج کی معرفت، اور ماضی ومستقبل سے متعلق غیبی امور کی معرفت ہے، اسی لئے کسی ایسے وسیلہ کا پایا جانا ضروری ہے جو ان امور کی معرفت میں عقل کی مدد کر سکے۔

1052. مجموع الفتاوی، (28/13).

اس طرح عقل کو ہم استدلال کے وسائل میں سے ایک وسیلہ مانتے ہیں، لیکن وہ معرفت کا وسیلہ نہیں بن سکتی ، خاص کر اعتقاد یا شریعت کے مسائل سے متعلق امر میں ، پس عقلِ سلیم سے کائنات کے خالق کے وجود پر استدلال کیا جاسکتا، مگر قرآن وسنت کے نصوص ہی ہیں جو اس عظیم خالق کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اگر عقل کے لئے ان امور تک پہنچنا ممکن ہوتا تو ہمیں انبیاء ورسل علیہم السلام کی ضرورت ہی کیا پڑتی ؟۔

تیسرا مطلب

اصولِ اعتقاد پر (کتاب وسنت) سے ان کا استدلال

کتاب وسنت کے نصوص کو تسلیم کرنا واجب ہے:

دین کے اصول اور فروع کی معرفت میں کتاب اور سنت ہی مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، اسی لئے ان کے نصوص پورے دین کو حاوی ہیں، لہذا ان کے تمام نصوص کو اختیار کرنا، ان کو تسلیم کرنا، ان کے احکام کی تابعداری کرنا اور ان کی خبروں کو قبول وتصدیق کے ساتھ لینا

واجب ہے، سلفِ صالحین میں سے ایک بھی ایسے نہیں ہیں جو قرآن وسنت کو اپنے معقول اور خیال سے رد کرتے ہوں، بلکہ لوگوں کے تمام اقوال اور آراء کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے گا اور ان میں سے اسی کو قبول کیا جائے گا جو ان دونوں کے موافق ہو، مخالف کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس کے متعلق دلائل تمہیدی گفتگو کے تحت اول کتاب میں (دوسرے مبحث: سنتِ نبویہ کی حجیت کے دلائل کے ضمن میں) گذر چکے ہیں جن کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (میں کس ایسے صحابی یا تابعی کے بارے میں نہیں جانتا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے خبر دیا ہو مگر ان کی خبر کو قبول کیا گیا، اس پر اعتماد کیا گیا، اور اسے سنت تسلیم کیا گیا... ایسا ہی تابعین کے بعد والوں نے کیا اور ان لوگوں نے بھی جن سے ہماری ملاقات ہوئی ہے، یہ سارے لوگ اخبار کو ثابت کرتے ہیں اور انہیں سنت مانتے ہیں، ان کی اتباع کرنے والوں کی تعریف کی جاتی ہے اور مخالفت کرنے والوں کی مذمت کی جاتی ہے، اس مذہب سے علیحدگی اختیار کرنے والے کو ہم لوگوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور ان کے بعد کے اہلِ علم کی راہ سے الگ راہ کا مسافر اور جاہلوں کے جتھے کا ایک فرد مانا جاتا ہے)1053.

1053. مفتاح الجنۃ فی الاِحتجاج بالسنۃ، (ص35,34).

محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (مشرق ومغرب کے تمام فقہاء کا قرآن پر اور ان احادیث پر جو ثقہ راویوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ سے اللہ عزوجل کی صفت میں وارد ہوئی ہیں، ان کی بلا تاویل، بلا توصیف اور بلا تشبیہ کے ایمان لانا واجب ہے)1054.

مسائلِ صفات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق:

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نصوص کو بسر وچشم تسلیم کرنے والے اور ان سے تمسک کرنے والے تھے، ان کے درمیان صفات کے مسائل میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا جیسا کہ بعد میں خواہشات وبدعات کے پرستاروں کے درمیان واقع ہوا، اس سلسلے میں ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (صحابہ کا بہت سے مسائلِ احکام میں اختلاف رہا ہے، اور وہ مومنین کے سردار اور امت میں سب سے کامل ایمان والے تھے، لیکن الحمد للہ اسماء وصفات وافعال کے مسائل میں سے کسی بھی مسئلہ میں ان کے درمیان اختلاف نہیں رہا ہے، بلکہ وہ سب کے سب اول سے لے کر آخر تک بیک زبان قرآن وسنت کے ذکر کردہ صفات کو ثابت کرتے رہے ہیں، نہ کبھی ان کی تاویل کی، نہ تبدیلی کے ارادہ سے ان کو ان کے معانی سے پھیرا، نہ ان میں سے کسی کے ابطال کی کوشش کی، نہ ان کی کوئی مثال پیش کی، نہ ان کے وسط میں اور اخیر میں کچھ داخل کیا، نہ ان میں سے کسی نے یہ کہا کہ انہیں ان کے حقیقی معانی سے پھیرنا اور ان کو مجاز پر محمول کرنا ضروری ہے، بلکہ انہوں نے انہیں قبول وتسلیم کے جذبہ کے ساتھ حاصل کیا، ایمان وتعظیم کے ساتھ ان کا سامنا کیا، ان تمام صفات میں ان کا ایک ہی معمول رہا اور سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا، ان لوگوں نے ویسا نہیں کیا جیسا کہ خواہشات وبدعات کے پرستاروں نے کیا تھا، جنہوں نے ان کے ٹکڑے کیے اور بعض کا اقرار کیا اور بعض کا بلا دلیلِ مبین کے انکار کیا)1055.

اور اہلِ سنت والجماعت مسائل اعتقاد میں کتاب وسنت کے نصوص سے استدلال کے تعلق سے ہمیشہ اسی منہج پر قائم رہے۔

1054. اس کو لالکائی نے (شرح اصول اعتقاد أهل السنة والجماعة)، (432/3)، (رقم 740)؛ وابن قدامة در (ذم التأويل)، (ص14)، رقم.

1055. إعلام الموقعين عن رب العالمين، (49/1).

چوتھا مطلب

اصولِ اعتقاد پر متواتر و آحاد سے ان کا استدلال

اہلِ سنت والجماعت کتاب وسنت کے تمام نصوص سے استدلال کرتے ہیں، وہ کتاب اور سنتِ صحیحہ کے نصوص کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور نہ حدیثِ متواتر 1056 اور خبرِ آحاد 1057 کے درمیان تفریق کرتے ہیں، بلکہ عقائد واحکام میں متواتر وآحاد سے یکساں طور پر استدلال کرتے ہیں۔

خبر واحد علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے:

جب خبر واحد کو امت کی طرف سے قبولِ عام حاصل ہو جائے تو وہ علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے، محدثین وفقہاء میں سے جماہیر امت کا یہی قول ہے، اس بارے میں سمعانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جب خبر رسول اللہ ﷺ سے بسندِ صحیح ثابت ہو اور اس کو ثقات وائمہ روایت کریں، اور خلف اپنے سلف کے ذریعہ اس کو رسول اللہ ﷺ تک مسنداً بیان کریں، پھر اس کو امت قبولیت سے نوازے تو علم والی باتوں میں وہ موجبِ علم ہوتی ہے، یہی عام اہلِ حدیث اور سنت پر قائم اہلِ اتقان کا قول ہے، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ خبر واحد کسی بھی حال میں علم کا فائدہ نہیں دیتی، اور علم حاصل ہونے کے لئے اس کا بطریقِ تواتر منقول ہونا ضروری ہے، تو یہ ایسی بات ہے جس کو قدریہ ومعتزلہ نے ایجاد کیا ہے، اور اس سے ان کا مقصد اخبار کو رد کرنا ہے) 1058.

اس کی تائید ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے، وہ کہتے ہیں: (جب امت خبر واحد کو عمل وتصدیق کے ذریعہ قبولیتِ عام عطا کردے تو وہ جمہور امت کے نزدیک علمِ یقینی کا فائدہ دیتی ہے، اور یہ متواتر ہی کی ایک قسم ہے، اس میں سلفِ امت کے درمیان کوئی نزاع نہیں رہا ہے، جیسے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث:

1056. (**الحديث المتواتر**): کسی امر محسوس کے بارے میں وہ خبر جس کو ایک ایسی جماعت نے روایت کیا ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال ہو. دیکھئے: تدریب الراوی، للنووی (180/2).

1057. (**خبر الآحاد**): وہ خبر جو متواتر سے کم تر درجہ کی ہو، اس میں علماء کے مابین اختلاف ہے کہ (خبر واحد) کس چیز کا فائدہ دیتی ہے اور ان کے تین اقوال ہیں: راجح یہ ہے کہ خبر واحد علم کا فائدہ دیتی ہے، یہی اکثر محدثین وفقہاء کا قول ہے. الحدیث حجۃ بنفسہ، للألبانی (ص 19).

1058. الإنتصار لأصحاب الحدیث، (35,34).

(**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ** ...)1059 ہے، نبی ﷺ اپنے رسولوں کو تنہا بھیجا کرتے تھے، اور اپنے خطوط کو کسی ایک فرد کے ذریعہ بھیجتے تھے، لیکن جس کے پاس بھیجا جاتا تھا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ ہم اسے قبول نہیں کریں گے اس لئے کہ یہ خبر واحد ہے، اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**هُوَ الَّذِى أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ**)[التوبة :۳۳] (ترجمہ: وہ اللہ کی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا ہے، تاکہ اسے دنیا کے تمام ادیان پر غالب کرے، اگر چہ مشرکین ایسا نہیں چاہتے ہیں)۔ پس یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالی اپنی مخلوق کے لئے اپنے دلائل وبینات کی حفاظت کرے تاکہ اس کے دلائل وبینات باطل نہ ہوں)1060.

عقائد واحکام میں خبرِ واحد کی حجیت:

ہر زمانے کے اہلِ فقہ واثر میں سے عام سلف کا عادل واحد کی خبر کے قبول کئے جانے پر اور اس کے ثابت ہونے اور دوسرے اثر یا اجماع سے اس کے منسوخ نہ ہونے کی صورت میں اس پر عمل کے واجب ہونے پر اجماع رہا ہے، اس میں ان کی مخالفت صرف خوارج نے اور طوائفِ مبتدعہ نے کی ہے جن کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہے 1061.

آپ بہت سے مدعیانِ علم اور اہلِ بدعت کے نزدیک یہ نہایت حیرت انگیز بات پائیں گے کہ وہ ایک طرف اہلِ سنت پر عقیدہ میں خبر آحاد سے استدلال کرنے پر اعتراض کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ خود فقہی مسائل وغیرہ میں آنکھ بند کر کے ضعیف حدیث سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، جب آپ ان سے بحث کریں گے تو وہ کہیں گے کہ حدیث اگر چہ ضعیف ہو مگر بہر حال رائے سے بہتر ہوتی ہے، یا وہ کہیں گے کہ بعض ائمہ نے فضائلِ اعمال میں اس کی اجازت دی ہے، اور اس بات کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیں گے کہ جن ائمہ نے فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث سے استدلال کرنے کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے مسائلِ اعتقاد میں صحیح اخبارِ آحاد سے استدلال کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے، اور کعبہ کے رب کی قسم یہ نہایت حیرت انگیز معاملہ ہے!

1059. البخاری، (3/1)، (ح 1) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (1515/3)، (ح 1907).

1060. شرح العقیدہ الطحاویۃ، ابن ابی العز، (ص 400,399).

1061. دیکھئے: التمہید، ابن عبد البر (2/1).

پانچواں مطلب

اصولِ اعتقاد پر اجماع اور عقل وفطرت سے ان کا استدلال

تیسرے مطلب میں کتاب وسنت کے نصوص کو تسلیم کرنے کے وجوب پر گفتگو ہو چکی ہے، اس لئے کہ وہ دونوں دین کے اصول اور فروع کو جاننے کے لئے کلیدی مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لئے ایک مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر موڑ پر کتاب وسنت کے نصوص پر اکتفا کرے، البتہ ہمارے پاس کچھ ایسے مصادر بھی ہیں جو کتاب وسنت کے احکام کی تائید کے لئے مقرر ہیں جیسے کہ اجماع، عقلِ صحیح، اور فطرتِ سلیمہ، اور ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

اول: مسائلِ اعتقاد پر اجماع کی دلالت:

کتاب وسنت کے بعد اجماع مصادرِ تشریع میں سے تیسرا مصدر ہے، البتہ کتاب اور سنت تمام مسائلِ دین کے لئے اصلی سرچشمہ ہیں، چاہے عقیدہ کا مسئلہ ہو یا احکام کا، اس بارے میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جہاں تک کتاب وسنت کی بات ہے تو وہ دونوں احکامِ شرعیہ میں استدلال کے اعتبار سے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں، ان کے بعد اجماع ہے اور اس کو وہی جان سکتا ہے جو اختلاف کو جانتا ہو)1062.

یہ اجماع جس پر مسائلِ اعتقاد میں اہلِ سنت قائم ہیں اس کے متعدد دلالات ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ اس مصدر کی وحدت جس سے انہوں نے اسے حاصل کیا ہے اور اس سے مسائلِ اعتقاد میں استدلال کیا ہے، اور وہ قرآن کریم، سنت نبویہ اور نبی ﷺ کے اصحاب کا عمل ہے، اور اگر مصادر متعدد ہوتے تو آراء وخیالات بھی مختلف ہوتے اور اجماع محال ہو جاتا۔

۲۔ اہلِ سنت کے منہج کی وحدت: ان کے درمیان شہروں کی دوری، مختلف علاقوں میں ان کی سکونت اور مختلف زمانوں میں ان کے پائے جانے کے باوجود ان کا منہج ایک تھا، اس سے وہ باہر نہیں آئے اور نہ علیحدہ

1062. الفقیہ والمتفقہ، (40/2).

ہوئے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو حق نے آپس میں جوڑ رکھا تھا تعصب اور مذہب پرستی نے نہیں، کیونکہ ان کی زمانی ومکانی دوری کے پیش نظر کسی معاملہ میں اس طرح ان کا متفق ہونا مستحیل تھا الا یہ کہ وہ خالص حق اور عین یقین ہو۔

۳۔ ارادہ ومقصد کی صداقت: اس لئے کہ وہ اللہ کے لئے یکسو ہونے، حق کے سامنے سر اطاعت خم کرنے، اور دلیل کو تسلیم کرنے میں نہایت بلند مقام پر فائز تھے، ان لوگوں نے حق کو ہوی اور میلان اور عقل جیسی چیزوں پر مقدم رکھا اور انہیں دلیل کے تابع بنایا، یہ ان کے قلوب کی صفائی، دلوں کی نظافت اور ایمان کی مضبوطی کا نمونہ ہے۔

دوم: مسائلِ اعتقاد میں عقلِ صحیح کی دلالت:

پہلے مطلب میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اہلِ سنت نے عقل کو معطل نہیں کیا ہے بلکہ اسے اس کے شایانِ شان مقام عطا کیا ہے، البتہ انہوں نے اسے اس کے حجم سے بڑا بھی نہیں مانا ہے، لہذا اس کو نصوص پر مقدم نہیں کیا جائے گا، نہ اس کو نصوص میں حَکم مانا جائے گا، اسی طرح اہلِ سنت نے عقل کو نصوص شرعیہ پر حاکم مقرر نہیں کیا، اور نہ عقل ونقل کے درمیان تعارض کھڑا کیا، بلکہ عقلِ صریح نقلِ صحیح کی معارض نہیں ہوسکتی، لیکن انہوں نے عقل کو نظر انداز نہیں کیا اور نہ اس کی شان کو کم کیا، بلکہ شریعت کی موافقت وتائید کے لئے اس کا استعمال کیا۔

مسائلِ اعتقاد میں عقل کے دائرے:

غیبی امور میں عقل کو استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان کے بیان وشرح میں عقل کا کوئی کردار نہیں ہے، جیسے کہ اللہ تعالی کی صفات وافعال، بعث، حساب وجزا، اور جنت وجہنم جیسے آخرت کے حقائق ومسائل ہیں، عقل اگرچہ ان غیبی امور کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتی، مگر وہ اس کو مستحیل اور ناممکن الوجود بھی نہیں سمجھتی ہے۔

اور ہمارے سامنے ایسے مسائل ہیں جنہیں عقلی معیارات سے جانا گیا ہے، جیسے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت ہے، کتاب وسنت کے بہت سے نصوص ہیں جو دلالتِ خبریہ اور دلالتِ عقلیہ کے ذریعہ اس کو ثابت کرتے ہیں، اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ربوبیت والوہیت کی وحدانیت میں سے ہر ایک اگرچہ ضروری وبدیہی فطرت کے ذریعہ اور نبوی والہی شریعت کے ذریعہ معلوم ہے، مگر

وہ بیان کردہ امثال کے ذریعہ بھی معلوم ہے جو کہ عقلی پیمانے ہیں)1063.

قرآنِ کریم عقلی امثال، مادی تصویروں، منطقی اصولوں اور عقل کو مخاطب کرنے والے دلائل و براہین سے پُر ہے، اس کے ذریعہ وہ عقیدہ کے مسائل وقضایا کو ثابت کرتا ہے، اس نے تمام لوگوں کو کائنات کے اندر غور وفکر کرنے اور تدبر وتفکر سے کام لینے کی دعوت دی ہے تاکہ انہیں خالق کی توحید، اس کی تنزیہ اور اس پر ایمان کے تعلق سے قرآن کریم کے بیان کی صداقت معلوم ہوسکے۔

اہلِ سنت نے عقل کو استعمال کیا اور اس سے مطمئن ہوئے اور نقل پر یقین کیا، ان کو اس پر یقین تھا کہ عقل اور نقل کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے لہذا ان کے ایمان اور تسلیم میں اضافہ ہوتا گیا، اس طرح انہوں نے عقل اور نقل کے درمیان توازن کو قائم کیا، نہ تو نقل کی قیمت پر عقل کو ترجیح دیا، اور نہ عقل کی پختگی تسلیم کرکے نقل کو نظر انداز کیا، بلکہ انہوں نے نقل پر ایمان رکھا اور عقل کو استعمال کیا۔

سوم: مسائلِ اعتقاد پر فطرتِ سلیمہ کی دلالت:

اگر فطرت کو اسی حالت پر چھوڑ دیا جاتا جس پر اللہ تعالی نے اس کو پیدا کیا تھا تو وہ اپنی پہلی حالت میں محفوظ و مامون ہوتی، مگر اس کو ایسی چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے جو اسے بدل دیتی اور منحرف کر دیتی ہیں، اسی کی اصلاح و تقویم کے لئے اور بندوں کے دلوں میں پوشیدہ حق کو بیان کرنے کے لئے اللہ تعالی نے رسولوں کو مبعوث کیا اور کتابوں کو نازل کیا۔

اعتقادی مسائل فطرتِ سلیمہ کے موافق ہیں، لہذا کوئی بھی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کی صحت کی شہادت فطرت نہ دیتی ہو، ذیل میں اس کی تفصیل پیش کی جارہی ہے:

أ۔ فطرت کی (توحید ربوبیت) پر دلالت: اللہ تعالی کا وجود اور اس کے خلق پر اس کی ربوبیت کا اقرار ایک ضروری وفطری امر ہے جس پر اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے قلوب کو پیدا فرمایا ہے 1064.

ب۔ فطرت کی (توحید الوہیت) پر دلالت: اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے قلوب کو اپنی معرفت، اپنی

1063. مجموع الفتاوی، (37/2).

1064. دیکھئے: الصواعق المرسلة علی الجهمية المعطلة، (1278,1277/4).

محبت، اپنی تعظیم اور اخلاص پر استوار کیا ہے، لہذا انبیاء علیہم السلام لوگوں کو خالق کے وجود سے آشنا کرنے کے لئے نہیں آئے تھے، بلکہ وہ توحید کی دعوت اور شرک کی نفی و انکار، عبودیت کے بیان و اظہار اور اس کی اس تفصیل سے آگاہ کرنے کے لئے آئے تھے جس کو فطرت اپنے طور پر نہیں جان سکتی تھی، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے رسولوں کو اس لئے بھیجا تا کہ وہ لوگوں کو ان باتوں کی یاد دہانی کرائیں (جو اس کی معرفت، اس کی محبت، اس کی تعظیم و اجلال ، اس کے لئے خضوع اور اخلاص اور اس کی خالص عدل پر مبنی شریعت سے محبت کرنے اور دوسری تمام چیزوں پر اس کو فوقیت دینے کے تعلق سے ان کی فطرت میں مرکوز تھیں) 1065.

ج۔ فطرت کی (توحید اسماء وصفات) پر دلالت: جس طرح انسان اللہ تعالی کی معرفت، اس کی محبت اور اس کی عبادت پر مفطور ہے اسی طرح وہ اس کی تعظیم و اجلال پر اور اس بات پر بھی مفطور ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی اکبر، اجل، اعلی، اعلم، اعظم، اور ہر شئ سے اکمل ہے، اور یہ ساری باتیں فطرتِ سلیمہ میں مستقر ہیں۔

اسی طرح فطرتِ سلیمہ میں یہ بھی مستقر ہے کہ اللہ تعالی کو کمالِ مطلق حاصل ہے، اللہ تعالی کی صفاتِ علیا میں کسی بھی طرح کا کوئی نقص نہیں پایا جاتا، باری تعالی کو اپنی ذات میں اور اپنی صفات و افعال میں کمالِ مطلق حاصل ہے، لیکن اس کمال کو تفصیل کے ساتھ جاننا رسولوں پر موقوف ہے، اسی طرح اللہ سبحانہ کو نقائص و عیوب سے منزہ ماننا بھی خلائق کی فطرت میں مستقر ہے 1066.

لوگوں کی فطرت میں مستقر نمائندہ امور میں سے عالَم پر اللہ تعالی کے عُلو کا علم بھی ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جب لوگوں کو کوئی مصیبت اور تکلیف لاحق ہوتی ہے تو وہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کی طرف پوری توجہ کے ساتھ رُخ کرتے ہیں، اس سے سوال و دعا کرتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو دعا کے وقت اوپر کی طرف اُٹھاتے ہیں 1067.

اہلِ سنت فطرت کو معرفتِ عقیدہ کے وسائل میں سے ایک وسیلہ نہیں مانتے، بلکہ رسولوں کے لائے ہوئے احکام پر، قرآن کے اخبار پر اور سنتِ نبویہ کے بیان پر اس سے استدلال کرتے ہیں، اس طرح وہ ان دونوں پر ایمان رکھتے اور ان دونوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

1065. شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل، (ص 301, 302).

1066. شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل، (ص 302).

1067. دیکھئے: الصواعق المرسلۃ علی الجھمیۃ المعطلۃ، (1306/4).

پس معلوم ہوا کہ عقل، اجماع اور فطرت کی دلالتیں ہوتی ہیں وہ وسائل نہیں ہیں، وسیلہ اور دلالت کے درمیان بہت زیادہ دوری پائی جاتی ہے، وسیلہ اصل ہے اور دلالت فرع ہے، الغرض مسائلِ عقائدیہ کی معرفت میں اہلِ سنت کے وسائل معروف ہیں، اور وہ کتاب وسنت ہیں، جہاں تک فرعی دلائل جیسے اجماع، عقل اور فطرت سے ان کے استدلال کرنے کی بات ہے تو وہ فقط استئناس کے لئے اور اس چیز کے احترام میں ہے جس کو اللہ تعالی نے انسانوں میں ودیعت کر رکھی ہے اور جس کو ان کی جبلت بنایا ہے، نیز ان کے عقول کے احترام اور ان کے استعمال کے غرض سے ہے، اور ایسا اس لئے کیا ہے کیونکہ اصلی وسائل اور فرعی دلالات کے درمیان تعارض بالکل معدوم ہے، اور اللہ کی قسم یہ تلقی اور منہج کے لحاظ سے اہلِ سنت کی عظمت کا ایک روشن پہلو ہے۔

چھٹا مطلب

محکم پر عمل اور متشابہ پر ایمان

اہلِ سنت والجماعت کتاب وسنت کے محکم نصوص پر عمل کرتے ہیں اور متشابہ پر ایمان رکھتے ہیں، جس کو سمجھنا دشوار ہو اس کو اپنے عالم کی طرف لوٹاتے ہیں، اہلِ بدعت وضلال کے برخلاف جو متشابہ کی اتباع کرتے ہیں اور محکم کو ترک کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں اس فعلِ بد سے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: (**هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَیکَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَ أُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ**) [آل عمران:۷]۔(اُسی نے آپ پر کتاب اتاری ہے جس میں محکم آیتیں ہیں جو اس کتاب کی اصل ہیں، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں، پس جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے وہ فتنہ انگیزی کے غرض سے اور تاویل کے غرض سے انہیں متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور راسخ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لے آئے۔سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں، اور نصیحت تو صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں)۔وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیتوں کی اتباع کرتے ہیں، تو جان لو کہ وہی لوگ ہیں جن کا نام اللہ نے لیا ہے، تم لوگ ان سے دور رہو)1068.

نبی کریم ﷺ نے ہمیں قرآنی متشابہات کی اتباع کرنے والوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ متشابہ آیات کی تلاش میں رہتے ہیں اور ان میں سے محکم کو چھوڑ دیتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان کے دین کے تعلق سے فتنہ میں مبتلا کریں اور ان کو گمراہ کریں، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے گمراہ قرار دیا ہے، اور اسی

1068. البخاری،(1655/4)،(ح4273)؛ ومسلم،(2053/4)،(ح2665).

وجہ سے نبی ﷺ ان سے ہوشیار رہنے اوران کے شر وضلال سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، اور گفتگو کرنے سے اجتناب کر کے، کیونکہ یہ لوگ ضلالت وبدعت اور فساد پھیلانے والے ہیں اس لئے ان کا حق یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالی کے لئے قطع تعلق کرلیا جائے1069.

محکم ومتشابہ کا معنی:

محکم: جو معنی کے اعتبار سے واضح اور دلالت کے اعتبار سے ظاہر ہو، یا تو ذاتی طور پر یا غیر کے ساتھ مل کر۔

اور **متشابہ:** جس کا معنی واضح نہ ہو، یا جس کی دلالت ظاہر نہ ہو، نہ ذاتی طور پر اور نہ غیر سے مل کر1070.

''محکم پر عمل کرنے'' اور ''متشابہ پر ایمان رکھنے'' کے سلسلے میں قرآن کی دلالت:

محکم پر عمل کرنے اور متشابہ پر ایمان رکھنے، نیز متشابہ کو محکم کی طرف اور خفی کو جلی کی طرف لوٹائے جانے پر قرآن کریم کی دلالت واضح ہے، کیونکہ قرآن کریم کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے، اس بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے: (**هُوَالَّذِی أَنْزَلَ عَلَيکَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَ أُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِيْنَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَا ءَ الْفِتْنَةِوَ ابْتِغَاءَ تَأْوِيْلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ**) [آل عمران : ۷]۔(اُسی نے آپ پر کتاب اتاری ہے جس میں محکم آیتیں ہیں جو اس کتاب کی اصل ہیں، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں، پس جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے وہ فتنہ انگیزی کی غرض سے اور تاویل کی غرض سے انہیں متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، اور راسخ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لے آئے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں، اور نصیحت تو صرف عقل والے حاصل کرتے ہیں)۔

''محکم پر عمل کرنے'' اور ''متشابہ پر ایمان رکھنے'' کے سلسلے میں سنت کی دلالت:

عمل بر محکم اور ایمان بر متشابہ کے سلسلے میں سنت کی دلالت قرآن کی دلالت کی طرح ہے، اس بارے میں

1069. دیکھئے: عون المعبود، (227/12).

1070. دیکھئے: فتح القدیر، (314/1).

متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**إِنَّ الْقُرآنَ لَمْ يَنْزِلْ يُكَذِّبُ بَعْضُهُ بَعْضًا ، بَلْ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا ، فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوا بِهِ ، وَمَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ فَرُدُّوهُ إِلَي عَالِمِهِ**)1071.

(یعنی: قرآن اس لئے نازل نہیں ہوا کہ اس کا بعض حصہ بعض کی تکذیب کرے، بلکہ اس لئے نازل ہوا کہ اس کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرے، لہذا اس کے جس حکم سے تم واقف ہو جاؤ اس پر عمل کرو، اور جس سے واقف نہ ہوسکو اس کو اس کے عالم کی طرف لوٹاؤ)۔

۲۔ نبی ﷺ کا قول ہے: (**نَزَلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ ، الْمِرَاءُ فِي الْقُرْآنِ كُفْرٌ . ثلاث مَرَّاتٍ . فَمَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوا ، وَ مَا جَهِلْتُمْ مِنْهُ فَرُدُّوهُ إِلَي عَالِمِهِ**)1072۔(یعنی: قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، قرآن میں جھگڑنا کفر ہے۔ تین بار فرمایا۔ پس اس میں سے جس سے واقف ہو جاؤ اس پر عمل کرو اور جس سے ناواقف رہو اس کو اس کے جاننے والے کی طرف لوٹاؤ)۔

ابن رجب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اس پر سلف صالح کا اتفاق ہے کہ ان نصوص کو بغیر حذف واضافہ کے اسی طرح گذارا جائے جس طرح وہ وارد ہوئے ہیں، ان میں سے جس کو سمجھنا مشکل معلوم ہو، اور جس کے ادراک سے عقل قاصر ہو اس کو اس کے جانکار کے حوالے کر دینا چاہئے)1073.

1071. مسند احمد، (181/2)، (ح6702). اور البانی نے (شرح العقیدة الطحاویة)، (ص218)، (ح218) میں صحیح کہا ہے.

1072. مسند احمد، (300/2)، (ح7976). اور محققین مسند نے کہا ہے، (369/13)، (ح7989): (اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے).

1073. فتح الباری فی شرح صحیح البخاری۔

تیسرا مبحث

عمل وتطبیق میں منہجِ اہلِ سنت کی عظمت

اوراس میں پانچ مطالب ہیں:

پہلا مطلب: نبی ﷺ کی اتباع سے ان کی والہانہ محبت

دوسرا مطلب: سابقین اولین کی اقتدا

تیسرا مطلب: اولیاء اللہ سے محبت اوراعداء اللہ سے براءت

چوتھا مطلب: محدثات اوربدعات سے ان کا اجتناب

پانچواں مطلب: افراط وتفریط کے درمیان ان کا توسط

پہلا مطلب

نبی ﷺ کی اتباع سے ان کی والہانہ محبت

اول: قرآن کریم میں نبی ﷺ کی اتباع کا حکم:

اللہ تعالی نے بہت ساری آیتوں میں نبی ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے، جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا قول ہے: **(قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ)** [آل عمران:۳۱]

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے)۔

وجہِ دلالت: اللہ سبحانہ وتعالی کی محبت کے علامات میں سے ان کے نبی ﷺ کی اتباع ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ آیت کریمہ ہر اس شخص کے لئے ایک کسوٹی ہے جو اللہ سے محبت کرنے کا دعوی کرتا ہے لیکن وہ طریقۂ محمدیہ پر نہیں ہے، وہ درحقیقت جھوٹا ہے الا یہ کہ شرع محمدی اور دین نبوی کی اپنے تمام اقوال وافعال میں اتباع کرے)1074.

۲۔ اللہ تعالی کا قول ہے: **(قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ)** [الأنعام:۵۰]۔

(ترجمہ: آپ کہئے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ تک بھیجی جاتی ہے، آپ کہئے کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوسکتا ہے، کیا تم لوگ سوچتے نہیں)۔

وجہِ دلالت: اگر نبی ﷺ صرف وحی پر عمل کرتے تھے تو آپ کی امت میں سے کسی کے لئے آپ پر نازل کی

1074. تفسیر ابن کثیر، (359/1).

جانے والی وحی پرعمل کرنے کے سوا کوئی چارہ کارنہیں ہے۔

۳۔اللہ تعالی کا قول ہے:(**قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ**) [**الأحقاف**:۹]۔

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول تونہیں ہوں، نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے ساتھ اورتمہارے ساتھ کیا جائے گا، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے،اور میں تو صرف واضح طور پرڈرانے والا ہوں)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے نبی ﷺ کواسوہ بنانے اوران کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالی ہی نے اس شریعتِ مبارکہ کی آپ پروحی کی ہے۔

دوم: اسلام میں قبولیتِ عمل کی شرطیں:

لوگوں سے عمل وعبادت کے قبول کئے جانے کے لئے اسلام نے کچھ شرطیں مقرر کیا ہے،اور کتاب وسنت اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ کوئی عبادت اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک اس میں دوشرطیں نہ پائی جائیں: یعنی اخلاص اورمتابعت، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں ہے:(**فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا**) [**الكهف**:۱۱۰]۔

(ترجمہ: پس جس کوبھی اپنے رب سے ملنے کی آرزو ہواسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اوراپنے رب کی عبادت میں کسی کوبھی شریک نہ کرے)۔

ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (دینِ اسلام دواصول پرمبنی ہے، جوان میں سے کسی سے باہر گیا اس کا نہ کوئی عمل رہا اورنہ دین: ایک یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کوشریک نہ کریں، دوسرا یہ کہ ہم اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت کریں، بدعات ومحدثات کے سہارے سے نہیں، اوریہی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی حقیقت ہے)1075.

سوم: صحابہ کرام کے اندر اتباع کی مثالیں:

تمام امور میں نبی ﷺ کی اقتدا اوراتباع کرنے میں صحابۂ کرام ہمارے لئے مثل اعلی ہیں، اوراس کی مثالیں

1075. تلخیص کتاب الاستغاثۃ، اوردیکھئے: مجموع الفتاوی۔

درج ذیل ہیں:

۱۔عمر رضی اللہ عنہ کی مثال: عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور کہا: (میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع، اور اگر میں نے نبی ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا)1076

وجہِ دلالت: عمر رضی اللہ عنہ کا حجرِ اسود کو بوسہ دینا محض اللہ تعالی کی تعظیم کے ارادے سے تھا، اور نبی ﷺ کی اتباع کے علاوہ اس کا کوئی ظاہری و محسوس سبب نہیں تھا1077.

۲۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مثال: عبدالرحمٰن بن زید بیان کرتے ہیں: عبداللہ بن مسعود نے بطن وادی سے جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں، اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے رہے، ان سے کہا گیا: بعض لوگ تو اس کو اس کے اوپر سے کنکری مارتے ہیں، عبداللہ بن مسعود نے کہا: (قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے، یہی وہ مقام ہے جہاں نبی ﷺ پر سورۃ البقرہ نازل ہوئی تھی)1078.

وجہِ دلالت: ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف سے نبی ﷺ کی کامل اتباع، (ان کے قول کا مطلب ہے: یہیں سے اس ذات نے رمی کیا ہے جن پر امور مناسک نازل ہوئے ہیں اور جن سے شریعت حاصل کی گئی ہے، لہذا وہ اس شخص کے مقابلہ میں اتباع کے زیادہ حقدار ہیں جس نے جمرہ کو اوپر سے کنکری ماری ہے)1079.

۳۔ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مثال: ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: (میں نے ان دونوں ارکان رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کا استلام نہ تکلیف میں چھوڑا اور نہ آرام میں، جب سے میں نے نبی ﷺ کو ان دونوں کا استلام کرتے ہوئے دیکھا)1080.

1076. البخاری، (579/2)، (ح1520).

1077. دیکھئے: شرح صحیح البخاری، ابن بطال (278/4).

1078. البخاری، (622/2)، (ح1660)؛ ومسلم، (942/2)، (ح1296) اور لفظ انہی کا ہے.

1079. عمدۃ القاری، (87/10).

1080. البخاری، (582/2)، (ح1529)؛ ومسلم، (924/2)، (ح1268) اور لفظ انہی کا ہے.

وجہِ دلالت: ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اندر سنتِ نبی ﷺ کی اتباع کا جذبہ وشوق، حتی کہ ازدہام وغیرہ کا سامنا کر کے بھی۔

اور اہلِ سنت والجماعت اپنے تمام احوال وظروف میں رسول اللہ ﷺ کی متابعت اور آپ کے راستے کی پیروی میں تمام لوگوں سے زیادہ حریص واقع ہوئے ہیں، وہ اس میں بشمولِ صحابہ وتابعین خیر سلف کے بہترین خلَف رہے ہیں، اور سنت کی جمع وتدوین، اس کی حفاظت، اس کے صحیح وسقیم کی شناخت، اور اس فن میں مؤلفات کی کثرت، ان حضرات کی طرف سے نبی ﷺ کی مکمل متابعت کئے جانے کے پختہ ویقینی شواہد ہیں، علمائے اہلِ سنت نے سنتِ نبویہ کی جمع وتدوین اور حفاظت کا بیڑہ اٹھایا، صحاح وسنن ومسانید وجوامع پر مشتمل جو کتابیں ہیں وہ ان کی سنت سے گہری وابستگی کے اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے اس کی حفاظت کئے جانے کے روشن دلائل ہیں، تاکہ آنے والی ساری نسلیں اس کے مطابق عمل کریں اور اس کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کریں، ان لوگوں نے اپنے اس عمل کے ذریعہ اپنے لئے خیر کو پسند کرنے کے ساتھ دوسروں کے لئے خیر کو پسند کرنے کی اپنی روش کا اعلان بھی کردیا۔

اسی طرح اہلِ سنت کسی بھی شخص کے قول کو رسول اللہ ﷺ کے قول پر مقدم نہیں کرتے، اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ: ہر شخص کے قول کو لیا اور رد کیا جاسکتا ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے قول کے۔

دوسرا مطلب

سابقین اولین کی اقتدا

اول: سابقین اولین کی دوسروں پر فضیلت:

مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کو بہت بڑی فضیلت اور بڑا اونچا مقام حاصل ہے، اس لئے کہ وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نبی ﷺ کے قریب رہے، ان لوگوں نے نزول قرآن کا مشاہدہ کیا اور وہاں موجود رہے، نیز وہ اس امت کی پہلی جماعت ہیں جن کو مخاطب کیا گیا، ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بشکل قول و عمل قرآن کریم کی تفسیر سنی،، لہذا وہ اللہ تعالی کے مراد کو۔ نبی ﷺ کے بعد۔ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے، قرآن مجید نے ان کے فضل عظیم کی یوں شہادت دی ہے، اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ وَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَ أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ**) [التوبة :١٠٠]۔

(ترجمہ: اور مہاجرین وانصار میں سے وہ اولین لوگ جنہوں نے ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں دوسروں پر سبقت کی، اور وہ دوسرے لوگ جنہوں نے اُن سابقین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا، اور وہ سب اللہ سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے)۔

وجہِ دلالت: جس نے سابقین اولین رضوان اللہ علیہم کی اتباع کی اور اعتقادات، اقوال اور اعمال میں بطریق احسن ان کی اقتدا کیا وہ اللہ تعالی کے رضوان میں، جنتوں میں ہمیشہ رہنے کے اس کے وعدہ میں اور عظیم کامیابی میں ان کے ساتھ شامل ہوگیا 1081.

1081. دیکھئے: الفوا کہ العذ اب فی الرد علی من لم یحکم السنة والکتاب، (240/2)؛ تفسیر السعدی، (350/1).

سابقین اولین کے حق میں نبی ﷺ کی وصیت:

نبی ﷺ نے لوگوں کو مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین اوران کی بہتر اتباع کرنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی وصیت کی ہے، نبی ﷺ کا قول ہے: (میرے اصحاب کے ساتھ بھلائی کرنے کی میری وصیت کو مانو، پھران کے بعد والوں کے ساتھ، پھران کے بعد والوں کے ساتھ، پھراس کے بعد جھوٹ کا بول بالا گا، حتی کہ ایک آدمی گواہی دینا شروع کردے گا قبل اس کے کہ اس سے گواہی مانگی جائے)1082.

دوم: ہم صحابہ وتابعین کی اقتدا کیوں کریں؟:

اہلِ سنت والجماعت کی طرف سے صحابہ اوران کے سچے تابعین کی اقتدا کئے جانے کے کئی اسباب ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔صحابۂ کرام نے اپنی زندگی کے تمام معاملات میں نبی ﷺ کی اقتدا کی، انہوں نے آپ سے دین کے تمام چھوٹے بڑے حکم کو یاد کیا، آپ کے اخلاق وتصرفات کا مشاہدہ کیا، اس لئے ان کا اللہ تعالی کو سب سے زیادہ جاننا اور نبی ﷺ کی سنت کو سب سے زیادہ پہچاننا کوئی عجیب بات نہیں ہے، بلکہ یہ ان کے بعد والوں کے لئے قیامت تک انہیں قدوہ بنائے جانے کے لئے کافی ہے۔

۲۔قرآن کی طرف سے ان کا تزکیہ کیا جانا اور کئی مقامات پران کے فضل وعدالت کی شہادت دیا جانا، جیسے کہ اللہ تعالی کا قول ہے: **(وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَ الْأَنْصَارِ وَ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَ أَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ)** [التوبة :۱۰۰]۔

(ترجمہ: اورمہاجرین وانصار میں سے وہ اولین لوگ جنہوں نے ہجرت کرنے اور ایمان لانے میں دوسروں پرسبقت کی، اوروہ دوسرے لوگ جنہوں نے اُن سابقین کی اخلاص کے ساتھ پیروی کی، اللہ ان سب سے راضی ہوگیا، اوروہ سب اللہ سے راضی ہوگئے، اوراللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، یہی عظیم کامیابی ہے)۔

1082. مسند احمد،(18/1)،(ح114).اور محققین مسند نے کہاہے،(269/1)،(ح114):(اس کی سند شیخین کی شرط پرصحیح ہے).

۳۔رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کی مدح وثنا بیان کیا جانا،اور آپ کے ان مبارک اقوال میں سے ایک یہ قول ہے:(**خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُونَهُمْ ، ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُونَهُمْ**)1083 (یعنی:سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں، پھران کے بعد کے، پھران کے بعد کے) اور حقیقت میں ان کی اقتدا نبی ﷺ کی اقتدا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات میں نبی ﷺ کی اقتدا کیا کرتے تھے اور اپنے جملہ امور میں ان کے راستے کی اتباع کرتے تھے۔

سوم:ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ کی اقتدا کرنا:

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے۔جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی اور عرب کے بعض لوگ مرتد ہونے لگے۔کہا تھا:(**وَ اللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ ؛ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ ، وَ اللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا 1084 كَانُوا يُوَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَي مَنْعِهَا**) **قَالَ عُمَرُ رضى الله عنه : (فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ رضى الله عنه ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الحَق**)1085.

(یعنی:اللہ کی قسم!میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ کے درمیان فرق کرے گا، زکاۃ مال کا حق ہے،اللہ کی قسم!اگر لوگوں نے مجھے بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کیا جس کو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیا کرتے تھے تو اس انکار پر میں ان سے جنگ کروں گا) عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:(اللہ کی قسم!اللہ تعالی نے اس کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینے کو کھول دیا تھا،اور میں جان گیا کہ یہی حق ہے)۔

وجہِ دلالت: ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اندر نبی ﷺ کی اقتدا کا اور تمام امور میں آپ کی اطاعت کے جذبے کا پایا جانا،انہوں نے مرتدین سے جنگ کرنے کا عزم کرلیا تھا اگر انہوں نے زکاۃ میں بکری کے بچے کو دینے سے انکار کیا جس کو وہ نبی ﷺ کو دیا کرتے تھے۔

1083. البخاری،(938/2)،(ح2509) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم،(1963/4)،(ح2533).

1084. (العناق): ولادت کے پہلے سال کی بکری،اور مذکر کو ’جدی‘ (بکرا) کہتے ہیں.دیکھئے:شرح صحیح البخاری،ابن بطال(394/3)؛ کشف المشکل،(27/1).

1085. البخاری،(507/2)،(ح1335) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم،(51/1)،(ح20).

تیسرا مطلب

اولیاء اللہ سے محبت اور اعداء اللہ سے براءت

اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ میں ولاء اور براء کو رکنِ رکین اور اصلِ اصیل کی حیثیت حاصل ہے، اسی عقیدہ کے ذریعہ بندے کا اللہ تعالی، اس کے رسول ﷺ، اس کے دین اور مومنین سے ولاء (محبت) اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے دشمنوں سے براء (عداوت) کا اظہار ہوسکتا ہے، اہلِ سنت والجماعت تمام لوگوں سے زیادہ ولاء وبراء کے مسئلہ کو اہمیت دینے والے ہیں، وہ اللہ تعالی کے لئے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے لئے عداوت کرتے ہیں ،ان کا پیمانہ اور معیار ایک ہی ہے، اور وہ ہے اللہ تعالی کے منہج کو اور صحیح عقیدہ کو سختی کے ساتھ اپنانے والوں سے محبت کرنا، وہ اللہ کی رضا میں محبت ورحمت ومودت کو عصبیت، قومیت اور حتی کہ قرابت پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔

ولاء وبراء کا دارومدار محبت اور بغض پر ہے، محبت وولایت اللہ اور اس کے رسول اور اہلِ ایمان کے لئے ہے ،جب کہ کراہت وعداوت اللہ اور اس کے رسول کے دشمن اور کفار کے لئے ہے 1086.

پہلا قاعدہ: اسلام مکمل نہیں ہوتا مگر اس کے علاوہ تمام ادیان سے براءت کا اظہار کرکے:

اس کی دلیل اللہ سبحانہ کا یہ قول ہے: (**وَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَ قَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ۝ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ**) [الزخرف:٢٦-٢٨]۔

(ترجمہ: اور جب کہ ابراہیم نے اپنے والد سے اور اپنی قوم سے کہا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو، بجز اس ذات کے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور وہی مجھے ہدایت بھی دے گا، اور اسی کو وہ اپنی اولاد میں باقی رہنے والی بات قائم کر گئے تا کہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں)۔

دوسرا قاعدہ: ولاء وبراء اللہ تعالی کے لئے ہوگا:

اس دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**وَ أَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ**

1086. دیکھئے: اھل السنۃ والجماعۃ، (ص238).

بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهُ) [التوبة :٣]

(ترجمہ: اوراللہ اوراس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے سامنے حج کے بڑے دن میں اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اوراس کے رسول کا اب مشرکوں سے کوئی تعلق نہیں رہا)۔اس بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ ایک مسلمان ہر اس شخص سے محبت کرتا ہے جس سے اللہ محبت کرتا ہے اور ہر اس شخص سے عداوت کرتا اور براءت کا اظہار کرتا ہے جس سے اللہ عداوت کرتا ہے، پس جس نے اللہ کی رضا میں محبت کیا اور اللہ کی رضا میں عداوت کیا، اللہ کی رضا میں دوستی کیا اور اللہ ہی کی رضا میں نفرت کیا اس نے اللہ تعالی کی ولایت کا حق پورا کیا۔

تیسرا قاعدہ: کفار سے براءت ہو اور گنہگار سے اس کے گناہ کے حساب سے عداوت ہو:

اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: (**لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ**) [المجادلة:٢٢]

(ترجمہ: اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اوراس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہیں پائیں گے، گو وہ ان کے باپ، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کے قبیلے کے ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جب ایک آدمی میں خیر وشر، فسق وفجور، طاعت ومعصیت، اور سنت و بدعت جمع ہو جائے تو وہ موالاۃ اور ثواب کا اپنے خیر کے بقدر اور عداوت وعقاب کا اپنے شر کے حساب سے مستحق ہوگا، ایک شخص کے اندر اکرام کے اور اہانت کے اسباب جمع ہو جاتے ہیں، اس کے اندر یہ بھی اور یہ بھی پایا جاتا ہے، جیسے کہ فقیر چور کا ہاتھ چوری کی وجہ سے کاٹا جائے گا، لیکن اس کو بیت المال سے اتنا دیا جائے گا جو اس کی ضرورت کے حساب سے کافی ہو، یہ وہ قاعدہ ہے جس پر اہلِ سنت والجماعت کا اتفاق ہے، ان کی مخالفت خوارج اور معتزلہ اوران کے موافقین نے کی ہے)1087.

1087. مجموع الفتاوی،(209/28).

دوم: مومنین سے موالاۃ کا وجوب:

مومنین سے محبت کرنے کے وجوب پر کتاب وسنت میں بے شمار دلیلیں ہیں، اور یہ محبت وموالات حق وعدل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق اور ظلم وجور سے پاک ہو۔

دلائل:

۱۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (**وَ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ يُطِيعُونَ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ**) [التوبة :۷۱]۔

(اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اللہ انہی لوگوں پر رحم کرے گا، بے شک اللہ زبردست، بڑی حکمتوں والا ہے)۔

وجہِ دلالت: مومنین ومومنات کا محبت اور نصرت وحمایت کے اعتبار سے ایک دوسرے کا مددگار رہنا، نیز ان کا امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامتِ نماز اور اللہ اور اس کے رسول کی پابندی کے ساتھ اطاعت سے متصف ہونا۔

۲۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (**أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ**) [الفتح :۲۹]۔(ترجمہ: وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحم کرنے والے ہیں)

اور نبی ﷺ کا قول ہے: (**الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا**)1088۔(یعنی: ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا بعض حصہ بعض حصے کو باندھ کر رکھتا ہے)۔

وجہِ دلالت: مومن مرد اور مومن عورتیں باہمی محبت، تراحم اور تعاطف میں ایک جسم کی مانند ایک دوسرے کے مددگار رہتے ہیں، وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرتے ہیں جو وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں، اور کفار کو ان کی طرف سے سختی وشدت لاحق ہوتی ہے۔

۳۔اللہ تعالیٰ کا قول ہے: (**أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ**) [المائدة :۵۴]۔

1088. البخاری، (863/2)، (ح2314)؛ ومسلم، (1999/4)، (ح2585).

(ترجمہ: مومنوں کے لئے جھکنے والے اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے)۔

وجہِ دلالت: مومنین ومومنات کا ایک دوسرے کے ہمدرد و مددگار ہونے کا یہ اثر ہے کہ وہ مومنین کے لئے جھکنے والے ہوتے ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں، ان کی خیر خواہی کرتے ہیں، ان سے نرمی ومہربانی سے پیش آتے ہیں، اور ان کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں، جب کہ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں، اس کی آیتوں کو جھٹلانے والوں، اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے ساتھ سخت ہوتے ہیں، ان کی قوتیں اور عزائم ان سے عداوت پر مرکوز ہوتی ہیں1089.

۴۔اللہ سبحانہ کا قول ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ هَاجَرُوا وَ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَ أَنْفُسِهِمْ فِی سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُوْلَئِکَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ... وَإِنْ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ**) [الأنفال : ۷۲]

(ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال ودولت اور جانوں کے ذریعہ جہاد کیا اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دیا اور ان کی مدد کی وہی لوگ ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں...اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے)۔

وجہِ دلالت: مدد کرنا مومنین کے درمیان موالات کی اصل حقیقت ہے۔

سوم: کافروں اور دین کے دشمنوں سے براءت کا اظہار واجب ہے:

مومنین ومومنات کے لئے شرک اور مشرکین اور تمام اعداءِ دین سے براءت ظاہر کرنے کے وجوب پر دلالت کرنے والے شرعی دلائل بکثرت موجود ہیں:

دلائل:

۱۔اللہ تعالی کا قول ہے: (**لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِيْنَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِکَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَ يُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَ إِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ**) [آل عمران:۲۸]۔

1089. دیکھئے: تفسیر السعدی، (ص236).

(ترجمہ: مومنوں کے لئے مناسب نہیں کہ مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست بنائیں، اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہ ہوگا، مگر یہ کہ ان کے شر سے بچنا مقصود ہو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، اور اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے مومنین کو کافروں کی موالات سے منع فرمایا ہے، چاہے وہ محبت کر کے ہو، یا ان کی مدد کر کے، یا مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملہ کے اندر ان سے مدد طلب کر کے، اور اس نے یہ دھمکی دیا ہے کہ ایسا کرنے والا اللہ سے منقطع ہو جائے گا، اس کا اللہ کے دین میں کوئی حصہ باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ ایمان اور کفار سے دوستی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی، ایمان تو اللہ سے محبت کرنے، اس کے مومن بندوں سے اور اللہ کے دین کی اقامت میں اور اس کے دشمنوں سے جہاد میں باہم متعاون لوگوں سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے 1090.

۲۔ اللہ تعالی کا قول ہے: (**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَيٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَ مَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ**) [المائدة : ۵۱] (ترجمہ: اے ایمان والو! یہود و نصاری کو اپنا دوست نہ بناؤ، وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، اور تم میں سے جو کوئی انہیں اپنا دوست بنائے گا وہ بے شک انہیں میں سے ہو جائے گا)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں کو یہود و نصاری اور سارے کافروں کو ایسا دوست بنانے سے منع فرمایا ہے کہ وہ ان سے محبت کریں، ان کے مددگار رہوں، مومنوں کے اسرار سے ان کو باخبر کریں، اور ان کے بعض معاملات میں ان کی مدد کریں جس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچے، بلکہ ان کے دل میں جو بھی ایمان ہے وہ ان پر کفار کی دوستی سے باز آنے کو واجب قرار دیتا ہے اور ان سے عداوت رکھنے کی ترغیب دیتا ہے 1091.

۴۔ اللہ تعالی کا قول ہے: (**لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَ رَسُولَهُ وَ لَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمْ**

1090. دیکھئے: تفسیر السعدی، (ص 127).

1091. دیکھئے: تفسیر السعدی، (ص 236).

الْإِيمَانَ وَ أَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ) [المجادلة:۲۲]

(ترجمہ:اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہیں پائیں گے، گو وہ ان کے باپ، یا ن کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کے قبیلے کے ہی کیوں نہ ہوں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی ہے)۔

وجہِ دلالت : (بندہ اس وقت تک اللہ پر اور یوم آخرت پر حقیقی ایمان والا نہ ہوگا جب تک وہ ایمان کے لوازم اور اس کے تقاضوں پر عمل نہ کرے، اپنے مومن بھائیوں سے محبت و موالات کا اظہار نہ کرے، اور ایمان نہ لانے والوں سے بغض و عداوت نہ رکھے، اگر چہ وہ اس کا سب سے قریبی آدمی ہو)1092.

یہاں اس اہم ترین بات کو صاف کر دینا مناسب ہے کہ اہلِ سنت والجماعت عقیدہ کے لحاظ سے ولاء و براء اور سلوک کے اعتبار سے غیر مسلمانوں کے ساتھ حسنِ تعامل اور آداب تو اصل کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

ولاء و براء عقیدہ سے متعلق معاملہ ہے جو دین کی نصرت اور حق کی متابعت سے جڑا ہوا ہے، اور وہ ایسا معاملہ ہے جس میں کسی طرح کی نرمی دکھانا یا اس کو نظر انداز کر دینا درست نہیں ہے، ایک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنے اور اس کے دشمنوں کے خلاف اس کی پشت پناہی کرنے کا پابند ہے، چاہے اس کا دشمن اس پر ہتھیار سے حملہ آور ہو یا زبانی جنگ چھیڑ رکھا ہو، جیسے کہ بیان بازی و پروپیگنڈا ہے، لوگوں کو گمراہ کرنا اور شبہات وغیرہ پھیلانا ہے یا فکری و علمی جنگ کے دوسرے وسائل کو بروئے کار لانا ہے جس جنگ کا سہارا لے کر کفار دین پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

پس ولاء و براء کا تعلق ان اعداء دین سے ہے جن کی دین سے عداوت جگ ظاہر ہے، اور جو اس کے خلاف تمام ممکنہ وسائل کو استعمال کرتے ہیں۔

لیکن بذاتِ خود اسلام نے مسلمانوں کو غیر مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی ترغیب دی ہے، جب تک کہ وہ دین سے اپنی عداوت کا اظہار نہ کر دیں۔

1092. تفسیر السعدی، (ص848).

اسی معتدل اور میزانِ شریعت میں پورا اترنے والے منہج پر اہلِ سنت والجماعت ہمیشہ گامزن رہے ہیں، اس کا بہتر شاہد ان کی کتابیں ہیں جن کے اندر غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ تعامل کے احکام ہیں اور نہایت کشادہ شرعی اصول ہیں جن سے ہمیں ان کے علم کی وسعت، ان کی قوت استدلال اور اس معاملہ سے متعلق تحریروں میں ان کی شگفتہ بیانی کا اندازہ ہوتا ہے، حتی کہ ان کے حق میں دوسرے ادیان کو ماننے والے انصاف پسند مستشرقین وغیرہم نے گواہی بھی دی ہے جس کو ہم یہاں ذکر کرنے سے قاصر ہیں۔

چوتھا مطلب

محدثات اور بدعات سے ان کا اجتناب

اہلِ سنت والجماعت کے اہم ترین خصائص میں سے ان کا بدعات ومحدثات سے دور رہنا ہے، خواہ وہ بدعات اعتقاد میں پائی جاتی ہوں یا عبادت میں یا سلوک میں، وہ اہلِ بدعت واہلِ اہوا کی مذمت کرتے ہیں اور ان سے الگ رہتے ہیں، انہیں اللہ تعالی کی رضا کی خاطر کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کا غم نہیں ہوتا۔

اول: بدعت کی تعریف:

(**بدعت**: دین میں ایجاد کردہ وہ طریقہ جو شریعت کے مشابہ ہو، اور اس پر عمل کرنے کا مقصد اللہ تعالی کی عبادت میں مبالغہ کرنا ہو)1093.

بدعت کی پہچان:

بدعت کی شناخت کے سلسلے میں نبی ﷺ کا یہ قول اصل کی حیثیت رکھتا ہے: (**مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ**)1094.

(یعنی: جس نے میرے اس دین میں نئی چیز پیدا کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے)۔

اور نبی ﷺ کی حدیث ہے: (**مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ**)1095۔(یعنی: جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر میرا حکم وارد نہیں ہوا ہے تو وہ مردود ہے)۔

وجہِ دلالت: بدعت دو چیزوں میں منحصر ہے:

۱۔ دین میں نئی چیزیں پیدا کرنا۔

۲۔ اور یہ نئی چیز کسی شرعی اصل پر قائم نہ ہو۔

1093. الاعتصام، (ص37).

1094. البخاری، (959/2)، (ح2550)؛ ومسلم، (1343/3)، (ح1718).

1095. مسلم، (1343/3)، (ح1718).

(پس جس نے ایسے طریقے پر اللہ کی عبادت کی جس کو اللہ تعالی نے مشروع نہیں کیا ہے، یا ایسے طریقے پر جو نبی ﷺ کا یا آپ کے خلفاء راشدین کا طریقہ نہیں رہا ہے تو وہ مبتدع ہے، چاہے اس عبادت کا تعلق اللہ تعالی کے اسماء وصفات سے ہو یا اس کے احکام اور شرع سے ہو، البتہ ایسے عام امور جو عادت وعرف کے تابع ہوں ان کو دین میں بدعت پیدا کرنا نہیں کہا جائے گا، اگر چہ لغت میں اس کو کہا جاتا ہو)1096.

دوم: بدعت کی ممانعت:

اً۔ شرعی دلائل بدعت کی خطرناکی کو پوری طرح اجاگر کرتے ہیں:

بدعت سے منع کرنے والے شرعی دلائل میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَ لَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَ هَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ**) [النحل :۱۱۶]۔

(ترجمہ: کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو، جان لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی کی طرف سے ان لوگوں کا انکار کیا گیا ہے جو دین میں نئی چیزیں پیدا کرتے ہیں اور اپنی خواہش سے حلال وحرام کرتے رہتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالی کا قول ہے: (**أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ**) [**الشورى** :۲۱] (ترجمہ: کیا ان لوگوں نے (اللہ کے) ایسے شریک مقرر کر لئے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسے احکامِ دین مقرر کر دئے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے اس شخص کا انکار کیا ہے جو دین میں ایسی چیزیں مقرر کرتے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے۔

۳۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: (**كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَ عَلَا صَوْتُهُ، وَ اشْتَدَّ غَضَبُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ، يَقُولُ: صَبَّحَكُمْ وَ مَسَّاكُمْ ...**

1096. اہل السنۃ والجماعۃ، (ص255).

وَ يَقُولُ : أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ ، وَ خَيْرُ الْهَدِي هَدْيُ مُحَمَّدٍ ، وَ شَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا ، وَ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)1097.

(یعنی: جب رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے تو آپ کی دونوں آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آپ کی آواز بلند ہو جاتی، آپ کا غصہ شدید ہو جاتا، جیسے کہ آپ کسی لشکر سے ڈرانے والے ہوں اور کہہ رہے ہوں: تم لوگوں کو صبح میں آلے گا اور شام میں آلے گا...اور آپ کہتے: اما بعد: بے شک سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے اچھا طریقہ محمد (ﷺ) کا طریقہ ہے، اور چیزوں میں سب سے بری چیز لوگوں کی پیدا کردہ چیز ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی کے دین میں نئی باتیں پیدا کرنے والے کو ڈرایا اور دھمکایا جانا۔

ب۔سلفِ صالحین کی طرف سے بدعت سے دور رہنے کی تلقین:

اپنے نبی کی سنت کو اپنانے اور ان کے طریقہ کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہی اہلِ سنت والجماعت اس نام سے موسوم کئے گئے تھے، اس بنا پر وہ دین کے اندر بدعات ومحدثات کو داخل کرنے سے سختی کے ساتھ روکنے والے تھے، جس طرح ان کے خلف سنت کو اپنے سلف سے حاصل کرتے آئے ہیں اسی طرح بدعت سے دور رہنے کی تعلیم بھی ایک دوسرے سے حاصل کرتے آئے ہیں، بدعت سے دور رہنے کے تعلق سے علمائے سلف سے جو آثار وارد ہوئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

ا۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: (**اتَّبِعُوا ، ولا تَبْتَدِعُوا ؛ فَقَدْ كُفِيتُمْ ، كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**) 1098 (یعنی: اتباع کرو، بدعت ایجاد نہ کرو، تم اس سے بے نیاز کردئے گئے ہو، (یاد رکھو) ہر بدعت گمراہی ہے۔

۲۔ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: (**كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ، وَ إِنْ رَآهَا النَّاسُ حَسَنَةً**)1099۔

1097. مسلم، (592/2)، (ح867).

1098. احمد فی الزھد، (ص162)؛ والطبرانی فی الکبیر، (154/9)، (رقم8770). اور ھیثمی نے (مجمع الزوائد)، (181/1) میں کہا ہے: (اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں).

1099. اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، للالکائی، (92/1)، (رقم126). اور البانی نے (احکام الجنائز)، (ص200)، (رقم127) میں اس کو صحیح ٹھہرایا ہے.

(یعنی: ہر بدعت ضلالت ہے، اگر چہ لوگ اس کو اچھا سمجھیں)۔

٣۔ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: (**عَلَيْكُمْ بِالاسْتِقَامَةِ وَ الْأَثَرِ ، وَ إِيَّاكُمْ وَ التَّبَدُّعَ**) 1100۔(یعنی: استقامت اوراثر کو لازم پکڑو، اور بدعت پیدا کرنے سے دور رہو)۔

٤۔حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے: (**يَا مَعْشَرَ الْقُرَّاءِ ! اسْتَقِيمُوا ؛ فَقَدْ سَبَقْتُمْ سَبْقًا بَعِيدًا ، فَإِنْ أَخَذْتُمْ يَمِينًا وَ شِمَالًا لقد ضَلَلْتُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا**) 1101۔(یعنی: اے قراء کی جماعت! بالکل درست رہو، تم لوگ بہت ہی سبقت پا چکے ہو، اب اگر تم لوگوں نے دایاں بایاں راستہ اختیار کیا تو گمراہی میں بہت دور چلے جاؤ گے)۔

اہلِ سنت والجماعت نے اپنے اختیار کردہ اس راستے سے کبھی انحراف نہیں کیا اور نہ اسے چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا، لہذا وہ اول دن سے آج تک سنت کی شان کو بلند کرتے ہوئے اور اس پر عمل کرتے ہوئے آرہے ہیں، نیز وہ لوگوں کو بدعت اور اس کی خطرناکی سے آگاہ کرتے ہوئے اور اس سے لوگوں کو منع کرتے ہوئے آرہے ہیں ،آج اہلِ سنت جس ڈگر پر ہیں وہ ان کے منہج کا فطری اور حتمی نتیجہ ہے، کیونکہ انہوں نے اپنا قدوہ نبی ﷺ اور سلفِ صالح کو بنایا، اور جیسے جیسے ان کا زمانہ نبی ﷺ اور سلفِ صالح کے زمانہ سے دور ہوتا گیا ان سے ان کا تمسک وارتباط اور مستحکم ہوتا گیا، نہ ان کی حالت میں تبدیلی آئی اور نہ ان کے منہج میں تغیر پیدا ہوا، ان کا یہ ثبات ان کے منہج کی عظمت اور ان کے ثبات کی عظمت کا زبردست شاہد ہے۔

بدعت کے مضر اثرات:

اول: بدعت خالص گمراہی ہے:

اللہ تعالی کا قول ہے: (**فَمَاذَا بَعْدَ الحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ**) [یونس: ٣٢]، پس نبی ﷺ جو کچھ لے کر آئے وہ خالص حق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ گمراہی ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے: (**كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**) 1102۔(یعنی: ہر بدعت گمراہی ہے)۔اور ہر

1100. ابن وضاح فی البدع، (ص 64)؛ والمروزی فی السنۃ، (ص 29)، (رقم 83).

1101. البخاری، (2656/6)، (ح 6853).

1102. مسلم، (592/2)، (ح 867).

بدعت کا گمراہی ہونا اس طرح کے تمام اقوال کو باطل قرار دیتا ہے کہ کچھ بدعتیں بدعتِ حسنہ ہیں۔

حسنہ وسیئہ میں بدعت کی تقسیم کا بطلان:

علمائے محققین نے بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کرنے کو، یا اسے اس میں شمار کرنے کو جس پر پانچوں احکام تکلیفیہ جاری ہوتے ہیں باطل قرار دیا ہے1103، اس لئے کہ نبی ﷺ کا قول: (**كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ**) 1104، اس تقسیم کو باطل قرار دیتا ہے، اور یہ ثابت کرتا ہے کہ جتنی بھی بدعتیں ہیں سب گمراہی ہیں، اور بعض روایتوں میں ہے: (**وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ**) 1105، (یعنی: ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے)، تو پھر ضلالت کے وصف کے ساتھ حسن کا وصف کیسے جمع ہوسکتا ہے؟

دوم: بدعت نبی ﷺ کی اتباع سے خروج ہے:

بدعت ''محمد رسول اللہ'' کی شہادت کی تحقیق وتکمیل کے منافی ہے، بندہ اسلام میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت کے ساتھ داخل ہوتا ہے، اور یہ شہادت تبھی حقیقتاً مکمل ہوتی ہے جب اسے قولاً وعملاً واعتقاداً برتا جائے، بندہ اس شہادت کو کہ ''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں'' کیسے پورا کرسکتا ہے جب کہ وہ ان کے راستے اور ان کی سنت کی پیروی نہیں کرتا ہو، وہ شخص کیسا ہوگا جو دین میں بدعت پیدا کرتا ہو اور وہ یہ بھی دعوی کرتا ہو کہ وہ نبی ﷺ کے راستے کا پیروکار ہے؟ اور اللہ تعالی اپنے نبی کریم ﷺ سے فرماتا ہے: (**قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ**) [آل عمران:۳۱]۔ (ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے)۔

سوم: بدعت اسلام میں نقص وخلل کو ثابت کرتی ہے:

بدعتی اپنی زبانِ حال سے اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ اسلام مکمل نہیں ہوسکا ہے، اور اس نے جو کچھ پیش کیا ہے اس سے دین کی تکمیل ہوتی ہے، اور اسی غرض سے اس نے نئی چیز ایجاد کیا ہے، حالانکہ اللہ تعالی فرماتا ہے:

1103. دیکھئے: اقتضاء الصراط المستقیم، (ص 274,270)؛ الاعتصام، (36/2) اور اس کے بعد کے صفحات.

1104. مسلم، (592/2)، (ح 867).

1105. النسائی، (189/3)، (ح 1578). اور البانی نے (صحیح سنن النسائی)، (512/1)، (ح 1577) میں صحیح قرار دیا ہے.

(**الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا**) [المائدة: ۳]۔(ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی، اور اسلام کو بحیثیتِ دین تمہارے لئے پسند کرلیا)

سعدی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اسی وجہ سے کتاب وسنت دینی احکام اور اس کے اصول وفروع میں مکمل طور پر کافی ہیں، پس اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کو اپنے عقائد واحکام کی معرفت کے لئے کتاب وسنت کے علم کے علاوہ علمِ کلام وغیرہ جیسے دوسرے علوم کی ضرورت ہے، تو وہ جاہل ہے اور اس کا دعوی بالکل باطل ہے، وہ دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ دین اسی کے ذریعہ مکمل ہوسکتا ہے جو اس نے کہا ہے اور جس کی دعوت دیا ہے، اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو جہل سے متصف کرنا ہے)1106.

دین میں بدعت پیدا کرنا رسول اللہ ﷺ کو مطعون کرنے کو بھی شامل ہے، کیونکہ بدعتی اپنی زبانِ حال سے یہ دعوی کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یا تو اس گڑھی ہوئی عبادت سے بے خبر رہے، یا آپ کو اس کا علم تھا مگر آپ نے اس کو اپنی امت سے چھپالیا، اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ رسالت یا بعض رسالت کو چھپانے والے ہیں، جب کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ اس سے بالکل بری ہیں۔

اسی طرح مبتدع اپنی زبانِ حال سے یہ بھی دعوی کرتا ہے کہ صحابۂ کرام نے شریعت کے کچھ حصوں کو چھپادیا تھا، یا اس امر سے وہ بے خبر تھے جس کو ان کے متاخرین نے اجاگر کیا ہے، حالانکہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے بالکل بری ہیں۔

چہارم: بدعت کے انتشار سے امت کا شیرازہ منتشر ہوتا ہے:

بدعتوں کے دروازوں کے کھلنے سے امتِ محمدیہ کا شیرازہ منتشر ہوتا ہے، کوششوں کا ضیاع وانتشار لازم آتا ہے، اس لئے کہ ہر

جماعت اپنے علمی سرمایہ پر نازاں ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا**

1106. تفسیر السعدی، (ص220).

يَفْعَلُونَ) [الأنعام :١٥٩]۔(ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کیا،اور جماعتوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے،ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہی انہیں ان کے کئے کی خبر دے گا)۔

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے امت کے شیرازہ کو منتشر کرنے والے ان اہلِ بدعت وضلال کو دھمکی دیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو بانٹا اور اس میں تفریق ڈالا،اور ان میں سے ہر گروہ نے اپنے لئے محمد ﷺ کے راستے کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کیا۔

اور اللہ تعالی نے اپنے مومن بندوں کو منع کرتے ہوئے فرمایا ہے:(**وَ لَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ٭ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ**) [الروم:٣١،٣٢]۔(ترجمہ: اور تم لوگ مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ،ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے)۔

وجہِ دلالت: (اس آیت میں مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم ہونے اور مختلف ہونے سے اور ہر فریق کے اپنے ساتھ موجود حق و باطل کے لئے متعصب ہونے سے روکا گیا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے مشرکین کے ساتھ ان کی مشابہت لازم آتی ہے، جب کہ دین ایک ہے، رسول ایک ہیں اور معبود ایک ہے)1107.

پنجم: مبتدع پر اس کا بھی گناہ ہے جو اس کی پیروی کرتا ہے:

دین میں بدعت پیدا کرنے کی ایک برائی یہ ہے کہ مبتدع کو اس شخص کا بھی گناہ قیامت تک ملتا رہے گا جس نے اس میں اس کی اتباع کی، نبی ﷺ کے اس قول کے مصداق:(**مَنْ سَنَّ فِي الإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيهِ مِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا ، وَلَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ**)1108.

(یعنی: جس نے اسلام کے اندر کوئی بری سنت جاری کیا جس پر اس کے بعد عمل کیا گیا، تو اس پر عمل کرنے والے کے گناہ کے مثل گناہ لکھ دیا گیا، اور اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی بھی نہیں ہوتی)۔

1107. نفس مصدر، (ص641).

1108. مسلم، (2059/4)، (ح1017).

وجہِ دلالت: دین میں بدعت اور نئی باتیں پیدا کرنا شرعا بری اور حرام چیزوں میں شامل ہے، اس لئے مبتدع کے نام پر قیامت تک ہر اس شخص کا گناہ لکھا جاتا ہے جو اس کی بدعت وضلالت پر عمل کرتا رہتا ہے، چاہے اس نے خود ایجاد کیا ہو یا اس میں پیش پیش رہا ہو1109.

1109. شرح النووی علی صحیح مسلم، (226/16).

پانچواں مطلب

افراط وتفریط کے درمیان ان کا توسط

اول: وسطیت کی تعریف:

وسطیت: عدالت، خیریت اورافراط وتفریط کے درمیان قائم رہنا ہے1110، اللہ تعالی کا فرمان ہے: (**وَ كَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا**) [البقرة :۱۴۳] یہاں وسطًا: بمعنی: عدولاً ہے1111

افراط: اسراف کرنااور حد پار کرنا ہے، اور **تفریط**: تقصیراور تضییع ہے، اور **وسطیت**: عدالت وخیریت اورافراط وتفریط کے درمیان توسط اختیار کرنا ہے۔

اس اہم بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ وسطیت سے یہاں ہمارا مقصد ایک ایسے حل کے لئے جس سے طرفین راضی ہو جائیں دو متناقض چیزوں کے درمیان تقریب وتوفیق پیش کرنا نہیں ہے، بلکہ معانی ومسائل میں وسطیت ہے جوان کے اندر پایا جانے والا حقِ محض ہےاور وہ چیز ہے جو اصلاً بالکل خالص ہو، وہ خیرِ محض ہے، مخالفین ومعارضین کے آراء نہیں، اس اعتبار سے وسطیت اہلِ سنت کے نزدیک ان کا حق کی اتباع کرنا، حق کو بیان کرنا، اوراس حق کا دفاع کرنا ہے جس پر وہ یقین رکھتے ہیں۔

دوم: فرقوں اور جماعتوں کے درمیان اہلِ سنت کی وسطیت:

جس طرح امتِ اسلامیہ غلو میں افراط کرنے والی اوراس سے شغف رکھنے والی قوم یہود کے، اور تفریط سے کام لینے والی اور تقصیر کی طرف میلان رکھنے والی قوم نصاری کے درمیان امتِ وسط بن کر رہی ہے، اسی طرح اہلِ سنت والجماعت زندگی کے تمام گوشوں میں صراطِ مستقیم سے منحرف جماعتوں اور باطل فرقوں کے درمیان راہِ وسط اختیار کرنے والے رہے ہیں1112.

1110. دیکھئے: اللباب فی علوم الکتاب، (13/3).

1111. دیکھئے: صحیح البخاری، (2675/6).

1112. دیکھئے: تفسیر الطبری، (6/2)؛ شرح العقیدۃ الواسطیۃ، محمد خلیل الھراس (ص240).

اہلِ سنت والجماعت کا توسط مختلف گوشوں جیسے عقیدہ، احکام، سلوک، اور اخلاق وغیرہ میں یوں دکھائی دیتا ہے1113.

۱۔ صفاتِ باری تعالی میں ان کا توسط:

افراط: اہلِ تعطیل کے یہاں ہے جنہوں نے اللہ تعالی کی صفات کا انکار کیا ہے اور ان کی نفی کی ہے۔

تفریط: اہلِ تمثیل کے یہاں ہے جن لوگوں نے صفات کو ثابت کیا لیکن انہیں مخلوق کی صفات کے مماثل قرار دیا۔

توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے، کیونکہ وہ صفاتِ باری تعالی کو ثابت کرتے ہیں، نیز مخلوقات کی صفات سے ان کی مماثلت کی نفی بھی کرتے ہیں، وہ اثبات بلا تشبیہ، اور تنزیہ بلا تعطیل کے قائل ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے کہا ہے: (**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ**) یہ مماثلت بیان کرنے والوں کے خلاف ہے، (**وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ**) [الشوری:۱۱] اور یہ معطلہ کے خلاف ہے، پس ممثلہ صنم کو پوجتے ہیں اور معطلہ عدم کو پوجتے ہیں1114.

۲۔ وعد وعید میں ان کا توسط:

افراط: وعیدیہ کے اندر ہے جو کہتے ہیں کہ عقلاً اللہ تعالی پر واجب ہے کہ وہ گنہگار کو سزا دے، جس طرح اس پر یہ واجب ہے کہ وہ اطاعت گذار کو جزا دے، پس جو شخص کبیرہ گناہ پر مر جائے اور اس نے توبہ نہیں کیا ہے تو ان کے یہاں یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالی اس کی بخشش کرے۔

اور تفریط: مرجئہ کے یہاں ہے جن کا کہنا ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا، جس طرح کفر کے ساتھ طاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، اور ان کا دعوی ہے کہ ایمان صرف قلبی تصدیق کا نام ہے، اس کو زبان سے کہنا کوئی ضروری نہیں ہے، ان لوگوں نے اعمال کو ایمان سے الگ قرار دیا ہے، اور اس کو جائز ٹھہرایا ہے کہ اللہ تعالی اطاعت گذاروں کو سزا دے اور گنہگاروں پر انعام کرے۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے یہاں ہے، اسلئے کہ وہ مرجئہ میں سے وعید کی نفی کرنے والوں اور

1113. دیکھئے: عقیدۃ اهل السنۃ والجماعۃ، د محمد بن ابراهیم الحمد (ص 54-70).

1114. دیکھئے: درء تعارض العقل والنقل، ابن تیمیۃ (348/6)؛ منهاج السنۃ النبویۃ، (468/3).

وعیدیہ میں سے اس کو واجب قرار دینے والوں کے درمیان میں ہیں، لہذا جو شخص کفر پر مر جائے تو-اہل سنت کے نزدیک - اس کا معاملہ اللہ سبحانہ وتعالی کے حوالے ہے، وہ چاہے تو اس کو سزا دے اور چاہے تو اس کو معاف کردے، اور اگر اسے سزا دیا گیا تو وہ کفار کی طرح جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا بلکہ جہنم سے نکلے گا اور جنت میں داخل ہوگا1115.

۳- تکفیر میں ان کا توسط:

اس میں افراط: غالی خوارج اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کے نزدیک ہے، جو کبیرہ کے مرتکب کو کافر کہتے ہیں، اور اس شخص کو مسلمان نہیں کہتے جس نے شہادتین کا اقرار کیا، نماز پڑھی، روزہ رکھا، اور فرائض اسلام کو ادا کیا مگر اس کے اسلام نے ان کی مقرر کردہ ان شرطوں کو پورا نہیں کیا جن کی کتاب وسنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور تفریط: تفریط مرجئہ کے یہاں ہے جو تکفیر کو بالکل ممنوع قرار دیتے ہیں، اور دعوی کرتے ہیں کہ جس نے شہادتین کا اقرار کرلیا اسے کافر نہیں ٹھہرایا جاسکتا، ان کی تفریط یہ ہے کہ وہ کسی کو بھی کافر نہیں ٹھہراتے، حتی کہ مرتدین، مدّعی نبوت، فرضیتِ نماز کے منکر اور ان میں سے کسی کو بھی نہیں جن کے کافر ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے جو نہ تکفیر کو مطلق ممنوع قرار دیتے ہیں اور نہ ہر گناہ پر کسی کو کافر کہتے ہیں، نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ: معین کی تکفیر ممکن نہیں ہے، اور نہ یہ کہتے ہیں کہ: تکفیر کی شرائط کے بغیر عمومی تکفیر کی گنجائش ہے، اور معین شخص کے حق میں تکفیر کے موانع کے منتفی ہونے کی صورت میں اس کو کافر کہا جاسکتا ہے، نیز وہ اس شخص کو اسلام کی صفت سے متصف کرنے میں توقف نہیں کرتے جو بظاہر اسلام کا پابند ہو، یا اس میں داخل ہونے کے اس کے ارادے کا پتہ چلتا ہو، بلکہ وہ موحد اہلِ قبلہ کے ساتھ، اور اسلام میں داخل ہونے والے اور اس میں داخل ہونے کا ارادہ رکھنے والے کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں۔

جو شخص کفریہ کام کرے، اس کے اندر تکفیر کے جملہ شرائط پائے جائیں اور اس کے حق میں موانع تکفیر منتفی ہوں تو ایسی صورت میں وہ بزدلی سے کام نہیں لیتے، نہ ملمع سازی سے کام لیتے ہیں اور نہ اس کو کافر قرار دینے سے

1115. دیکھئے: الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، (73/1)؛ التنبیهات اللطیفة فیما احتوت علیه الواسطیة من المباحث المنیفة، ابن سعدی (ص68).

گھبراتے ہیں1116.

۴- دین کے اسماء اور احکام میں ان کا توسط1117:

افراط: خوارج اور معتزلہ کے پاس ہے اس لئے کہ ان کا کہنا ہے: ایمان کے لقب کا مستحق صرف وہ ہے جس نے اپنے دل سے اس کی تصدیق کیا، اپنی زبان سے اس کا اقرار کیا، تمام واجبات پر عمل کیا اور جملہ منہیات سے اجتناب کیا۔

مذکورہ دونوں فریق کا اس پر اتفاق ہے کہ: مرتکبِ کبیرہ کو مومن نہیں کہا جائے گا، لیکن اس میں دونوں کے درمیان اختلاف ہے کہ اسے کافر کہا جائے گا یا نہیں؟ تو خوارج اس کو کافر کہتے ہیں، اور اس کی جان و مال کو مباح قرار دیتے ہیں، اور معتزلہ اس کو ایمان سے خارج تو قرار دیتے ہیں لیکن کفر میں اس کو داخل نہیں کرتے، بلکہ اس کو دو منازل کے درمیان کسی منزل میں رکھتے ہیں۔

لیکن آخرت میں ان کا کیا ہوگا؟ اس بارے میں دونوں فریقوں کا کہنا ہے کہ جس کی کبیرہ گناہ پر وفات ہوئی اور اس نے اس سے توبہ نہیں کیا تو وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

اور تفریط: تفریط کے قائل مرجئہ ہیں جن کا کہنا ہے: ایمان پر معصیت کا کچھ اثر نہیں ہے، اور مرتکبِ کبیرہ کامل ایمان کا حامل ہوتا ہے، وہ جہنم میں جانے کا مستحق نہیں ہے۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے یہاں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ اپنے ایمان کے ساتھ مومن ہے اور اپنے کبیرہ کی بنا پر فاسق ہے، یا یہ کہ وہ ناقص ایمان کا والا مومن ہے، اس کا ایمان اس کی معصیت کے بقدر ناقص ہے، وہ اس سے اس کے ایمان کی نفی نہیں کرتے جیسا کہ خوارج اور معتزلہ نے کیا ہے، اور نہ اسے کامل الایمان سمجھتے ہیں جیسا کہ مرجئہ کا دعوی ہے۔

جہاں تک آخرت کی بات ہے: تو اللہ تعالی اپنے کرم اور بے پناہ رحمت سے اس کو درگذر کر سکتا ہے اور وہ اول امر میں ہی جنت میں جا سکتا ہے، یا وہ اپنے عدل کے مطابق اس کی معصیت کے حساب سے اس کو سزا دے

1116. دیکھئے: مجموع الفتاوی، (28/500-508)؛ الجواب الصحیح، (1/73)؛ ضوابط التکفیر عند أهل السنة والجماعة، عبد الله القرنی، (ص9,10).

1117. اسماء دین سے مراد: مومن اور کافر ہے، اور اس کے احکام سے مراد: ان اسماء والوں کے دنیوی واخروی احکام ہیں.

سکتا ہے، پھر اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرسکتا ہے1118.

۵- تقدیر میں ان کا توسط:

افراط: قدریہ کے پاس ہے جن کا کہنا ہے: بندہ اپنے ارادہ وقدرت کے مطابق عمل کرنے میں مستقل بالذات ہے، اس میں اللہ تعالی کی مشیئت اور قدرت کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، ان کا یہ بھی دعوی ہے کہ: بندوں کے افعال اللہ تعالی کے پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ بندے خود اس کے پیدا کرنے والے ہیں۔

اور تفریط: جبریہ کے پاس ہے جنہوں نے اثباتِ قدر میں غلو سے کام لیا ہے، حتی کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہے کہ حقیقت میں بندے کا بھی کوئی فعل ہے، بلکہ ان کا دعوی ہے کہ: نہ بندے کو کوئی آزادی ہے اور نہ اس کا فعل ہے، وہ اس تنکا کی طرح ہے جو ہوا کے دوش پر اڑتا ہے، اس کی طرف افعال مجازاً منسوب کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے: اس نے نماز پڑھی، روزہ رکھا، اس نے قتل کیا، اس نے چوری کی، جیسے کہا جاتا ہے: سورج طلوع ہوا، ہَوا بہنے لگی، اور بارش برسنے لگی1119.

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے جو بندے کے لئے مشیئت ثابت کرتے ہیں جس سے وہ افعال کو اختیار کرتا ہے، اور قدرت ثابت کرتے ہیں جس سے وہ انجام دیتا ہے، اس کی مشیئت وقدرت اللہ تعالی کی مشیئت سے واقع ہوتی ہیں اور وہ اللہ تعالی کی مشیئت کی تابع ہیں، اللہ سبحانہ وتعالی کا قول ہے: (**لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ٭ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ**) [**التكوير : ۲۸، ۲۹**] (ترجمہ: پس تم میں سے جو چاہے سیدھی راہ پر چلے، اور تم اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے)۔

اور ان کا کہنا ہے: بندے فاعل ہیں اور اللہ تعالی ان کے افعال کا پیدا کرنے والا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**وَ اللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ**) [**الصافات: ۹۶**]۔ (اور اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے اور جس کو تم کرتے ہو)۔

٦- نبی ﷺ کی محبت میں ان کا توسط:

افراط: غالی صوفیوں کے یہاں ہے جنہوں نے نبی ﷺ کے سلسلے میں غلو کیا اور انہیں ان کے مقام سے اونچا

1118. دیکھئے: منھاج السنۃ النبویۃ، (496/3)؛ شرح العقیدۃ الواسطیۃ للھراس (ص 249).

1119. دیکھئے: منھاج السنۃ النبویۃ، (496/3)؛ شرح العقیدۃ الواسطیۃ للھراس (ص 249).

اٹھایا اور یہ دعوی کیا کہ: آپ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتے ہیں اور اس طرح انہوں نے عبادت کو اللہ تعالی کے علاوہ کی طرف پھیرا۔

اور تفریط: غالی باطنیہ کے پاس ہے جنہوں نے یہ دعوی کیا کہ نبی ﷺ کی شریعت دوسری شریعت سے منسوخ ہوچکی ہے، یا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حق کو سلب کیا، ان کی شریعت سے اعراض کیا اور انہیں مختلف فیہ مسائل میں حکم تسلیم نہیں کیا، یا جو لوگ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ کی شریعت ہماری تہذیب سے میل نہیں کھاتی اور وہ اس زمانے کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتی۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے، اس لئے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے حق کو سلب نہیں کیا، اور نہ اس میں غلو سے کام لیا، بلکہ آپ کو آپ کے شایانِ شان مقام دیا، چنانچہ وہ سمجھتے ہیں کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، آپ اپنے لئے - چہ جائیکہ دوسروں کے لئے - نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں، سوائے اس کے جس پر اللہ تعالی نے آپ کو قدرت دی ہو، آپ خیر البشر ہیں، بلکہ سید المرسلین اور خاتم النبیین ہیں، اور کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے محبت میں اور ان کی اتباع میں سب سے کامل ہو 1120.

۷- صحابۂ کرام کے سلسلے میں ان کا توسط:

افراط: خوارج کے پاس ہے جنہوں نے علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کو اور ان کا ساتھ دینے والے صحابۂ کرام کو کافر کہا، ان سے قتال کیا اور ان کے خون اور اموال کو مباح قرار دیا۔

تفریط: رافضہ کے یہاں ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہیں، انہیں ملعون قرار دیتے ہیں، ان سب کی یا ان میں سے بعض کی تکفیر کرتے ہیں، اور ان میں سے بیشتر - علاوہ صحابہ اور خلفاء کو گالیاں دینے کے - علی اور ان کی اولاد رضی اللہ عنہم میں غلو کرتے ہیں اور ان میں الٰہیت پائے جانے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے کیونکہ وہ اِن لوگوں کے غلو اور اُن لوگوں کے ظلم و جفا کے درمیان ہیں، اللہ تعالی نے انہیں صحابۂ کرام کے فضل و شرف کا اعتراف کرنے کی توفیق بخشی، اور اس بات کا کہ وہ پوری امت میں ایمان، اسلام، علم اور حکمت کے اعتبار سے سب سے کامل ہیں، اہلِ سنت نے ان میں غلو نہیں کیا

1120. دیکھئے: محبۃ الرسول ﷺ بین الاتباع والابتداع، عبدالرؤوف عثمان (ص 161).

،اور نہ ہی ان کی عصمت کا عقیدہ رکھا، بلکہ ان سے محبت کیا، ان کے حسنِ صحبت کی، اسلام میں سبقت کرنے کی فضیلت، اس کی نصرت وحمایت میں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں نوع بنوع کی قربانیاں پیش کرنے کی بنا پر1121.

۸- عقل کے سلسلے میں ان کا توسط:

افراط: معتزلہ اور فلاسفہ اور عام اہلِ کلام کے اندر ہے، جن لوگوں نے عقل کو الہ مانا، اور اسے حصولِ علم کا مصدر تسلیم کیا، چنانچہ جو عقل کے موافق ہوا اسے قبول کیا اور جو اس کے خلاف ہوا اس کو رد کر دیا یا اس کی تاویل کی۔

اور تفریط: خرافیوں اور دجالوں کے پاس ہے جنہوں نے عقل کو مفلوج بنا دیا، اور ایسی چیزوں کو قبول کیا جن کو قبول نہیں کیا جا سکتا تھا اور جو عقل میں سمانے والی نہیں تھیں، جیسے کہ صوفیہ کے خرافات اور شیعوں کی احمقانہ باتیں۔

اور توسط: اہلِ سنت کے پاس ہے اسلئے کہ ان لوگوں نے نہ تو عقل کا انکار کیا، نہ اس کو معطل کیا، اور نہ اس پر پابندی لگائی، بلکہ ان کا یہ عقیدہ رہا کہ عقل کا بڑا مقام ہے، اسلام عقل کی پذیرائی کرتا ہے، اور اسے علم کے اور غور و فکر کے مواقع عطا کرتا ہے، لیکن وہ عقل کو الہٰ نہیں بناتے اور نہ اس کو وحی پر حاکم بناتے ہیں، بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ عقل کی ایک حد ہے جہاں اسے رُکنا چاہئے1122.

۹- علماء کے ساتھ تعامل میں ان کا توسط:

افراط: روافض اور غالی صوفیوں کے پاس ہے، اسلئے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء کی تقدیس کی ان میں غلو کیا، ان کو ان کے مقام سے اونچا اُٹھایا، اور ان کی مطلق تقلید کی، رافضہ نے اپنے ائمہ میں غلو کرتے ہوئے انہیں اس مقام تک پہنچایا جہاں کوئی مرسل نبی اور مقرب فرشتہ بھی نہیں پہنچ سکا، ان لوگوں نے ان کی عصمت کا عقیدہ رکھا، اور انہیں سہو وخطا اور نسیان سے منزہ مانا۔

اور غالی صوفیہ اپنے مشائخ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس نے اپنے شیخ سے کہا کیوں؟ تو اس

1121. دیکھئے: شرح العقیدۃ الواسطیۃ للھراس (ص254)؛ عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ، (ص60).

1122. درء تعارض العقل والنقل، (308/1)؛ نقض المنطق، ابن تیمیۃ (ص49).

نے کفر کیا، نیز ان کا کہنا ہے: جب تم اپنے شیخ کے پاس رہو تو اس طرح ہو جاؤ جیسے مردہ غسل دلانے والوں کے سامنے ہوتا ہے۔

اور تفریط: خوارج اور ان کی طرح کے لوگوں کے پاس ہے، اس لئے کہ ان لوگوں نے علماء کے قدر و مقام کو پست کیا، ان کے حق کا لحاظ نہیں کیا، یہی نہیں بلکہ انہوں نے ان کی تکفیر بھی کی ہے، انہیں بدعتی ٹھہرایا ہے اور ان سے قتال کیا۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے، اس لئے کہ وہ اپنے علماء سے محبت کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں، ان کے ساتھ ادب سے پیش آتے ہیں، ان کا دفاع کرتے ہیں، ان کے ساتھ حسنِ ظن رکھتے ہیں، ان کی اچھائیوں کو پھیلاتے ہیں اور ان سے علوم حاصل کرتے ہیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں، دعوت وتبلیغ کی ذمہ داریوں کو اپنے کندھوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں، لہذا امت پر واجب ہے کہ وہ ان سے محبت کرے اور ان کو ان کا مقام عطا کرے۔

لیکن اس سب کے باوجود اہلِ سنت یہ سمجھتے ہیں کہ علماء غیر معصوم ہیں، بلکہ فی الجملہ ان کا خطا ونسیان اور ہَوی میں مبتلا ہو جانا ممکن ہے، لیکن اس سے ان کی عزت میں کمی نہیں آتی، اور نہ یہ ان سے ترک استفادہ کو درست قرار دیتا ہے۔

اسی طرح اہلِ سنت علماء کی تغلیط میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے، بلکہ تحقیق وتفتیش کرتے ہیں اور اگر کوئی عالم غلطی کرتا ہے تو اس میں

اس کی موافقت نہیں کرتے، اور اس کو اسے رسوا کرنے اور بدنام کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے، الا یہ کہ اس کی وجہ سے فتنہ پھیل جائے اور اس کا ڈر پیدا ہو جائے کہ کہیں اس کے سبب لوگ گمراہ نہ ہو جائیں، ایسی صورت میں وہ غلطی کرنے والے کی غلطی کی تردید کرتے ہیں اس کے مقام ومرتبہ کا خیال کرتے ہوئے1123.

۱۰- حکام کے ساتھ تعامل میں ان کا توسط:

افراط: معتزلہ کے پاس ہے جنہوں نے ظالم حکام وامراء کے خلاف خروج کرنے کو اپنے دین کے اصول

1123. دیکھئے: رفع الملام عن الأئمة الأعلام، ابن تیمیة (ص9).

میں سے ایک اصل قرار دیا ہے1124، اسی طرح افراط غالی خوارج کے پاس ہے جو ظالم حکمراں کے خلاف بغاوت کو دین سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے خلاف خروج متعین شئ ہے، ان کے نزدیک اصلاح کا واحد وسیلہ- جس کی شہادت ان کی تاریخ دیتی ہے- ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہے، بلکہ ان لوگوں نے تو عادل حکمرانوں کے خلاف بھی بغاوت کیا ہے جیسا کہ انہوں نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کیا تھا1125.

اور تفریط: ان غافل و کاہل اور بزدل لوگوں کے پاس ہے جو حکام کے ظلم پر خاموش رہتے ہیں، ان کو نصیحت کرنے اور ان کا انکار کرنے سے باز رہتے ہیں، بلکہ بسا اوقات وہ ان کی چاپلوسی کرتے اور ان کے ظلم وفساد کو خوبی بنا کر ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان کی نکیر کرنے والوں کا انکار کرتے ہیں۔

نیز تفریط منافقین کے یہاں اور حکّام کی مدح سرائی کرنے والوں کے یہاں ہے، جو امراء و حکام کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں، کبھی ایسے امور کے لئے ان کی تعریفیں کرتے ہیں جو ان میں نہیں پائے جاتے، اور کبھی تو وہ ان کی عصمت کا دعوی کر بیٹھتے ہیں، انہیں ایسی صفات سے نوازتے ہیں جو صرف رب العالمین کے لئے سزاوار ہیں، اور ان کے ہر حکم میں ان کی اطاعت کرتے ہیں چاہے وہ حق کے موافق ہو یا مخالف۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے، اس لئے کہ وہ لوگ حکام کے ساتھ نصوصِ شریعت کے مطابق سلوک کرتے ہیں، وہ خوشی وغم، اور آرام وتکلیف میں اپنے امراء وحکام کی اطاعت وفرمانبرداری کا خود کو پابند سمجھتے ہیں، بشرطیکہ وہ معصیت کا حکم نہ دیں، اگر معصیت کا حکم دیں تو پھر خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت باقی نہیں رہتی، بلکہ ان کی اطاعت معروف میں ہی کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح وہ والیانِ امر کی خیر خواہی اور نصیحت کو اپنا وطیرہ بناتے ہیں، تقوی اور نیکی میں ان کا بھرپور تعاون کرتے ہیں، اگر چہ وہ فجار ہی کیوں نہ ہوں، اس لئے کہ ان کا مقصد منافع کا حصول اور ان کی تکمیل، اور مفاسد کا ازالہ اور ان کی تقلیل ہے، وہ خیر پر آمادہ کرنے کے لئے اور اس کی طرف راغب کرنے کے لئے ظالم کی مدد

1124. دیکھئے: المعتزلة وأصولهم الخمسة وموقف أهل السنة منها، (ص273-276).

1125. دیکھئے: الفصل في الأهواء والملل والنحل، ابن حزم (4/237-238).

کرنے سے پرہیز نہیں کرتے، لہذا وہ خیر میں ظالم امراء کے ساتھ ہوتے ہیں اور شر میں ان سے دور ہوتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ: جمعہ وجماعات اور اعیاد کو ان کے ساتھ منایا جائے، ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ: جہاد ہر نیک وفاجر کے ساتھ قیامت تک جاری رہے گا1126.

۱۱- کرامات میں ان کا توسط:

افراط: فلاسفہ کے یہاں ہے جو اولیاء کے کرامات اور انبیاء کے معجزات کا انکار کرتے ہیں، نیز افراط معتزلہ اور بعض اشاعرہ کے یہاں ہے جن لوگوں نے معجزہ کے ساتھ التباس ہونے کو وجہ بتا کر کرامات کا انکار کیا ہے۔

تفریط: صوفیہ وغیرہ میں پائے جانے والے دجالوں اور شعبدہ بازوں کے یہاں ہے جن لوگوں نے کرامات کے اندر ایسی چیزیں داخل کردی ہیں جو ان میں سے نہیں ہیں، ان لوگوں نے اپنی طرف سے انجام دیئے جانے والے شیطانی اعمال اور اپنی شعبدہ بازیوں کو، جیسے کہ جہنم میں داخل ہونے، خود کو ہتھیار سے مار ڈالنے، اور سانپوں کو پکڑنے وغیرہ کو کرامات میں شمار کرتے ہیں، حالانکہ ان کا کرامات سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ کرامات اولیاء الرحمٰن سے صادر ہوتے ہیں، اور یہ اولیاء الشیطان ہیں۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے کیونکہ ان کے اصول میں سے اولیاء کے کرامات کی اور اللہ تعالی کی طرف سے ان کے ہاتھوں جاری کئے جانے والے ان خوارقِ عادات کی تصدیق کرنا ہے جو مختلف علوم و مکاشفات کی صورت میں اور قدرت وتاثیر کی مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۲- شفاعت میں ان کا توسط:

افراط: خوارج اور معتزلہ کے یہاں ہے جو اہلِ کبائر کے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت اور دوسروں کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں، اور شفاعت کو توبہ کرنے والے مومنین کے لئے خاص کرتے ہیں، ان کا دعوی ہے کہ: فساق کے لئے شفاعت کو ثابت کرنا ان کے مذہب میں وعید کے تعلق سے مقررہ اصول کے منافی ہے، بلکہ ان کا کہنا ہے: مستحقِ وعید کے حق میں وعید کا نفاذ واجب ہے، لہذا وہ ان کے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت یا کسی اور کی شفاعت کو صحیح نہیں سمجھتے۔

1126. دیکھئے: شرح اصول اعتقاد أهل السنة والجماعة، للا لكائی (1224/7).

تفریط: غالی نصاری، مشرکین، روافض، اہلِ تصوف اور ان کے ہم مذہب لوگوں کے یہاں ہے، جو ان لوگوں کے لئے آخرت میں اللہ تعالی کے پاس شفاعت کا حق ثابت کرتے ہیں جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں، جس طرح دنیا میں وہ ان کی شفاعت کو تسلیم کرتے ہیں، ان کا اعتقاد ہے کہ: تعظیم کئے جانے والے یہ لوگ ان کے لئے آخرت میں اللہ تعالی کے پاس مستقل طور پر شفاعت کریں گے۔

اور توسط: اہلِ سنت والجماعت کے پاس ہے، اس لئے کہ وہ نہ ہر شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہر شفاعت کو ثابت کرتے ہیں، ان کے نزدیک وہی شفاعت ثابت ہے جس پر قرآن وحدیث دلالت کرتے ہیں، ان میں سے ایک اہلِ کبائر کے حق میں شفاعت ہے، یہ ثابت شفاعت صرف اللہ تعالی سے طلب کی جائے گی، اور اس شفاعت کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خاص موحدین کے لئے ہوگی، اس صورت میں جب اللہ تعالی کی طرف سے شافع کو اس کی اجازت مِل جائے اور مشفوع شخص سے وہ راضی ہو۔

اور - اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک - منفی شفاعت وہ ہے جس کی شریعت نے نفی کی ہے، اور اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو اللہ تعالی کے سوا دوسرے سے مستقلاً طلب کی جائے، اور جس میں شفاعت کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں1127.

1127. شرح العقیدة الطحاویة، ابن ابی العز (ص252)؛ شرح العقیدة الواسطیة، للھراس (ص289-290)؛ عقیدة اہل السنة والجماعة، (ص69)1128. مجموع الفتاوی، (117/19).

چوتھا مبحث

اخلاق وسلوک میں منہج سلف کی عظمت

اوراس میں سات مطالب ہیں:

پہلا مطلب: عدل وانصاف کے ساتھ پیش آنا

دوسرا مطلب: لوگوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا اظہار کرنا

تیسرا مطلب: زہد سے ان کا متصف ہونا

چوتھا مطلب: فتنوں اوراس کے اسباب سے اجتناب کرنا

پانچواں مطلب: حاکموں کے خلاف کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا

چھٹا مطلب: دین پران کا ثابت قدم رہنا۔

ساتواں مطلب: اان کے دلوں میں یگانگت اوران کی باتوں میں اتفاق کا پایا جانا

پہلا مطلب

عدل وانصاف کے ساتھ پیش آنا

عدل اور انصاف اہلِ سنت کے نزدیک اختیار کردہ سلوک اور اپنایا جانے والا منہج ہے، اور ان کی طرف سے عدل کی تطبیق وتنفیذ کے متعدد مظاہر ہیں، ان کو میں درج ذیل دو فروع کے اندر اجمالاً پیش کررہا ہوں:

فرع اول

اہلِ سنت کے درمیان عدل وانصاف

اہلِ سنت والجماعت اپنے مخالف کے ساتھ افراط وتفریط سے مجتنب ہوکر عادلانہ سلوک کرتے ہیں، نہ وہ اس کی چاپلوسی کرتے ہیں اور نہ اس کے اخطاء وانحرافات سے چشم پوشی کرتے ہیں کہ وہ ایسا کرکے خود کو نقص سے متصف کرلیں، اور نہ وہ ان پر طعن وتشنیع اور ظلم کرتے ہیں کہ وہ زیادتی کرنے والا بن جائیں، بلکہ وہ اس معاملہ میں اپنے منہج کو کتاب وسنت کے نصوص سے اور مخالف کے ساتھ اپنائے جانے والے سلفِ صالح کے منہج سے ملاتے ہوئے اس کے ساتھ عادلانہ برتاؤ کرتے ہیں، اگر کوئی عالم۔ جس کے بارے میں مشہور ہو کہ وہ حق کا متلاشی اور اس کا داعی ہے۔ کسی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ اس کو ساقط قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کے علمی مقام کا احترام کرتے ہیں، اس کی غلطی میں اس کی اقتدا نہیں کرتے، اور اس کے لئے اس غلطی میں توبہ کی امید کرتے ہیں1128.

اہلِ سنت میں سے مخالف کے ساتھ تعامل سے متعلق قواعد1129:

اہلِ سنت والجماعت کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ ان قواعد کے ذریعہ واضح ہوتا ہے جن کی تحقیق وتعیین اس منہج کی تطبیق کے دوران کیا گیا ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلا قاعدہ: پیچیدہ اور منفرد مسائل میں کسی کو بدعتی اور گمراہ قرار دینے سے باز رہنا:

اہلِ سنت والجماعت کے منہج میں یہ بات داخل ہے کہ وہ ان پیچیدہ اور منفرد مسائل میں جن میں علماء سے غلطی سرزد ہوتی رہتی ہے، کسی کو بدعتی اور گمراہ کہنے سے بچتے ہیں، وہ اس شخص کو معذور سمجھتے ہیں جس پر پیچیدہ مسائل کھل نہ سکیں، جب کہ وہ اپنے اجتہاد میں حق کا طالب رہا ہو مگر اس سے غلطی ہوگئی ہو، اس بارے میں ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جب کوئی امام اکّے دکّے مسائل میں ایسی غلطی کا مرتکب ہو جس کو معاف کیا جاسکتا ہو،

1128. مجموع الفتاوی، (117/19).

1129. أهل السنة والجماعة، (ص345).

اور ہم اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں، اس کو بدعتی قرار دیں، اور اس سے قطع تعلق کر لیں تو ہمارے سامنے کوئی بھی محفوظ نہیں رہے گا، نہ ابن نصر، نہ ابن مندہ، اور نہ ان سے بڑا کوئی اور، اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو حق کی ہدایت دینے والا ہے، وہ ارحم الراحمین ہے، ہم نفس پرستی اور بد خلقی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں)1130.

ان کا یہ بھی قول ہے: (اگر کوئی امام اپنے اجتہاد میں غلطی کر جاتا ہے تو ہمیں اس کے محاسن کو نہیں بھولنا چاہئے، اور نہ اس کے علوم و معارف پر پردہ ڈالنا چاہئے، بلکہ ہم اس کے لئے مغفرت طلب کریں گے اور اس کی طرف سے عذر پیش کریں گے)1131.

ابن القیم رحمہ اللہ کا قول ہے: (شریعت کے قواعد میں سے اور حکمت میں سے بھی ہے کہ: جس کے حسنات بہت زیادہ اور عظیم ہوں، اور اسلام میں اس کا اثر ظاہر ہو، تو اس کو اتنا گوارا کیا جانا چاہئے جتنا دوسرے کو نہیں کیا جا سکتا، اور اس کو اتنا معاف کیا جانا چاہئے جتنا کسی دوسرے کو معاف نہیں کیا جا سکتا)1132.

لیکن اس بات کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ بعض ایسی غلطیاں ہوتی ہیں جن کے مرتکب کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بلکہ خطا کی جسامت کے پیش نظر اس پر سختی کرنا اور اس کے سامنے کھڑا ہونا ضروری ہوتا ہے، اسی کی طرف ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے جو اس مذموم مخالفت کے بارے میں ہے جسے اختیار کرنے والے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، وہ کہتے ہیں: (جس نے قرآن کے واضح حکم کی اور سنتِ مستفیضہ کی یا اس امر کی مخالفت کی جس پر سلفِ امت کا اجماع رہا ہے، تو اس کو اس میں معذور نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو اہلِ بدعت کے ساتھ کیا جاتا ہے)1133.

دوسرا قاعدہ: اہلِ سنت اس شخص کو معذور سمجھتے ہیں جس تک دلیل نہیں پہنچ سکی ہو:

اہلِ سنت والجماعت کے منہج میں سے یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو معذور قرار دیتے ہیں جن تک حجت نہیں پہنچ پائی ہو، اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ایسا نہیں ہے کہ اس اعتقاد میں سے کسی کی مخالفت کرنے

1130. سیر اعلام النبلاء، (40/14).

1131. سیر اعلام النبلاء، (157/18).

1132. مفتاح دار السعادۃ، (176/1).

1133. مجموع الفتاوی، (172/24).

والا ہر ایک شخص گمراہ ہوتا ہے، ہوسکتا ہے مخالفت کرنے والا مجتہد مخطی ہو اور اللہ تعالی اس کی غلطی کو بخش دے، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس بارے میں اس تک اتنا علم نہیں پہنچا ہو جس سے اس کے خلاف حجت قائم کی جاسکتی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے پاس اتنی نیکیاں ہوں جن کے ذریعہ اللہ تعالی اس کے گناہوں کو مٹادے)1134.

نیز ان کا قول ہے: (سلف وخلف میں سے بہت سے مجتہدین نے ویسا کہا اور کیا جو بدعت تھا لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ بدعت ہے، یا تو انہوں نے ضعیف احادیث کی بنا پر کہا جس کو صحیح سمجھ لیا تھا، یا بعض ان آیات کی بنا پر جن سے انہوں نے وہ مفہوم نکالا جو ان کا مفہوم نہیں تھا، یا پھر اپنی رائے سے کہا اور اس مسئلہ سے متعلق دلائل ان تک نہیں پہونچے، اور جب آدمی اپنے رب سے ڈرتا ہو تو وہ اللہ تعالی کے اس قول میں داخل ہوجاتا ہے :(**رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا**) [البقرة :۲۸۶]1135۔ اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کربیٹھیں تو اس پر ہمارا مواخذہ نہ کر۔

اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ شریعت کے قواعد اور اصول سے متفق نظر آتا ہے، خطا ونسیان اور اکراہ کے سبب امت سے حرج کو ختم کردیا گیا ہے، اور شریعتِ غراء میں معمول بہ یہی قاعدہ دینی مسائل میں علماء کی طرف سے اجتہاد کئے جانے کا اہم محرک تھا، اس لئے کہ اگر مجتہد کی طرف سے دلائل کو کام میں لانے اور اپنی رائے اور فکر کو صرف کرنے کے بعد بھی اس کا مواخذہ ومحاسبہ کیا جاتا تو وہ عقاب کے خوف سے اجتہاد سے رُک سکتا تھا، لیکن جو ہوا وہ اس کے برعکس تھا، چنانچہ اجتہاد کے تمام دروازوں کو کھول دیا گیا، علمائے مجتہدین کو شرعی حفاظت وحصانت سے نوازا گیا جو ان سے حرج کو ختم کرنے والی اور غلطی کی صورت میں ان کے غلط اجتہاد کے آثار کو مٹانے والی تھی، بلکہ شریعت نے غلطی پر بھی ان کو اجر سے نوازا، تاکہ ان کی مدد ہو، ان کے عزائم کو مضبوطی فراہم ہو، اور ان کے دلوں کو تقویت حاصل ہو، چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: (**إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَ إِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ**)1136۔ (یعنی: جب حاکم فیصلہ دے، جس میں وہ اجتہاد کرے، پھر اس میں حق کو پالے تو اسے کے لئے دو اجر ہے، اور اگر وہ

1134. مجموع الفتاوی، (179/3).

1135. معارج الوصول الی أن أصول الدین وفروعہ قد بینھا الرسول ﷺ (ص 25).

1136. البخاری، (1483/3)، (ح 7438)؛ ومسلم، (746/2)، (ح 4584).

فیصلہ دے جس میں اجتہاد کرے، پھر وہ غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے)۔

اہلِ سنت نے مجتہدین پر اس قاعدہ کو منطبق کیا تو ان میں سے اہلِ فضل کی فضیلت کا اعتراف کیا، اور ان کو ان کا مقام عطا کیا، اگر ان میں سے کسی سے اجتہاد میں یا رائے میں کوئی غلطی صادر ہوئی تو نہ اس کی تشہیر کیا اور نہ ان پر حملہ کیا، انہوں نے ان کی شخصیتوں کو اور ان کی عزتوں کو پامال کئے بغیر فقط حق کو بیان کر دیا۔

تیسرا قاعدہ: غلطی کرنے والے مجتہد کو معذور سمجھنا بیانِ حق کے لئے مانع نہیں ہے:

غلطی کرنے والے مجتہد کو معذور سمجھنا حق کو بیان کرنے سے نہیں روکتا، یہی اہلِ سنت والجماعت کا موقف ہے، اس لئے کہ حق اس کا زیادہ حقدار کہ اس کو ظاہر وا جاگر کیا جائے، اس کو لوگوں کے سامنے واضح کیا جائے تا کہ لوگ اس کو جان لیں، اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اگر خطا کرنے والے مجتہد کے خطا کو معاف کر دیا گیا ہے اور وہ اپنے اجتہاد پر ماجور ہے، تو بھی اس قول وعمل کو بیان کرنا واجب ہے جس پر کتاب و سنت دلالت کرتی ہے، اگر چہ اس سے اس کے قول وعمل کی مخالفت لازم آتی ہو)1137.

اسی پر اہلِ سنت والجماعت کاربند رہے ہیں، کتنے ایسے شاگرد ہیں جنہوں نے اپنے شیخ کی ان کے اجتہاد اور ان کی رائے میں مخالفت کی ہے، اور کتنے ایسے امام ہیں جن کے اتباع نے ان کے اجتہاد میں ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے ان کے اجتہاد اور ان کی رائے کو ترک کر کے اس وقت دلیل شرعی کو اختیار کر لیا جب اس کے ساتھ حق کو پایا۔

اس کی مثالیں بہت زیادہ اور متنوع ہیں، یہ امام ابو حنیفہ ہیں جن کے شاگرد محمد بن حسن شیبانی اور ابو یوسف نے بہت سے اور متنوع مسائل میں ان کی مخالفت کی ہے، جب کہ انہوں نے اپنے امام کے مقام میں نہ تو کسی طرح کی کمی کی اور نہ ان کے دِل سے ان کی شان و مقام کا کوئی حصہ محو ہوا۔

اس وقت یہ قول اہلِ سنت کا شعار بن گیا تھا: ’’فلاں ہمارے دلوں کو محبوب ہے، لیکن حق ہمیں سب سے زیادہ محبوب ہے‘‘۔

1137. مجموع الفتاوی، (234/28).

فرع ثانی

مخالفین کے ساتھ عدل وانصاف

اہلِ سنت والجماعت کے مخالفین دوطرح کے ہیں، اول: کفار ومشرکین جیسے عقیدہ کے مخالفین، دوم: اہلِ بدعت مخالفین۔

ان دونوں اقسام کے تعلق سے ہماری گفتگو کچھ یوں ہے:

اول: اہلِ کفروشرک:

کفار کے ساتھ بھی نبی ﷺ ہمیشہ عدل کی کوشش کرتے رہے ہیں، لہذا عدل اسلامی شناخت ہے جو ذاتی طور پر مطلوب ہے، اس کی تطبیق میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، یہ نبی ﷺ ہیں جو اہلِ ذمہ اور امن میں رہنے والوں کے ساتھ انصاف کئے جانے کا حکم جاری کرتے ہیں اور ان پر ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، آپ کا قول ہے: (**مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ، وَ إِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا**)1138۔(یعنی: جس نے کسی معاہد (عہد والے) کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا، حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے محسوس کی جائے گی)۔

اور یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں جو نبی ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اہلِ ذمہ کے حق میں لوگوں کو مخاطب کر کے یہ نصیحت کرتے ہیں: (**أُوْصِيكُمْ بِذِمَّةِ 1139 اللَّهِ ، فَإِنَّهُ ذِمَّةُ نَبِيِّكُمْ ، وَ رِزْقُ 1140 عِيَالِكُمْ**) 1141۔(یعنی: میں آپ لوگوں کو اللہ کے عہد کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں، وہ (اہلِ ذمہ) آپ کے نبی کا عہد بھی ہیں، اور آپ کے بال بچوں کی روزی کا ذریعہ بھی ہیں)۔

1138. البخاری، (1155/3)، (ح2995).

1139. (**الذِمَّة**): بمعنی عہد ہے.

1140. (**وَرِزْقُ عِيَالِكُم**): رزق سے مراد اہلِ ذمہ سے لیا جانے والا جزیہ وخراج ہے. دیکھئے: فتح الباری، (267/6).

1141. البخاری، (617/2)، (ح3198).

مہلب رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس میں وفائے عہد کی ترغیب ہے، اوراس کی جس پران سے عہد لیا گیا ہے کہ وہ جزیہ کو چھوڑ کران کی جانوں اور مالوں سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھیں گے، اور نبی ﷺ نے اس شخص کی مذمت بیان کیا ہے جو عہد کرتا ہے تو اس کو توڑ دیتا ہے، اوراس کو آپ نے نفاق کی علامت قرار دیا ہے)1142.

☆**اہلِ سنت اوران کا کفار کے ساتھ عادلانہ سلوک:**

اسلامی تاریخ عدل سے پُران روشن صفحات اور تابندہ نقوش سے مالا مال ہے جن میں مذکور ہے کہ مسلمانوں نے عدل کی قدر و قیمت میں اضافہ کیا اور غیر مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے کی حسین مثالیں اور عظیم نمونے پیش کیے، حتی کہ اہلِ سنت کے انصاف اوران کے اسلامی فیصلوں کی خوبی کے سبب اہلِ ذمہ نے اپنے حکام کی بجائے اسلامی سلطنت کے قاضیوں سے فیصلے کرانے کو ترجیح دیا، کیونکہ ان کے حق میں مسلمان قاضیوں کا معاملہ زیادہ صاف، عدل وانصاف سے بھر پور، اور کنیسوں میں قائم محکموں کی طرف سے ان پر تھوپے جانے والے قوانین سے افضل تھا، اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ قاصد سے اہلِ ذمہ کے احوال دریافت کیا کرتے تھے1143

وہ اپنے عمّال سے اہلِ ذمہ سے متعلق دفاتر ودواوین پر نظر ثانی کرنے اوران پر ہونے والے ہر طرح کے ظلم کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا کرتے تھے، ان کی طرف سے بعض گورنروں کے پاس بھیجے گئے خطوط میں سے ایک خط یہ ہے: ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم بیان کرتے ہیں: (عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ رجسٹروں میں نظر ثانی کرو اور ہراس ظلم کو نوٹ کرو جسے ہم سے پہلے والے نے روا رکھا تھا، چاہے وہ کسی مسلمان کے حق پر ہو یا کسی معاہد (ذمی) کے حق پر اوراس کا ازالہ کرو، اگر وہ مظلومین مر چکے ہوں تو ان کا حق ان کے ورثہ کے سپرد کردو)1144.

فیصلوں میں اہلِ سنت کی عدالت اور انصاف کا عالم یہ تھا کہ اہلِ ذمہ اسلامی فیصلوں کو اپنے فیصلوں پر ترجیح دیا کرتے تھے1145.

1142. شرح صحیح البخاری، ابن بطال، (رقم 338).

1143. دیکھئے: سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، (ص155).

1144. الطبقات الکبری لابن سعد، (342/5).

1145. أخبار القضاۃ، للوکیع (88/3, 69, 287).

دوم: اہلِ بدعت مخالفین:

اہلِ بدعت مخالفین کے ساتھ عدل وانصاف کے تعلق سے اہلِ سنت والجماعت کے قواعد درج ذیل ہیں:

پہلا قاعدہ: غیر کفریہ بدعتی یہود ونصاری سے بہتر ہیں:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: (جو بھی محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان رکھتا ہو وہ اس کا انکار کرنے والے سے بہتر ہے، اگر چہ اس پر ایمان رکھنے والے کے اندر کچھ بدعت پائی جاتی ہو، چاہے وہ خوارج کی بدعت ہو یا شیعہ ومرجئہ وقدریہ کی یا ان کے علاوہ کسی اور کی، یہود ونصاری ایسے کفار ہیں جن کا کفر دین اسلام میں روز روشن کی طرح عیاں ہے، اور بدعتی اگر سمجھتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا موافق ہے ان کا مخالف نہیں ہے تو اپنی اس بدعت سے وہ کافر نہیں ہوگا، اور اگر فرض کرلیا جائے کہ وہ کافر ہے تو بھی اس کا کفر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے کے کفر جیسا نہیں ہوگا)1146.

دوسرا قاعدہ: بدعتیوں کے ظلم وجہل کے باوجود ان کے پاس ایمان اور تقوی پایا جاتا ہے:

یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہیں جو مبتدعہ کے ساتھ اس طرح انصاف کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں: (بدعتیوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر ظاہری وباطنی طور پر ایمان پایا جاتا ہے، لیکن ان میں کچھ ظلم وجہالت ہے جس کی وجہ سے انہوں نے سنت میں غلطیاں کی ہیں، یہ لوگ نہ کافر ہیں اور نہ منافق، پھر ان میں ایسی سرکشی اور ظلم پایا جاتا ہوگا جس سے وہ فاسق یا عاصی ہوسکتے ہیں، اور ہوسکتا ہے وہ مخطی اور متاوّل ہو جس کے خطا کو درگذر کیا جاسکتا ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ اس کے پاس ایمان وتقوی پایا جاتا ہو جس کے بقدر اس کو اللہ کی ولایت حاصل ہو)1147.

تیسرا قاعدہ: سنت کی مخالفت کرنے والے پر انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ - قرون ماضیہ کے تصوف پر عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ سناتے ہوئے کہتے ہیں: (ایک جماعت نے ''صوفیہ اور اہلِ تصوّف'' کی مذمت کی ہے، اور کہا ہے: وہ بدعتی اور سنت سے خارج ہیں...

1146. مجموع الفتاوی، (201/35).

1147. مجموع الفتاوی، (354,353/3).

اور ایک گروہ نے ان میں غلو کرتے ہوئے کہا ہے: وہ انبیاء کے بعد سب سے افضل اور سب سے اکمل مخلوق ہیں، جب کہ یہ دونوں متضاد دعوے مذموم ہیں۔

درست بات یہ ہے کہ: وہ اللہ کی اطاعت میں اسی طرح اجتہاد کرنے والے ہیں جس طرح اللہ کی اطاعت کرنے والے دوسرے لوگوں نے اجتہاد کیا ہے، پس ان میں اپنے اجتہاد کے حساب سے سابق ومقرّب ہیں، نیز ان میں مقتصد ہیں جو کہ اہلِ یمین (داہنے ہاتھ والے) ہیں، اوران دونوں اصناف میں سے بعض ایسے ہیں جو اجتہاد کرتے ہیں اور غلطی کرتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں جو گناہ کرتے ہیں تو توبہ کرلیتے ہیں یا نہیں بھی کرتے ہیں، نیز ان سے نسبت رکھنے والے بعض اپنے نفس پرظلم کرنے والے اوراپنے رب کی نافرمانی کرنے والے ہیں ، بلکہ ان کی طرف بدعتیوں اور زنادقہ کی بعض جماعتیں بھی منسوب ہوگئی ہیں، لیکن اہلِ تصوف محققین کے نزدیک وہ ان میں سے نہیں ہیں، جیسے کہ حلاج ہے)1148.

☆**اہلِ سنت اور مبتدعہ کے ساتھ ان کا عدل وانصاف:**

اہلِ سنت کی طرف سے اپنے مخالفین بدعتیوں کے ساتھ انصاف کئے جانے کی بہترین مثال اور روشن دلیل ان کی روایت کو قبول کیا جانا ہے، اہلِ حدیث نے شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہم کی روایت کو قبول کیا ہے، بشرطیکہ ان کے یہاں ان لوگوں کا حفظ وضبط اور صدق ثابت ہوجاتا ہے، چاہے وہ ان بدعتوں کی طرف دعوت دینے والے ہوں یا نہیں، اور ایسا اس لئے کہ ان کا تدین اوران کی صداقت انہیں کذب سے روکتی ہے، یہی بہت سے اسلاف محدثین کا مذہب ہے، جیسے بخاری، مسلم، علی بن مدینی، یحیی بن سعید قطان اور ابن خزیمہ وغیرہم کا 1149.

اس کی ایک اور مثال وہ ہے جو"صحیح ابن خزیمہ" میں وارد ہے، وہ کہتے ہیں: (ہم سے عباد بن یعقوب نے روایت کیا- جو اپنی رائے میں متّہم ہیں اور روایتِ حدیث میں ثقہ ہیں)1150.

1148. مجموع الفتاوی، (18,17/11).

1149. مقدمۃ ابن الصلاح، (ص114).

1150. صحیح ابن خزیمۃ، (376/2)، (ح1497).

حالانکہ وہ اہلِ سنت کی طرف نسبت رکھنے والے شخص کی روایت کواس وقت رد کردیتے ہیں جب اس کی عدالت ثابت نہ ہوتی ہو، اور حدیث ورجال کی کتابیں ایسی مثالوں اور نمونوں سے پُر ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں، بلکہ صحیح بخاری اور مسلم میں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جو بعض اہلِ بدعت سے مروی ہیں اور اس سے ان کتابوں کی شان میں کوئی کمی نہیں ہوتی، بلکہ یہ دونوں کتابیں ناقدینِ حدیث کے یہاں کتبِ حدیث کی سب سے صحیح ومعتبر کتابیں ہیں۔

ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اگر روایتِ حدیث میں قدری، رافضی، معتزلی، اور جہمی کی صداقت اور تقوی معلوم ہو، اور وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو تو اکثر علماء اس کی روایت کو قبول کرنے اور اس کی روایت کردہ حدیث پر عمل کرنے کے قائل ہیں، البتہ بدعت کی دعوت دینے والے کے بارے میں وہ متردد ہیں کہ اس کی روایت کو لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ویسے بہت سے حفاظ اس کی حدیث سے دور رہنے اور اس سے قطع تعلق کر لینے کے قائل ہیں، جب کہ بعض کا کہنا ہے: اگر ہمیں اس کی صداقت معلوم ہوا گرچہ وہ داعی بدعت ہو، اور ہمیں اس کے پاس ایسی سنت ملتی ہے جس کو اس نے تنہا روایت کیا ہے تو پھر ہمارے لئے اس سنت کو ترک کردینا کیسے مناسب ہوسکتا ہے؟ ائمہ حدیث کے تمام تصرفات اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اگر بدعتی کو اس کی بدعت دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے اور اس کے خون کو مباح نہیں کرتی ہے، تو اس کی روایت کردہ کو قبول کرنا درست ہے)1151.

شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے کہا ہے: (روایت کے اندر اعتبار راوی کی صداقت وامانت اور اس کے دین و اخلاق سے مطمئن ہونے کا ہے، راویوں کے احوال کا تتبع کرنے والا ایسے بہت سے بدعتیوں کو پاتا ہے جو اطمینان وبھروسہ کے لائق ہے، اگر چہ انہوں نے ایسی چیزیں روایت کی ہوں جو ان کی رائے کے موافق ہو) 1152.

1151. سیر أعلام النبلاء، (154/7).

1152. الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، (ص95).

دوسرا مطلب

لوگوں کے ساتھ رحمت وشفقت کا اظہار کرنا

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کے اصحاب کی یہ کہہ کر تعریف کیا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر رحمت و مہربانی کرتے ہیں اور محبت ونرمی کا سلوک روا رکھتے ہیں، وہی وہ لوگ ہیں جن کی اقتدا کرنے، ان کے نشانِ راہ کی پیروی کرنے اور ان کے راستوں کو اپنانے کا حکم اللہ تعالی نے ہمیں دیا ہے، اللہ سبحانہ وتعالی کا قول ہے: (**مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ**) [الفتح :٢٩]، پس اللہ تعالی کے قول (**رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ**) کا معنی ہے: وہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے، مہربانی کرنے والے اور لطف وعنایت کرنے والے ہیں، بالکل ایک جسم کی مانند، جس طرح والد اپنے بچے پر شفیق ومہربان ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرتا ہے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، خلق کے ساتھ ایسا ہی ان کا معاملہ ہوتا ہے1153.

لوگوں پر اہلِ سنت کی رحمت ومہربانی:

لوگوں کے اوپر اہلِ سنت والجماعت کی رحمت ومہربانی کی روشن تصویروں میں سے بعض یہ ہیں:

جسر بن ابی جعفر بیان کرتے ہیں: عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے عدی بن ارطاۃ کے نام لکھے جانے والے خط کو پڑھے جانے کے وقت میں موجود تھا، اسے ہمارے سامنے بصرہ میں پڑھا گیا تھا، اس میں لکھا تھا: اما بعد: اللہ سبحانہ نے ان لوگوں سے جزیہ1154 لئے جانے کا حکم دیا ہے جس نے اسلام سے اعراض کیا اور سرکشی اور خسران مبین کے طور پر کفر کو اختیار کیا، اور اس نے اس شخص سے جزیہ کو معاف کر دیا ہے جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو

1153. دیکھئے: تفسیر السعدی، (ص795).

1154. (**الجزية**): وہ مال جو اہل ذمہ پر مقرر ہوتا ہے، گویا وہ قتل سے بچنے کی جزا ہے، اور جزیہ اسلامی حکومت میں ان کے قیام کرنے اور حکومت کی طرف سے ان کی حمایت کئے جانے کا بدلہ ہے.

،اس کواس نے زمین کی آباد کاری کرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے،اس میں مسلمانوں کے معاش کی بہتری ہے اور دشمنوں کے خلاف قوت کا حصول ہے،تم اپنے علاقہ کے اہلِ ذمہ کو دیکھو، جو بوڑھا ہوگیا ہو،جس کی طاقت ختم ہوگئی ہو،اور جس کی آمدنی معدوم ہوچکی ہو،تو اس کے لئے مسلمانوں کے بیت المال سے اس کی ضرورت کے مطابق خوراک جاری کردو،اور اگر کسی مسلمان کے پاس ایسا کوئی غلام ہو جو بوڑھا ہوگیا ہو،اور جس کی طاقت ختم ہوگئی ہواور جس کی آمدنی کے ذرائع معدوم ہوگئے ہوں،تو اس کے سید پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کو خوراک فراہم کرے یا اس کو قوی بنائے، یہاں تک کہ موت یا آزادی دونوں کے درمیان جدائی ڈال دے،ایسا اس لئے کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گذر ایک ذمی بوڑھے کے پاس سے ہوا جو لوگوں کے دروازے پر بھیک مانگ رہا تھا تو انہوں نے کہا: (یہ تمہارے ساتھ انصاف نہیں ہوگا کہ ہم نے تم سے جوانی میں جزیہ وصول کیا اور بوڑھاپے میں تم کو ضائع کردیا، پھر انہوں نے اس کے لئے بیت المال سے اس کی کفایت بھر خوراک جاری کردیا)1155.

1155. الأموال،القاسم بن سلام،(115/1)،(رقم104).

تیسرا مطلب

زہد سے ان کا متصف ہونا

زہد کی حقیقت:

دنیا اور اس میں پائی جانے والی اللہ تعالی کی بے شمار اور لا تعداد نعمتوں سے کنارہ کش ہو جانا اور ان سے منہ پھیر لینا، جو نعمتیں اللہ تعالی کی طاعت و بندگی میں معاون و مددگار رہیں زہد نہیں ہے، زہد یہ بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے حلال کی گئی چیزوں کو حرام کر لیا جائے، اور نہ عبادت میں کسی خاص صفت کو مشتہر کرنا، یا حقیر لباس پہننا، یا غلیظ کھانا کھانا زہد ہے، بلکہ حقیقی زہد کا تعلق دل سے ہے، اور وہ اس چیز کا ارادہ کرنا ہے جس کو اللہ تعالی اپنے بندوں سے چاہتا ہے، اور مقصد کو چھوڑ کر وسیلہ میں مشغول نہ رہنا ہے، اس بارے میں ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (زہد سے مراد بادشاہت کو ٹھکرانا نہیں ہے، کیونکہ سلیمان اور داود علیہما السلام اپنے اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد تھے اس کے باوجود ان دونوں کے پاس اتنے مال، حکومت اور اتنی عورتیں تھیں جو دوسروں کے پاس نہیں تھیں، اور نبی ﷺ علی الاطلاق تمام انسانوں میں سب سے بڑے زاہد تھے، اور آپ کے پاس نو بیویاں تھیں، علی بن ابی طالب، عبد الرحمن بن عوف، زبیر اور عثمان رضی اللہ عنہم زہاد میں سے تھے، حالانکہ ان کے پاس بیش بہا دولت تھی، اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما زاہدوں میں سے ایک تھے مگر وہ امت میں سب سے زیادہ عورتوں سے محبت کرنے والے اور ان سے نکاح کرنے والے تھے، اور سب سے مالدار بھی تھے، نیز عبد اللہ بن مبارک ائمۂ زہاد میں سے تھے اور ان کے پاس بہت زیادہ دولت تھی، اسی طرح لیث بن سعد ائمۂ زہاد میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان کے پاس بڑا سرمایہ تھا، وہ کہا کرتے تھے: اگر مال نہ ہوتا تو لوگ ہمیں مندیل (رومال) بنا لیتے[1156]

لہذا زہد نام ہے فانی امور کے ساتھ دِل کے مشغول نہ ہونے اور اسے مقصدِ عظیم اور منتہائے علم نہ بنانے کا

1156. مدارج السالکین، (13,12/2) معمولی تصرف کے ساتھ.

، بلکہ ان کے ساتھ اس بنا پر تعلق ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مقصد تک پہنچنے اور اپنے مراد کو پانے میں مددگار وسائل میں سے ہیں، اس کے نزدیک ان امور کا پایا جانا اور نہ پایا جانا برابر ہو۔

بنابریں زہد ان قلبی اعمال میں سے ہے جن کا ظاہری اور خارجی شکل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، چنانچہ آپ ایسے انسان کو پائیں گے جو نرم لباس زیب تن کرتا ہے اور خوشگوار زندگی گذارتا ہے مگر وہ ان سے بے رغبت ہوتا ہے اور اپنے رب کے پاس موجود نعمتوں میں دلچسپی رکھتا ہے، اس کے برعکس آپ ایسے شخص کو بھی پائیں گے جو مفلسی اور محتاجی کی وجہ سے حقیر لباس پہنتا ہے مگر وہ زندگی اور اس کے اسباب کا سب سے زیادہ حریص ہوتا ہے، زندگی کے منافع اور آسائشوں کے حصول میں سب سے زیادہ کوشاں رہتا ہے، نہ اسے آخرت کی فکر ہوتی ہے اور نہ اس میں اس کی کوئی دلچسپی نظر آتی ہے۔

☆ **اہلِ سنت کے زہد کے نمونے:**

اہلِ سنت کے ائمہ میں سے آپ کو کوئی بھی ایسا امام نہیں ملے گا جن کی سیرت میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے ان کی غیر معمولی دلچسپی کی مختلف تصویریں نہ پائی جاتی ہوں، ان کے حق میں یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں ہے کیونکہ وہ فانی دنیا سے سب سے زیادہ بے رغبت اور آخرت میں سب سے زیادہ دلچسپی لینے والے تھے، اور یہ غناء کی وجہ سے تھا فقر کی وجہ سے نہیں، اعتماد کی وجہ سے تھا کمزوری کی وجہ سے نہیں رغبت کی وجہ سے تھا رہبت کی وجہ سے نہیں، اہلِ سنت کے زہد کے لاتعداد اور بے شمار نمونوں اور اس کی تصویروں سے تراجم وسیر کی کتابیں بھری پری ہیں، بلکہ ایسی کئی مستقل کتابیں بھی تحریر کی گئی ہیں جو زاہدین کے زہد، دنیا سے ان کی بے رغبتی اور آخرت میں ان کی شدید رغبت کی حکایتیں بیان کرتی ہیں، اس سلسلے کی بعض نمائندہ اور روشن مثالیں درج ذیل ہیں 1157:

ا۔ بکر بن عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (ابوبکر رضی اللہ عنہ کثرتِ صوم وصلاۃ سے سارے لوگوں پر فضیلت نہیں رکھتے تھے، ان کو لوگوں پر فضیلت اس چیز کی وجہ سے حاصل تھی جو ان کے دل میں پائی جاتی تھی) 1158.

1157. دیکھئے: أهل السنة والجماعة، (ص 370).

1158. ابوداود فی الزھد، (40/1)، (رقم 37)؛ نوادر الأصول، للحکیم الترمذی، (55/3).

۲۔حسن بیان کرتے ہیں: (اللہ کی قسم! عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے گھر میں جو بھی روٹی ہوتی تھی وہ روٹی جَو کے آٹے سے ملا کر پکائی ہوئی ہوتی تھی1159 ،اسی حالت میں وہ اللہ تعالی کے پاس پہنچ گئے)1160.

۳۔علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (دنیا پیچھے کی طرف رواں دواں ہے،اور آخرت آگے کی طرف رواں دواں ہے،اوران دونوں میں سے ہرایک کے پاس بیٹے ہیں،تم لوگ آخرت کے بیٹے بنو، دنیا کے بیٹے نہ بنو،آج عمل ہے حساب نہیں ہے،اورکل حساب ہوگا عمل نہ ہوگا)1161.

۴۔ نیز انہوں نے کہا ہے (دنیا سے بے رغبت رہنے والوں اور آخرت میں رغبت رکھنے والوں کے لئے خوشخبری ہے، یہ وہ قوم ہے جس نے زمین کو اپنی چٹائی،اس کی مٹی کو بچھونا،اس کے پانی کوخوشبو، کتاب کو اپنا شعار اوردعا کو اپنا اوڑھنا بنایا)1162.

1159. حدیث کا لفظ ہے: خبز یُغلَثُ: یعنی وہ روٹی جو جَو کے آٹے کے ساتھ ملا کر پکائی گئی ہو، دیکھئے: الصحاح فی اللغۃ، للجوھری (310/1).

1160. ابوداود فی الزھد، (95/1)، (رقم 91).

1161. البخاری، معلقاً صیغۂ جزم کے ساتھ، (183/1). اور ابن حجر نے فتح الباری، (236/11) میں کہا ہے: (یہ علی رضی اللہ عنہ کے اثر کا ایک ٹکرا ہے جو ان سے مرفوعاً وموقوفاً مروی ہے).

1162. شعب الإیمان للبیھقی، (179/13)، (رقم 10141).

چوتھا مطلب

فتنوں اوراس کے اسباب سے اجتناب کرنا

افراد، سماج اور قوموں پر فتنوں کا بہت زیادہ منفی اثر ہوتا ہے، ان کا سب سے زیادہ برا اثر دین پر ہوتا ہے، پھر عقل پر، پھر نفس پر، اور فتنوں کا ظہور وانتشار اس زمان ومکان کے فساد کی علامت ہوتا ہے جس میں وہ ظاہر ہوتے ہیں، اسی لئے کتاب وسنت میں ایسے دلائل وارد ہوئے ہیں جو فتنوں اور اس کے اسباب ومحرکات سے کنارہ کش رہنے کی تعلیم دیتے ہیں، اور فتنوں کی متعدد قسمیں ہیں، دین میں فتنہ، مال میں فتنہ اور اولاد میں فتنہ وغیر ذلک، فتنوں سے بچنے کی اہمیت کے پیش نظر اہلِ سنت والجماعت کے بعض اہلِ علم نے فتنوں کے موضوع کو اپنی تحقیق وتالیف کا موضوع بنایا ہے، تاکہ ان سے اور ان کے شر سے بچا جا سکے، بلکہ بعض محدثین نے ان کے لئے اپنی مولفات میں کتابیں اور ابواب خاص کئے ہیں۔

فتنوں سے نفرت کرنے، ان کے اسباب کو بیان کرنے اور ان سے ہوشیار کرنے میں اہلِ سنت والجماعت ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں، اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ فرد اور جماعت پر ان کے بہت مضر نقصانات مترتب ہوتے ہیں، لہذا اہلِ سنت سے تعلق رکھنے والے سلفِ صالحین نے فتنوں اور اس کے اسباب سے لوگوں کو دور رہنے کی بہت زیادہ تلقین کی ہے، اس کی مثالیں درج ذیل ہیں1163:

ا- ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا ہے: (تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو فتنوں سے میں مبتلا نہ ہو، اللہ تعالی کا قول ہے (**إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَ أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ**) [**التغابن :١٥**] (ترجمہ: بے شک تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں) پس تم میں سے جو پناہ مانگنا چاہے وہ فتنوں کی ہلاکتوں سے اللہ تعالی کی پناہ مانگے) 1164.

1163. دیکھئے: أهل السنة والجماعة، (ص 391).

1164. تفسیر الطبری، (475/13).

۲- حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (اللہ کی قسم! میں ان تمام فتنوں کے بارے میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں جو میرے اور قیامت کے درمیان ظہور پذیر ہوں گے، اور میں اس لئے جانتا ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ان کے بارے میں ایسی باتیں بتائی ہیں جو دوسروں کو نہیں بتائیں، رسول اللہ ﷺ نے -ایک مجلس میں جس میں میں موجود تھا- فتنوں کے بارے میں فرمایا، آپ نے فتنوں کو گناتے ہوئے فرمایا تھا: (ان میں سے تین ایسے ہیں جو کسی کو نہیں چھوڑیں گے، ان میں سے کچھ فتنے موسم گرما کی ہوا کی طرح ہوں گے، ان میں سے کچھ چھوٹے اور کچھ بڑے ہوں گے) حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: وہ تمام لوگ گذر چکے ہیں صرف میں بچا ہوں1165.

۳- زبیر بن عدی کہتے ہیں: ہمارے پاس انس بن مالک رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ہم لوگوں نے حجاج بن یوسف کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کے بارے میں ان سے شکایت کیا تو انہوں نے کہا: (تم لوگ صبر کرو، تمہارے سامنے جو وقت آئے گا اس کے بعد والا اس سے بُرا ہوگا، یہاں تک کہ تم لوگ اپنے رب کے پاس چلے جاؤ، میں نے یہ بات تمہارے نبی ﷺ سے سُنی ہے)1166.

۴- ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (ہم ائمہ کے خلاف بغاوت کے قائل نہیں ہیں، اور نہ فتنہ میں قتال کرنے کے قائل ہیں، ہم اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کے پابند ہیں جسے اللہ تعالی نے ہم پر حاکم بنایا ہے، ہم اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے، ہم اہلِ سنت والجماعت کی اتباع کرتے ہیں، اور شذوذ واختلاف اور فرقہ بندی سے دور رہتے ہیں)1167.

اہلِ سنت والجماعت نے فتنوں سے نبرد آزما ہونے میں اسی ایک منہج کو اختیار کیا جس سے نبی ﷺ نے انہیں آگاہ فرمایا تھا، چنانچہ ہم پاتے ہیں کہ وہ فتنہ کی جگہوں سے دور اور برگشتہ رہتے ہیں، اس میں ملوث نہیں ہوتے، ایسے بہت سے عالم ہیں جنہوں نے فتنوں کا سامنا کیا تو ان کے سامنے پہاڑ کی طرح ثابت قدم رہے

1165. مسلم، (1216.2)، (ح7444).

1166. البخاری، (1429/3)، (ح7155).

1167. شرح اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، (176/1).

اور ٹیلے کی طرح جمے رہے تاکہ لوگ اس فتنہ میں نہ پڑیں، اوران علماء میں سب سے اول مقام امام اہلِ سنت والجماعت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو حاصل ہے۔

ان علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں فتنوں اوران کی علامات، ان کے اسباب اوراحکام کوتفصیل سے بیان کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ ایک مسلمان کوفتنوں کے وقت کیا کرنا چاہئے اور وہ ان سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے...ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی ہوئی کسی چیز کونہیں چھپایا، وہ امت کے خیر خواہ بنے رہے، رسالت کی تبلیغ میں لگے رہے، امانت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اللہ تعالی ان کو ہماری طرف سے بہترین اجر سے نوازے۔

یہاں اس اہم ترین مسئلہ کی طرف اشارہ کردینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ وتراجم اورسیر وادب وغیرہ کی کتابوں میں اسلامی تاریخ کے جائزہ سے یہ بات ابھر کر پوری طرح سامنے آجاتی ہے جس میں غموض واشتباہ یا شک وجدال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ اہلِ سنت والجماعت امت کولاحق فتنوں میں سے کسی بھی فتنہ کے اندر اپنی تاریخ کے کسی بھی حصہ میں فریق نہیں بنے، بلکہ وہ ہمیشہ مظلوم اورمقہور رہے، اور ہرطرح کا ظلم وستم سہنے کے باوجود انہوں نے کسی سے اپنا انتقام نہیں لیا، نہ ظلم کا بدلہ ظلم سے اور بدسلوکی کا بدلہ بدسلوکی سے لیا، بلکہ جو کچھ وقوع پذیر ہوا وہ اس کے بالکل برعکس تھا، انہوں نے ظلم کا بدلہ عدل سے اور بدسلوکی کا بدلہ احسان سے دیا، اس کا کوئی مخالف نہیں ہوسکتا اور نہ اس کا کوئی منکر ہوسکتا ہے سوائے اس کے جس کے قلب ونگاہ کو اللہ تعالی نے بےنور کردیا ہو۔

پانچواں مطلب

حاکموں کے خلاف کھڑے ہونے سے اجتناب کرنا

حکام وقت کی اطاعت وفرمانبرداری اسلامی عقیدہ کے اصول میں سے ایک اصل ہے اور عقیدہ کی ایسی بہت کم کتاب ملے گی جس میں اس اصل کا اثبات اور اس کی تشریح وتفسیر بیان نہ کی گئی ہو، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ مسئلہ نہایت اہمیت کا حامل اور بہت عظیم الشان ہے، کیونکہ حکام کی سمع وطاعت کے ذریعہ ہی دین اور دنیا کے مصالح کی تکمیل ہوسکتی ہے، اور دین اسلام کے تعلق سے یہ بات ضرورۃً معلوم ہے کہ جماعت کے بغیر دین کا تصور نہیں ہے، اور امامت کے بغیر جماعت کا تصور نہیں ہے، اور سمع وطاعت کے بغیر امامت کا تصور نہیں ہے1168.

اس سلسلے میں اہلِ سنت والجماعت اس ثابت وراسخ عقائدی اصول کے پابند ہیں کہ حکومت اللہ تعالی کے بندوں کو اس کی طرف سے دیا جانے والا ایک عطیہ ہے جس کے لئے نہ تو جھگڑا کرنا درست ہے اور نہ اس کی خاطر لڑنا صحیح ہے، اس لئے کہ کسی کے لئے خواہ وہ جس قوت وجاہ کا مالک ہو اللہ تعالی کی مشیئت اور اس کے فیصلہ کے بغیر لوگوں کا حاکم بن جانا ممکن نہیں ہے، لہذا اللہ تعالی کے فیصلے اور مراد کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے، اس بارے میں اللہ تعالی کا قول ہے: (**قُلْ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ**) [آل عمران :٢٦]۔

(ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے اللہ! تو ہی بادشاہت کا مالک ہے، تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا کرتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے ذلیل بنا دیتا ہے، تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے)۔ پس والیان امر کے ساتھ ادب سے

1168. دیکھئے: جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر (127/1).

پیش آنا اللہ تعالی کے ساتھ ادب سے پیش آنا ہے جس نے انہیں حکومت سے سرفراز کیا ہے، جو اگر چاہے تو ان سے حکومت چھین بھی لے۔

حسن بصری رحمہ اللہ- امراء کے بارے میں کہتے ہیں: (وہ ہمارے پانچ امور کے نگراں ہوتے ہیں: جمعہ، جماعت، عید، سرحدوں اور حدود کے، اللہ کی قسم! ان کے بغیر دین قائم نہیں ہوسکتا، اگر چہ وہ زیادتی اور ظلم کریں، اللہ کی قسم! اللہ ان کے ذریعہ جن چیزوں کی اصلاح ودرستگی کرتا ہے ان کی تعداد ان کے فساد سے زیادہ ہے)۔1169.

اول: حکام کی ذمہ داریاں:

پہلی ذمہ داری: امانتوں کی ادائیگی:

اللہ تعالی کا قول ہے: (**إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَ إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا**) [النساء :٥٨]

(ترجمہ: بے شک اللہ تعالی تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچا دو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو، بے شک اللہ تمہیں اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے)۔

وجہِ دلالت: ولایت عظمیٰ ان امانتوں میں سے سب سے عظیم امانت ہے جن کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (علماء کا کہنا ہے: یہ آیت والیانِ امر کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ امانت والوں تک ان کی امانت کو پہنچائیں، اور جب وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں...اور اگر یہ آیت امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچانے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو واجب بتا رہی ہے تو یہی دونوں چیزیں انصاف پر مبنی سیاست اور صالح ولایت کو اپنے اندر سموئے ہوئی ہیں)1170.

1169. آداب الحسن البصری، ابن الجوزی (ص 121)؛ جامع العلوم والحکم، (262/1).

1170. السیاسۃ الشرعیۃ (ص 12)؛ مجموع الفتاوی، (246,245/28).

دوسری ذمہ داری: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کرنا:

رعیت کے اندر دین کو قائم کرنا، انہیں بھلائی کا حکم دینا اور بُرائی سے باز رکھنا حکامِ وقت کے اوپر عائد رعیت کے حقوق میں سے سب سے بڑا حق ہے، اسی اصل ثانی کی خاطر تو حکومت وولایت کی بنا رکھی گئی ہے، یعنی اس دین کی حفاظت کرنا جس کو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے، اس بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے: (**الَّـذِيـنَ إِنْ مَـكَّـنَّـاهُـمْ فِـي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ وَ أَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَ لِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ**) [الحج:۴۱]۔

(ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکاتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں اور تمام کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے)۔

وجہِ دلالت: والیانِ امر کو اللہ تعالی نے زمین میں حکومت سے سرفراز کیا ہے، لہذا ان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے دین کو دنیا میں قائم کریں، اور ان میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی ہے۔

پس اللہ تعالی کے قول: (**الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْض**) (یعنی: ہم نے ان کو اس کا مالک بنایا، اور اس میں ان کو اقتدار عطا کیا، جس میں ان کا کوئی منازع اور معارض نہیں ہے)1171.

لہذا والیانِ امر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی رعیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ و شعیرہ کو قائم کریں۔

تیسری ذمہ داری: شریعت الٰہیہ کی تطبیق اور وحی کے مطابق حکومت سازی:

حکام پر عائد رعیت کے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ان کے درمیان اللہ تعالی کی شریعت کو قائم کریں، اللہ تعالی کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ کریں، اور اس کے خلاف جو بھی دنیوی قوانین ہوں ان سے دستبردار ہو جائیں، اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے: (**وَ أَنْ احْـكُـمْ بَيْـنَـهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ**) [المائدة :۴۹]۔

1171. تفسیر السعدی، (539/1).

(ترجمہ: اور یہ کہ آپ ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے، اور ان سے ہوشیار رہئے، کہیں آپ کو کسی ایسے حکم سے بہکا نہ دیں جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے)۔

سعدی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہ آیت اس بات پر دلالت کررہی ہے کہ جب وہ فیصلہ کریں تو لوگوں کے درمیان اللہ تعالی کی نازل کردہ کتاب اور سنت کے مطابق فیصلہ کریں1172.

دوم: والیانِ امر کے حقوق:

والیانِ امر کے رعیت کے اوپر عائد کچھ حقوق ہیں، اہلِ سنت والجماعت کی کتابوں میں ان حقوق کا تفصیلی ذکر آیا ہے، ان لوگوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک مسلمان پر والیانِ امر کی اطاعت وفرمانبرداری واجب ہے الا یہ کہ وہ معصیت کا حکم دیں، ایسی صورت میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی کیونکہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

اسی طرح ان لوگوں نے والیانِ امر کے حق میں خیر خواہ ہونے، ان کے حق میں دعا کرنے اور حق پر ان کی مدد کرنے کو ضروری قرار دیا ہے اور ان کے خلاف کھڑے ہونے کو حرام ٹھہرایا ہے، چاہے وہ نیکوکار عادل ائمہ ہوں یا جور وظلم کرنے والے ائمہ ہوں، جب تک وہ دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہوجائیں۔

نیز ان کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ ائمہ کے جور وظلم پر ضرر ونقصان کے باوجود صبر کیا جائے گا، اس لئے کہ یہ نقصان ان کے خلاف بغاوت پر مترتب ہونے والے نقصان سے ہلکا ہے، درج ذیل سطور میں رعیت پر عائد حکام کے حقوق کا ذکر کیا جارہا ہے1173.

پہلا حق: اطاعت وفرمانبرداری کرنا اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرنا:

اللہ تعالی کی طرف سے اس کے بندوں پر ڈالی گئی عظیم ذمہ داریوں میں سے ایک حکام وقت کی معروف میں اطاعت کرنا ہے، اس لئے کہ سارے دینی ودنیوی مصالح اسی کے ذریعہ قائم ہوسکتے ہیں، جیسا کہ عمر بن

1172. تفسیر السعدی، (234/1).

1173. دیکھئے: أهل السنة والجماعة (411).

خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے کہا ہے: (جماعت کے بغیر اسلام کا تصور نہیں ہے، امارت کے بغیر جماعت کا تصور نہیں ہے، اور طاعت کے بغیر امارت کا تصور نہیں ہے)1174.

دلائل:

معروف میں والیانِ امر کی اطاعت کے لازم ہونے اور ان کے خلاف خروج سے باز رہنے کے واضح ترین دلائل میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا قول ہے: **(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَي اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلاً**[النساء:٥٩]۔

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے)۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہر شخص پر واجب ہے، اور حکام وقت کی اطاعت اللہ تعالی کی طرف سے ان کی اطاعت کو واجب قرار دئے جانے کی بنا پر واجب ہے، پس جس نے والیانِ امر کی اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالی کی اطاعت کی اس کا اجر اللہ تعالی پر ہے، اور جو ان کی اطاعت محض ولایت و مال کے حصول کی بنیاد پر کرتا ہے کہ اگر ان کی طرف سے اس کو کچھ ملا تو ان کی اطاعت کی اور اگر نہیں ملا تو ان کی نافرمانی کی، تو ایسے آدمی کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے)1175.

۲۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (مسلمان آدمی پر سمع و طاعت واجب ہے اس کے اندر بھی جس کو وہ پسند کرے اور اس کے اندر بھی جس کو وہ ناپسند کرے، الا یہ کہ اسے معصیت کا حکم دیا جائے، اگر اسے معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع و طاعت نہیں ہے)1176.

1174. جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر، (127/1)، (رقم 226).

1175. مجموع الفتاوی، (17,16/35).

1176. البخاری، (1442/3)، (ح 7231) اور لفظ انہی کا ہے؛ ومسلم، (811/2)، (ح 4869).

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: (علماء نے کہا ہے: اس کا معنی ہے: والیانِ امر کی اطاعت اس میں بھی واجب ہے جس میں مشقت پائی جائے اور جو دلوں پر نا گوار گذرے اور اس کے علاوہ امور میں بھی الا یہ کہ وہ معصیت کا کام نہ ہو، اگر معصیت کا کام ہو تو پھر اس میں نہ سمع ہے نہ طاعت)1177.

۳۔عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: (ہم لوگوں نے سمع وطاعت پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کیا تنگی میں اور راحت میں، خوشی میں اور غم میں اور ناموافق حالات میں، اور اس پر کہ ہم لوگ حکام کے معاملات میں اختلاف نہیں کریں گے1178، اور اس پر کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق بات ہی کہیں گے، اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے)1179.

اور ایک روایت میں ہے: (الا یہ کہ تم کفر بواح دیکھو1180، اس وقت تمہارے لئے اللہ تعالی کی طرف سے بُرہان ہوگا)1181.

(**یہ تمام باتیں اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ**: ائمہ کے خلاف خروج سے بچا جائے، مسلمانوں کی لاٹھی کو شق نہ کیا جائے، خوں ریزی اور ہتک عزت کے اسباب پیدا نہ کئے جائیں، الا یہ کہ امام کفر کا مرتکب ہو جائے اور اس سے اسلامی دعوت کے خلاف اعمال کا صدور ہو، ایسی صورت میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی)1182.

دوسرا حق: والیانِ امر کی خیر خواہی: تمام مؤمنین ومؤمنات کی صفات میں سے ہے کہ وہ معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں، اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ**) [التوبة :۷۱]۔(ترجمہ: اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک

1177. شرح النووی علی صحیح مسلم، (224/12).

1178. (**لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ**): یعنی: ملک وامارت میں. دیکھئے: فتح الباری، (8/13).

1179. مسلم، (811/2)، (ح4874).

1180. (**كُفْرًا بَوَاحًا**): یعنی: ظاہر وواضح کفر، شرح صحیح البخاری، ابن بطال (9/10).

1181. البخاری، (1428/3)، (ح7143)؛ ومسلم، (812/2)، (ح4877).

1182. شرح صحیح البخاری، ابن بطال، (9/10).

دوسرے کے مددگار ہوتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)۔اور نبی ﷺ نے نصیحت وخیر خواہی کو دین کے اہم امور میں شمار کیا ہے اور اس میں حکّام کی خیر خواہی بھی شامل ہے:

ا۔تمیم داری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:(**الـدِّيـنُ النَّصِيحَةُ 1183) . قُلْنَا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ ؟ قَالَ : (لِلَّهِ وَ لِكِتَابِهِ ، وَ لِرَسُلِهِ ، وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ ، وَ عَامَّتِهِمْ**)1184.

(یعنی: خیرخواہی کا نام دین ہے، ہم لوگوں نے کہا: کس کے لئے اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لئے ،اس کی کتاب کے لئے ،اس کے رسول کے لئے ،مسلمانوں کے اماموں کے لئے ،اور عام مسلمانوں کے لئے)۔

۲۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(**إِنَّ اللَّـهَ يَرْضَى لَكُمْ ثَلَاثًا ، وَ يَسْخَطُ لَكُمْ ثَلَاثًا ، يَرْضَى لَكُمْ ؛ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ، وَ أَنْ تَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَ لَا تَفَرَّقُوا ، وَأَنْ تُنَاصِحُوا مَنْ وَلَّاهُ اللَّهُ أَمْرَكُمْ ، وَيَسْخَطُ لَكُمْ ؛ قِيْلَ وَقَالَ ، وَ إِضَاعَةَ الْمَالِ ، وَ كَثْرَةَ السُّوَالِ**)1185.

(یعنی: اللہ تعالی تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند کرتا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے،تمہارے لئے یہ پسند کرتا ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ،اور اللہ کی رسّی کو تم سب لوگ مِل کر تھام لو اور متفرق نہ ہو،اور اس کے ساتھ خیر خواہی کرو جس کو اللہ تعالی نے تم پر حاکم بنایا ہے،اور ناپسند کرتا ہے قیل وقال کو،اضاعتِ مال کو اور کثرتِ سوال کو)۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اس میں عام لوگوں پر خیر خواہی کو واجب قرار دیا گیا ہے، والیانِ امر کے لئے ،اور وہ ائمہ وخلفاء ہیں، نیز سارے امراء ہیں)1186.

1183.(**النَّصِيحَةُ**): نصیحت کئے جانے والے کے لئے خیر کا ارادہ رکھنا۔دیکھئے: جامع العلوم والحکم،(80,79/1).

1184. مسلم،(43/1)،(ح205).

1185. مسند احمد،(399/14)،(ح8799).اور البانی نے اس کو(صحیح الجامع)،(278/1)،(ح2776) میں صحیح کہا ہے.

1186. التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید،(284/21).

چھٹا مطلب

دین پران کا ثابت قدم رہنا

اہلِ سنت سے تعلق رکھنے والے سلفِ صالحین کی سیرت میں غور کرنے والے کو دین پران کی ثبات قدمی کا اوراس کی راہ میں شدائد وتکالیف کو گوارا کرنے کا عجیب منظر دکھائی دیتا ہے، ان میں سے ایک اپنی جان یامال گنواتے ہیں یا قید ومشقت اور دربدری کا سامنا کرتے ہیں، پھر بھی آپ ان کو صابر ومحتسب پاتے ہیں، راضی و شاکر اور ثابت قدم دیکھتے ہیں، اس لئے کہ ان کا مطمع نظر خالق ہوتا ہے ان کا مخلوق سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا، دین پران کی ثابت قدمی اور شدید ترین تعذیب وتکلیف کو گوارا کرنے کی عمدہ ترین مثال وہ واقعہ ہے جو میمون بن اصبغ رحمہ اللہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: (میں بغداد میں تھا کہ مجھے ایک چیخ سنائی دی، میں نے کہا: یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: احمد بن حنبل کو مارا جارہا ہے، میں وہاں پہنچا تو جیسے ہی انہیں ایک کوڑا لگایا گیا تو انہوں نے کہا: بسم اللہ، اور جب دوسرا کوڑا لگایا گیا تو انہوں نے کہا: لاحول ولاقوۃ الا باللہ، جب تیسرا کوڑا مارا گیا تو انہوں نے کہا: قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے، جب چوتھا کوڑا مارا گیا تو کہا: (**قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا**) [**التوبة** :۵۱]۔اس طرح ان کو انتیس کوڑے مارے گئے)1187.

اہلِ سنت کے ثبات اور اہلِ کلام کے اضطراب کے درمیان موازنہ:

اہلِ سنت والجماعت کے دین پر ثبات کی اس مبارک مثال کے ذکر کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کا بھی ذکر کر دیا جائے جسے ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اہلِ سنت کے ثبات ویقین اور دین پران کے صبر کے درمیان اور اہلِ کلام کے قلق واضطراب اور شک وحیرت کے درمیان مقارنہ کراتے ہوئے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: (آپ پائیں گے کہ اہلِ کلام ایک قول سے دوسرے قول کی طرف سب سے زیادہ بھاگنے والے، ایک جگہ

1187. صفۃ الصفوۃ، (350/2).

ایک قول پر یقین کرنے والے اور دوسری جگہ اس کے نقیض پر یقین کرنے والے اور اس کے قائل کو کافر ٹھہرانے والے ہیں، اور یہ عدم یقین کی دلیل ہے...

مگر اہلِ سنت واہلِ حدیث کے کسی بھی عالم سے یا ان کے عوام میں سے کسی بھی صالح شخص سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے کسی قول سے یا اپنے اعتقاد سے رجوع کیا ہو، بلکہ وہ اس پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے، اگر چہ وہ طرح طرح سے آزمائے گئے اور مختلف فتنوں سے دوچار کئے گئے، انبیاء کا اور ان کے اتباعِ سابقین کا یہی حال رہا ہے جیسے اہلِ اخدود وغیرہم ہیں، اور اس امت کے سلفِ صالح صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور ائمہ اعلام ہیں، بلکہ امام مالک کہا کرتے تھے: اس شخص پر ناز نہ کرو جس کو دین کے معاملہ میں امتحان سے گذرنا نہ پڑا ہو، وہ کہتے تھے: اللہ تعالی مومن کو ضرور آزماتا ہے...

حاصل یہ کہ اہلِ حدیث واہلِ سنت کے یہاں جو استقرار وثبات پایا جاتا ہے وہ اہلِ کلام وفلسفہ کے استقرار سے ہزار گنا زیادہ ہے، بلکہ ایک فلسفی اپنے معاملہ میں ایک متکلم کے بالمقابل زیادہ حیرت واضطراب کا شکار ہوتا ہے)1188.

یہ اہلِ سنت کی شجاعت کا شاہدِ عدل اور دلیلِ صادق ہے، اور اس امر کا کہ ان لوگوں نے حکام وامراء کے خلاف بغاوت وخروج کا انکار بزدلی اور کمزوری کی وجہ سے نہیں کیا ہے، کیونکہ اگر وہ ایسے ہی ہوتے تو ان کے اس باطل میں ان کے ہمنوا ہوتے جس کی طرف وہ لوگوں کو بلاتے تھے، اور ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، لہذا معاملہ حکم شرعی کے بیان وتوضیح کا ہے چاہے ان کا بیان کسی کو اچھا لگے یا نہ لگے۔

اہلِ سنت کے دین پر ثابت رہنے کے اسباب:

ہر زمانے میں اور ہر جگہ اہلِ سنت والجماعت حق اور دین پر نیز صحیح عقیدہ پر ثابت وقائم رہے ہیں، نہ وہ کبھی گھبرائے اور نہ مضطرب دکھائی دئے، اور اس کے چند اسباب ہیں جن میں سے بعض اہم اسباب یہ ہیں:

پہلا سبب: ان کا اللہ تعالی سے ہدایت واستقامت مانگتے رہنا:

اہلِ سنت پر اللہ تعالی کا یہ انعام ہے کہ اس نے ان کو راہِ مستقیم کی ہدایت دی، کیونکہ وہ اپنے تمام امور میں

1188. مجموع الفتاوی، (51,50/4).

اللہ تعالی سے راہِ مستقیم کی ہدایت طلب کرتے رہے ہیں، وہ نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالی کے اس قول کو دہراتے رہے ہیں: (**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ**) [الفاتحة:٦] (یعنی: ہمیں راہِ مستقیم کی ہدایت دے)

دین پر ثبات کے اہم عوامل میں سے موت تک صراطِ مستقیم پر ثابت رکھنے کی اللہ تعالی سے عاجزی کے ساتھ دعا مانگنا ہے، اور ان کا ہدایت طلب کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی اللہ تعالی سے دعا مانگنے میں طاقت وقوت سے براءت کا اظہار ہے، گویا وہ اللہ تعالی سے ہدایت طلب کرتے ہیں اور اس طلب کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں ان اسباب کو اختیار کرتے ہوئے جن کو اپنانے کا اللہ تعالی نے انہیں حکم دیا ہے، اور یہ رب سے ان کے تعلق کی اور اس کی رحمت ورافت سے ان کے پوری طرح مطمئن ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرا سبب: ایمان اور علم وعمل کا یکجا ہونا:

جب ایمان اور علم وعمل یکجا ہوجاتے ہیں تو بندے کے اندر ثبات ونور اور یقین دو چند ہوجاتے ہیں، یہ اہلِ سنت کے دین پر ثابت قدم رہنے کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (کبھی انسان کو اس کی کم علمی کے باوجود ایمان کی دولت سے مالا مال کردیا جاتا ہے، اس طرح کا ایمان سینے سے ضائع ہوسکتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کا ایمان تھا جو بچھڑا دیکھنے کے بعد جاتا رہا، مگر جس کو ایمان کے ساتھ علم سے بھی نوازا گیا ہو اس کا ایمان اس کے سینے سے نہیں جاتا، ایسا انسان کبھی مرتد نہیں ہوسکتا ہے، اس کے برخلاف جس کے پاس صرف قرآن ہو یا صرف ایمان ہو اس کا ایمان ضائع ہوسکتا ہے، اور ایسا ہی ہوا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ردت اس شخص میں پائی گئی ہے جس کے پاس علم وایمان کے بغیر قرآن رہا ہے، یا جس کے پاس بغیر علم وقرآن کے ایمان رہا ہے، مگر جس کو ایمان اور قرآن دونوں دیا گیا جس سے اس کو علم حاصل ہوا تو یہ ایمان اس کے سینے سے ضائع نہیں ہوا)1189.

اور علمِ نافع وہ ہے جس کے ساتھ عمل پایا جائے، مسائل واحکام کو جاننے کی حد تک علم رکھنے کو علم نہیں کہتے بلکہ اس کے ساتھ عمل کا ہونا ضروری ہے، وگرنہ وہ اس کے خلاف حجت بن جائے گا اور غیر نافع علم ہوگا۔

تیسرا سبب: ان کا کتاب وسنت کو دانتوں سے پکڑنا:

اہلِ سنت اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں وارد تمام احکامات پر ایمان رکھتے ہیں، وہ ان تمام

1189. مجموع الفتاوی، (305/18).

چیزوں پر اجمالاً وتفصیلاً ایمان رکھتے ہیں، اللہ تبارک وتعالی نے ایمان کے تعلق سے جن باتوں کی خبر دی ہے ان تمام باتوں پر اجمالاً ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالی کی کتاب اوراس کے رسول کی سنت کے ذریعہ ان تک جو علم پہنچا ہے اس پر وہ تفصیلاً ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے: (**إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا**) [الحجرات: ۱۵] (ترجمہ: مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اوراس کے رسول پر ایمان لائیں پھر شک و شبہ نہ کریں) ۔اور جس نے اللہ تعالی کی کتاب اوراس کے رسول کی سنت کو دانتوں سے پکڑ لیا اوران دونوں پر اعتماد کیا وہ ہمیشہ ثابت ومستقیم ہوگا، انحراف وگمراہی سے دور ہوگا، اور یہ دین پر اہلِ سنت کے قائم رہنے کے اہم اسباب میں سے ایک ہے۔

چوتھا سبب: ان کا کتاب وسنت کی شکل میں دین کے مکمل ہونے پر یقین ہونا:

اللہ تعالی کے اس قول پر اعتماد کرتے ہوئے: (**الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا**) [المائدة :۳]۔(ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور اسلام کو بحیثیتِ دین تمہارے لئے پسند کر لیا).

وجہِ دلالت: اللہ تعالی نے -اپنے بندوں پر اپنے اس احسان کو جتلاتے ہوئے کہ اس نے ان کے لئے تمام عقائد وعبادات اور تمام احکام وآداب کے ساتھ دین کو مکمل کر دیا ہے، ان پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا ہے اور ان کے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے جس کے بعد وہ کسی اور دین کے ضرورت مند نہ ہوں گے۔

(اسی لئے دین کے احکام کو جاننے اوراس کے اصول وفروع کو معلوم کرنے کے لئے کتاب وسنت پوری طرح سے لوگوں کے لئے کافی ہیں، پس ہر وہ تکلف پسند شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کو اپنے عقائد واحکام کی معرفت کے لئے کتاب وسنت کے علاوہ بھی علم کلام جیسے دوسرے علوم کی ضرورت ہے تو وہ جاہل ہے، وہ اپنے دعوی میں غلط ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ دین اسی کے ذریعہ مکمل ہوسکتا ہے جو اس نے کہا ہے اور جس کی اس نے دعوت دی ہے، اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے نیز اللہ اوراس کے رسول کی طرف جہل ونسیان کی نسبت کرنا ہے)1190.

دین کے کمال پر دلالت کرنے والے امور میں سے ایک نبی ﷺ کا یہ قول ہے: (**وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ**

1190. تفسیر السعدی، (219/1).

بِيَدِهِ ؛ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَ لَا نَصْرَانِيٌّ ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ)1191

(یعنی: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت میں سے کوئی بھی شخص میرے بارے میں سنتا ہے خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ہو، پھر وہ مرجاتا ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا جس ساتھ میں بھیجا گیا ہوں تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا)۔

وجہِ دلالت: ان تمام لوگوں پر جو نبی ﷺ کے زمانے میں موجود تھے اور جو آپ کے بعد قیامت تک آئیں گے ان سب پر اللہ کے دین میں اور اس کی طاعت میں داخل ہونا اور دوسرے تمام ادیان سے دست بردار ہونا واجب ہے۔

پانچواں سبب: اختلاف کے وقت ان کا کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنا:

اللہ تعالی نے تمام مسلمانوں کو اختلاف وجدال پیدا ہونے کی صورت میں، خواہ اصولِ دین میں اختلاف ہو یا فروع دین میں، اللہ تعالی کی کتاب اور اس رسول ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے: (**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَ أَحْسَنُ تَأْوِيلًا**)[النساء:۵۹]۔

(ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے اقتدار والوں کی، پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اسی میں بھلائی ہے اور انجام کے اعتبار سے یہی اچھا ہے)۔

وجہِ دلالت: (اللہ تعالی کا حکم ہے کہ دین کے اصول وفروع میں سے جس چیز کے اندر مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو کتاب وسنت کی طرف لوٹا دیا جائے)1192.

چھٹا سبب: ان کا کتاب وسنت سے عقائد حاصل کرنا:

سلفِ صالح سے جو بھی عقائد ثابت ہوئے ہیں ان کو انہوں نے کتاب وسنت سے حاصل کیا ہے، اپنی

1191. مسلم، (76/1)، (ح403).

1192. تفسیر ابن کثیر، (345/2).

طرف سے کچھ نہیں کہا ہے، چاہے ان میں سے کوئی اجتہاد اور رائے کے جس درجہ پر فائز ہو، بلکہ وہ لوگ کتاب و سنت کے نصوص پر مکمل طور پر اعتماد کرتے ہیں، اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: (اعتقادی مسائل نہ میری طرف سے ہیں اور نہ ان کی طرف سے ہیں جو مجھ سے بڑے ہیں، بلکہ اعتقاد اللہ سبحانہ وتعالی اور اس کے رسول ﷺ سے اور سلفِ امت کے اجماع سے حاصل کیا جاتا ہے، اس کو لیا جاتا ہے اللہ تعالی کی کتاب سے اور بخاری ومسلم کی احادیث سے اور احادیث کی دیگر معروف کتابوں سے نیز سلفِ امت سے ثابت ومنقول عقائد سے)1193.

ساتواں سبب: سلفِ صالح کے فہم سے ان کا مربوط ہونا:

اہلِ سنت والجماعت سلفِ صالح یعنی صحابہ وتابعین کے فہم سے پوری طرح مربوط ہیں، وہ نصوص کو سمجھنے اور ان کی دلالت کو جاننے کے لئے صحابۂ کرام اور ان کے سچے تابعین کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ افہام کج رو اور منحرف ہو سکتے ہیں، اسی لئے اہلِ سنت والجماعت نصوص و دلائل کے سمجھنے میں صحابہ وتابعین کے فہم سے مکمل طور پر مربوط ہوتے ہیں، اس بارے میں اللہ تعالی فرماتا ہے: (**وَ مَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مَنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَ نُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا**) [النساء: ۱۱۵]۔

(ترجمہ: اور جو شخص راہِ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا، اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کسی دوسری راہ کی اتباع کرے گا، تو وہ جدھر جانا چاہے گا ہم اسے اسی کی طرف پھیر دیں گے، اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے، اور وہ بُرا ٹھکانہ ہوگا)۔

اور مسلمانوں کا راستہ: عقائد وعبادات اور سلوک واخلاق میں ان کا اختیار کردہ طریقہ ہے، نیز وہ چیزیں بھی ہیں جن پر امتِ محمدیہ کا اجماع ہے1194.

1193. مجموع الفتاوی، (203/3).

1194. تفسیر السعدی، (202/1).

ساتواں مطلب

ان کے دلوں میں یگانگت اور ان کی باتوں میں اتفاق کا پایا جانا

کتاب وسنت کے نصوص اجتماع اور اعتصام کا سبق دیتے ہیں:

کتاب وسنت اور ہماری پوری شریعت مسلمانوں کے درمیان میل ومحبت اور بھائی چارگی کی، اس دین پر اکٹھا رہنے اور تفرق سے باز رہنے کی تعلیم وترغیب دیتی ہے، تا کہ ان کے اتحاد سے ان کو قوت وترقی حاصل ہو، اور ان نصوص میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔اللہ تعالی کا قول ہے: **(وَ اعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا)** [آل عمران:۱۰۳]۔(اور تم سب لوگ مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور منتشر نہ ہو)۔

وجہِ دلالت: (اللہ کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت اسلام کی ہدایت، رسول ﷺ کی اتباع، مسلمانوں کے کلمے کا اجتماع اور ان کا منتشر نہ ہونا ہے)1195.

۲۔اللہ تعالی کا قول ہے: **(إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ)** [الحجرات :۱۰]۔

وجہِ دلالت: مومنین حق پر ایک دوسرے کی مدد وتعاون کرنے، اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے اور تفرقہ بازی سے دور رہنے کی بنا پر آپس میں بھائی بھائی ہیں1196.

۴۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بے شک اللہ تعالی تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند کرتا ہے...اور ان میں سے اس کو بیان فرمایا: (اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق نہ ہو...)1197.

1195. تفسیر السعدی، (141/1).

1196. تفسیر السعدی، (218/1).

1197. مسند احمد، (399/14)، (ح8799). اور البانی نے (صحیح الجامع)، (278/1)، (ح2776) میں اس کو صحیح کہا ہے.

۵۔عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (جماعت کو لازم پکڑلو، اور متفرق ہونے سے بچو، اس لئے کہ شیطان تنہا آدمی کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ دو سے بہت دور رہتا ہے، جو آدمی جنت کی خوشبو کو پانا چاہے وہ جماعت کو لازم پکڑلے)1198.

وجہِ دلالت: اس میں جماعت کو پکڑنے کی ترغیب پائی جاتی ہے، اور جماعت سے مراد سوادِ اعظم ہے اور وہ امر ہے جس پر جمہور صحابہ وتابعین اور سلفِ صالحین تھے، نیز وہ ہر زمانے کے اہلِ حل وعقد ہیں، وہ ہمیشہ فُرقت سے دور رہے کیونکہ وہ ابلیس کی دسیسہ کاری ہے1199.

کتاب وسنت کے نصوص تفرق کی مذمت کرتے ہیں:

تفرق کی مذمت میں وارد کتاب وسنت کے نصوص میں سے بعض درج ذیل ہیں1200:

۱۔اللہ تعالی کا قول ہے:(**وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَ اخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ**) [آل عمران :۱۰۵]

(ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے، اور ان کے پاس نشانیاں آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا، اور انہیں کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

قرطبی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یعنی: یہود ونصاری کی طرح، عام مفسرین کے قول کے مطابق، اور بعض نے کہا ہے: وہ اس امت کے مبتدعہ ہیں، اور ابو امامہ نے کہا ہے: وہ حروریہ ہیں، اور اس آیت کی تلاوت کی)1201.

۲۔اللہ تعالی کا قول ہے:(**إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ**) [**الأنعام:۱۵۹**]۔

(ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کیا، اور جماعتوں میں بٹ گئے آپ کا ان

1198. الترمذی،(465/4)،(ح2165).اور البانی نے اس کو(صحیح سنن الترمذی)،(457/2)،(ح2165) میں صحیح کہا ہے

1199. فتح الباری،(316/3)؛ مرقاۃ المفاتیح،(310/17).

1200. أھل السنۃ والجماعۃ،(ص444).

1201. تفسیر القرطبی،(166/4).

سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔

وجہِ دلالت: دین اجتماع واتفاق کا حکم دیتا ہے اور اہلِ دین کے بارے میں نیز اس کے تمام اصولی وفروعی مسائل میں اختلاف وتفرق سے منع کرتا ہے۔

۳۔عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**افْتَرَقَتِ اليَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً ؛ فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَ سَبْعُونَ فِي النَّارِ ، وَافْتَرَقَتِ النَّصَارَى عَلَى ثِنْتَيْنِ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً ؛ فَإِحْدَي وَ سَبْعُونَ فِي النَّارِ ، وَوَاحِدَةٌ فِي الجَنَّةِ ، وَالَّذِى نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِى عَلَي ثَلاثٍ وَ سَبْعِينَ فِرْقَةً ؛ فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَ ثِنْتَانِ وَ سَبْعُونَ فِي النَّارِ**) . **قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ! مَنْ هُمْ ؟ قَالَ : (الجَمَاعَةُ**)1202.

(یعنی: یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، ان میں سے ایک جنت میں جائے گا اور ستر فرقے جہنم میں جائیں گے، اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، ان میں سے اکہتر جہنم میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنت میں جائے گا، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! میری امت ضرور تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، ان میں سے ایک جنت میں جائے گی اور بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے) آپ سے کہا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: (جماعت)۔

وجہِ دلالت: قیامت کے روز - امتِ محمدیہ میں سے - نجات پانے والے وہ لوگ ہوں گے جو صحابہ کی جماعت کے موافق ہوں گے، ان کے عقائد کو اختیار کرنے والے اور ان کے منہج کو لازم پکڑنے والے ہوں گے۔

1202. ابن ماجۃ، (577/1)، (ح 4127). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (307/3)، (ح 3241) میں صحیح قرار دیا ہے۔

پانچواں مبحث

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کے التزام کے ثمرات

اوراس میں دس مطالب ہیں:

پہلا مطلب: کمالِ دین اور اتمامِ نعمت کا حصول

دوسرا مطلب: سب سے محفوظ مبنی برعلم اور مضبوطِ منہج کا حصول

تیسرا مطلب: سب سے عمیق اور عقل سے قریب منہج کا حصول

چوتھا مطلب: فہم کی اچھائی اور قصد وارادہ کی عمدگی

پانچواں مطلب: اہلِ سنت کے منہج میں ہی نجات ہے

چھٹا مطلب: یقین اور ثبات اہلِ سنت کے لئے ہے

ساتواں مطلب: حیرت واضطراب سے سلامتی اسی منہج میں ہے

آٹھواں مطلب: دین میں ابتداع واختراع سے سلامتی اسی منہج میں ہے

نواں مطلب: افتراق اور مذموم اختلاف سے سلامتی اسی منہج میں ہے

دسواں مطلب: عظیم ثوابوں کا حصول

پہلا مطلب

کمالِ دین اور اتمامِ نعمت کا حصول

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کو اختیار کرنے کے ثمرات میں سے ایک اس بات پر فخر کرنا ہے کہ اللہ تعالی نے اس منہج والوں کے دین کو مکمل کردیا ہے، ان پر اپنی نعمت کی تکمیل فرمادی ہے، نبی ﷺ نے اپنی رسالت کو ان تک کامل صورت میں پہنچادیا ہے اور بلا کسی ادنی کوتاہی کے ان تک امانت کی ادائیگی کردی ہے، اس بارے میں اللہ تعالی۔ اپنے بندوں پر کتاب وسنت کی شکل میں دین کی تکمیل کردئے جانے پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِينًا ﴾ [**المائدة:۳**]۔ (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی، اور اسلام کو بحیثیتِ دین تمہارے لئے پسند کرلیا).

(اسی لئے دین کے تمام اصولی وفروعی احکام کے لئے کتاب وسنت کافی ووافی قرار پائے، لہذا اگر اس کے بعد کوئی تکلف زدہ آدمی یہ دعوی کرے کہ عقائد واحکام کی معرفت کے لئے لوگوں کو کتاب وسنت کے علم کے علاوہ بھی علم کلام جیسے دیگر علوم کی ضرورت ہے تو وہ جاہل ہے اور اس کا دعوی سرے سے باطل ہے، کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ دین اس کے قول اور اس کی دعوت کے ذریعہ ہی مکمل ہوسکتا ہے، اور یہ سب سے بڑا ظلم اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف جہل کی نسبت کرنا ہے)1203.

نبی ﷺ نے اپنی امت تک پوری رسالت کو پہنچایا: اور یہ ابن القیم رحمہ اللہ ہیں جو نبی ﷺ کی شریعت کے کمال اور اللہ تعالی کے بندوں پر اس کی نعمت کے تمام ہونے کے سلسلے میں گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں: (یہ اصل تمام اصولوں میں سب سے اہم اور سب سے سودمند ہے، اور یہ ایک ہی حرف پر مبنی ہے اور وہ ہے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا عموم، یعنی جن علوم ومعارف اور اعمال کی لوگوں کو ضرورت ہے سب پر اس کا مشتمل ہونا، آپ نے

1203. تفسیر السعدی، (219/1).

اپنی امت کو اپنے بعد کسی کا محتاج بنا کر نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی ضرورت بس یہ رہ گئی ہے کہ کوئی مبلغ ان کی طرف سے ان کی لائی ہوئی شریعت کی تبلیغ کا کام کرے، گویا آپ ﷺ کی رسالت کے دو ایسے محفوظ عموم ہیں جن میں تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ ہیں: جن کی طرف بھیجے گئے ہیں ان کا عموم، اور دین کے اصول وفروع کے تعلق سے لوگوں کی جملہ ضروریات کی تکمیل، گویا آپ کی رسالت اس قدر کافی وشافی اور عام ہے کہ اس کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے، ان دونوں پہلوؤں سے آپ کی رسالت کو عام ثابت کئے بغیر آپ پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے، لہذا کوئی مکلّف آپ کی رسالت سے خارج نہیں ہوسکتا اور نہ کوئی ایسا حق آپ کی لائی ہوئی شریعت سے باہر ہوسکتا ہے جس کی امت کو اپنے علوم واعمال میں ضرورت ہوسکتی ہے، حتی کہ جب نبی ﷺ کا انتقال ہوا تو اس وقت تک آپ آسمان میں اپنے پروں کو حرکت دینے والی چڑیا کے اندر بھی کوئی علم تھا تو اس سے اپنی امت کو آگاہ کر چکے تھے...

حاصل یہ کہ: آپ ﷺ لوگوں کے پاس دنیا وآخرت کے تمام خیر وبھلائی کو لے آئے تھے، اللہ تعالی نے انہیں آپ کے سوا کسی دوسرے کا محتاج نہیں بنایا، تو پھر یہ کیسے سوچا جاسکتا ہے کہ آپ کی شریعتِ کاملہ - جس سے کامل شریعت دنیا کو نصیب نہیں ہوئی - ناقص ہے اور وہ تکمیل کے لئے ایک دیگر علم وسیاست کی، یا قیاس کی، یا کسی حقیقت کی یا معقول کی محتاج ہے؟

جس نے بھی ایسا سمجھا ہے وہ گویا یہ سمجھتا ہے کہ لوگوں کو آپ کے علاوہ ایک اور رسول کی ضرورت ہے، اور ان تمام باتوں کا سبب ایسا سمجھنے والوں پر آپ ﷺ کی شریعت کا مخفی رہ جانا اور اس فہم سے اس کا محروم ہونا ہے جس کی توفیق اللہ تعالی نے اپنے نبی کے اصحاب کو دی تھی، جنہوں نے آپ کی بتائی ہوئی باتوں پر اکتفا کیا اور اس کے علاوہ باتوں سے استغنا کا اظہار کیا، اور انہیں کے ذریعہ قلوب وبلاد کو فتح کیا اور کہا: اسی کا ہم نے اپنے نبی سے وعدہ کیا ہے اور اسی کا ہم تم لوگوں سے عہد لیتے ہیں)1204.

1204. إعلام الموقعين، (376,375/4).

دوسرا مطلب

سب سے محفوظ مبنی بر علم اور مضبوطِ منہج کا حصول

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کو پکڑنے اور اختیار کرنے کے ثمرات میں سے ایک سب سے محفوظ، سب سے اعلم اور احکم منہج کا حصول ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سلف کا طریقہ اسلم ہے اور خلف کا طریقہ اعلم واحکم ہے ان لوگوں کو علم وفہم اور حکمت کا کوئی حصہ نہیں ملا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے ان نصوص کو نظر انداز کیا جن کے اندر حق ویقین تھا، اور انہوں نے ایسے احتمالات وتصورات کا سہارا لیا جنہوں نے انہیں پوری طرح برباد کر کے رکھ دیا، اس کے علاوہ انہیں حیرت واضطراب اور ضیاع ونقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خلف کے طریقہ کی حقیقت مذموم تاویل ہے اور نصوص کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جس کی لغت کبھی محتمل ہوسکتی ہے، اس کا زیادہ واضح معنی: لفظ کو اس کے راجح ظاہر سے مرجوح احتمال کی طرف پھیرنا ہے، اور ایسی ہی تاویل کی سلفِ صالح نے مذمت بیان کیا ہے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کی ہے، اسی لئے اہلِ سنت اس کو رد کرتے اور ناقابل قبول سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کو اس کی خطرناکی کا اندازہ اور اس کے ضرر کا ادراک ہے، اسی کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے، اسی کے سبب معتزلہ الگ ہوئے، رافضہ کا وجود ہوا اور خوارج کا خروج ہوا1205.

اور چونکہ اہلِ سنت اپنے نبی ﷺ کے راستے کو، آپ کے اعمال واقوال اور تقریرات کو اچھی طرح جانتے ہیں لہذا ان کا منہج سب سے اسلم اور سب سے اعلم واحکم منہج قرار پایا، برخلاف اہلِ بدعت کے جو اپنے ائمہ کے بارے میں جتنا جانتے ہیں اتنا وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نہیں جانتے۔

نیز اہلِ سنت ان امور سے خاموشی اختیار کرتے ہیں جن سے صحابہ وسلف نے خاموشی اختیار کی ہے- خاص کر اعتقاد وعمل کے تعلق سے- کیونکہ ان کے بارے میں خاموش رہنا ہی اولی واحسن واسلم ہے، ان کے بارے

1205. الصواعق المرسلة علی الجهمية والمعطلة، (77/1).

میں خلف نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ باطل وجھوٹی باتیں ہیں، اسی لئے بعض سلف نے کہا ہے: (تم لوگ سلف کے آثار کولازم پکڑو، اس لئے کہ انہوں نے جو کہا ہے وہ کافی وشافی ہے، ان کے بعد ایسا کوئی پوشیدہ خیر نہیں پایا گیا جوان سے مخفی رہ گیا ہو)1206. اورابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (تمہارے لئے ایسی کوئی چیز بچا کر نہیں رکھی گئی جوقوم (سلف) سے پوشیدہ رہ گئی ہوتمہارے فضل ومقام کی بنا پر)1207

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کو (کلمات کے فواتح وخواتم سے اوران کے جوامع ولوامع سے سرفراز کیا گیا تھا، چنانچہ آپ علوم کلیہ کے ساتھ اور بصورتِ کامل معارفِ اولیہ وآخریہ کے ساتھ مبعوث کئے گئے، جن کی ضرورت ایک سالکِ طریق کو دینی ودنیوی اوراخروی امور میں ہوسکتی تھی، لیکن جب بھی کسی شخص نے کوئی بدعت ایجاد کی تو اس کے جواب میں صفحات کے صفحات سیاہ کردئے اوراس کے خطا وصواب کے بیان میں وہ مضطرب نظر آئے، علم نقطہ ہے جس کو جاہلوں نے کثرت سے استعمال کیا ہے، اسی لئے خلف کے کلام زیادہ مگر کم برکت والے ہیں برخلاف کلامِ سلف کے جو کم ہوتا ہے لیکن اس کی برکت اورمنفعت زیادہ ہوتی ہے، لہذا فضیلت متقدمین کو حاصل ہے، حقیقت وہ نہیں ہے جس کا متکلمین جہلاء دعوی کرتے ہیں کہ متقدمین کا طریقہ اسلم ہے اور ہمارا طریقہ احکم واعلم ہے، اورجیسا کہ وہ لوگ کہتے ہیں- جوفقہ سے نسبت رکھتے ہیں اورجنہوں نے سلف کی قدر کونہیں پہچانا کہ: سلف نے فقہ کے قواعد واحکام کے ضبط واستنباط کے لئے یکسونہیں ہوئے، دیگر امور میں مشغول رہنے کی وجہ سے، جب کہ متاخرین نے اس کے لئے خودکو فارغ کیا، اس لئے وہ سلف سے بڑے فقیہ ہیں۔

لیکن یہ سارے لوگ سلف کی قدر کواوران کے علوم کواوران کے تکلف کی قلت کو پہچاننے سے محروم رہے، اللہ کی قسم! یہ متاخرین محض تکلف میں اوراطراف کے اندر سرگرداں رہنے میں سلف سے ممتاز ہیں، اس قوم کا دارو مدار فقہی اصولوں اورضابطوں کی پاسداری کرنا، اس کے قواعد کو منضبط کرنا، اوراس کی گرہوں کوسنوارنا رہا ہے، جب کہ اُس قوم (سلف) کی ساری جدوجہد مطالبِ عالیہ کے حصول، اور بلند مراتب کی تلاش کی طرف مبذول رہی ہے، پس متاخرین کی شان اور ہے اورمتقدمین کی شان اور، اوراللہ تعالی ہر وقت ایک شان میں ہوتا ہے، اور

1206. مجموع الفتاوی، (158/4).

1207. جامع بیان العلم وفضلہ، ابن عبدالبر، (197/2)، (رقم 924) بسند صحیح.

اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک پیمانہ مقرر کر رکھا ہے۔

یہی وجہ ہے غزالی کو یہ کہنا پڑا: (میں نے اپنی عمرِ عزیز کا ایک حصہ ''بسیط'' اور ''وسیط'' اور ''وجیز'' کی تصنیف میں گنوادیا، چنانچہ تم جملہ امور دین میں جاہل صوفیاء کے پاس وہ معرفت اور یقین نہیں پاؤ گے جو عام مومنین کے پاس پاؤ گے، ان کے علمائے موقنین کی بات تو بہت دور کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مقدمات حق پر مشتمل ہوتے ہیں، باطل نے تو اختلاف وجدال کو ہوا دیا ہے، اس کے سبب قیل وقال میں اضافہ ہوا ہے، اور اس کی وجہ سے ان سے ایسے اقوال متولد ہوئے ہیں جو صحیح شریعت اور عقلِ صریح کے مخالف ہیں، جن کے تذکرہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے، اور اسی کی وجہ سے محال امور میں ان کے کلام زیادہ پائے گئے ہیں)1208.

اس منہج کے اتباع کے لئے اس پر ثابت رہنا اور اس سے منحرف ہوکر دوسرے منہج کی طرف متوجہ نہ ہونا ہی کافی ہے، دوسرے مناہج والوں کے برخلاف جو اپنے منہج پر قائم نہیں رہتے، ان میں سے جو ایک مدت تک اس پر قائم رہا وہ کچھ دنوں بعد واپس آجاتا ہے اور دل ہی دل میں کہتا رہتا ہے کہ کاش اس نے اس کی پیروی نہ کی ہوتی اور وہ عاجز عوام کے منہج پر ہی قائم ہوتا تو بہتر ہوتا، اس تعلق سے شوکانی رحمہ اللہ اہلِ کلام کے بارے میں کہتے ہیں :(وہ لوگ بالاتفاق اس کے قائل ہیں کہ سلف کا طریقہ اسلم ہے، لیکن وہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ خلف کا طریقہ اعلم ہے، حالانکہ طریقۂ خلف کی اس اعلمیت سے ان کو بس یہی مل سکا کہ ان کے محققین واذکیاء نے اخیر میں عاجز لوگوں کے دین کو اختیار کرنے کی تمنا ظاہر کی اور کہا: عام لوگ ہی خوش نصیب ہیں، اس اعلمیت میں غور کیجئے کہ اس کو پانے والا جہلِ بسیط والے جاہل کو خوش نصیب کہہ رہا ہے اور یہ خواہش کر رہا ہے کہ کاش وہ انہیں لوگوں میں سے ہوتا، یا ان کے دین کو اختیار کرنے والوں اور ان کی راہ پر چلنے والوں میں سے ہوتا، وہ یہ بات پورے زور و شور سے کہتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس اعلمیت کا وہ دعوی کرتے ہیں اس سے جہل کئی گنا بہتر ہے، آپ اس علم کے بارے میں کیا کہیں گے جس کو حاصل کرنے والا خود سے یہ اقرار کرے کہ جہالت اس سے بدرجہا بہتر ہے، اور جس علم کی انتہا تک پہنچنے اور اس کی غایت تک رسائی حاصل کرنے کے بعد بھی وہ اس سے جاہل و عاطل رہے، اس میں عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے سامانِ عبرت ہے اور غور وفکر سے کام لینے

1208. الرد علی القائلین بوحدۃ الوجود، علی بن سلطان القاری (ص 29,28).

والوں کے لئے کھلی دلیل پائی جاتی ہے)1209.

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کیسے کوئی شخص یہ دعوی کرسکتا ہے کہ خلف کا طریقہ سلف کے طریقہ کے مقابلہ میں اعلم واحکم ہے؟! سبحان اللہ! یہ تو عظیم بہتان ہے۔

1209. التحف فی مذاھب السلف ،(ص59).

تیسرا مطلب

سب سے عمیق اور عقل سے قریب منہج کا حصول

اہلِ سنت والجماعت کا منہج نہایت عمیق اور عقلی منہج ہے، اس لئے کہ وہ یقینی مقدمات پر مبنی ہے، جن مقدمات سے ثابت اور غیر متزلزل نتائج حاصل ہوتے ہیں، اور وہ-ابتدامیں-وحی ورسالت اور نبوت کا اقرار کرتا ہے، پھر وہ اس کا اقرار کرتا ہے کہ نقلِ صحیح اور عقلِ صریح کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، پھر وہ عقل کا استعمال اس کے محل میں کرتا ہے اس سے تجاوز نہیں کرتا، نیز وہ قرآن کریم کے نصوص اور سنتِ صحیحہ کے نصوص کو اللہ تبارک وتعالی سے صادر خالص حق تسلیم کرتا ہے، ان تمام باتوں نے اہلِ سنت کو معاملات کو سمجھنے کے لائق بنایا، غیب سے اور کائنات سے متعلق جن امور کا علم نہیں ہے ان میں بحث وتکرار کرنے سے باز رکھا، اور ہر چیز کے لئے قائم حد پر ٹھہرنے اور اسے تجاوز نہ کرنے پر آمادہ کیا، اس لئے ان لوگوں نے فلسفہ کی پیچیدگیوں میں، یا لاحاصل بحث و جدال میں، یا ان مکاشفات وخوارق میں جن کے لئے کوئی اصل نہیں ہے خود کو نہیں الجھایا، بلکہ نصوص کو ان کے محل ومقام میں استعمال کیا، اور عقل کو اس کے حدود اور دائرۂ ادراک میں منحصر رکھا، چنانچہ نہ کبھی ان کا نص سے اختلاف ہوا اور نہ کبھی عقل سے ٹکراؤ ہوا، بلکہ انہوں نے عقل ونقل سے ایک ساتھ استفادہ کیا اور دونوں میں سے ہر ایک کو اس کے محل ومقام میں استعمال کیا، اس لئے اہلِ سنت والجماعت کے منہج کو اپنانے کا ثمرہ سب سے عمیق اور سب سے عقلی منہج کی بازیافت کی شکل میں حاصل ہوا، کیونکہ ان کا اعتقاد عقلِ مستقیم کا احترام کرتا، اس کی قدر کرتا اور اس کی شان میں اضافہ کرتا ہے، اس پر پابندی نہیں لگاتا اور نہ اس کے کردار کا انکار کرتا ہے، ایک مسلمان کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنی عقل کی روشنی کو بجھادے اور عقیدہ کے اندر یا عبادت کے اندر یا معاملہ کے اندر یا سلوک واخلاق کے اندر اندھی تقلید پر بھروسہ کرے، بلکہ اس کو آسمانوں اور زمین کے حقائق ومعارف میں غور کرنے کی ترغیب دیتا ہے، اور اس کی دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی ذات کے اندر غور کرے، اور اپنے اردگرد پائی جانے والی اللہ تعالی کی نشانیوں میں غور کرے، تاکہ اس کے ذریعہ اسرار کائنات کا ادراک کر سکے اور اپنی زندگی

کے حقائق کا پتہ لگا سکے، بلکہ اہلِ سنت کے مسلمہ اصولوں میں سے ان لوگوں کا انکار کرنا ہے جن لوگوں نے اپنی عقلوں کو معطل رکھا اور اس کی پیروی کی جس پر اپنے آباء کو یا اپنے مشائخ کو یا اپنے مدارس کو یا اپنی جماعت کو یا اپنی پارٹی کو پایا، اور اس میں عقل وتدبر اور بصیرت کا استعمال نہیں کیا۔

چونکہ اہلِ سنت صحیح منہج کے پابند ہیں لہذا کائنات کے مسائل میں ان کا کلام صحیح اور متفق علیہ ہوتا ہے، وہ ان مسائل میں عقلی یا سمعی علم کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں، ایک بات یہ بھی ہے کہ حق اور ثابت اعتقاد قوتِ ادراک کو مضبوط کرتا اور اس کو درست کرتا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ کا قول ہے: (**وَ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى**) [**محمد** :۱۷] (یعنی: اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کردیا ہے)

لیکن مسائلِ کائنات کے سلسلے میں اہلِ کلام اور صوفیہ جیسے غیر اہلِ سنت جماعتوں کے کلام گول مول اور غیر علمی ہوتے ہیں، عبدالقادر بغدادی اہلِ سنت کے اس اجماع کو-اس کے نزدیک اہلِ سنت سے مراد اشاعرہ ہیں- یہ سمجھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ وہ اس کے ذریعہ فلاسفہ اور دہریہ کی تردید کررہا ہے: (ان کا اس پر اجماع ہے کہ: زمین ٹھہری ہوئی اور ساکن ہے، اور اس میں حرکت زلزلہ جیسے پیش آمدہ عوارض کی وجہ سے ہوتی ہے...

نیز اس پر بھی ان کا اجماع ہے کہ: زمین تمام جہات سے متناہی الاطراف ہے، اسی طرح آسمان بھی تمام چھ جہات سے متناہی الاقطار ہے)1210.

اس نے جو یہ دعوی کیا ہے اس پر اجماع کا ہونا تو بہت دور کی بات ہے اس پر تو نہ عقل دلالت کرتی ہے اور نہ نقل، بلکہ یہ- آج کے زمانے میں- بے سروپا کی باتوں کی طرح ہے، اسی لئے ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (الٰہیات، نبوات، معاد، اور شرائع کے بارے میں جو غلطی فلاسفہ کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ متکلمین کی غلطی سے بہت بڑی ہے، اور علوم طبیعیہ اور علوم ریاضیہ کے بارے میں وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں فلاسفہ کی حالت ان اہلِ کلام کی حالت سے بہتر ہے جنہوں نے ان کی تردید کی ہے، ان امور سے متعلق اہلِ کلام کے بیشتر اقوال علم، عقل اور شرع سے پرے ہیں)1211.

1210. الفرق بين الفرق، (ص318).

1211. الرد على المنطقيين، (ص311).

باوجوداس کے کہ اہلِ سنت کا منہج عقلِ مستقیم کا احترام کرتا ہے لیکن ساتھ ہی وہ عقل کے عمل کا دائرہ بھی مقرر کرتا ہے، اوراس کا سبب عقلی طاقت کو منتشر ہونے سے بچانا اور غیبی امور میں مخل ہونے سے باز رکھنا ہے جن امور کا عقل ادراک نہیں کرسکتی اور نہ ان کی حقیقت سے آگاہ ہوسکتی ہے، جیسے کہ ذاتِ باری، روح، اور جنت و جہنم جیسے مسائل ہیں، اس لئے کہ انسانی عقل کا ایک دائرہ ہے جس کے اندر ہی وہ کام کرسکتی، اگر وہ اس دائرہ کو عبور کرتی ہے تو وہ صحیح راہ سے بھٹک سکتی ہے اور ایسی گمراہیوں میں پڑسکتی ہے جن سے نکلنا ممکن نہ ہو، اس کا میدان تو مشاہد اور محسوس چیزیں ہیں، جہاں تک غیبیات کی بات ہے جو حواس کے دائرہ میں نہیں ہیں تو ان میں غور وفکر کرنا عقل کا کام نہیں ہے، وہ اس سلسلے کی شرعی نصوص کی دلالت سے باہر نہیں جاسکتی 1212.

نیز اہلِ سنت والجماعت اقوال وافعال کو شریعت کے میزان سے تولتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک لغویات، خرافات، بے وقوفی اور شعبدہ بازی جیسی چیزوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے جن کی صوفیہ اور رافضہ کے یہاں بڑی پذیرائی ہے، ان لوگوں نے اپنی عقلوں پر پردہ ڈال دیا اوراس سے پہلے انہوں نے نصوص کو ناکارہ بنایا جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے لئے مذاق بن گئے اور اپنے دین کے لئے وبال ثابت ہوئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے ایسے لوگوں کے متعلق کہا ہے: (جب تم کسی آدمی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھو تو اس کی تصدیق نہ کرو اور نہ اس سے دھوکا کھاؤ، یہاں تک کہ یہ جان لو کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی متابعت میں کیسا ہے) 1213.

کیا اس معیاری کلام کے بعد بھی کوئی کلام ہوسکتا ہے اوراس عقل سے بڑھ کر کوئی عقل ہوسکتی ہے؟ اللہ کی قسم ہرگز نہیں، یہ عقل شریعت کی فرمانبردار اور نص کی تابعدار ہے، لہذا ایسی عقل والا نہ ڈگمگا سکتا ہے اور نہ گمراہ ہوسکتا ہے،، اور اگر وہ غلطی کرتا بھی ہے تو وہ بھیانک غلطی کا مرتکب نہیں ہوسکتا جس پراس کی ملامت کی جاسکے، اور جس کی وجہ سے اس کی معذرت قبول نہ کی جاسکے، کیونکہ وہ نہایت عمیق اور نہایت عقلی منہج کا حامل ہے۔

1212. العقيدة الاسلامية بين العقل والعاطفة، د. أحمد الشريف (ص 74).

1213. أعلام السنة المنشورة لاِعتقاد الطائفة الناجية المنصورة، حافظ بن أحمد الحكمي (ص 303).

چوتھا مطلب

فہم کی اچھائی اور قصد وارادہ کی عمدگی

چونکہ اہلِ سنت والجماعت سب سے محفوظ، سب سے محکم اور سب سے اعلم منہج کے تابعدار ہیں جس کو انہوں نے اپنے اسلاف سے حاصل کیا ہے، لہذا یہ ان کے فکر کی گہرائی اور عقل کی پختگی کا باعث ہے، اور اس کی وجہ ان کو صحتِ استدلال اور حسنِ استنباط کی خصوصیت حاصل ہے، اور اگر اس کے ساتھ حسنِ قصد اور صلاحِ نیت بھی جڑ جائے تو ان سب سے صحتِ فہم حاصل ہو جاتی ہے، اس لئے اہلِ سنت والجماعت کے منہج کو اختیار کرنے کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ صحتِ فہم اور حسنِ قصد ہوا، فہم سے مراد اللہ اور اس کے رسول سے حاصل فہم، احکامِ شریعت کا فہم اور اس چیز کا فہم ہے جو مکلفین سے اللہ تعالی کو مطلوب ہے، اور فہم کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم: ذہنی و علمی فہم، اور دوسری قسم: قلبی و ایمانی فہم، اور یہ پہلے فہم کا ثمرہ ہے جو تامل، تدبر اور تفکر سے حاصل ہوتا ہے، اور یہ دونوں قسمیں اہلِ سنت والجماعت کو حاصل ہیں 1214.

صحیح فہم عظیم نعمت ہے:

اہلِ سنت والجماعت پر اللہ تعالی کے بڑے انعامات میں سے ایک ان کا صحیح فہم اور حسنِ قصد ہے، اس بارے میں ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: (صحتِ فہم اور حسنِ قصد بندے پر اللہ تعالی کی طرف سے کیا جانے والا سب سے بڑا انعام ہے، بلکہ اسلام کے بعد کسی بندے کو اس سے افضل اور اس سے اعلی عطیہ نہیں دیا گیا، بلکہ یہی دونوں اسلام کی پنڈلیاں ہیں جن پر اسلام کھڑا ہے، انہیں دونوں کے ذریعہ بندہ مغضوب علیھم (یہود) کے راستہ سے محفوظ رہ سکتا ہے جن کا قصد فاسد ہو گیا تھا، اور ضالین (نصاری) کے راستہ سے محفوظ رہ سکتا ہے جن کا فہم فاسد ہو گیا تھا، اور وہ انعام یافتہ لوگوں میں سے ہو سکتا ہے جن کے افہام اور ارادے دونوں بہتر تھے...

صحتِ فہم اللہ تعالی کا وہ نور ہے جس کو وہ بندے کے دل میں ڈالتا ہے اور اس سے وہ صحیح و فاسد، حق و باطل، ہدایت و گمراہی، اور تاریکی و روشنی کے درمیان تمیز کرتا ہے، اور حسنِ قصد، حق کی جستجو، اور ظاہر و باطن میں رب

1214. دیکھئے فهم السلف الصالح للنصوص الشرعية، (ص 16).

سے ڈرنے جیسے اموراس کی مدد کرتے ہیں ،اور وہی نور اس کو خواہشات کی پیروی سے، دنیا کی چاہت سے، لوگوں کی ستائش حاصل کرنے سے اور ترکِ تقوی سے بچاتا ہے)1215.

سلف (اہلِ سنت والجماعت) کی صحتِ فہم کے اسباب:

سلف (اہلِ سنت والجماعت) کی صحتِ فہم کے اسباب میں سے بعض اہم اسباب یہ ہیں1216:

۱- تلقی وکسب کے مصادر کی صحت وسلامتی، ان لوگوں نے دین کو پوری یکسوئی، کامل ایمان اور غایت درجہ کے تسلیم ورضا کے ساتھ حاصل کیا، اسی وجہ سے ان کے افہام صحیح ودرست ہوئے، اس کو ان لوگوں نے دوسری چیزوں پر پیش نہیں کیا اور نہ ان کے افہام خارجی شبہات سے کبھی آشنا ہوئے، کیونکہ ان کے سامنے سے پاکیزہ افہام کو مکدر کرنے والے امور کا کبھی گذر نہیں ہوا۔

۲- فہمِ نصوص میں ان کے منہج کی عمدگی، مشکل محسوس ہونے والے امور کے بارے میں سوال کرنا، اور ان کو سمجھنے کی پوری کوشش کرنا، اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: (صحابہ کے پاس معانی قرآن کی معرفت اس کے حروف کے حفظ سے زیادہ کامل تھی، ان لوگوں نے ان معانی کو تابعین تک پہنچانے کا جو اہتمام کیا وہ ان کے حروف کے پہنچانے سے زیادہ عظیم تھا...)1217.

۳- وہ لوگ سنی گئی باتوں پر عمل کرنے میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے، لیکن عمل کرنا فہم وعلم اور درایت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا ہے، نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے- جو سلفِ صالح کے سردار ہیں- اس صفت کی شہادت دی ہے، آپ فرماتے ہیں: (اللہ تعالی نے مجھ سے پہلے جس بھی قوم کے اندر نبی بھیجا، تو اس قوم سے ان کے کچھ حواری اور اصحاب ہوا کرتے تھے جو ان کی سنت کو اپناتے اور ان کے حکم کی اقتدا کرتے تھے، پھر ان کے بعد جو لوگ پیدا ہوتے وہ جو کہتے اس پر عمل نہیں کرتے، اور وہ کام کرتے جن کو کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا)1218.

۴- ان کا ان صحابۂ کرام- جو کہ سردارانِ سلف ہیں- کی اقتدا کرنا جنہوں نے وحی وتنزیل کا مشاہدہ کیا، اور

1215. إعلام الموقعين، (87/1).

1216. دیکھئے فهم السلف الصالح للنصوص الشرعية، (ص60,49).

1217. مجموع الفتاوى، (353/17).

1218. مسلم، (41/1)، (ح188).

جنہوں نے اپنے بعد والوں کو اس فہم سے نوازا جس میں ان کے سوا ان کا کوئی مشارک نہیں تھا، اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: (صحابہ میں قرآن کی وہ سمجھ پائی جاتی ہے جو اکثر متاخرین پر ظاہر نہیں ہے، اسی طرح سنت اور احوال رسول سے متعلق ان کے پاس ایسی معلومات ہیں جن سے اکثر متاخرین آگاہ نہیں ہیں، ان لوگوں نے وحی اور تنزیل کا مشاہدہ کیا، رسول اللہ ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ان کے اقوال وافعال اور احوال کو جانا جن کی مدد سے وہ آپ ﷺ کی مراد کو سمجھتے ہیں، جن باتوں سے اکثر متاخرین ناواقف ہیں، اسی لئے ان لوگوں نے اجماع یا قیاس سے حکم معلوم کیا جس پر ان کو اعتماد تھا)1219.

1219. مجموع الفتاوی،(200/19).

پانچواں مطلب

اہلِ سنت کے منہج میں ہی نجات ہے

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کے التزام کا سب سے بڑا ثمرہ دنیا وآخرت میں نجات کا حصول ہے:

دنیا میں نجات کا مطلب: انحراف اور زیغ وضلال سے نجات پانا، جہالات وخرافات سے دور رہنا، اوران کے باعث زندگی میں داخل ہونے والی خرابی سے، نفس کے اندر پیدا ہونے والی آلودگی سے اور دیگر مہالک میں واقع ہونے سے محفوظ رہنا ہے۔

آخرت میں نجات پانے کا مطلب: جہنم سے نجات پانا، جنت میں ابرار کے ساتھ جگہ پانا، جہاں صحابۂ اخیار، تابعینِ عظام، اوران کے منہج پر چلنے والے، اوران کے نقشِ پا کی اتباع کرنے والے ہوں گے، جنہوں نے ان کی راہ کو اپنایا اوران کے اعتقاد اوران کے قول وعمل میں ان کی پیروی کی، پس ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے نجات کو اہلِ سنت والجماعت کے منہج کی متابعت پر موقوف رکھا ہے، اور وہ منہج وہی ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، یہ منہج سننِ مرویہ اور آثارِ صحابہ سے حاصل ہوتا ہے جس کی معرفت سب سے زیادہ اہلِ سنت والجماعت کو ہے، کیونکہ وہ اسی کی معرفت میں دن رات مشغول رہتے ہیں اوراسی کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں، برخلاف متکلمین اور متصوفین کے جو نبی ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام کے منہج کی معرفت سے کوسوں دور ہیں، اور وہ اپنے فلسفی نظریات اور صوفی خیالات کی بنا پر اس منہج سے اپنے کو بے نیاز اور مستغنی بتاتے ہیں، ان میں سے بعض لوگوں نے ارث نبوی سے اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کا اعتراف کیا بھی ہے، ان میں سے بعض کی مصنفات میں نظر ڈالیں تو ان میں آپ کو نہ تو کوئی آیت کریمہ نظر آئے گی اور نہ کوئی حدیث شریف اور نہ کسی صحابی کا کوئی اثر نظر آئے گا، جو ان کی علمی بے بضاعتی کی روشن مثال ہے، زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: (اعتصام بالسنّت نجات ہے)1220.

1220. اعتقاد اھل السنۃ، للالکائی، (94/1)، (رقم 136).

اہلِ سنت والجماعت کے منہج میں جو عقیدہ، عبادت، سلوک اور تشریع شامل ہے اس کو انہوں نے کتاب و سنت سے حاصل کیا ہے، وہ ان کی ذات کی طرف سے نہیں ہے، خواہ ان میں سے کوئی اجتہاد اور رائے میں جس مقام پر بھی فائز ہو، وہ کتاب وسنت کی نصوص پر مکمل اعتماد کرتے ہیں، اس بارے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اعتقاد نہ میری طرف سے ہے اور نہ اُس کی طرف سے جو مجھ سے بڑے ہیں، بلکہ اعتقاد اللہ سبحانہ وتعالی سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور سلفِ امت کے اجماع سے حاصل کیا جاتا ہے، اللہ تعالی کی کتاب سے، بخاری ومسلم اور ان جیسی احادیث کی معروف دیگر کتابوں اور سلفِ امت سے ثابت حقائق سے حاصل کیا جاتا ہے) 1221.

اہلِ سنت کا عقیدہ فرقۂ ناجیہ کا عقیدہ ہے، اس لئے کہ وہ صحابہ کے منہج پر قائم رہا ہے، نہ اس سے منحرف ہوا اور نہ اس میں تبدیلی آئی، یہی وہ فرقہ ہے جس کی توصیف نبی ﷺ نے نجات پانے والے فرقہ سے کی ہے، اور بتایا ہے کہ اس کے علاوہ جو فرقے ہیں ان کے لئے جہنم کی وعید ہے، گویا اس کے علاوہ تمام فرقے اس وعید میں داخل ہیں، چنانچہ شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (ان لوگوں کی روایت کے مطابق جنہوں نے اپنی حدیث میں کہا ہے: (تمام کے تمام جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے) 1222، تو وہ حدیث بظاہر وعید کے نفاذ کا تقاضا کرتی ہے، البتہ خلود اور عدم خلود کا مسئلہ مسکوت عنہ ہے ...اس لئے کہ جہنم کی وعید گنہگار مومنین پر بھی عائد ہوتی ہے اور فی الجملہ کفار پر بھی عائد ہوتی ہے، حالانکہ کہ دونوں کے درمیان تخلید اور عدم تخلید میں فرق ہے) 1223.

اہلِ سنت کا یہ مبارک منہج اور ان کا یہ عقیدہ آخرت میں ان کو اللہ تعالی کے عذاب سے نجات دلانے والا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اس عقیدہ کو لازم پکڑا اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا، نیز یہ دنیا میں بھی ان کو نجات دلانے والا ہے، ان کو بدعات وضلالات سے، حیرت واضطراب سے اور شبہات وخرافات سے نجات دلانے والا ہے، پس سنت سفینۂ نجات ہے، جو اس پر سوار ہوا وہ مامون ومحفوظ ہو گیا، اور جس نے اس کو چھوڑا وہ ہلاک و برباد ہو گیا 1224.

جو شخص اہلِ بدعت کی سیرتوں میں غور کرتا ہے وہ پاتا ہے کہ وہ لوگ شکوک و اضطرابات میں اور حیرت وظلمات میں زندگی گذارتے ہیں، ہم اللہ تعالی سے دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کی دعا کرتے ہیں۔

1221. مجموع الفتاوی، (203/3).

1222. ابن ماجۃ، (1322//2)، (ح3993). اور البانی نے اس کو (صحیح سنن ابن ماجۃ)، (308/3)، (ح3242) میں صحیح کہا ہے.

1223. الاعتصام، (476/1).

1224. دیکھئے: نقض المنطق، ابن تیمیۃ (ص48).

چھٹا مطلب

یقین وثبات اہلِ سنت کو حاصل ہے

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کو اختیار کرنے کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ یقین وثبات کا حاصل ہونا ہے یہاں تک کہ موت آجائے، ان کا منہج قلابازیاں کھانا نہیں ہے جیسا کہ اہلِ اہواء کی عادت رہی ہے، اہلِ سنت کا منہج حق پر قائم منہج ہے اور اس کے حاملین اس کو مضبوطی سے تھامے ہوئے اور اس کو اپنے دانتوں سے پکڑے ہوئے ہیں، وہ اپنے اقوال ومعتقدات اور اپنی دعوت پر تمام لوگوں سے زیادہ صبر کرنے والے ہیں، نہ وہ ہمت ہارتے ہیں اور نہ ناموافق حالات کے سامنے گھٹنے ٹیکتے ہیں، بلکہ وہ ان کو مشروع ومباح طریقوں سے افضل و اکمل حالات میں تبدیل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، وہ اللہ تعالی سے اس کے اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں ، اس راہ کی تمام مصیبتوں، تکلیفوں، مصائب وآلام، اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں، بدعت وضلات اور خواہشات کے پجاریوں کے برخلاف جو ایک قول سے دوسرے قول کی طرف اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف قلابازیاں کھاتے رہتے ہیں، کیونکہ وہ صحیح منہج کے مخالف اور اس کے معاند ہیں، اسی چیز نے ان کے اندر شکوک واضطراب اور حیرت واستعجاب کو جنم دیا ہے، اگر وہ لوگ (کتاب وسنت کو لازم پکڑتے تو وہ بھی اسی طرح متفق نظر آتے جس طرح اہلِ سنت وحدیث متفق نظر آتے ہیں، ائمۂ سنت وحدیث کا اپنے دین کے اصول میں اختلاف نہیں ہے)1225.

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (تم اہلِ کلام کو پاؤ گے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ایک قول سے دوسرے قول کی طرف بھاگنے والے ہیں، وہ ایک جگہ ایک قول پر مکمل اعتماد ظاہر کرتے ہیں تو دوسری جگہ اس کے نقیض قول پر اعتماد ظاہر کرتے ہیں اور تیسری جگہ اس کے قائل کی تکفیر کرتے ہیں، اور یہ عدم یقین کی دلیل ہے...

لیکن اہلِ سنت وحدیث میں سے نہ تو کسی عالم کے بارے میں اور نہ عوام میں سے کسی صالح آدمی کے

1225. درء تعارض العقل والنقل، (306/10).

بارے میں یہ معلوم ہے کہ انہوں نے اپنے قول واعتقاد سے رجوع کیا ہو، بلکہ وہ اس پر سب سے زیادہ صبر کرنے والے ہیں، حالانکہ انہیں مختلف نوع کی آزمائشوں سے گذرنا پڑا اور مختلف فتنوں کا سامنا کرنا پڑا، انبیاء اور ان کے اوائل متبعین کو انہی حالات کا سامنا رہا ہے، جیسے کہ اہلِ اخدود وغیرہم ہیں اور جیسے کہ اس امت کے اسلاف صحابہ وتابعین اور دیگر ائمۂ دین ہیں حتی کہ امام مالک کہا کرتے تھے: اس شخص پر فخر نہ کرو جس کو دین کے معاملہ میں آزمائش سے گذرنا نہ پڑا ہو، وہ کہتے تھے: مومن کو اللہ تعالی ضرور آزمائش میں ڈالتا ہے...حاصل یہ کہ: اہلِ سنت وحدیث کے اندر جو استقرار اور ثابت قدمی پائی جاتی ہے وہ اہلِ کلام اور اہلِ فلسفہ کے مقابلہ میں ہزار گنا زیادہ ہے، بلکہ ایک فلسفی اپنے معاملہ میں ایک متکلم کے بالمقابل زیادہ اضطراب وحیرت کا شکار ہوتا ہے) 1226.

اور منہج میں اس ثبات کے اسباب متعدد ہیں اور وہ ہیں:

۱- حق کا ثبات، کیونکہ حق ایک اور ثابت ہوتا ہے وہ بدلتا نہیں ہے۔

۲- وحدتِ مصدر، وہ مصدر جس سے عقائد لئے گئے ہیں ایک ہے اور وہ ہے کتاب وسنت۔

۳- نقل کی سلامتی جس کو اس امت کے عادل سپوتوں نے انجام دیا ہے جن پر اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے نبی ﷺ کی رسالت کو اپنے بعد کے لوگوں کی طرف نقل کرنے کی ذمہ داری عائد کی تھی۔

۴- منہج کا التزام اور اس کا استقرار، اس لئے آپ پائیں گے کہ ''اہلِ سنت'' ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے کوئی خاص جماعت یا کوئی مخصوص گروہ مراد نہیں ہے بلکہ ہر وہ شخص جو اس منہج کی پیروی کرتا ہے وہ اہلِ سنت میں داخل ہے، نیز آپ پائیں گے کہ بعض ایسے بھی لوگ اہلِ سنت کی طرف منسوب ہیں جنہوں نے ایک دوسرے کا زمانہ نہیں پایا، اور اگر معاصرت ثابت ہوئی اور سبھوں کو ایک زمانہ ملا بھی تو ان کا آمنا سامنا نہیں ہوا، ان کے درمیان امر جامع منہج تھا، اس زمانی یا مکانی بُعد کے باوجود آپ ان کے کلام کو ایک پائیں گے، ان کا موقف ایک ہوگا، اور ان کا ثبات بھی یکساں ہوگا۔

اہلِ اہواء اور اہلِ بدعت اس کے برعکس نظر آئیں گے، ان کو آپ بعض مسائل میں متفق اور بیشتر مسائل

1226. مجموع الفتاوی، (51,50/4).

میں مختلف پائیں گے، ان میں سے بعض کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے کلام میں ایسی باتیں ذکر کریں گے جن کا بعض حصہ بعض کا مناقض ہوگا اور بعض بعض کو غلط قرار دیتا ہوگا۔

اہلِ سنت کے ثبات ویقین کے نمونے:

اہلِ سنت کے ثبات کی مبارک مثالوں میں سے ایک امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا خلقِ قرآن کے فتنہ کے دوران کا موقف ہے، آں رحمہ اللہ کو اذیتیں دی گئیں، انہیں کوڑے لگائے اور پابند سلاسل کیا گیا، تاکہ وہ اپنے قول سے اور اپنے برحق اعتقاد سے پھر جائیں، لیکن ان چیزوں نے ان کے صبر وثبات میں اور اضافہ ہی کیا، کیونکہ وہ حق کو جان رہے تھے اس لئے اس پر ثابت رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کے ذریعہ سنت کی حمایت کی اور بدعت کا قلعہ قمع کیا۔

یہی حال شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا تھا جنہوں نے سنت کی حمایت میں، بدعت کی بیخ کنی میں، اور اہلِ باطل کے ساتھ بذریعۂ لسان وسنان معرکہ آرائی میں اپنی زندگی وقف کردی، یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ کی مدد فرمائی، آپ کے ذریعہ دین کی تجدید کی، اور مبتدعہ، اہلِ اہواء اور ملحدین کے حلقوں میں آپ کی دھاک قائم کردی، ثبات ویقین پر دلالت کرنے والے آپ کے اقوال میں سے بعض وہ ہیں جن کو آپ کے شاگرد رشید ابن القیم رحمہ اللہ نے آپ سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: (میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ - قدس اللہ روحہ - کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''دنیا میں ایک جنت ہے جس میں اگر کوئی داخل نہیں ہوا تو وہ آخرت کی جنت میں داخل نہیں ہو پائے گا''۔

اور آپ نے مجھ سے ایک مرتبہ فرمایا: ''میرے دشمن میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ میری جنت اور میرا باغ میرے سینے میں موجود رہتا ہے، میں جہاں بھی جاؤں وہ میرے ساتھ رہتا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی مجھ سے جُدا نہیں ہوتا، میرا قید میرے لئے خلوت ہے، میرا قتل میرے لئے شہادت ہے، اور مجھے شہر بدر کردیا جانا میرے لئے سیاحت ہے''۔

اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے قلعہ میں قید کئے جانے کے دوران کہا تھا: ''اگر میں اس کمرہ کے برابر سونا خرچ کردیتا تو بھی وہ میرے نزدیک اس نعمت (قید) کا شکر ادا کرنے کے برابر نہ ہوتا، یا آپ نے کہا: ''میں ان

لوگوں کو بدلہ نہیں دے پاتا جنہوں نے میرے لئے اس میں خیر کا موقع فراہم کیا ہے"۔

اور جب آپ قلعہ کی طرف بڑھے اور قلعہ کی چہار دیواری میں داخل ہوئے تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے یہ آیت پڑھی: [فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الْعَذَابُ] [الحديد: ١٣]۔(ترجمہ: پھر ان کے اور ان کے (یعنی: مومنین اور منافقین) درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی جس میں دروازہ بھی ہوگا، اس کے اندرونی حصہ میں تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا)۔

اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں نے کسی کو آپ سے بہتر زندگی والا نہیں پایا، باوجودیکہ اس زندگی میں معاش کی تنگی تھی، آسائش و آرام کا فقدان تھا، بلکہ معاملہ برعکس تھا، اور باوجودیکہ اس میں قید و تہدید تھی، پریشر اور دباؤ تھا، پھر بھی ان کی زندگی میں سب سے زیادہ آسودگی تھی، ان کا سینہ سب سے وسیع، ان کا دل سب سے مضبوط، اور ان کی ذات سب سے زیادہ خوش اور مطمئن تھی، ان کے چہرے پر نعمتوں کی چمک ہویدا تھی، اور جب بھی ہم لوگ شدید خوف میں مبتلا ہوتے، طرح طرح کے خیالات کا شکار ہوتے، اور دنیا ہمارے لئے تنگ ہوجاتی تو آپ کے پاس آتے اور جیسے ہی ہم لوگ آپ کو دیکھتے اور آپ کی باتیں سنتے ہمارے حالات یکسر بدل جاتے، ڈر اور خوف انشراح وقوت اور یقین وطمانینت میں تبدیل ہوجاتا، وہ ذات پاک و بے عیب ہے جس نے لقاء سے پہلے ہی اپنے بندوں کو جنت دکھا دیا، اور ان کے لئے دار عمل میں ہی اس کے دروازوں کو کھول دیا، اور ان کے پاس اس کی مہک، اس کی خوشبو، اور اس کے جھونکے آنے لگے، جس کی تلاش میں اور جس کو حاصل کرنے کی کوشش میں انہوں نے اپنی قوتیں جھونک دیں)1227.

اہلِ بدعت کا خاتمہ:

اس اہم بات کی عقدہ کشائی بھی ضروری ہے کہ تاریخِ اسلامی میں غور و فکر کے بعد پتہ چلتا ہے کہ بدعت و خواہشات کے متبعین ہمیشہ زوال پذیر رہے ہیں، بقا و استمرار ان کے نصیب میں نہیں رہا ہے، یہ خوارج، یہ معطلہ، یہ مرجئہ اور دوسرے لوگ کہاں چلے گئے؟ ان کا کوئی وجود نہیں ہے، ایسے لوگ ہمیشہ زوال پذیر اور غیر ثابت رہے ہیں، ان میں سے جو باقی ہیں ان کو آپ نئی شکل وصورت اور نئے انداز و ہیئات میں پائیں گے، وہ اِس فرقہ سے

1227. الوابل الصیب، (ص 67).

کچھ لیں گے اور اُس فرقہ سے کچھ لیں گے تاکہ مذکورہ دونوں فرقوں سے الگ ایک تیسرا فرقہ وجود میں آجائے، گویا ان کو استقرار حاصل نہیں ہے اور نہ ان کے منہج کو ثبات نصیب ہے، اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ وہ گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، نہ ان کے منہج کی کوئی بنیاد ہے اور نہ ان کے نظریات پر کوئی دلیل ہے سوائے ان کے قاصر عقول اور ناقص افہام کے۔

اس کے برخلاف اہلِ سنت کے اصول ثابت غیر متغیر ہیں، ان کے استدلالات قوی اور راسخ ہیں، جن کی تردید کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ منسجم ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ وفا کا مظاہرہ کرتے ہیں جو کہ حق وصدق سے محبت پر مبنی وفا ہوتی ہے، اور یہ انہیں ہمیشہ اپنے عقیدہ کی خاطر جانوں کی قربانی پیش کرنے پر پوری طرح آمادہ وتیار رکھتی ہے۔

نیز آپ ان کے اول کو ان کے آخر کی طرح اور آخر کو ان کے اول کی طرح پائیں گے، وہ اپنی علامتوں سے پہچانے جاتے ہیں، ان کو منہج اکٹھا کرتا ہے اور مقصد یکجا کرتا ہے، ان کے درمیان کی مکانی وزمانی مسافتیں اور دوریاں مفقود نظر آتی ہیں، بُعدِ مکانی اور اختلافِ زمانی کے باوجود وہ ہم مثل دکھائی دیتے ہیں، ان سب کا مرجع منہج کا ثبات اور استقرار ہے، اور ثبات کبھی بھی حق کو ہی نصیب ہوتا ہے، مخلوقات کے سلسلے میں اللہ تعالی کی سنت کا تقاضا ہے کہ وہ بالآخر زوال پذیر ہو، اس کے برعکس حق باقی رہتا ہے خواہ جتنا لمبا عرصہ گذر جائے۔

ساتواں مطلب

حیرت واضطراب سے سلامتی اسی منہج میں ہے

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کے التزام کے ثمرات میں سے ایک شک وحیرت اور اضطراب وضیاع اور اختلاط وتناقض سے دور رہنا ہے جس میں اہلِ کلام اور اہلِ بدعت وضلال واقع ہوتے رہے ہیں، صراطِ مستقیم سے کنارہ کش ورو گرداں ملاحدہ اور دیگر کفار کا کیا پوچھنا جن کی بدبختی وشقاوت کی کوئی انتہا نہیں، وہ تو بدبختی و شقاوت کی اتھاہ گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

حتی کہ اہلِ سنت کے عوام کے پاس جو یقین، حسنِ اعتقاد، طمانینت ورضا، اور حیرت واضطراب سے دوری پائی جاتی ہے وہ علمائے بدعت وضلال اور ماہرینِ اہلِ کلام وغیرہم کے پاس نہیں پائی جاتی، جو اپنے عقائد کو ثابت کرنے میں مضطرب نظر آئے ہیں اور جو خود حیرت میں مبتلا ہوئے اور لوگوں کو حیرت میں ڈالا، خود تھکے اور لوگوں کو تھکایا1228.

اس کی وجہ اہلِ سنت کے منہج کی سلامتی تھی، اہلِ سنت- اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے- ثابت ومستقر اور متوازن منہج پر چلتے ہیں، جو منہج عقل ونقل کو سموئے ہوا ہے، اور جیسا کہ بیان کیا گیا وہ نقل کی عظمت، اس کی قداست، اور اس کی ہیبت کا پورا خیال کرتا ہے، نیز وہ اس عقل کا احترام کرتا ہے جس سے اللہ تعالی نے انسان کو مشرف کیا ہے اور جس کے ذریعہ اس کو دیگر مخلوقات سے ممتاز کیا ہے، یہی وہ راہِ اعتدال ہے جس کو استوار کرنے کی اور جس کے رموز کو واشگاف کرنے کی توفیق اہلِ سنت کو حاصل ہوئی، جب کہ دوسرے لوگ اس مہم میں ناکام ثابت ہوئے، اسی لئے وہ شک وحیرت میں گرفتار ہوگئے، جب کہ اہلِ سنت ثابت قدم رہے اور شک وحیرت اور اضطراب وانتشار سے محفوظ رہے۔

اور اس کے اسباب میں سے یہ ہے کہ- ہم نے صدیاں گذرنے کے بعد بھی- اہلِ سنت میں سے کسی کو نہیں پایا جس نے اپنے موقف سے رجوع وعدول کیا ہو، اور اپنی عمر فائت پر افسوس کا اظہار کیا ہو، اس کے برخلاف دوسروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی سابقہ زندگی پر سخت شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں اور اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ کاش ان کی زندگی مہلت دیتی تو وہ اپنے منہج سے رجوع کر لیتے اور اپنے موقف سے باز آجاتے، اس قسم کی

1228. دیکھئے: نقض المنطق، (ص 41)؛ عقیدۃ أھل السنۃ والجماعۃ، (ص 92).

مثالیں بہت زیادہ ہیں جن میں سے بعض یہ ہے:

ماہرین اہلِ کلام اور نابغین فلسفہ کی حیرانگی واضطراب کی مثالیں:

علم کلام وفلسفہ اور منطق کے ان ماہرین کی حیرانگی واضطراب کی مثالیں درج ذیل ہیں جو ان علوم میں درجۂ کمال تک پہنچے ہوئے تھے مگر ان سے ان کوئی قابلِ ذکر فائدہ حاصل نہیں ہوا:

ا- ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: (مجھ تک متصل اسناد کے ذریعہ ان کے مشہور عالم اور فنِ منطق کی کتاب (کشف الاسرار) کے مصنف ''خونجی'' 1229 کے بارے میں جو کہ ان میں سے بہت سے لوگوں کے نزدیک اس فن میں غایت درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں، یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنی موت کے وقت کہا تھا: میں مر رہا ہوں لیکن مجھے اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ ممکن واجب کا محتاج ہوتا ہے 1230، پھر انہوں نے کہا: افتقار وصفِ عدمی

1229. وہ محمد بن ناماور بن عبدالملک خونجی شافعی، حکمت ومنطق کے عالم، شیخ المتکلمین، اور فارسی الاصل ہیں، (۵۹۰ھ) میں ولادت ہوئی، اس کے بعد مصر منتقل ہوگئے اور منصب قضاء پر فائز ہوئے، انہوں نے (علوم اوائل) میں دسترس حاصل کیا حتی کہ وہ اپنے زمانہ میں اس پر بادشاہت قائم کرلی، ان کی تصنیفات میں سے: (کشف الاسرار عن غوامض الافکار)، اور (الموجز)، اور (مختصر نھایۃ الأ مل فی الجمل) جیسی کتابیں ہیں جو سب کی سب منطق میں ہیں، (۶۴۶ھ) میں قاہرہ کے اندر ان کا انتقال ہوا. دیکھئے: سیر اعلام النبلاء، (271/23). شذرات الذھب، (236/5).

1230. واجب الوجود: کا لفظ نہ تو کتاب میں وارد ہوا ہے اور نہ سنت میں اور نہ سلفِ صالح کے کلام میں، بلکہ یہ اہلِ کلام کی مصطلحات میں سے ہے اور ان اہلِ منطق کی اصطلاح ہے جنہوں نے اللہ کی معرفت کے باب میں اور اس کے وجود اور اس کی ربوبیت کے اثبات میں کتاب وسنت سے اور علم وایمان کے حامل سلفِ امت کی روش سے روگردانی کی، اور اس باب میں محض کلامی قیاسات اور منطقی مقدمات پر اعتماد کیا. دیکھئے: البراھین الاسلامیۃ فی ردالشبھۃ الفارسیۃ، عبداللطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن (41/1).

شیخ ابن عثیمین نے (تقریب التدمریۃ)، (ص26) میں کہا ہے: عقل وحس کے ذریعہ ضرورۃً معلوم ہے کہ ''موجود ممکن'' کا ''واجب الوجود'' موجد ہونا ضروری ہے، ہم محدثات (مخلوقات) کے حدوث کو جانتے اور اس کو محسوس کرتے ہیں، ان کا حدوث بلا محدِث کے ممکن نہیں ہے، اور نہ یہ ممکن ہے کہ وہ آپ سے آپ وجود میں آجائیں، اس لئے کہ اللہ تعالی کا قول ہے: (أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ) [الطور : ۳۵]۔ ترجمہ: کیا یہ بغیر کسی (پیدا کرنے والے) کے خود بخود پیدا ہوگئے ہیں؟ یا یہ خود پیدا کرنے والے ہیں؟۔ پس یہ طے ہوگیا کہ ان کا ''واجب الوجود'' خالق ہے اور وہ اللہ تعالی ہے، معلوم یہ ہوا کہ وجود میں دو طرح کے موجودات ہیں، ایک: ازلی اور واجب الوجود ہے اور دوسرا: محدَث وممکن الوجود اور موجود بغیرہ ہے، ان دونوں کے اسم وجود میں اشتراک سے خصائص وصفات میں اشتراک لازم نہیں آتا، واجب کا وجود اس کے ساتھ خاص ہے اور محدَث کا وجود اس کے ساتھ خاص ہے، لہذا خالق کا وجود: واجب، ازلی، ممتنع الحدوث، ابدی اور ممتنع الزوال ہے، جب کہ مخلوق کا وجود: ممکن، عدم سے وجود میں آنے والا، اور لائق زوال ہے، جو شخص ان دونوں کے درمیان پائے جانے والے وجوہ اتفاق وافتراق کو ثابت نہیں کرتا تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام موجودات یا تو ازلی اور واجب الوجود ہوں، یا پھر محدَث اور غیر کے وجود کے ساتھ اس کا وجود ممکن ہو، اور ان دونوں کا فساد بالاضطرار معلوم ہے۔

ہے، میں مر رہا ہوں اور اس کے سوا میں کچھ نہیں جان سکا)1231.

۲- انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: (اصبہانی ایک روز شیخ ابراہیم جعبری کے پاس پہنچا اور ان سے کہا: میں رات بھر بیدار رہ کر صبح تک توحید پر دلالت کرنے والی ایسی دلیل کے بارے میں سوچتا رہا ہوں جو ہر طرح کے اعتراض سے محفوظ ہو لیکن میں اسے نہیں پا سکا)1232، اور اللہ کی قسم! یہ عین گمراہی ہے، کیسے اس کو توحید کی کوئی دلیل نہیں ملی جب کہ اس کے پاس اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت موجود تھی، اگر وہ ان دونوں کی طرف رجوع کرتا تو اس کو اس کی مطلوبہ چیز مل جاتی، رات کی نیند خراب نہیں ہوتی اور ذہنی پریشانی سے وہ بچ جاتا، کیا اللہ تعالی کا یہ قول: (**وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ**) [الرعد :۱۳] (ترجمہ: اور بجلی کی کڑک اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد و ثنا میں لگے رہتے ہیں)، اسکے ہاتھ پاؤں کو لرزانے اور اس کے وجود میں ارتعاش پیدا کرنے کے لئے یہ کافی نہیں تھا جس سے اس کو اس کی صداقت اور اس کی خبر دینے والے کی صداقت معلوم ہو جاتی، کیا اس کے لئے اللہ تعالی کا یہ قول کافی نہیں تھا: (**وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ**) [الزمر : ٦٧]، (ترجمہ: ساری زمین قیامت کے روز اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے)، کیا اس کے لئے اللہ تعالی کا یہ قول کافی نہیں تھا: (**قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ *قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ**) [الأنعام :٦٣، ٦٤]

(ترجمہ: آپ کہئے کہ تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے کون نجات دیتا ہے، تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، اگر اس نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی، تو اس کے شکر گذار بندوں میں سے ہو جائیں گے، آپ کہئے کہ اللہ ہی تمہیں اس سے اور ہر مصیبت سے نجات دیتا ہے، پھر بھی تم دوسروں کو اس کا شریک بناتے ہو)۔

۳- نیز انہوں نے کہا ہے: (مجھ سے اس شخص نے بیان کیا جس نے واصل الحموی سے پڑھا ہے کہ اس نے

1231. درء تعارض العقل والنقل، (262/3). اور دیکھئے: مجموع الفتاوی، (208/9).

1232. درء تعارض العقل والنقل، (263/3).

کہا ہے: میں رات کوسوتا ہوں، اور اپنی پیٹھ کے بل لیٹتا ہوں، اپنے چہرے پر لحاف ڈال لیتا ہوں، اور رات بھر اِن لوگوں کے دلائل کا اُن لوگوں کے دلائل سے اور اُن لوگوں کے دلائل کا اِن لوگوں کے دلائل سے مقابلہ کراتا ہوں مگر صبح تک مجھ پر کوئی ایک راجح نہیں ہو پاتا، یعنی وہ متکلمین اور فلاسفہ کے دلائل کے بارے میں کہہ رہا ہے)1233

۴- اور یہ ابوعبداللہ محمد بن عمر الرازی ہیں جو علم کلام کے شہسواروں میں سے ایک ہیں، وہ اپنی کتاب ''اقسام اللذات'' میں اپنے اوپر نوحہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے کہتے ہیں:

نِـهَـايَةُ إِقْـدَامِ الـعُـقُـولِ عِقَـالُ — وَغَايَةُ سَعْيِ الْعَالَمِينَ ضَلَالُ
وَأَرْوَاحُنَا فِي وَحْشَةٍ مِنْ جُسُومِنَا — وَحَاصِـلُ دُنْيَانَا أَذًى وَوَبَالُ
وَلَمْ نَسْتَفِدْ مِنْ بَحْثِنَا طُولَ عُمْرِنَا — سِوَى أَنْ جَمَعْنَا فِيهِ قِيلَ وَقَالُوا
وَكَـمْ قَـدْ رَأَيْنَا مِنْ رِجَالٍ وَ دَوْلَةٍ — فَبَادُوا جَمِيعًا مُسْرِعِينَ وَ زَالُوا
وَكَـمْ مِنْ جِبَالٍ قَدْ عَلَتْ شَرُفَاتِهَا — رِجَالٌ، فَزَالُوا وَالْجِبَالُ جِبَالُ

یعنی عقول پر مبنی کوششوں کا آخری انجام بندش رہا اور دنیا والوں کی ساری کوششوں کا ثمرہ ضلالت وگمراہی رہا۔
ہماری روحیں ہمارے جسموں کے اندر ہمیشہ وحشت میں رہیں اور ہماری دنیا کا ماحصل تکلیف وبال کی شکل میں ظاہر ہوا۔

ہم اپنی پوری زندگی میں اپنی فلسفیانہ بحثوں سے قیل وقال کو جمع کرنے کے بجائے اور کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے۔
ہم نے کتنے حکمرانوں اور حکومتوں کو دیکھا ہے جو بہت جلد مٹ گئے اور صفحۂ ہستی سے زائل ہو گئے۔
اور کتنے ہی پہاڑ ہیں جن کی بلند چوٹیوں سے بھی بلند لوگ ہوئے لیکن وہ سب ختم ہو گئے مگر پہاڑ پہاڑ ہی رہے۔

میں نے علم کلام کے تمام طرق اور فلسفہ کے تمام مناہج میں غور کیا، میں نے ان کے اندر ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو بیمار کو شفا دیتی ہو اور پیاسے کو آسودگی عطا کرتی ہو، میں نے سب سے بہترین طریقہ قرآن کا طریقہ پایا، اثبات کے سلسلے میں اس کو پڑھا: **(الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى)** [طه :۵] اور **(إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ**

1233. درءتعارض العقل والنقل،(264,263/3).

الطَّيِّبُ) [فاطر :۱۰]،اورنفی کے سلسلے میں اس کو پڑھا: (**لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ**) [الشوری:۱۱]اور(**وَ لَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا**) [طه: ۱۱۰] پھرانہوں نے کہا: جس نے میری طرح تجربہ کیا اس کو میری معرفت کی طرح معرفت حاصل ہوجائے گی)1234.

۵-اور یہ شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبدالکریم شہرستانی ہیں جواس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے فلاسفہ و متکلمین کے پاس حیرت وشرمندگی کے سوا کچھ نہ پایا، وہ کہتے ہیں:

لَعَمْرِی لَقَدْ طُفْتُ الْمَعَاهِدَ كُلَّهَا　　وَ سَيَّرْتُ طَرْفِي بَيْنَ تِلْكَ الْمَعَالِمِ

فَلَمْ أَرَ إِلَّا وَاضِعًا كَفَّ حَائِرٍ　　عَلَى ذَقَنٍ أَوْ قَارِعًا سِنَّ نَادِمٍ 1235

ہائے رے افسوس! میں نے تمام مراکزعلم کا چکر لگایا اوران معالم واماکن میں اپنی نگاہیں دوڑائیں، مگر میں نے اس کے سوااور کچھ نہ دیکھا ایک شخص حیرانی کے عالم میں اپنی تھوڑی پر ہتھیلی رکھے ہوا ہے یا ندامت میں وہ اپنا دانت کٹکٹارہا ہے۔

٦۔ائمۂ اشاعرہ میں سے ایک ابوالمعالی الجوینی نے کہا ہے:(اے میرے دوستو!تم لوگ علم کلام سے تعلق نہ رکھو،اگر مجھے معلوم ہوتا کہ علم کلام مجھے وہاں پہنچادے گا جہاں اس نے مجھے پہنچایا تو میں ہرگز اس میں مشغول نہ ہوتا.اورانہوں نے اپنی موت کے وقت کہا تھا: میں نے بحرزخار میں غوطہ زنی کی مگراہلِ اسلام سے اوران کے علوم سے دوررہا،اوراس دروازے میں داخل ہوا جس سے ان لوگوں نے مجھے منع کیا تھا،اورآج اگر میرے رب نے اپنی رحمت ومہربانی سے مجھے معاف نہیں کیا تو ابن الجوینی کے لئے ہلاکت ہے،اور میں اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنی ماں کے عقیدے پرمر رہا ہوں، یا یہ کہا: میں نیساپور کی بوڑھیوں کے عقیدہ پرمر رہا ہوں)1236.

۷۔ان اہلِ کلام میں سے جنھوں نے حیرت واضطراب میں واقع ہونے کا کھلا اعتراف کیا ہے ایک ابن

1234. شرح العقیدة الطحاویة،(ص177)؛النبوت،ابن تیمیة(ص90)؛بیان تلبیس الجهمیة،ابن تیمیة،(129/1).

1235. شرح العقیدة الطحاویة ،(ص178) ؛ مجموع الفتاوی ،(73/4) ؛ منهاج السنة النبویة ،(189/5)؛ درء تعارض العقل والنقل،(402/7).

1236. تلبیس ابلیس ،(ص84) ؛ شرح العقیدة الطحاویة ،(ص178) ؛ الفتاوی الکبری ، ابن تیمیة (616/6) ؛ بیان تلبیس الجهمیة،(122/1)؛ مجموع الفتاوی،(73/4).

ابی الحدید معتزلی ہے جس کا شمار بڑے معتزلہ میں ہوتا ہے، وہ علمِ کلام میں غوطہ زنی کے بعد کہتا ہے:

فِيکَ يَا أُغْلُوطَةَ الْفِكْرِ حَارَ أَمْرِی وَانْقَضَى عُمُرِي

سَافَرَتْ فِيکَ الْعُقُولُ فَمَا رَبِحَتْ إِلَّا أَذَي السَّفَرِ

فَلَحَى اللَّهُ الْأُلَى زَعَمُوا أَنَّکَ الْمَعْرُوفُ بِالنَّظَرِ

كَذَبُوا إِنَّ الَّذِی ذَكَرُوا خَارِجٌ عَنْ قُوَّةِ الْبَشَرِ 1237.

اے میری فکری گمراہی! میں تیرے چکر میں پریشان رہا اور تیری تلاش میں نے عمر گذار دی۔

تیرے لئے عقلوں نے پرواز بھرے اور سفریں طے کیا لیکن مشقتِ سفر کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔

ان لوگوں پر اللہ تعالی کی بہت بہت لعنت ہو جو یہ سمجھتے ہیں کہ تو غور وفکر میں معروف ہے

ان لوگوں نے جھوٹ کہا جنہوں نے یہ کہا کہ صحیح فکر انسانی قدرت سے پرے ہے

۸- اور یہ شوکانی رحمہ اللہ ہیں جو عنفوان شباب میں علمِ کلام کے ساتھ مشغول رہے تا کہ وہ کوئی قابل ذکر فائدہ حاصل کرسکیں، لیکن انہیں ناکامی ونامرادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا، جیسا کہ انہوں خود بیان کیا ہے، پھر وہ مذہبِ سلف کی طرف لوٹ آئے، وہ جو حاصل کرسکے اس کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: (میں تمہیں اپنے بارے میں بتا تا ہوں اور تم پر اس بات کو عیاں کرتا ہوں جس کے اندر کل میں واقع تھا، میں زمانۂ طالب علمی میں اور عنفوان شباب میں اس علم سے منسلک رہا جس کو وہ لوگ کبھی علمِ کلام کہتے ہیں اور کبھی اس کو علمِ توحید کا نام دیتے ہیں، اور کبھی علمِ اصولِ دین کے نام سے پکارتے ہیں، میں نے ان کے مختلف گروہوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان سے فائدہ حاصل کرنے اور علمی سرمایہ میں اضافہ کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکامی ونامرادی کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا، یہ ان اسباب میں سے ایک سبب بنا جن اسباب نے مجھے مذہبِ سلف کا گرویدہ بنایا، حالانکہ میں پہلے اسی پر تھا مگر میں نے چاہا کہ اس سے اپنی بصیرت میں کچھ اضافہ کروں اور اس سے کچھ سیکھوں، لیکن میں نے ان مذاہب کے بارے میں یہ جانا:

وَ غَايَةُ مَا حَصَّلتُه من مَبَاحِثِي وَ مِنْ نَظَرِی مِنْ بَعدِ طُولِ التَّدَبُّرِ

1237. ایثار الحق علی الخلق، (ص139)؛ شرح العقیدۃ الطحاویۃ، (ص179)؛ درءتعارض العقل والنقل، (161/1).

هو الوَقْفُ ما بين الطَّرِيقَينِ حيرَةً　فـما عَلـِمَ مَنْ لَمْ يَلْقَ غيـرَ التَّحـَيُّرِ
على أَنَّنِي قَدْ خُضْـتُ منه غِمَارَه　وما قَنَعَتْ نَفْسِي بِغَيرِ التَّبَحُّرِ1238.

میں اپنے طویل بحث وکلام اور فکر وتدبر سے جو کچھ حاصل کر سکا وہ یہی کہ دوراستوں کے بیچ میں متعجب و حیران کھڑا

رہا، اور جس کو اس سے واسطہ نہیں رہا اسے بھی حیرت کے سوا کوئی علم حاصل نہیں ہوا، حالانکہ میں تو اس بحر کے غوطہ خوروں میں سے تھا مگر میرا نفس علم شرعی میں تبحر کے بغیر قانع نہیں ہوسکا۔

ان مذاہب کے ائمہ اور اتباع کے مراجعات کے بعد بھی ہم ایسے لوگوں کو پاتے ہیں جو اسی میں سرگرداں رہنے پر اصرار کرتے ہیں جس میں پہلے ان کے ائمہ سرگرداں تھے، ان لوگوں نے اپنے سابقین سے کوئی عبرت و موعظت حاصل نہیں کیا، حالانکہ یہ مراجعت ان کے باطن کی اچھائی اور نیت کی سچائی کی آئینہ دار ہے۔

پھر بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کو اللہ تعالی نے حق کے ادراک سے اندھا بنادیا ہے جو ہمیشہ اپنے ان ائمہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں جو اپنے قدیم منہج سے باز آچکے ہیں اور سلف کے طریقہ کو اختیار کر چکے ہیں، وہ اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ان ائمہ کی آخری رائے کی شکل میں ظاہر ہوئی، اس کی سب سے بڑی دلیل ان کا اشعری مذہب کو امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا ہے حالانکہ وہ بذاتِ خود مذہب معتزلہ سے رجوع کرنے اور اس سے بری ہونے کا اعلان کر چکے ہیں، وہ کتاب وسنت میں وارد اللہ تعالی کے اسماءِ حسنٰی اور صفاتِ علیا کے اثبات کے سلسلے میں اہلِ سنت کے اس مذہب کو اختیار کر چکے ہیں کہ انہیں اسی طور پر اللہ کے لئے ثابت کیا جائے جو اللہ سبحانہ کے شایان شان ہو، یعنی بلاتحریف اور بلاتعطیل اور بلاتکییف اور بلا تمثیل کے، جس کی علمائے حدیث نے صراحت کی ہے اور جس پر اس امت کے سلف یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رواں دواں تھے، اور اسی کی صراحت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتابوں جیسے کہ ''المقالات، اور الموجز، اور الإبانۃ عن اصول الدیانۃ'' میں کیا ہے، اس کے باوجود بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں جس سے امام اشعری رجوع کر چکے ہیں، اور امام موصوف کی طرف نسبت رکھنے والے

1238. التحف فی مذاھب السلف، (ص75).

بعد کے اکثر لوگ اس کو بھول جاتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں، اس سے زیادہ خباثت اور کیا ہوسکتی ہے، اور اس کے پیچھے کیا ارادہ ہوسکتا ہے؟

کفار کی حیرانگی واضطراب کی مثالیں:

ملاحدہ جیسے کفار کے بارے میں پوچھنا ہی کیا ہے جو شقاوت و بدبختی کی کھائی میں زندگی گذارتے ہیں، ان سے تو امن و ایمان سب کچھ سلب کرلیا گیا ہے، اور ان کے درمیان نفسانی و اعصابی امراض کی کثرت ہے، جن کو جنسی انحراف کی بیماری نے برباد کررکھا ہے، اور جن کے درمیان خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہورہا ہے، نوبت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ بعض ملکوں میں خودکشی کے لئے ہاسپٹل کھولنے پڑرہے ہیں، اور انٹرنیٹ پر ایسے سائٹس دستیاب کرائے جارہے ہیں جن کا کام خودکشی کرنے والے کے لئے خودکشی کے عمل کو آسان بنانا ہے، ان پر ایسے آسان طریقے پیش کئے جاتے ہیں جن کی مدد سے خودکشی کرنے والا آسانی کے ساتھ خودکشی کرسکتا ہے اور اپنے مشکلات سے اور اپنی تکلیف دہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے، جس کو وہ لوگ آرام دہ موت، یا محفوظ موت کا نام دیتے ہیں۔

ان نامور فلاسفہ وملحدین کی حیرت واضطراب کی مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں جن کو لوگ قوم کے قائد اور قدوہ تسلیم کرتے تھے1239:

۱- جرمن کے مشہور فلسفی ''فریڈرک نیتشہ'' اللہ تعالی کا نکار کرنے اور اس پر ایمان لانے کا انکار کرنے کے بعد اپنے داخلی احساسات کو اور اس کے بعد لاحق ہونے والے عذاب وشقاوت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: (میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ انسان ہی ہنسنے والا تنہا حیوان کیوں ہے، اس لئے کہ وہی سخت مصائب وآلام کا سامنا کرتا ہے لہذا اس نے ہنسنے کا طریقہ ایجاد کرلیا ہے)1240.

۲- اور یہ یہودی وجودی ملحد فرانسیسی فلسفی ''جان پول سارٹر'' ہے کہ جب اس نے اللہ کا اور یوم آخرت کا نکار کردیا تو اس کے بعد اس نے زندگی کو اپنے وجودی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی تو اس نے یہی دیکھا کہ پورا

1239. عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ، (ص94).

1240. کواشف زیوف المذاھب الفکریۃ المعاصرۃ، عبدالرحمٰن حسن المیدانی (ص560).

وجود قلق، مصائب، مشاکل اور آلام کے گھیرے میں ہے۔

اس بارے میں اس نے کچھ کہانیاں اور ڈرامے لکھے جن کے اندر اس کے وجودی فلسفے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ (اور جب اس کی موت آئی تو اس کے پاس موجود لوگوں میں سے کسی نے پوچھا: تمہارے مذہب نے تمہاری رہنمائی کس طرف کی؟ تو اس نے ـ سخت افسوس اور شرمندگی کے احساس کے ساتھ کہا: مکمل ناکامی کی طرف)1241.

۳- اور مشہور انگریزی فلسفی ''ھربارٹ سبنسر'' جس کے نظریات کو بہت سے ممالک میں حتی کہ مسلم ممالک میں بھی پڑھایا جاتا ہے، وہ (جب موت سے قریب ہوا تو اس نے اپنی ماضی کی زندگی کا جائزہ لینا شروع کیا تو پایا کہ کچھ ایام تھے جس کو اس نے ادبی شہرت حاصل کرنے میں گذار دیا، زندگی سے وہ کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکا، وہ اپنی زندگی پر ہنسا اور اس کا مذاق اڑایا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ کاش وہ ماضی کے ایام کو خوشگوار اور کامیاب زندگی کے طور پر گذارتا، اور جب اس کے انتقال کا وقت آیا تو اس وقت اسے اس بات کا یقین تھا کہ اس نے اپنی زندگی میں وقت گذاری کے سوا کچھ نہ کیا) 1242.

۴- بدبخت ملحد فلسفی'' آرتھر شوبنھور'' نے جب اللہ تعالی اور یومِ آخرت کا انکار کیا اور آزمائش میں اللہ کی حکمت ہونے کی تردید کی تو اس نے زندگی کی طرف نحوست سے پر نظر سے دیکھا، پس اس نے پایا کہ خوشگوار زندگی یکسر بےکار ہے، اور لوگوں کے مقاصد ناکامی وزوال، بدبختی اور شقاوت کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اور اس کے سیاہ اقوال میں سے ایک یہ ہے: (اگر ہم اس ہنگامہ خیز زندگی میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سارے لوگ اس حاجت وشقاوت کے حصول میں سرگرداں ہیں جن کا زندگی مطالبہ کرتی ہے، اور اسی میں وہ اپنی ساری توانی صرف کرتے ہیں، تاکہ وہ دنیا کے حاجات کو سمیٹ سکیں جن کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور تاکہ وہ اس کے بہت سارے غموں کو مٹا سکیں)1243.

1241. نفس مصدر، (ص359).

1242 مصدر سابق، (ص560,561).

1243. مصدر سابق، (ص561).

یہ لوگ اہلِ سنت والجماعت کے منہج سے اور سلفِ صالح کے سلوک سے کس قدر دور ہیں:

۱- یہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ہیں، جب ان سے رضا کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: (رضا یہ ہے کہ کوئی اپنی حالت کے خلاف تمنا نہ کرے)1244.

۲- اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہے: (میری خوشی تقدیر کے فیصلوں میں رہ گئی ہے، ان سے کہا گیا: آپ کس چیز کی خواہش رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: اللہ عزوجل جس چیز کا فیصلہ کردے)1245.

۳- دقاق نے کہا ہے: (رضا یہ نہیں ہے کہ تم ابتلا وآزمائش کو محسوس نہ کرو، بلکہ رضا یہ ہے کہ تم قضا وفیصلہ پر اعتراض نہ کرو)1246.

ایک اور بات کہہ دینا ضروری ہے کہ: ساری زندگی اور پوری کی پوری دنیا ایک محکم اور مربوط نظام کے تحت چل رہی ہے، اگر اس نظام کے کسی جزء میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے تو سارے اجزاء پر اس کا منفی اثر ہوتا ہے یہی حال انسان کے جسم وفکر اور وجدان کا ہے۔

یہ ایک دائمی حقیقت ہے جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں کہ: اللہ تعالی نے انسان کو اپنی عبادت وبندگی کے لئے پیدا کیا ہے، یہی عبادت اور یہی بندگی اس کی زندگی کو کامیاب بناتی ہے، اس کے وجدان کی حفاظت کرتی ہے، اس کی فکر کو قوت پہنچاتی اور اس کی عقل کی حمایت کرتی ہے، اس لئے کہ وہ اس کی زندگی کو مکمل بناتی ہے، اس میں لذت پیدا کرتی ہے، اس کی قدر وقیمت کو بڑھاتی ہے اور اس کے لئے ایک ہدف مقرر کرتی ہے، لیکن وہ کوئی عام ہدف نہیں ہوتا، اس ہدف کا سرا موت کے بعد تک جاتا ہے، اور اللہ تعالی کے پاس موجود نعمتوں پر یقین رکھنے والا مومن ان کے حصول کی امید سے لبریز ہوجاتا ہے، اور اسے یقین ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے ہدف کو حاصل کرلے گا اور اپنے مقصد کو پالے گا، چنانچہ وہ خوش بختی کی زندگی گذارتا ہے اور خوش بختی کی موت مرتا ہے، اور - ان شاء اللہ - خوش بختی وآشتی کے ساتھ وہ اُٹھایا بھی جائے گا، اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو خوش بختوں میں سے بنائے۔

1244. نور القبس، ابوالمحاسن الیغموری (ص104).

1245. إحیاء علوم الدین، (346/4).

1246. الرسالۃ القشیریۃ، (ص228).

آٹھواں مطلب

دین میں ابتداع واختراع سے سلامتی اسی منہج میں ہے

اہلِ سنت والجماعت کے منہج کے التزام کے ثمرات میں سے ایک دین کے اندر بدعت پیدا کرنے اور نئی باتیں داخل کرنے سے محفوظ رہنا اور بدعت کے دروازے کو بند کرنا ہے، جب کہ مبتدعہ عموماً اپنے لئے ایسے اصول مقرر کرتے اور ان کا التزام کرتے ہیں جن میں اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی صریح مخالفت پائی جاتی ہے، نیز وہ بعض نصوص کی ان کے صحیح مفہوم کے خلاف تاویل کرتے ہیں، انہیں اللہ اور اس کے رسول کی مراد کے برعکس اپنی فاسد مراد کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ وہ ان کی خواہشات اور ان کے پیدا کردہ بدعات کے موافق ہوجائیں، لیکن اس سلسلے میں فہمِ سلف فیصل کی حیثیت رکھتا ہے اور وہی وہ حق ہے جس کے بعد ضلالت کے سوا اور کچھ نہیں ہے 1247.

اہلِ سنت کو اس بات کا پختہ یقین ہے کہ دین بلا کسی نقصان وکمی کے مکمل ہو چکا ہے، اور نبی ﷺ نے اپنی رسالت کو بلا کتمان لوگوں تک پہنچا دیا ہے، بلکہ تبلیغ کے ساتھ آپ نے اپنے عمل کے ذریعہ اس کی تفسیر بھی کردی ہے ،لہذا لوگوں نے آپ سے عبادات ومناسک وغیرہ جیسے امور دین کو اس طور پر حاصل کرلیا جس نے انہیں بدعت ایجاد کرنے اور نئی باتیں پیدا کرنے سے بے نیاز کردیا، اگر ایسا نہ ہوتا تو نبی ﷺ کو ضمناً اس بات کے لئے موردِ الزام ٹھہرایا جاتا- جس سے آپ قطعاً بالکل بری ہیں- کہ آپ نے اللہ کے دین کی تبلیغ میں کوتاہی کیا یا اس کو چھپایا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اور حاصل یہ کہ: جس نے صحابہ وتابعین کے مذاہب اور ان کی تفسیر سے ایسی چیز کی طرف انحراف کیا جو ان کے مذہب کے مخالف ہے تو وہ اس میں غلطی پر ہے، بلکہ وہ مبتدع ہے اگرچہ وہ مجتہد ہو جس کی غلطی کو معاف کردیا گیا ہے)1248.

1247. فہم السلف الصالح للنصوص الشرعیۃ، د.عبداللہ الدمیجی (ص92).

1248. مجموع الفتاوی،(362,361/13).

اہلِ سنت والجماعت کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ وہ ہر زمانے میں پیدا ہونے والی بدعت کا سختی کے ساتھ انکار کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ اپنے دین اور منہج کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، جس دین کو ان کے رب نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور جس کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے جاری فرمایا ہے، اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اس صاف چشمے کو ھوی وابتداع کی آلودگی متاثر نہ کر سکے، چنانچہ جب بھی کوئی بدعت سر اُٹھاتی ہے تو وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اس کے فساد کو بیان کرتے ہیں۔

اہلِ سنت کے منہج میں مسائل کو فرض کرنا اور شبہات کو کھڑا کرنا پھر ان کی تردید کرنا شامل نہیں ہے، جیسا کہ مبتدعہ کا شیوہ رہا ہے، بلکہ وہ صحیح عقیدہ پر لوگوں کی تربیت کرنے اور کتاب وسنت سے کشید کئے ہوئے صاف ستھرے منہج کی وضاحت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، تاکہ لوگوں کے دل اللہ تعالی کی عظمت سے اور کتاب وسنت کی عظمت کے احساس سے لبریز ہو جائے، ان میں دین پر اور منہج اہلِ سنت والجماعت پر فخر کرنے کا جذبہ بیدار ہو جائے، کیونکہ یہی دنیا وآخرت میں فلاح ونجات کا واحد راستہ ہے، اسی کو زہری رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: (سنت کا التزام نجات ہے)1249.

جہاں تک اہلِ بدعت سے مباحثہ کرنے اور ان پر رد کرنے کی بات ہے تو اس کام کو وہ بدعت کی خطرناکی، اس کے انتشار کے خوف اور لوگوں پر اس کے اثرات کے حساب سے انجام دیتے ہیں، ان کا منہج بدعت کی تردید کرنے، اس کا محاصرہ کرنے اور اس کی خطرناکیوں کو بیان کرنے سے تجاوز نہیں کرتا، وہ مزید بدعتوں کو فرض کر کے ان کی تردید شروع نہیں کرتے، کیونکہ یہ لوگوں پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیتا ہے اور ان کے لئے شر کے دروازوں کو کھول دیتا ہے جنہیں بند نہیں کیا جا سکتا1250.

بدعات انہیں معاشروں میں پھیلتے اور رواج پاتے ہیں جن میں سنت کی روشنی ماند پڑ چکی ہوتی ہے، اور بدعت کی سیاہی قبضہ جما چکی ہوتی ہے، اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: (لوگوں کے اوپر کوئی سال نہیں آئے گا جس میں وہ کسی بدعت کو پیدا نہ کریں 1251 اور کسی سنت کو دفن نہ کریں، یہاں تک بدعتیں زندہ

1249. اعتقاد اھل السنۃ، لللا لکائی، (94/1)، (رقم 136).

1250. منہج السلف فی العقیدۃ، د.عبدالرحمٰن المحمود (ص 72).

1251. (**أحدَثُوا**): یعنی: ایجاد کرلیا اور پیدا کرلیا.

ہوجائیں گی اور سنتیں مدفون ہوجائیں گی)1252.

اور عبداللہ بن منازل رحمہ اللہ نے کہا ہے: (جب بھی کوئی شخص اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کو ضائع کرتا ہے تو اللہ تعالی اسے سنتوں کے ضیاع میں مبتلا کردیتا ہے، اور جو بھی سنتوں کے ضیاع میں مبتلا ہوجاتا ہے اس کے بدعتوں میں مبتلا ہونے کا پورا اندیشہ ہوتا ہے)1253.

سنت کی نشر واشاعت، بدعت کے محاصرہ اور اس کے خلاف لڑائی لڑنے میں اہلِ سنت کی دلچسپی کی سب سے بڑی دلیل ان کا اپنے نبی ﷺ کی سنتوں کی تدوین کرنا ہے، انہوں نے اس کی خاطر اتنی زیادہ کتابیں تحریر کیں جن میں نبی ﷺ کی ساری سنتیں سما گئیں، اس عمل کے ذریعہ ان لوگوں نے ضائع ہونے سے ان کی حفاظت کی اور تحریف وتبدیل سے ان کو محفوظ بنایا، جس کے نتیجے میں وہ ہم تک اسی طرح پہنچیں جس طرح وہ ہم سے پہلوں تک صاف ستھری اور روشن حالت میں پہنچی تھیں، جو مومنین کے دلوں کو غذا فراہم کرتی ہیں، ان کی عقلوں کی رہنمائی کرتی ہیں، اور ان کے دلوں میں اللہ کی عبادت کے ان صحیح طریقوں اور محفوظ سنتوں کو زندہ وتابندہ کرتی ہیں جن کو اللہ تعالی نے ان کے لئے پسند کیا ہے، ان کے بعد ایسی چیزیں پیدا کرنے اور ایجاد کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی جن کو اللہ تعالی نے مشروع نہیں کیا ہے۔

1252. اعتقاد اھل السنۃ، للالکائی، (92/1)، (رقم 125).

1253. الاعتصام، (70/1).

نواں مطلب

افتراق اور مذموم اختلاف سے سلامتی اسی منہج میں ہے

چونکہ اہلِ سنت کا منہج اتحاد واتفاق، توحیدِ صفوف اور جمعِ کلمہ کی دعوت دیتا ہے لہذا اس کے التزام کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ گروہ بندی اور مذموم اختلاف سے محفوظ رہنا ہے، جس مرض میں اہلِ اھواء واہلِ بدعات و ضلالات گرفتار رہے ہیں۔

اہلِ سنت کے اتفاق اور اہلِ اھواء کے اختلاف کا سبب:

اہلِ سنت والجماعت کے اتفاق کا سبب: ان لوگوں نے اپنے دین کو کتاب وسنت سے حاصل کیا ہے لہذا وہ خود حق پر اکٹھا ہیں، اور لوگوں کو اس حق پر اکٹھا کرنے کی کوششِ فراواں کرتے ہیں، اس کے برخلاف اہلِ اھواء و بدعات ہیں: جنھوں نے اپنے دین کو معقولات سے اور دلیلِ صحیح سے یکسر خالی عاری اور خواہشات پر مبنی آراء و نظریات سے کشید کیا، جس نے ان کے درمیان افتراق اور عظیم اختلاف کو جنم دیا، اس روایت کے مصداق جس میں آیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: (یہ امت کیسے باہم مختلف ہوجائے گی جب کہ اس کی کتاب ایک ہے، اس کے نبی ایک ہیں، اور اس کا قبلہ ایک ہے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہمانے ان سے کہا: اے امیر المومنین! قرآن ہم لوگوں پر نازل ہوا جسے ہم لوگوں نے پڑھا اور جانا کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوا ہے، اور ہمارے بعد کچھ قومیں ہوں گی جو قرآن کو پڑھیں گی لیکن انہیں معلوم نہ ہوگا کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوا ہے، اس کے بارے میں ہر قوم کی اپنی رائے ہوگی، جب اس میں کسی قوم کی رائے آئے گی تو ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوگا، اور جب اختلاف ہوگا تو پھر قتال ہوگا) 1254.

اسی لئے اہلِ علم میں سے کسی کہنے والے نے کہا ہے: (سلف کے کلام تھوڑے مگر کثیر برکت والے ہوتے

1254. ابو عبید فی فضائل القرآن، (ص 17).

ہیں، جب کہ خلف کے کلام زیادہ مگر قلیل برکت والے ہوتے ہیں)1255، اور اسی قلیل برکتی کے سبب تفرق اور اختلاف مذموم پیدا ہوتا ہے، اور ان تمام چیزوں کی بنیاد کتاب وسنت کی مخالفت اور ان کی برکتوں سے مستفید نہ ہونا ہے۔

اہلِ بدعت کی سب سے بڑی شناخت فرقت واختلاف ہے:

تفرق واختلاف کی مذمت میں وارد کتاب وسنت کے نصوص میں سے بعض درج ذیل ہیں:

اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَ أُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ**) [آل عمران:۱۰۵]

(ترجمہ: اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جو فرقوں میں بٹ گئے، اور ان کے پاس نشانیاں آجانے کے بعد آپس میں اختلاف کیا، اور انہیں کے لئے بڑا عذاب ہے)۔

وجہِ دلالت: اہلِ اھواء اور اہلِ بدعت وضلال کے تفرق واختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان لوگوں نے کتاب وسنت کے بیناتِ واضحات، اور آیاتِ محکمات کو پس پشت ڈال دیا، اس لئے وہ دنیا میں مختلف ومتفرق ہوگئے، اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق قرار پائے۔

۲-اللہ تعالی کا قول ہے: (**إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَ كَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ**) [**الأنعام :۱۵۹**]۔

(ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کیا، اور جماعتوں میں بٹ گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے)۔

وجہِ دلالت: اہلِ سنت والجماعت کے منہج کے التزام کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ اجتماع اور اتفاق ہے، اس کے خلاف جو بھی منہج ہے وہ تفرق واختلاف کا باعث ہے۔

۳-اللہ تعالی کا قول ہے: (**وَ أَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ**) [**الأنعام:۱۵۳**]

1255. شرح العقيدة الطحاوية، (ص73).

(ترجمہ: بے شک یہی میری سیدھی راہ ہے، پس تم لوگ اسی کی پیروی کرو، اور دوسرے طریقوں پر نہ چلو جو تمہیں اس کی سیدھی راہ سے الگ کر دیں، اللہ نے تمہیں ان باتوں کا حکم دیا ہے، تاکہ تم تقوی کی راہ اختیار کرو)۔

وجہِ دلالت: اہلِ سنت والجماعت کے راستوں کے مخالف راستوں کو اختیار کرنا ان پر چلنے والوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور انہیں دائیں بائیں کی طرف پھیر دیتا ہے، اور یہ وہ راستے ہیں جو انہیں جہنم تک پہنچانے والے ہیں۔

۴- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (بے شک اللہ تعالی تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند کرتا ہے...) اور ان میں سے اس کو بیان فرمایا: (اور اس کو کہ تم سب لوگ مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو، اور متفرق نہ ہو...)1256.

وجہِ دلالت: اہلِ تفرق واختلاف نے اللہ کی رسی کو مل کر نہیں تھاما اور نہ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑا، چنانچہ ان کی خواہشات نے انہیں تفرق واختلاف میں ڈال دیا۔

۵- عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (تم لوگ جماعت کو لازم پکڑ لو اور اختلاف سے دور رہو، یقیناً شیطان تنہا آدمی کے ساتھ ہوتا ہے، اور وہ دو آدمی سے دور رہتا ہے، جو شخص جنت کی خوشبو پانا چاہتا ہے وہ جماعت کو لازم پکڑے)1257.

وجہِ دلالت: اس میں مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے کی ترغیب پائی جاتی ہے اور اہلِ فرقت واختلاف کی اتباع سے روکا گیا ہے، اس لئے کہ فرقت ابلیس کی دسیسہ کاری کا نتیجہ ہے۔

۶- اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ جلد ہی بہت سارے اختلافات کو دیکھے گا، پس تم لوگ میری سنت کو اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو اختیار کرنا، اس کو لازم پکڑ لینا اور مضبوطی کے ساتھ اپنے دانتوں سے تھام لینا، لوگوں کے پیدا کردہ امور سے بچنا، کیونکہ ہر پیدا کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے)1258.

1256 اس کی تخریج گذر چکی ہے.

1257. اس کی تخریج گذر چکی ہے.

1258. اس کی تخریج اول کتاب میں گذر چکی ہے.

وجہِ دلالت: سنت کو تھامنے اور اس کو لازم پکڑنے میں مذموم اختلاف وفرقت سے نجات وخلاص ہے، اور جو اہلِ سنت کے منہج کو چھوڑے گا وہ لازماً بہتیرے مذموم اختلافات میں واقع ہوگا، جو کہ اہلِ اھواء واختلاف کی پہچان وشان ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: (اسی لئے فرقہ ناجیہ کو اہلِ سنت والجماعت کے وصف سے موصوف کیا گیا ہے، اور وہ جمہور کی اکثریت اور سوادِ اعظم ہیں۔ جہاں تک دوسرے فرقوں کی بات ہے تو شذوذ وتفرق اور بدعت واھواء والے ہیں، ان میں سے کوئی بھی فرقہ فرقۂ ناجیہ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا چہ جائے کہ وہ اس کے برابر ہو، بلکہ ان میں سے بعض فرقے نہایت قلیل تعداد میں ہو سکتے ہیں، اور ان فرقوں کا شعار کتاب وسنت اور اجماع سے دوری ہے)1259.

1259. مجموع الفتاوی،(346,345/3).

دسواں مطلب

عظیم ثوابوں کا حصول

اہلِ سنت کے منہج کے التزام اور سنتِ نبویہ پر عمل کے ثمرات کثیر اور متنوع ہیں، ان میں سے بعض اہم ثمرات درج ذیل ہیں 1260:

۱۔ اللہ تعالی کی محبت کا حصول:

بندوں کے لئے اللہ کی محبت وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے وہ اپنے بندوں کو سرفراز کرتا ہے، اور بندے کا اپنے رب تعالی سے محبت کے لوازم میں سے ہے کہ وہ رسول ﷺ کی متابعت سے متصف ہو اور اپنے اقوال وافعال اور جملہ احکام میں ظاہراً و باطناً ان کا تابعدار ہو، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (**قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ**) [آل عمران:۳۱]

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے)۔

وجہِ دلالت: آیت کریمہ کے اندر اللہ کی محبت کے وجوب، اس کی علامات، اس کے نتائج اور اس کے ثمرات کو بیان کیا گیا ہے۔

یہ آیت وہ میزان ہے جس سے جانا جاتا ہے کہ کون اللہ سے حقیقی محبت کرتا ہے اور کون صرف اس کا دعوی کرتا ہے، اللہ سبحانہ نے کہا ہے(**إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ**) یعنی: اگر تم اس مرتبۂ عالیہ کا اور اس مقامِ بالا کا جس کے اوپر کوئی مقام نہیں ہے دعوی کرتے ہو، تو جان لو کہ اس میں صرف دعوی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر صداقت کا پایا جانا ضروری ہے، اور صداقت کی علامت اس کے رسول ﷺ کی تمام احوال، تمام اقوال وافعال، اور دین کے اصول وفروع میں ظاہراً و باطناً اتباع کرنا ہے۔

1260. الاهتمام بالسنن النبوية، د.عبد السلام بن برجس آل عبد الكريم (ص 45-59).

جس نے رسول کی اتباع کی اس کا اللہ تعالی سے محبت کا دعوی سچا ہے، اللہ اس سے محبت کرے گا، اس پر رحم فرمائے گا، تمام حرکات وسکنات میں اس کو سیدھی راہ پر قائم رکھے گا، اپنے محبین کے ثواب جیسا ثواب دے گا، اس کے گناہوں کی بخشش فرمائے گا، اوراس کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا۔

جو رسول کی اتباع سے گریز کرے وہ اللہ تعالی سے محبت کرنے والا نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ سے محبت اس کے رسول کی اتباع کو لازم قرار دیتی ہے، جب اتباع موجود نہ ہو تو محبت بھی موجود نہ ہوگی، اس کی عدم موجودگی میں محبت کا دعوی کرنے والا اپنے دعوی میں جھوٹا ہے، اور اگر بالفرض محبت کے وجود کو مان بھی لیا جائے تو وہ اس کی شرط کے بغیر غیر نافع ہوگی۔

اس آیت کے ذریعہ تمام مخلوق کو تولا جا سکتا ہے، اتباع رسول میں ان کا جتنا حصہ ہوگا اسی کے مطابق ان کا ایمان اور اللہ سے ان کی محبت ہوگی، اس میں جتنی کمی ہوگی اتنی ہی ایمان ومحبت میں کمی ہوگی 1261.

۲- نوافل کی محافظت فریضہ کی کمی کو پورا کرتی ہے:

نماز کے اندر سنن نبویہ کی محافظت کے فوائد میں سے ایک وہ ہے جس کا ذکر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آیا ہے جس کو انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: **(إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ النَّاسُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَعْمَالِهِمْ : الصَّلاةُ ، قَالَ : يَقُولُ رَبُّنَا جَلَّ وَ عَزَّ لِمَلائِكَتِهِ - وَهُوَ أَعْلَمُ- انْظُرُوا فِي صَلاةِ عَبْدِي أَتَمَّهَا أَمْ نَقَصَهَا ؛ فَإِنْ كَانَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ لَهُ تَامَّةً ، وَ إِنْ كَانَ انْتَقَصَ مِنْهَا شَيْئاً ؛ قَالَ : انْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ ؟ فَإِنْ كَانَ لَهُ تَطَوُّعٌ ؛ قَالَ : أَتِمُّوا لِعَبْدِي فَرِيضَتَهُ مِنْ تَطَوُّعِهِ ، ثُمَّ تُؤْخَذُ الْأَعْمَالُ عَلَى ذَاكُمْ)**1262.

(یعنی: قیامت کے روز لوگوں سے ان کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کے بارے میں حساب لیا جائے گا،، آپ فرماتے ہیں: ہمارا رب جل وعزا اپنے فرشتوں سے پوچھے گا- حالانکہ وہ زیادہ جانتا ہوگا- کہ میرے بندے کی نماز میں دیکھو کہ اس نے مکمل کیا ہے یا اس میں کمی کی ہے، اگر وہ مکمل ہوگی تو اس کے لئے مکمل

1261. دیکھئے: تفسیر السعدی، (128/1)؛ (965/1).

1262. مسند احمد، (425/2)، (ح9490).

لکھی جائے گی، اور اگر اس میں کچھ کمی ہوگی تو اللہ تعالی فرمائے گا: کیا میرے بندے کے پاس نوافل ہیں؟ اگر اس کے پاس نوافل ہوں گی تو اللہ تعالی فرمائے گا: میرے بندے کے فرائض کو اس کے نوافل سے مکمل کرو، پھر اسی طریقہ پر اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا)۔

وجہِ دلالت: حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر قسم کی نفل نماز کے اندر سنن نبویہ کی محافظت نہایت مفید ہے، ان سے فرائض کی کمی کو پورا کیا جائے گا۔

نیز اس میں سنتِ نبویہ کی فضیلت ومنقبت بھی ہے کہ اس کو اللہ تعالی کی طرف سے مقرر فریضہ کے مقام تک بلند کیا گیا ہے۔

۳- سنت پر عمل کرنے والے کے لئے پچاس صحابی کے ثواب جیسا ثواب ہے:

سنت پر عمل کرنے کے برکات میں سے خاص کر فتنوں کے وقت اور دین کی غربت کے ایام میں ایک وہ ہے جس کا ذکر ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (**إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامَ الصَّبْرِ ، الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ بِمِثْلِ عَمَلِهِ**)1263.

(یعنی: تمہارے پیچھے صبر کے ایام آنے والے ہیں، ان میں صبر کرنا مٹھی میں آگ کے انگارے پکڑنا ہے، ان ایام میں عمل کرنے والے کو اس جیسا عمل کرنے والے پچاس لوگوں کا ثواب ہوگا)۔

اور ایک روایت میں ہے: (**إِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّاماً ، الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ**)۔ کہا گیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے پچاس لوگوں کا ثواب یا ان میں سے پچاس لوگوں کا ثواب؟ آپ نے فرمایا: (نہیں، بلکہ تم لوگوں میں سے پچاس کا ثواب)1264.

وجہِ دلالت: صبر کے ایام میں، فتنوں میں، دین کی غربت کے وقت اور فساد کے زمانہ میں سنتِ نبویہ پر عمل کرنے والوں کے ثواب کی کثرت، حتی کہ پچاس صحابہ کے ثواب تک جا پہنچتا ہے۔

اس حدیث کے اندر صحابہ پر غیر صحابہ کی افضلیت کی دلیل نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ صحبت کی فضیلت کے مقابل کوئی فضیلت نہیں ہے، ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (حدیث: ''ان میں سے ایک عامل کا ثواب تم میں سے پچاس کا ثواب ہے'' صحابہ پر غیر صحابہ کی افضلیت پر دلالت نہیں کرتی ہے، اس لئے کہ فقط ثواب کی زیادتی مطلق افضلیت کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہے، نیز اجر میں تفاضل اس عمل میں مماثلت کی بنا پر ہے، لیکن نبی ﷺ کا مشاہدہ کرنے والے کو اضافی طور پر جو فضیلتِ مشاہدہ حاصل ہے اس میں ان کا کوئی مقابل نہیں ہوسکتا)1265.

۴- فتنہ وفساد میں عبادت کرنا نبی ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی طرح ہے:

فتنوں کے وقت مشروع عبادتوں میں مشغول رہنے کے ثمرات میں سے ایک وہ ہے جو معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (ھرج ''فتنہ وفساد'' میں عبادت میری طرف ہجرت کرنے کی مانند ہے)1266.

وجہِ دلالت: فتنہ کے وقت، لوگوں کے امور کے بگڑنے اور ان کے غفلت میں رہنے کے وقت مشروع عبادت میں مشغول رہنے والے کے اجرِ عظیم کا ذکر ہے حتی کہ وہ نبی ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کا اجر حاصل کر لیتا ہے۔

نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: (یہاں ھرج سے مراد: فتنہ اور لوگوں کے امور کا بگڑ جانا ہے، اور اس میں عبادت کی فضیلت زیادہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ لوگ اس میں عبادت سے غافل اور مشغول ہو جاتے ہیں، چند افراد کو چھوڑ کر کوئی اس کے لئے فارغ نہیں رہتا) 1267 (اور جب فتنہ عام ہو جاتا ہے تو قلوب مشغول ہو جاتے ہیں، اور اس وقت اگر کوئی عبادت کرنے والا عبادت کرتا ہے تو یہ اللہ عزوجل کے ساتھ اس کے دل کے بہت زیادہ مشغول ہونے کی دلیل ہے، اسی لئے اس کا اجر زیادہ ہے)1268.

1265. فتح الباری، (7/7).

1266. مسلم، (1243/2)، (ح7588).

1267. شرح النووی علی صحیح مسلم، (88/18).

1268. کشف المشکل، (ص340).

۵- سنت وہدایت اور خیر کی طرف دعوت دینے والے کے لئے اس کے فاعل جیسا ثواب ہے:

خیر کی طرف دعوت دینے ،لوگوں کو علمِ شرعی کی تعلیم دینے اوران کے نفع کی بات بتانے کے ثمرات میں سے یہ ہے:

أ- جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:(مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ ...)1269.

(یعنی: جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت جاری کی تو اس کو اس سنت کا اور اس کے بعد اس پر عمل کرنے والے کا ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو...)۔

اور ایک روایت میں ہے: **(مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ1270 ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا ، وَلَا يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ ...)1271.**

(یعنی: جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت جاری کی جس پر اس کے بعد عمل کیا گیا، تو اس کے لئے عمل کرنے والے کے مثل ثواب لکھ دیا جاتا ہے، اوران لوگوں کے ثواب میں کوئی کمی بھی نہیں ہوتی ہے...)۔

ب- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(مَنْ دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا ، وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذَلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا)1272.

(یعنی: جس نے ہدایت کی طرف بلایا اس کو اس شخص جیسا ثواب ملے گا جس نے اس کی اتباع کی، اور اس سے اس کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس نے ضلالت کی طرف دعوت دیا تو اس کو اس شخص جیسا گناہ ہوگا جس نے اس کی پیروی کی، اور اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی)۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں: (یہ علم سکھانے ،اس کی طرف بلانے اور خیر و بھلائی کے سارے راستوں کی

1269. مسلم،(1/400)،(ح2398).

1270. **(فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ)** :یعنی: جاری کرنے کے بعد چاہے اس پر عمل اس کی زندگی میں ہو اس کے مرنے کے بعد ہو.

1271. مسلم،(2/1131)،(ح6975).

1272. مسلم،(2/1132)،(ح6980).

طرف دعوت دینے کے سلسلے میں سب سے بڑی دلیل ہے)1273.

اور (یہ سنن کی تبلیغ ، حدیث کی تبلیغ ، اورحق کی تبلیغ کی فضیلت کی طرف ہماری رہنمائی کررہی ہے، اوراس بات کی طرف کہ جس نے دوسرے کوحق وہدایت کی طرف بلایا، اوراس کواس کے سبب فائدہ ہوا، تو اللہ تعالی اس مستفید کواس کے اپنے عمل پراجر دیتا ہے، اور فائدہ پہنچانے والے کو ویسا ہی اجر دیتا ہے جیسا مستفید کو دیتا ہے بغیراس کے کہ عامل ومستفید کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو، بلکہ اللہ تعالی رہنمائی کرنے والے کواپنے فضل واحسان سے ویسا ہی ثواب عطا کرتا ہے جیسا وہ رہنمائی قبول کرنے والے کو دیتا ہے، اوراس سنت کے اوراس حق وہدایت کے اس انسان تک پہنچنے کا یہی سبب رہا ہے جس نے اس پر عمل کیا، اوراس بنا پر ہمارے نبی کریم ﷺ کوان کی امت کے ثوابوں کی مانند ثواب ہوگا ان کی بعثت سے لے کر وقوع قیامت تک کا ثواب، آپ کواول سے لے کر آخر تک پوری امت کے ثواب اتنا ثواب ملے گا، کیونکہ آپ ہی نے لوگوں کوحق وہدایت کی رہنمائی فرمائی، لہذا آپ کو اپنے اعمال کا اجراور آپ کی امت کے اجور اتنا اجر دیا جائے گا، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ تمام لوگوں سے بہتر، سید الخلق ، اورافضل البشر ہیں، اس لئے کہ مختلف عصور وازمان میں آپ کی امت کو جو اجور حاصل ہوں گے وہ اس حق وہدایت کی اتباع کی وجہ سے حاصل ہوں گے جسے لے کر آپ تشریف لائے تھے...

اور رسول اللہ ﷺ کے بعد اس ثواب کے سب سے زیادہ حق دار آپ ﷺ کے اصحابِ کرام ہیں جنہوں نے آپ سے سنتوں کو حاصل کیا، انہیں یاد کیا پھر انہیں اپنے بعد والوں تک پہنچا دیا، ان میں سے ہر ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو یاد کیا، پھر ہر زمانہ میں لوگ اس کوایک دوسرے سے حاصل کرتے رہے اوراس پر عمل کرتے رہے ہیں...

یہی حال ان لوگوں کا ہے جوان کے بعد آئے اور جنہوں نے ان سے سیکھا تھا، پھر لوگوں کواس حق وہدایت کی طرف رہنمائی کی جوان کے ذریعہ پہنچی تھی، ان لوگوں کو بھی ویسا ہی ثواب ملے گا جیسا ہراس شخص کو ملے گا جس نے ان کے سبب یاان کی دعوت کے سبب، یاان کی توجیہ وارشاد کے سبب کسی خیر کا کام کیا ہو)1274.

1273. شرح الزرقانی علی الموطأ، (62/2).

1274. شرح سنن ابی داود، شیخ عبدالمحسن العباد (303/19).